بانی مدیرہ	زیب النساء
مدیر اعلیٰ	مشتاق احمد قریشی
مدیرہ	قیصر آرا
نائب مدیرہ	سعیدہ نثار
مدیر خصوصی	طاہر احمد قریشی
مدیرہ معاونین	جویریہ احمد
	روبینہ احمد

ماہنامہ آنچل کراچی

جلد	38
شمارہ	06
ستمبر	2016

اشتہارات اور دیگر معلومات 0300-8264242

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز
رکن چیمبر آف کامرس

aanchalpk.com
aanchalnovel.com
www.aanchalpk.com/blog
onlinemagazinepk.com/recipes
info@aanchal.com.pk
/women.magazine
/pkwomenmagazine

ابتدائیہ

دانش کدہ

ہمارا آنچل

سلسلہ وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر، جمیل حسن ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

سرورق: مریم ...... آرائش: روز بیوٹی پارلر ..... عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

خط و کتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 ایک از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز ای میل: info@aanchal.com.pk

(روزِ حشر) ہر شخص کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس نے محبت کی ہوگی۔

(سنن ترمذی: 2386)

سرگوشیاں

مدیرہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
ستمبر ۲۰۱۶ء کا آنچل کا حاضر مطالعہ ہے۔

میں دلی طور پر تمام بہنوں کی شکر گزار ہوں جنہوں نے عید کے موقع پر ڈھیروں ڈھیر مبارکباد اور تحائف سے نوازا۔ یہ آپ کی محبت اور آنچل سے آپ کا لگاؤ ہی ہے جو گزشتہ 38 برسوں سے مسلسل بغیر کسی وقفے کے آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہے میں امید کرتی ہوں کہ آپ کا پُرخلوص تعاون اسی طرح جاری رہے گا بہت سی بہنوں نے حجاب کے بارے میں سوال کیا ہے یقیناً یہ ان کا حق ہے ان کے خیال میں حجاب کو اپنے انداز میں منفرد ہونا چاہیے میری اور میری ساتھیوں کی کوشش ہے کہ ہم آپ کی آراء کے مطابق آنچل اور حجاب کو سجا سنوار سکیں آپ کے مشوروں کی روشنی میں ہی ہم قدم بہ قدم آگے بڑھ رہے ہیں۔ الحمدللہ جلد ہی حجاب اپنی اشاعت کا پہلا سال مکمل کرے گا۔

بہنوں سے خصوصاً لکھاری بہنوں سے گزارش ہے کہ آنچل کا آنے والا شمارہ اکتوبر 2016ء ان شاء اللہ عید نمبر ہوگا بہنیں اپنی خصوصی تحریریں جلد از جلد ارسال کردیں۔

تمام محبِ وطن بہنوں کا شکریہ جنہوں نے قیامِ پاکستان کی 69 سالگرہ کے موقع پر اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا اور مبارک سلامت کا تبادلہ کیا یقیناً یہ وطنِ عزیز ہم نے بڑی قربانیوں کے بعد حاصل کیا ہے اس کے حصول کے لیے ہمارے بزرگوں نے اپنے لہو سے چراغ روشن کیے ہمیں ہر طرح سے اس کی حفاظت کرنا ہے آج ہمارے حکمران جس طرح اپنے اپنے مفادات کے لیے دست و گریباں ہیں حیرت ہوتی ہے کہ انہیں قومی و ملکی مفادات سے کہیں زیادہ اپنے ذاتی مفادات اور ان کی فکر رہتی ہے ہر سیاسی لیڈر دوسروں کی ٹانگیں کھینچنے اور اپنی جگہ مضبوط کرنے کے سوا اور کیا کر رہا ہے وطنِ عزیز جو انعامِ الٰہی ہے اس کی حفاظت بھی اللہ ہی کر رہا ہے ورنہ ہمارے سیاست دان تو کب کا اسے بیچ کھاتے دنیا کے کسی بھی شہر میں چلے جائیں وہاں کی صفائی ستھرائی دیکھنے کے قابل ہے ہمارے یہاں ہر طرف کچرے کے ڈھیر نظر آتے ہیں۔ بارش جو چند قطرے ہی بری اس کی تباہ کاری سے شہر کھنڈر بن کے رہ گئے اگر کہیں مسلسل بارش برستی رہتی تو جانے کیا حشر ہوتا ہر سال ہمارے سیاست دانوں کو پتا ہے کہ بارشیں ہوتی ہیں اور ہمارے دریاؤں میں بھارت اپنا سیلابی ریلے کا رخ موڑ دیتا ہے جس سے دریا اپنے کناروں سے ابل پڑتے ہیں ہم ان 69 برسوں میں پانی ذخیرہ کرنے کے بھی قابل نہیں ہوئے ہر سال ہونے والی تباہی بربادی پر آنسو بہانے کے اور کچھ نہیں کرتے الزام تراشی ہمارے سیاسی لیڈروں کا وصف بن چکا ہے۔ اللہ ہماری ہمارے وطنِ عزیز کی حفاظت فرمائے آمین۔

◆◆اس ماہ کے ستارے◆◆

☆ تیری زلف کے سر ہونے تک	اقراء صغیر اپنے سلسلے وار ناول کے سنگ حاضر ہیں۔
☆ ذرا ٹھہر سے کہنا	محبت کی بھاری قیمت چکانے والوں کی کہانی، نادیہ احمد کی زبانی۔
☆ جنجال پورہ	جنجال پورہ کیسے بنا خوشیوں کا گہوارا آپ بھی جانیے سمیرا غزل کے شیریں انداز میں۔
☆ سہاگ کی نشانی	حرفِ اول ایمان کو استحکام بخشتی سیما بنت عاصم کی مختصر دو شہ تحریر۔
☆ مکافاتِ عمل	مکافاتِ عمل کا اظہار کرتی، شمسہ فیصل کی تحریر دلکش پیرائے میں۔
☆ امیدِ صبحِ بہار	مایوسیوں سے امید کے دیپ روشن کرتی سیدہ فرحین جعفری کی منفرد تحریر۔
☆ جماعتوں کے امین	حب الوطنی کے جذبوں سے سرشار فاطمہ شاہین کا خصوصی ناولٹ۔
☆ اچھے گھرانے	معاشرے کی تلخ حقیقت لیے کوثر ناز کا مختصر افسانہ۔
☆ بنتِ حوا	ابنِ آدم کے جال میں پھنسنے والی بنتِ حوا کی کہانی صبا عیشل کی زبانی۔
☆ ہر راہ ادھر کو جاتی ہے	زندگی کی راہ گزر پر حسین ہمسفر کا ساتھ ہو تو ہر راہ سنور جاتی ہے نازیہ جمال کا دلکش ناول۔
☆ اعتماد کی زنجیر	محبت میں اعتماد پیدا کرتی اقبال بانو کی خوبصورت تحریر۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو
قیصر آرا

حمد

لائق حمد تری ذات کہ محمود ہے تُو

لائق سجدہ تری ذات کہ مسجود ہے تُو

انکساری مرا مقسوم کہ بندہ ہوں میں

خود نمائی ترا دستور کہ معبود ہے تُو

بعد اتنا کہ کبھی آنکھ نے دیکھا نہ تجھے

قرب اتنا کہ مری جان میں موجود ہے تُو

ہے وراءِ حدِ تعین سے تری ذاتِ قدیم

کون کہتا ہے کسی سمت میں محدود ہے تُو

حسن پردے میں بھی بے پردہ نظر آتا ہے

اتنا چھپنے پہ بھی منظور ہے مشہود ہے تُو

میری کیا بود کہ معدوم تھا معدوم ہوں میں

تیری کیا شان کہ موجود تھا موجود ہے تُو

ایک اعظم ہی نہیں عاشقِ ناچیز ترا

سب کا مطلوب ہے محبوب ہے مقصود ہے تُو

محمد اعظم چشتی

نعت

مدینے کی حسرت کے قربان جاؤں یہ رحمت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

کہ اس سبز گنبد کا ہر دم تصور عبادت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

منور منور مدینے کے دن ہیں درخشاں درخشاں مدینے کی راتیں

معطر معطر مدینے کی بستی یہ جنت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

طلب کرلیا ہم کو جالی کے آگے ہمارے مقدر جو سوئے تھے جاگے

نبی مکرم کی ہم عاصیوں پر عنایت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

ترے سبز گنبد پہ ہر دم نظر ہے نہ سوزِ الم ہے نہ دردِ جگر ہے

نہ اپنی خبر ہے نہ دل کی خبر ہے یہ راحت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

قبا جارہا ہوں اُحد جارہا ہوں میں اپنے مقدر پہ اترا رہا ہوں

مقدر کی اب اور کیا ہوگی رفعت یہ رفعت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

جہاں سر جھکاتے ہیں آ کر فرشتے وہاں ہم گناہگار کرتے ہیں سجدے

یہ بخشش نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے یہ رحمت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

کرم ان کا دیکھو عطا ان کی دیکھو نظر والو شانِ سخا ان کی دیکھو

ہے بہزاد کو ہر گھڑی یادِ بطحا یہ رحمت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

حضرت بہزاد لکھنوی

editor_aa@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

درجواب آں

مدیرہ

مصنفین سے گزارش

ماہنامہ آنچل کی جانب سے تمام مصنفین اور خاص کرنو آموز سے درخواست ہے کہ سوشل میڈیا' آن لائن بلاگ' آن لائن میگزین اور دیگر آن لائن ویب میگزین پر شائع ہونے والی اپنی تحریر ونگارشات آنچل کے لیے ارسال مت کریں کیونکہ وہاں شائع ہونے کی صورت میں یہاں تحریر قابل قبول نہیں ہوگی۔ امید ہے تمام قاری بہنیں اور مصنفین تعاون کرتے ہوئے ہمیں شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گی۔

صائمہ اکرم چوہدری...... کراچی

عزیزی صائمہ! جیتی رہو آپ کے والد محترم کی رحلت کے متعلق جان کر بے حد افسوس ہوا۔ باپ جیسی عظیم ہستی کا سایہ سر سے اٹھ جانا ایک بہت بڑا سانحہ ہے۔ جس نے زندگی میں انگلی تھام کر پاؤں پاؤں چلنا سکھایا ہو وہی مخلص زندگی کی راہوں میں ہاتھ چھڑا کر ملک راہی عدم ہوجائے تو اس سے بڑا کوئی غم نہیں ہوتا لیکن پیاری بہنا موت بھی ایک اٹل حقیقت ہے جو بھی اس فانی دنیا میں آیا ہے اسے اپنے خالق حقیقی کی طرف لوٹ کر بھی جانا ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کے والد محترم کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرما کر انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ سمیت دیگر اہل خانہ کو صبر وہمت عطا کرے آمین۔

رفاقت جاوید...... اسلام آباد

پیاری بہنا! سدا خوش رہو یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ کی تحریر کردہ کہانیوں کو اب ٹی وی اسکرین پر بھی ڈرامے کی صورت دیکھا جاسکتا ہے۔ نجی چینل سے آپ کے ڈرامے کے آن ائر ہونے کی خبر سن کر بے حد خوشی ہوئی' اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو مزید کامیابیاں عطا کرے۔

سمیرا شریف طور...... گوجرانوالہ

ڈیئر سمیرا! سدا شاد رہو یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ بھی ماں جیسے عظیم مرتبہ پر فائز ہوگئی ہیں۔ ممتا کے ان جذبوں سے ہمکنار ہونے کے بعد ہی زندگی کی اصل رونقوں اور خوشیوں کا ادراک ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ گورنمنٹ جاب کے حصول میں کامیابی پر بھی آپ کو ڈھیروں مبارک باد۔ اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کو اسی طرح زندگی کی بہت سی بہاریں دیکھنا نصیب فرمائے آمین۔

رضوانہ پرنس...... کراچی

ڈیئر رضوانہ! جیتی رہیں آپ کے بھائی کی رحلت کا جان کر بے حد افسوس ہوا۔ بے شک اپنے پیاروں سے دائمی جدائی کا یہ لمحہ نہایت تکلیف دہ اور اذیت ناک ہوتا ہے لیکن یہی دستور زمانہ ہے کہ "موت سے کس کو رستگاری ہے" آزمائش کے ان لمحات میں اللہ سبحان وتعالیٰ آپ اور دیگر اہل خانہ کو صبر واستقامت عطا فرمائے اور مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے آمین۔

تحسین انجم انصاری...... اسلام آباد

عزیزی تحسین! جیتی رہو طویل عرصے بعد آپ سے نصف ملاقات بے حد اچھی لگی' ہمارے اور آپ کے اس دیرینہ تعلق لفظوں کی ضرورت نہیں ہمارا رشتہ کاغذ وقلم کا محتاج نہیں ہے۔ آپ ہماری اچھی لکھاریوں میں شمار ہوتی ہیں آپ کی تحریریں ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ ماہنامہ حجاب میں لکھنا چاہتی ہیں بے حد خوش آئند ہے جلد ہی اپنا افسانہ و دیگر تحاریر ارسال کردیں جلد لگانے کی بھرپور کوشش کریں گے۔ امید ہے آئندہ بھی شب وروز کی ان مصروف گھڑیوں میں سے چند پل ہمارے نام کرتی رہیں گی' دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

کوثر خالد...... جڑانوالہ

ڈیئر کوثر! سدا سلامت رہیں' ابتدا میں سجے دونوں ہی اشعار آپ کے پُرخلوص جذبوں کی ترجمانی کررہے تھے پھر بھلا کیونکر نہ ہمیں بھاتے' بہت پسند آئے۔ پیغام کو اس بار شامل کرلیا گیا ہے البتہ تصویر سے آپ کی ہم تو فیض یاب ہوئے اور دیدار کا شرف حاصل کرپائے البتہ قارئین محروم رہ گئے اس بات کا افسوس کیونکہ تصویر اسکین نہ ہوسکی۔ عید ہماری بھی اچھی گزر گئی جناب اب تو آنے والی عید کی تیاریاں پکڑیں۔ آپ کے تمام حال احوال ہم آپ کے کہنے سے پہلے ہی از بر کرچکے اور پڑھ کر لطف اندوز بھی ہوئے آپ کے

بے ساختہ انداز بیاں پر۔ اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کی بیٹی کو نیک وصالح رشتہ عطا فرمائے' آپ کا شعری تعارف جلد لگانے کی کوشش کریں گے۔

حرا قریشی...... بلال کالونی' ملتان

عزیزی حرا! شاد وآباد رہو آپ سے یوں نصف ملاقات بہت اچھی لگی' آپ کا اب قلم نہایت برق رفتاری سے منزل کی جانب گامزن ہے وہ کہتے ہیں ناں کہ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں سو کمندیں ڈالتی رہیں پس وپیش کیسی۔ آپ کی تمام تحریریں ہمارے پاس محفوظ ہیں اور اب بھی آپ کا شمار بہترین اور پسندیدہ لکھنے والوں میں ہے جن کے الفاظ کو سراہنا پسند کرنا ہمارے قارئین کا محبوب مشغلہ ہے۔ عیدالاضحیٰ والی تحریر جلد لگ جائے گی باقیوں کے لیے انتظار کے لمحوں سے گزرنا پڑے گا بہرحال اس انتظار کا بھی اپنا ایک مزہ ہے سو انتظار کے ساتھ مزید رابطے استوار کرتے اپنا ناول بھی لکھ لیجیے' اللہ سبحان وتعالیٰ پیاری حرا کے قلم میں مزید روانی اور جولانی عطا فرمائے آمین۔

یاسمین نشاط اختر...... لاہور

ڈیئر یاسمین! جگ جگ جیو آپ کی تحریر موصول ہوگئی ہے جلد اشاعت کی کوشش کریں گے ابھی دل تھام کر انتظار کی گھڑیاں گنتی جائیں البتہ نگہت عبداللہ تک آپ کا سلام پہنچادیا گیا ہے جواب کے ساتھ آپ کی غیر حاضری کی وجہ دریافت کی ہے دعا گو ہیں کہ آپ کا سفر بھی اچھا رہے اور سرجری بھی کامیاب رہے' اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو صحت کاملہ وعاجلہ عطا فرمائے آمین۔

عائشہ اختر بٹ...... سرگودھا

ڈیئر عائشہ! سدا مسکراؤ' آپ کے بدلے حالات اور تعلیمی سلسلے کے متعلق جان کر بے حد اچھا لگا۔ اتنی شدید بیماری کے باوجود بھی امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کرنے پر مبارک باد۔ بہرحال اس بیماری سے آپ کے لیے اتنا تو ہوا کہ اپنوں کے لیے جو دوری اور بیگانگی رویوں میں پیدا ہوئی وہ سب دور ہوگئی انہیں آپ کی اہمیت اور آپ کو ان کی محبت کا بخوبی ادراک ہوگیا اسی لیے تو کہتے ہیں کہ بعض مرتبہ محبت وچاہت کا اظہار لفظوں اور رویوں میں لازمی ہوجاتا ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کے والدین کا سایہ آپ کے سر پہ سلامت رکھے' آپ کے انداز تحریر سے آنے والی

[illegible] تحریر کی [illegible] بخوبی ہو رہا ہے اور تعارف میں بھی یہ شوخی وشگفتگی اس بات کی گواہ ہے کہ آپ بہتر سے بہترین کے سفر کی جانب گامزن ہیں' تحریر پڑھ کر جلد اپنی رائے سے آگاہ کردیں گے۔

مہرین رانی...... نامعلوم

ڈیئر مہرین! جیتی رہو بزم آنچل میں پہلی بار شرکت پر خوش آمدید۔ آپ کی غزل موصول ہوگئی ہے لیکن آپ نے خط کے ساتھ ہی سب لکھ ڈالا اور یہ شاعری متعلقہ شعبے تک پہنچانے میں ناکام ہیں۔ آئندہ اس بات کا خیال رکھیے گا ہر سلسلہ کے لیے علیحدہ صفحے کا استعمال کریں تاکہ متعلقہ شعبے تک باآسانی پہنچایا جاسکے۔ آپ کہانی ارسال کردیں اگر معیاری ہوئی تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

لائبہ میر...... حضرو

ڈیئر لائبہ! سدا مسکراؤ' آپ کی خوشی کے متعلق جان کر بے حد اچھا لگا' طویل انتظار کے بعد اپنا نام صفحہ قرطاس پر جگمگاتا دیکھنا یقیناً آپ کے لیے باعث مسرت ہوگا۔ کوشش بھی یہی ہوتی ہے کہ دیر سویر نہ ہو اور آپ بہنوں کی شرکت کو جلد از جلد یقینی بنایا جاسکے۔

صنم اشرف...... رندھیر باگڑیاں

عزیزی صنم! سدا شاد رہو آپ کا خط موصول ہوا تو جواب بھی حاضر ہے اس سے پہلے ہمیں آپ کا کوئی خط موصول ہی نہیں ہوا تو جواب کیسے اور کیونکر دے پاتے۔ اتنی مایوسی ودل گرفتی اچھی نہیں' آپ کی دوست کو سال گرہ کی ڈھیروں مبارک باد۔

طیبہ نذیر...... شادیوال گجرات

ڈیئر طیبہ! سدا سہاگن رہو آپ کی جانب سے یہ خوش خبری جان کر بہت اچھا لگا کہ آپ بھی والد کا انگنا سونا کرکے پیا دیس رخصت ہونے والی ہیں۔ والدین کے لیے جہاں یہ لمحات بہت سی خوشیاں لاتے ہیں وہیں گھر کی رونق دوسروں کے سپرد کرتے ان کی آنکھیں بھی نم ہوجاتی ہیں۔ دل افسردہ' آنکھوں میں نمی لبوں پر دعائیں غرض ماں باپ کی عجیب ہی کیفیت ہوتی ہے۔ ہماری جانب سے بھی آپ کو نئی زندگی کی شروعات پر بے حد مبارک باد۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو اپنے ہمسفر کے سنگ زندگی کی ڈھیروں خوشیاں نصیب فرمائے۔ شادی کے بعد زندگی کی نئی بہاروں کے ساتھ آنچل کی محفل

میں ضرور شرکت کیجیے گا اور شادی کا احوال بھی چاہیں تو لکھ کر
ارسال کردیں' پذیرائی ضرور ملے گی۔

ایمن علی...... ساہیوال

ڈیئر ایمن! آبادرہو آپ نے خط کے ذریعے اپنی سال گرہ کا احوال جس خوب صورتی سے قلم بند کیا پڑھ کر اچھا لگا اور پھر اس سال گرہ کے موقع پر ایک سرپرائز گفٹ آنچل نے بھی آپ کو فراہم کردیا آپ کی تحریر کی سلیکشن کی صورت میں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آئندہ بھی وہ آپ کو بہت سی خوشیاں و کامیابیاں عطا فرمائے' آمین۔ آپ کی تحریر کے لیے کوشش کریں گے کہ جلد از جلد شامل کرسکیں' اتنی خوشی کے بعد تھوڑا سا انتظار تو آپ کر ہی لیں۔

شازیہ اختر شازی...... نور پور

ڈیئر شازیہ! سدا جیتی رہو آپ کا شکوہ بجا ہے لیکن مجبوری یہ ہے کہ دوست کا پیغام سلسلے کے لیے ہر ماہ کثیر تعداد میں پیغامات وصول ہوتے ہیں۔ ہم چاہ کر بھی صفحات کی کمیابی کی بناء پر سارے پیغامات شامل نہیں کرسکتے اسی بناء پر پہلے آنے والوں کو جگہ مل جاتی ہے تاخیر سے موصول ہونے والے پیغام آئندہ شامل کرلیے جاتے ہیں' کوشش کریں گے کہ آپ کا پیغام بھی شامل کرپائیں۔

سمعیہ رانی......ملتان

ڈیئر سمعیہ! سدا جیو طویل عرصے بعد آپ نے بھی خاموشی کا قفل توڑ کر بزم آنچل میں شرکت کی بے حد خوشی ہوئی اور یہ جان کر اچھا لگا کہ آپ کے سسرال والے بھی علم و ادب سے شغف رکھنے والے اور کتابوں کے قدر دان ہیں۔ بے شک انسان مطالعہ اور مشاہدے سے بہت کچھ سیکھتا ہے' آپ نے آج ہمت کرکے شرکت کی تو جواب بھی آپ کو دیا گیا امید ہے آئندہ اس طرح کے خدشات کو نکال کر شرکت کرتی رہیں گی' دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

انیلا طالب...... گوجرانوالہ

ڈیئر انیلا! سدا آباد رہو' آپ کے مفصل خط کے ذریعے یہ اندازہ ضرور ہوگیا کہ آپ اپنے وطن کی خیر خواہ اور حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ہیں اور اللہ سبحان و تعالیٰ نے آپ کو جو صلاحیتیں عطا کی ہیں ان کو بروئے کار لانے کی بھرپور سعی کرتی ہیں بے شک اچھائی اور نیکی کے لیے اٹھایا جانے والا کوئی بھی قدم چھوٹا یا معمولی نہیں ہوتا اس لحاظ سے آپ کا کام بھی قابلِ تحسین ہے۔ قسط وار ناول ارسال کرنے سے پہلے اپنا افسانہ یا ناولٹ ارسال کردیں کیونکہ قسط وار کے لیے فی الحال گنجائش نہیں اگر افسانہ بھیج دیں گی تو انداز تحریر میں پختگی کا بھی علم ہوجائے گا اور جلد شامل بھی کرلیا جائے گا' امید ہے تعاون کریں گی۔

حرا قریشی...... حیدر آباد

عزیزی حرا! جگ جگ جیو' آپ سے نصف ملاقات بہت اچھی لگی' شب و روز کی ان مصروف گھڑیوں میں ہر کوئی فرصت کی عدم دستیابی کا شکار نظر آتا ہے پھر بھی آپ نے چند پل نکال کر ہمارے نام کیے بے حد خوشی ہوئی۔ اپنی تحریر میں جہاں بہتری کی گنجائش ہو اور دیگر کمی پوری کرکے حجاب کے لیے بھیج دیں پڑھ کر اپنی رائے سے آگاہ کردیں گے۔ امید ہے آنچل کے لیے بھی آپ کا قلمی تعاون برقرار رہے گا۔

ماورا بشارت چیمہ...... گوجرانوالہ

عزیزی ماورا! سدا خوش رہو "عشق ست رنگی" کے عنوان سے آپ کی تحریر موصول ہوئی۔ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے لیکن اس تحریر میں کچھ جگہوں پر انداز تحریر کمزور ہے آپ اپنا مطالعہ وسیع کریں' مزید بہتر لکھنے میں مدد ملے گی۔ بہرحال آپ کی یہ تحریر کانٹ چھانٹ کے بعد جلد آنچل یا حجاب کے صفحات کی زینت بن جائے گی' اس کامیابی پر ڈھیروں مبارک باد۔

سدرہ فریال...... میانوالی

عزیزی سدرہ! خوش رہو' آپ کی جانب سے تحریر "عادی" موصول ہوئی' طوالت میں الجھ کر روانی و شگفتگی متاثر ہورہی ہے۔ اس کے برعکس آپ کا افسانہ زیادہ متاثر کن تھا بہرحال قابلِ قبول ہے لیکن مزید محنت کو اپنا شعار بناتے موضوع کے انتخاب میں احتیاط کیجیے وہ کہتے ہیں ناں کہ......

اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی وصل کی راحت کے سوا

تو کسی اور دکھ کو کسی اور راحت کو مختص قلم کیجیے اس سے آپ کی تحریر میں انفرادیت کا عنصر بھی نمایاں ہوگا' امید ہے کوشش جاری رکھیں گی۔

راشدہ علی......آٹک

ڈیئر راشدہ! سدا آباد رہو' آپ کی تمام تحریریں ہمارے پاس محفوظ ہیں اور قبولیت کا درجہ حاصل کرنے میں کامیاب

ٹھہری ہیں۔ عید نمبر کے حوالے سے جو تحریر ہے "تیرے ساتھ چلنا ہے" یہ جلد لگ جائے گی البتہ آپ کی دیگر تحریریں گاہے بگاہے شامل کرتے رہیں گے۔ اگست کے حوالے سے آپ کی تحریر آئندہ کے لیے محفوظ کرلی گئی ہے اس لیے تھوڑا انتظار تو کرنا پڑے گا۔

یمنیٰ اختر ...... نامعلوم

ڈیئر یمنیٰ! سدا مسکراؤ' بذریعہ ای میل آپ کی تحریر "تیری خوشیوں سے سارا گھر مہکا" موصول ہوئی ہماری جانب سے قبولیت کا درجہ بھی حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہری لیکن اس کے باوجود بھی شاملِ اشاعت نہ ہوسکی کہ یہ سوشل میڈیا کی زینت پہلے ہی بن چکی ہے۔ اب پڑھنے والوں کے لیے وہ دلکشی اور دلچسپی برقرار نہ رکھ پائے گی لہٰذا گزارش ہے کہ اس طرح کی کہانیاں ارسال مت کریں ایک تحریر کو صرف ایک جگہ تک ہی مختص رکھیں۔

چندا چوہدری ...... حویلیاں

پیاری چندا! سدا سکھی رہو ہمارے حال احوال سب بخیر ہیں' سوال بلا تمہید تھا سو جواب بھی بنا تمہید کے عرض ہے کہ آپ کے رنگ رنگیلے مرغیوں کی دڑبے میں نہیں بلکہ ہماری دراز میں محو استراحت ہیں کیوں انہیں تنگ کرکے خواب خرگوش سے بیدار کرنا چاہتی ہیں۔ ویسے قید و بند کی اصطلاح بھی خوب رہی' آپ کے لیے مفید مشورہ یہی ہے کہ آپ اسی طنز و مزاح کے انداز میں قلم آزمائی کریں کیونکہ بے شک اس صنف میں قلم آزمائی ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ آپ کی نظمیں غزلیں جلد شامل کردیں گے۔ آپ کا منتخب کردہ شعر واقعی بہت پسند آیا' بہرحال کہانی کے لیے مایوس مت ہوں آپ کی تحریر جلد لگ جائے گی۔

سمیرا محمد رفیق ...... نامعلوم

ڈیئر سمیرا! سدا جیو' آپ کی تحریر منتخب ہوئی تو اس کے لیے شکریہ کی ضرورت نہیں کیونکہ اچھی اور معیاری چیز کو رد کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ مسلسل لکھنا چاہتی ہیں اچھی بات ہے اس سے آپ کے لکھنے کے فن کو مزید جلا ملے گی۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو دین و دنیا کے تمام امتحانات میں کامیابی عطا فرمائے آمین۔ آپ کی تحریر جلد لگ جائے گی۔

مہوش فاطمہ بٹ ...... دینہ' جہلم

ڈیئر مہوش! سدا خوش رہو' آپ کے کزن کی رحلت کا جان کر بے حد افسوس ہوا۔ اللہ سبحان و تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور دیگر لواحقین کو صبر و استقامت سے نوازے' آمین۔ قارئین سے بھی دعائے مغفرت کے ملتمس ہیں آنچل کی پسندیدگی کا شکریہ۔

سونیا نورین گل ...... دندہ شاہ بلاول

ڈیئر سونیا! سدا خوش رہو' آپ کے خط کے ذریعے والد کی رحلت کا جان کر بے حد دکھ ہوا۔ بے شک والدین کا سایہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے اور جو اس سائے سے محروم ہو جاتے ہیں وہ زمانے کی کڑی دھوپ میں آجاتے ہیں۔ باپ جیسی مشفق و مہربان ہستی کی دائمی جدائی آپ اور دیگر اہل خانہ کے لیے کٹھن مرحلہ ہے۔ اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کے والد محترم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ سمیت دیگر لواحقین کو صبر و ہمت عطا کرے آمین۔

سدرہ شاہین ...... نامعلوم

ڈیئر سدرہ! جگ جگ جیو' آپ سے نصف ملاقات بہت اچھی لگی' اس مختصر سے خط سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اپنے وطن سے آپ کو والہانہ محبت و الفت ہے۔ وہ کہتے ہیں ناں "چاہا ہے اسی رنگ میں لیلائے وطن کو تڑپا ہے اسی طور دل کی اس کی لگن میں" آپ کی لگن تڑپ و پُرخلوص جذبات قابل قدر ہیں۔ آج ایسے سچے محب الوطن لوگوں کی ہی ہمارے ارض وطن کو ضرورت ہے۔ اے کاش کہ ہم پاکستان کے حصول کے اصل مقصد کو سمجھ سکیں اور اسے ایک اسلامی ریاست بنا سکیں۔ جشن آزادی کی ڈھیروں مبارک باد' پرچے کی پسندیدگی پر مشکور ہیں۔

ریحانہ آفتاب ...... کراچی

ڈیئر ریحانہ! سدا سہاگن رہو' آپ کا شکوہ بجا ہے کہ آپ کو انتظار کی زحمت بے حد کلفت میں مبتلا کردیتی ہے اسی شکوہ و شکایت کے ازالے کے لیے حجاب کا اجراء کیا تھا اور کوشش بھی قائم و دائم ہے کہ بہنوں کو تاخیر کا گلہ نہ رہے لیکن پھر بھی ایسے کاموں میں دیر سویر تو ہوتی ہی رہتی ہے۔ آپ کی دونوں تحریریں کمپوزنگ کے مراحل سے گزر چکی ہیں ان شاء اللہ جلد صفحات کی زینت بن جائیں گی' عید نمبر والی تحریر شامل ہوجائے گی اس لیے خفگی دور کرلیجیے۔

مریم بنت ارشاد ...... رحیم یار خان

عزیزی مریم! سدا مسکراؤ' یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ

ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب

اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں

ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر L-5/79 ڈاکخانہ L.5/78 تحصیل و ضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر: 03225494228

ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے اور آپ نے اپنے تحریری سفر کا آغاز کردیا ہے جب سفر کا آغاز کرچکی ہیں تو ان شاء اللہ کامیابی وکامرانی آپ کا مقدر بنے گی۔ آپ کے خط کا جواب حاضر ہے آپ کی تحریر قبولیت کا درجہ حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہریں ان شاء اللہ جلد آنچل یا حجاب کی زینت بن جائیں گی۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو بہت سی کامیابیاں عطا فرمائے آمین۔

مونا شاہ قریشی...... کبیر والہ

ڈیئر مونا! جگ جگ جیو کشمیر کے انتہائی مخدوش حالات پر آپ کے جذبات قابل قدر ہیں واقعی ہر محب وطن کا سینہ فگار اور آنکھیں اشکوں سے لبریز ہیں ایسے میں جو دوستی اور سمجھوتے کی بات کرتے ہیں ان کے لیے یہ باتیں انتہائی شرمناک اور قابلِ اعتراض ہیں۔ ویسے بھی قرآن پاک میں انہی کفار کے لیے صریح دشمن کے الفاظ کا استعمال ہوا ہے تو جسے رب نے آپ کے لیے دشمن قرار دیا ہے اس سے دوستی کی امید کیسے اور کیونکر کی جاسکتی ہے آپ کا کہنا بالکل بجا ہے کہ حکومت صرف خاموش تماشائی کا کردار ادا کررہی ہے آپ کے بلند حوصلوں اور عزائم کے متعلق جان کر بے حد خوشی ہوئی۔ آج کل ہر کسی میں ایسے بلند عزائم اور جرأت کا اظہار غیر معمولی ہے بہرحال آپ کا ناول قبولیت کی سند حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہرا ایسے ہی اپنے قلم سے جہاد بالقلم کا فریضہ سرانجام دیتی رہیں۔

نیلم شہزادی...... کوٹ مومن

پیاری شہزادی نیلم! سلطنت آنچل میں خوش آمدید خوب صورت انداز تحریر عمدہ موضوع اور دلچسپی وروانی یہ تمام خوبیاں آپ کی تحریر "پاکستان زندہ باد" میں موجود تھیں لہٰذا انکار کی گنجائش ہی نہیں تھی لیکن تاخیر سے موصول ہونے کی بناء پر اس بار شاملِ اشاعت نہ ہوسکی اب آئندہ کسی اور موقع کی مناسبت سے آپ کی تحریر کو جلد شامل کرنے کی کوشش کریں گے امید ہے شہزادی صاحبہ کی طبیعت پر یہ انتظار گراں نہیں گزرے گا۔

مشا علی مسکان...... کمر مشانی

ڈیئر مشا! جیتی رہو امید ہے اس بار اپنا اسم گرامی دیکھ کر شکایت دور ہوجائے گی۔ کہانی کے حوالے سے عرض ہے کہ آپ کا مشاہدہ بالکل درست ہے کہ جو عمر رسیدہ وتجربہ کار لوگ ہوتے ہیں وہ واقعی زمانہ شناس ہوتے ہیں اور ان میں یہ خوبی وقت وحالات کی پیدا کردہ ہوتی ہے۔ انسان اپنے علم سے زیادہ تجربات ومشاہدات سے سیکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ کچھ لوگ کم علم رکھنے کے باوجود بھی ہر معاملے پر نہایت عمیق نگاہ رکھتے ہیں۔ آپ کی تحریر ہمارے پاس محفوظ ہیں جلد اشاعت کے مراحل طے کرلے گی اس کامیابی پر ڈھیروں مبارک باد۔

ناقابلِ اشاعت:۔

اگر تم نہ ہوتے سچی محبتوں کا زوال دیا ہزاروں خواہشیں ایسی مکافاتِ عمل اولڈ ہاؤس چلو یہ عہد کریں محبت کے حسین لمحوں میں نہ رسوائی ہو نہ جدائی مسافت تمہارا سوا اب ناچاہیں کسی کو اے محبت ملے تم سے بچھڑ کے ہم راہ حق کے مسافر شہزادی سلمٰی ستارہ دربدر عشق میں باکردار لڑکی مسکرائی پھر زندگی محبت یہ تو نہیں بے وفا چلو پھر سے جی کر دیکھیں محبت یار من یہ رشتے پیار کے جنت ٹھکرادی۔

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ حاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابلِ اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کردیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجیے۔ 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

السلام علیکم

مشتاق احمد قریشی

سورۃ مریم کی آیت ۴۷ جس کی تشریح ہو رہی ہے اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے علیحدہ ہونے کے باوجود ان کے حق میں سلامتی کی اور ان کی بخشش کی دعا کا اظہار کیا ہے کیونکہ یہ بھی حکم الٰہی ہے کہ والدین سے نیک و اچھا سلوک کیا جائے جیسا کہ البقرہ کی آیت ۔۸۳ میں اس طرح فرمایا گیا ہے۔

ترجمہ: اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اسی طرح قرابت دار و یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور لوگوں کو اچھی باتیں کہنا۔ (البقرہ۔۸۳)

تفسیر: صرف ایک اللہ کی عبادت کی تاکید ہر نبی کی بنیادی اور اولین دعوت رہی ہے اس کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کے بعد دوسرے نمبر پر آتا ہے والدین کی اطاعت و فرماں برداری اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم اس آیت مبارکہ میں واضح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت بہت ضروری ہے اسی طرح ماں باپ کی اطاعت بھی بہت ضروری ہے اس میں کوتاہی کی گنجائش نہیں اس کے ساتھ ساتھ رشتہ داروں، قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں کے ساتھ بھی حسن سلوک اور حسن گفتار کا حکم ہے۔ اسلام میں بھی ان اعمال کی بڑی اہمیت ہے۔ اسی حکم الٰہی کی بنا پر حضرت ابراہیم نے اپنے والد کے لئے سلامتی اور مغفرت کی دعا کرنے کا اظہار فرمایا یہی بات سورۃ النساء میں اس طرح کہی گئی ہے۔

ترجمہ: اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک و احسان کرو۔ اور رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں سے۔ (النساء۔۳۶)

تفسیر: اس آیت مبارکہ میں بھی اللہ واحد کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنے کی ہدایت و حکم کے ساتھ والدین سے حسنِ سلوک کا حکم ہے اور ساتھ ہی رشتہ دار اور یتیموں و مسکینوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم بھی ہے جیسا کہ البقرہ کی ۸۳ آیت میں کہا گیا ہے اور الانعام کی آیت ۱۵۱ میں بھی یہی بات کہی گئی ہے۔ "اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔" اور سورۃ بنی اسرائیل میں آیا ہے کہ "اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔" (بنی اسرائیل۔۲۳) اور العنکبوت میں بھی یہی بات دہرائی گئی ہے۔ "ہم نے ہر انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی نصیحت کی ہے۔" (العنکبوت۔۸) ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے۔ (لقمن۔۱۴) اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔" (الاحقاف۔۱۵) ایسا ہی قرآن حکیم میں بہت سی جگہ مختلف انداز بیان میں کہا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ والدین کے اسلام نہ لانے، کفر پر جمے رہنے کے باوجود ان سے حسن سلوک اور احسان کے معاملے کی تاکید اللہ تبارک وتعالیٰ فرما رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود مشرکوں اور ایمان نہ لانے والوں اور اللہ کے سوا دوسروں کی پرستش و عبادت کرنے والوں کے لئے مغفرت و بخشش، سلامتی کی دعا کرنے سے اپنے نبیوں کو بھی روک دیا۔ یہاں یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کی توحید و اطاعت کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ اطاعت

باری تعالیٰ کے بعد اطاعت والدین کی بڑی اہمیت ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد آذر کی سخت کلامی کے باوجود حسب سابق نرم اور مودبانہ انداز اپنایا۔

ترجمہ: اور سلامتی اسی کے لئے ہے جو ہدایت کا پابند ہو جائے۔ (طٰہٰ۔۴۷)

تفسیر: آیت مبارکہ کے اس حصے میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرمارہا ہے کہ سلامتی ان ہی لوگوں کے لئے ہے جو احکام الٰہی کو تسلیم کریں اور ان پر عمل کریں اور اللہ کی سلامتی تو دائمی سلامتی ہے۔ جو روز آخرت عطا کی جائے گی جنت دائمی ٹھکانے کے طور پر عطا ہوگی جو دائمی سلامتی اور امن کی جگہ ہے۔ آیت کے اس حصے میں یہ سلام تحیہ نہیں ہے بلکہ امن وسلامتی کی طرف دعوت ہے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روم کے بادشاہ ہرقل کے نام اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا تھا۔ "اسلام قبول کرلے سلامتی میں رہے گا۔" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مکتوب کے شروع میں آیت کے اس حصے کو تحریر فرمایا تھا۔ (ابن کثیر) اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جب کسی غیر مسلم کو کوئی مکتوب تحریر کیا جائے یا کسی مجلس میں مخاطب کیا جائے تو اسے انہی الفاظ میں سلام کیا جائے جو ہدایت کے اپنانے سے مشروط ہوں۔

آیت مبارکہ کے زیر نظر حصے کو سمجھنے کے لئے نا صرف آیت کے پس منظر کو بلکہ سورہ طٰہٰ کے اس پورے حصے کو سمجھنا ہوگا۔ اس سورۃ مبارکہ کا آغاز واختتام تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب سے ہوتا ہے لیکن درمیانی حصے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کے دو حصے بھی ہیں۔ ایک حصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کے آغاز اور بنی اسرائیل کے مصر سے ہجرت کرنے اور بچھڑے کو معبود بنانے اور دوسرا اللہ اور کلیم اللہ کے درمیان ہم کلامی کا ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان مکالمے اور مجادلے اور جادوگروں سے مقابلے کا ذکر ہے اور یہ بھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مسلسل نگرانی بھی اللہ تعالیٰ کرارہا ہے اور آپ کے بچاؤ کی خصوصی تدابیر کا بھی ذکر ہے۔ اللہ نے ان کی تخلیق ان کی تربیت اپنی نگرانی میں ان کے دشمن سے کرائی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کا اس کی حفاظت ونگہبانی کا کمال وکرشمہ یہ تھا کہ جس بچے کی خاطر فرعون بے شمار بچوں کو قتل کراچکا تھا اسی بچے کو اللہ تعالیٰ نے خود فرعون کی گود میں پرورش کرایا اور بچے کو اپنی ماں سے ہی دودھ پلانے کا بندوبست بھی فرمادیا۔ اس واقعہ کو اسی سورۃ طٰہٰ کی آیت ۳۹ اور ۴۰ میں بیان کیا گیا ہے یہ بڑا ہی عجیب وغریب واقعہ ہے جب فرعون کے نجومیوں نے اسے خبر دی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تجھے مار ڈالے گا۔ اس نے اپنی زندگی بچانے کے لئے بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے سینکڑوں بچوں کو قتل کرادیا اسی خوف کی فضا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سلامتی وحفاظت کا ایسا انتظام فرمایا کہ ان کے دشمن کے ہاتھوں اسی گھر میں ان کی پرورش کا بندوبست اپنی قدرت کاملہ سے فرمادیا جب اللہ کے حکم سے حضرت موسیٰ کی والدہ نے اپنے نومولود بچے کو ایک صندوق میں بند کرکے دریائے نیل کے حوالے کیا اور یہ دیکھنے کے لئے کہ یہ صندوق کہاں جاکر رکتا ہے بچے کو کون نکالتا ہے انہوں نے اپنی بیٹی کو اس کے پیچھے روانہ کردیا جب اللہ تعالیٰ کی مشیت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں پہنچ گئے تو شیر خوارگی کا عالم تھا چنانچہ انہیں دودھ پلانے کے لئے آیاؤں اور دودھ پلانے والی عورتوں کو بلایا گیا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی کا دودھ نہ پیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن خاموشی سے یہ سارا معاملہ دیکھتی رہی بلا آخر اس نے کہا میں تمہیں ایک عورت ایسی بتلاؤں جو یہ مشکل آسان کرسکتی ہے۔ چنانچہ وہ اپنی ماں کو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھی ماں تھیں کو بلالائی۔ جب ماں نے بچے کو چھاتی سے لگایا تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی تدبیر ومشیت سے دودھ پینا شروع کردیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے نا صرف ماں بیٹے کو ملادیا بلکہ ان کے لئے معقول معاوضے کا بندوبست بھی فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ نے کس طرح نومولود موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت وسلامتی کا انتظام فرمایا اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جوان ہوئے اور ان کے ہاتھ سے ایک قبطی غلام کا قتل ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے اس

وقت بھی ان کی حفاظت فرمائی اور انہیں سلامتی سے مدین پہنچا کر وہاں مقیم فرما دیا۔ ابھی حضرت موسیٰ علیہ السلام شیر خوار بچے ہی تھے اور فرعون کے محل میں پرورش پا رہے تھے کہ ایک بار جب وہ فرعون کی گود میں تھے انہوں نے فرعون کی داڑھی پکڑ کر کھینچ لی۔ فرعون نے طیش میں آ کر ان کے قتل کا ارادہ کیا۔ تب بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں سلامتی اور حفاظت سے رکھا' اللہ تعالیٰ نے انہیں بار بار سلامتی اور حفاظت سے رکھا۔ یہی بات اس آیت کے حصے میں بھی کہی جا رہی ہے کہ جو اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی ہدایت پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں احکام الٰہی کو اسی طرح مانتے اور ان پر عمل کرتے ہیں جیسا کہ انہیں ادا کرنے کا حکم ہوتا ہے تو ایسے لوگوں کو خوش خبری دی جا رہی ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی سلامتی اور حفاظت کے حصار میں رکھتا ہے انہیں سلامتی کی خبر سنائی جا رہی ہے۔

ترجمہ: رحمان کے (سچے) بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں اور جاہل ان کے منہ آئیں تو کہہ دیتے ہیں کہ تم کو سلام۔ (الفرقان۔۶۳)

تفسیر: آیت مبارکہ میں ایسے افراد کو مخاطب کیا جا رہا ہے جو اللہ کی عبادت کرنے سے انحراف کرتے ہیں یعنی کفر و جہالت میں مبتلا ہیں یہاں جس رحمان کو سجدہ کرنے کے لئے کہا جا رہا ہے تم اس سے انحراف کر رہے ہو۔ پیدائشی طور پر تو سب ہی اس کے بندے ہیں وہ سب کا خالق ہے مگر اس کے محبوب اور پسندیدہ بندے وہ ہیں جو شعوری طور پر اس کی بندگی اختیار کرتے ہیں' اپنے ارادے کے اختیار کو درست استعمال کرتے ہیں اور اپنے اندر وہ صفات پیدا کرتے ہیں جو اللہ کو پسندیدہ اور محبوب ہیں وہ اپنی زندگی اسی رنگ میں رنگ لیتے ہیں جو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ رنگ ہے۔ ان بندگی قبول کرنے والوں کی زندگی میں وہ رنگ نمایاں نظر آتے ہیں اور اللہ کی بندگی و اطاعت سے انکار کرنے والوں کی زندگی میں نہ وہ رنگ نظر آتا ہے نہ وہ پاکیزگی و طہارت۔ ان میں غرور و تکبر اور مریضانہ انداز معاشرت اور ریاکاری نظر آتی ہے انکساری ہوتی نہیں' لیکن اس کی نمائش وہ ضرور کرتے ہیں' خدا ترسی نہیں ہوتی' اس کا مظاہرہ ضرور کرتے ہیں۔ اللہ کے نیک و صالح بندے شریف اور سلیم الطبع ہوتے ہیں ان کی چال کے بارے میں آیت مبارکہ میں فرمایا جا رہا ہے کہ وہ نہ اکڑ کر چلتے ہیں نہ مریل چال چلتے ہیں بلکہ مضبوط قدم رکھتے ہوئے چلتے ہیں گویا کسی نشیبی سمت میں اتر رہے ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوب اچھی طرح مضبوط قدم رکھتے ہوئے چلتے تھے گویا نشیب میں اتر رہے ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے ایک جوان آدمی کو مریل چال چلتے ہوئے دیکھا تو اسے روک کر دریافت فرمایا کیا تم بیمار ہو؟ اس نے کہا نہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے درہ اٹھا کر اسے دھمکایا اور فرمایا کہ قوت کے ساتھ چلا کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ نرم چال سے مراد ایک بھلے مانس کی سی فطری چال ہے یہ نہیں کہ بناوٹ اور ریاکاری سے اسے منکسرانہ بنایا جائے جس سے مسکنت اور ضعیفی ٹپکتی ہو۔

آیت مبارکہ میں غور طلب پہلو یہ ہے کہ انسان کی چال میں آخر وہ کیا بات ہے جس کو اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ اسے خصوصیت کے ساتھ اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے۔ اور سب سے پہلے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر ہم غور و فکر کریں تو یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ کسی بھی فرد کی چال محض اس کا انداز رفتار ہی نہیں ہوتی در حقیقت اس کے ذہن' اس کی سیرت و کردار کا اولین ترجمان اور آئینہ دار بھی ہوتی ہے۔ ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں مختلف افراد کو چلتے ہوئے دیکھتے ہیں ایک عیار آدمی کی چال ایک غنڈے بدمعاش کی چال' اور ایک ظالم جابر اور خود پسند متکبر کی چال' اور ایک باوقار مہذب انسان کی چال' اور ایک غریب مسکین کی چال میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ جس کا با آسانی اندازہ ہو جاتا ہے کہ کس چال کے پیچھے کس قسم کی شخصیت جلوہ گر ہے۔ اس لئے ہی آیت میں کہا جا رہا ہے کہ "رحمان کے بندوں کو تم عام آدمیوں کے درمیان چلتے پھرتے دیکھ کر بغیر کسی شناخت' کسی تعارف کے بہ خوبی پہچان سکتے ہو۔ اللہ کی بندگی و اطاعت

نے ان کی ذہنیت اور سیرت کی بھی تعمیر کی ہے وہ ان کی چال سے نمایاں نظر آجائے گی۔ آیت مبارکہ میں جاہل سے مراد بے پڑھا لکھا ان پڑھ بے علم شخص نہیں ہے بلکہ وہ شخص ہے جو جہالت میں اترائے اور کسی شریف اور نیک انسان سے بدتمیزی کا برتاؤ کرنے لگے۔ رحمان کے بندوں کا تو طریقہ یہ ہے کہ وہ گالی کا جواب گالی سے نہیں دیتے اور نہ ہی کسی بہتان کا جواب بہتان سے دیتے ہیں اور کسی بھی بیہودگی کا جواب کسی بھی بیہودگی سے نہیں دیتے بلکہ وہ ایسا کرنے والے کے ساتھ وہ رویہ اختیار کرتے ہیں جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا۔ وہ اسے سلام کرکے الگ ہوجاتے ہیں جیسا کہ سورۃ القصص کی آیت ۵۵ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ''اور جب وہ کوئی بیہودہ بات سنتے ہیں تو اسے نظر انداز کردیتے ہیں کہتے ہیں بھائی ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے۔ سلام ہے تم کو ہم جاہلوں کے منہ نہیں لگتے۔ (القصص۔۵۵)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہے' کیا اللہ تعالیٰ بہتر ہے' یا وہ جنہیں یہ لوگ شریک ٹھہرا رہے ہیں۔ (النمل۔۵۹)

تفسیر: اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ان کی امت کو تعلیم فرما رہا ہے کہ جب تبلیغ دین کے لئے نکلو یا اللہ اور اللہ کے احکام کی بات کرو یا جب خطبہ دو یا کوئی تحریر لکھو تو اس کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کے نیک بندوں پر صلوۃ وسلام سے شروع کرو' جو احکام الٰہی اور اشاعت حق کی راہ میں سرگرم عمل رہے ہیں یعنی پیغمبر انبیاء علیہ السلام وغیرہ۔ آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی حمد وثنا سے اپنے برگزیدہ بندوں کی سلامتی وخیر خواہی کو جوڑ دیا اس سے بہ خوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں سے خصوصاً ایسے بندوں سے جو راہِ حق پر چلتے ہیں اور دوسروں کو اس راہ کی ترغیب دیتے ہیں کس قدر شفقت ورحمت ومحبت کا معاملہ کرتا ہے۔

آیت کے دوسرے حصے میں اللہ تعالیٰ سوال فرما رہا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ بہتر ہے یا وہ جنہیں یہ لوگ شریک ٹھہرا رہے ہیں'' یعنی اس حقیقت کے باوجود کہ اللہ کے ساتھ کوئی دوسری' ہستی ایسی نہیں ہے جو عبادت کے لائق ہو' یا جس نے کسی چیز کو پیدا کیا ہو یا کچھ بنایا ہو' اللہ تعالیٰ ہی کی ذات واحد ہے جو پیدائش رزق اور تدبیر وغیرہ میں منفرد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں' اس نے آسمانوں کو بلندی اور خوب صورتی سے بنایا ہے اور ان میں روشن درخشاں ستارے اور گردش کرنے والے افلاک بنائے ہیں۔ اسی طرح زمین میں پہاڑ' نہریں' دریا' چشمے' اشجار' کھیتیاں' باغات' انواع اقسام کے پھل' اجناس' طیور وحیوانات پیدا فرمائے ہیں اور آسمان سے پانی برسا کر زمین کو سرسبز وشادابی عطا فرمائی ہے۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور ہے جو زمین سے ایک درخت تو کیا ایک کونپل ہی اگا کر دکھا سکے۔ جب خالق' مالک' رازق وہی ذات عالی ہے تو پھر عبادت کا مستحق کوئی دوسرا کیسے ہوسکتا ہے۔ اس لئے صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہی عبادت بہتر اور حق ہے۔ (ابن کثیر)

(جاری ہے)

تمام آنچل اسٹاف، ریڈرز، رائٹرز اینڈ فرینڈز السلام علیکم! کیسی ہیں آپ سب؟ امید ہے خیریت سے ہوں گی۔ مابدولت کو میمونہ شبیر کہتے ہیں لیکن پیار سے سب مونا ہی بلاتے ہیں، کچھ فرینڈز اور (فری) سسٹر مون کہہ کر پکارتے ہیں۔ ہم پانچ بہن بھائی ہیں، تین بہنیں اور دو بھائی۔ سب سے بڑی مدیحہ باجی ہیں ان کے بعد بھائی نعمان ہیں جنہوں نے حفظ کیا ہوا ہے ماشاء اللہ اور اب ڈپلومہ سول انجینئرنگ کے پہلے سال میں ہیں، اس کے بعد فریحہ (فری) ہے جو آئی سی ایس فرسٹ ائیر کی اسٹوڈنٹ ہے پھر مابدولت ہیں (سائنس ود بائیو) پھر نیب 21 جون کو ٹھنڈک کا احساس لے کر آئی اس طرح اسٹار میرا جوزا ہے اور اس کی تمام خوبیاں و خامیاں مابدولت میں موجود ہیں۔ اسٹارز بہت شوق سے پڑھتی ہوں تھوڑا تھوڑا یقین بھی ہے۔ جوزا کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ سچے اور کھرے دوست ہوتے ہیں اس لیے انہیں کبھی ریجیکٹ مت کرو۔ میری خواہش خواب، شوق، تمنا سب ایک ہی ہے اور وہ ہے سب سے بڑی ڈاکٹر بننا اور وہ بھی اسپیشلسٹ۔ آپ لوگ دعا ضرور کرنا شاید آپ کی دعا اور میری محنت رنگ لائے اور دعا کرنا کہ میرے اچھے بلکہ بہت اچھے مارکس آئیں۔ فرینڈز بہت سی ہیں جیسے مہوش، وجیہہ، مریم، نگینہ، ارم، حاجرہ، سمیرا، عینی، اقصیٰ، عتیقہ، ثناء، عائشہ، مہک، حور آپی (جو میری سسٹر فری کی فرینڈ ہے)۔ کرن، انوشہ لیکن بیسٹ آف صرف تین ہیں جن سے میں اپنے دل کی ہر بات بلاجھجک کہہ دیتی ہوں وہ ہیں فری (سسٹر) مہوش اور نگینہ۔ ہمیشہ خوش رہو میرے ساتھ بھی اور میرے بعد بھی، آمین۔ کلرز کی بات ہو تو پنک، ریڈ اینڈ اسکائی بلو فیورٹ کلرز ہیں۔ ڈریسز میں فراک، لہنگا اینڈ ساڑھی بہت پسند ہے۔ پھولوں میں ریڈ روز بہت اچھا لگتا ہے، خوشبو سے الرجک ہے، سردی کا موسم اچھا لگتا ہے۔ سرما کی بارش، کزنز، چائے ود سموسے، پکوڑے (واہ کیا بات ہے)۔ گھومنے پھرنے کا بہت شوق ہے اور سی سائیڈ دیکھنے کا بھی۔ ہابی ڈائری لکھنا اور اسٹوریز پڑھنا ہے۔ بولنا بھی بے حد بولتی ہوں اور بولتے وقت اسٹاپ تو بھول ہی جاتی ہوں بقول فری مون جی بولتے وقت سانس بھی لے سکتے ہیں۔ کوکنگ کا بے حد شوق ہے اور کرتی بھی رہتی ہوں۔ ڈشز میں چاول ود اچار اور رشین سیلڈ اچھا لگتا ہے۔ میٹھے میں فرنی اور آئس کریم پسند ہے۔ اسٹوریز میں ''یہ چاہتیں یہ شدتیں، وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا، کچھ برسے ہوئے ابر تر سے ہوئے لب، پتھروں کی پلکوں پر'' اور ''جو چلے تو جاں سے گزر گئے'' اچھی لگتی ہیں اور رائٹرز میں مائی ہارٹ فیورٹ نازیہ کنول اور سمیرا شریف اس کے علاوہ عمیرہ احمد، نمرہ احمد اور عفت سحر اچھی لگتی ہیں۔ پوئٹری بھی اچھی لگتی ہے، ڈائری لکھنے کا بے حد شوق ہے جو اپنی سسٹر فری کو دیکھ کر ہوا اور اکثر لکھتی ہوں۔ آئیڈیل ٹیچرز میں مس نسیم، میڈم قمر، میڈم ممتاز، میڈم اسماء بہت اچھی لگتی ہیں۔ کزنز میں لائبہ، بابر اور آمنہ اچھی لگتی ہیں۔ خامیاں بہت ہیں غصہ ہر وقت ناک پر رہتا ہے، بے پروا بہت ہوں خاص طور پر پڑھائی کے معاملے میں۔ جو بات دل میں ہو وہی زبان پر ہوتی ہے، برداشت بہت کم ہے۔ خوبیاں بھی موجود ہیں، ہر کام شوق سے کرتی ہوں، دل کی اچھی ہوں، تھوڑی فرینک ہوں اور ہنس مکھ ہوں۔ سب رشتوں میں خالہ بھانجی کا رشتہ اچھا لگتا ہے، میں شوق سے صرف آنچل اور شعاع پڑھتی ہوں۔ اپنی فیملی سے

بہت محبت ہے آئی لو مائے آل فیملی ممبر۔ آپ سب کو مجھ سے مل کر کیسا لگا ضرور بتایئے اللہ حافظ۔

باادب' باملاحظہ' ہوشیار......! سلطنت کشمیر کی راج کماری "محترمہ عائشہ کشمیری" تشریف لارہی ہیں۔ جی جناب یہ ہم ہیں عائشہ اختر بٹ' ہمارا نام کس نے رکھا ٹھیک سے یاد نہیں پڑتا مگر ہمیں تو یہ نام دل و جان سے پسند ہے بھئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تین پسندیدہ ناموں میں سے ایک ہے اور ہمیں اگر زندگی میں کسی کی پسند و ناپسند کا خیال رہتا تو وہ یہی ہستی ہیں۔ ہمارا تعلق ایک معزز کشمیری (بٹ) فیملی سے ہے۔ والد ہمارے مہاراجہ (محمد اختر بٹ...... سیاست میں تھے) ہوتے ہیں (ہماری نظر میں)۔ والدائیں مہارانیاں خاتون اول ہیں مہارانی بشریٰ اختر (ہماری والدہ ماجدہ) اور خاتون دوم ہیں مہارانی افشاں اختر (والد صاحب کی دوسری چوائس) جبکہ بھائی راج کمار ہوتے ہیں اور بہنیں راج کماری (ہاہاہا)۔ ہم مہارانی بشریٰ کے ہمراہ ریاست (شہر) سرگودھا میں واقع محل میں سکونت پذیر ہیں جبکہ والد محترم خاتون دو کے ساتھ (چند میل دور) خوب صورت کھیت کھلیانوں اور سبزے سے گھرے (ایک گاؤں) محل (پرسکون گھر محل سے کم نہیں ہوتے بیٹا ہونہہ...... ہاہاہا) میں رہائش پذیر ہیں۔ ہم شاہی کالج میں زیر تعلیم ہیں (جہاں تعلیم دی جاتی ہو دراصل وہی جگہ شاہانہ قسم کی ہوتی ہے)۔ اردو ادب بی ایس آنرز ہمارا محبوب مشغلہ سمجھئے۔ خدا ترسی ہمارے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے' جبھی ہم اکثر محل کے بیرونی دروازے پر کھڑے ہوکر بے چاری فقیرنیوں کا حال احوال (کتنے بہن بھائی ہو؟ کہاں رہتے ہیں؟ پڑھتے ہو؟ وغیرہ وغیرہ) دریافت کرتے نظر آتے ہیں سو اگر آپ ہم سے ملاقات کا شرف حاصل کرنا چاہیے تو ہم کو وہیں پائیں گے بشرطیکہ راج کمار بھیا (بڑے بھائی ناصر بٹ) کی آمد و روانگی کے اوقات کار نہ ہوں کیونکہ بقول ہمارے راج کمار بھیا "راج کماری! چونکہ آپ دنیا کی چالاکیوں سے بے خبر ایک (انتہائی درجے کی) معصوم راج کماری ہیں لہٰذا ایسے معاملات سے دور رہا کریں۔ اکابی (رخسانہ چالاکو ماسی) ان معاملات کو بہ احسن طریقے سے سنبھال سکتی ہیں سو ہم ان کے محل میں آمد و رفت کے اوقات کار پر نگاہ رکھتے ہیں۔ خیر ہمیں محل کے حسین باغات میں تنہا بیٹھ کر پہروں اداس رہنا اچھا لگتا ہے (خیالی پلاؤ) اس کے علاوہ ہم زندگی کے ہر موضوع پر سیر حاصل تبصرہ کرنے کا بھی بے حد شوق رکھتے ہیں اور کبھی کبھار شاہی دسترخوان پر یوں ہی زبان بھی پھسل جایا کرتی ہے (خامی) اور پھر راج کمار بھیا کی کرخت آواز سنائی دیتی ہے (یونو بھائی مجھے مذاق کی عادت ہے سو بس یونہی...... ہاہاہا)۔ "راج کماری حد ادب! یوں بے محل بولنے سے احتراز برتا کریں (ورنہ ٹانگوں سے محروم ہوسکتی ہیں' ہاہاہا)۔ مطالعہ کرنا اور لکھنا پڑھنا بے حد محبوب ہے ہمیں' شاہی کالج میں کئی امرا و سلاطین کی صاحبزادیاں ہماری ہمجولیاں ہیں (کتنی خوش نصیب ہیں ناں؟ ہم شاہی آداب کو ملحوظ خاطر نہ رکھتے ہوئے شاہی مطبخ میں (کچن میں) تشریف لے جاتے ہیں اور راج کماروں کے لیے ناشتا تیار کرتے ہیں (روز کا معمول ہے ناشتا تو کالج روٹین میں بھی میں پکا کر جاتی ہوں)۔ شاہی دسترخوان پر ہم اچار' بریانی' قورمہ' شاہی تندوری روٹی (چائنیز ہو تو کیا کہنے سبحان اللہ)۔ پزا' برگر' ہر کھانے کی نمکین چیز اور سادہ پانی بے حد پسند کرتے ہیں (غذا ہمیشہ سادہ ہونی چاہیے) ہماری سلطنت (سرگودھا میں رضا گارڈن کے قریب) میں پٹھانوں کی کچھ جھگیاں ہیں جن کے اندر جھانکنے کی ہم دلی حسرت رکھتے ہیں (معصوم سی خواہش)۔ اپنی والدہ ماجدہ سے بے حد الفت و انسیت رکھتے ہیں۔ راج کماری عشاء فاطمہ (بھتیجی) اور راج کمار محمد (میرا بھتیجا پیارا سونا) کی

کوئی بات ٹالنے کی ہم سکت نہیں رکھتے (اللہ سدا سلامت رکھے مجھے...... تاکہ ان کی خوشیاں دیکھ سکوں بھئی آمین ثم آمین)۔ پسندیدہ ہستی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پسندیدہ کتاب قرآن حکیم اور ہاں ہمیں ہر رنگ اچھا لگتا ہے (سچ کہوں نظر اچھی ہونی چاہیے بندے کی)۔ امید ہے کہ ہماری سلطنت میں بھی اور دور دراز بسنے والوں میں بھی ہمارا تعارف نامہ قبولیت کی سند پائے گا۔ ہمارا باغ میں ٹہلنے کا وقت ہوا جاتا ہے کنیزیں باادب تیار کھڑی ہیں کہ ہم ان کو مزید انتظار کی سولی پر نہیں لٹکا سکتے لہٰذا تمام چاہنے والوں سے اجازت درکار ہے۔ اجازت ہو تو جائیں؟ بھئی ہم عوام کی رائے کو مقدم رکھتے ہیں (ہر حال میں کیونکہ اس سے مقبولیت و عزت میں اضافہ ہوتا ہے (حکمرانوں کی)۔ اللہ حافظ۔

آبرو چوہدری

السلام علیکم قارئین کیسے ہیں آپ؟ شاید آپ نے مجھے پہچانا نہیں اور پہچانیں گے بھی نہیں آخر کو ہم پہلی دفعہ آنچل میں حاضر ہوئے ہیں۔ بالوں کی چٹیاں بنائے پونی لگائے کانوں میں چھوٹے چھوٹے ٹاپس ہاتھوں میں دو چوڑیاں پاؤں میں سادہ سی چپل یہ ہے آنچل کی گمنام سی رائٹر آبرو چوہدری۔ سرگودھا کے ایک چھوٹے سے گاؤں سے تعلق ہے کاسٹ چوہدری۔ 7 اپریل کو دنیا میں تشریف لائی بی اے کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ پسندیدہ کلر چاکلیٹ اور سفید ہے پسندیدہ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیولری میں لاکٹ رنگ اور چوڑیاں پسند ہیں۔ پسندیدہ اینکر پرسن عمران حسن اور عابدہ حمید ہیں پسندیدہ کالم نگار جاوید چوہدری اور بشریٰ امیر ہیں۔ پسندیدہ خوشبو مٹی کی اور مہندی کی مہک۔ خواہشات لامحدود ہیں لیکن حج بیت اللہ کی بہت خواہش ہے نجانے لبیک کہنا کب ہمارے نصیبوں میں ہو اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو حج بیت اللہ نصیب فرمائے آمین۔ رشتہ عزت و احترام کا اچھا لگتا ہے دوست میرے خیال میں ایسا ہونا چاہیے جو آپ کا اندر جان لے لیکن ایسا ہوتا نہیں اس لیے دوستی میرے خیال میں ناخالص جذبہ شاید یہی وجہ ہے کہ دوستیں بہت کم ہیں۔ پسندیدہ رائٹر نازیہ کنول سمیرا شریف عائشہ نور اور مہوش افتخار ہیں۔ تاریخی عمارت قدرتی خوب صورتی جگمگاتی روشنیاں اندھیرے میں جگنو اور چاندنی راتیں بہت اٹریکٹ کرتی ہیں۔ پسندیدہ کتاب قرآن پاک ہے پسندیدہ شاعر ڈاکٹر علامہ اقبال اکبر الہ آبادی اور اپنی پسندیدہ خود ہوں۔ پسندیدہ زبان اردو اور انگلش ہے۔ پسندیدہ ملک سعودی عرب ترکی اور پاکستان ہیں۔ میٹھے میں کھجور اور چائے پسند ہے کھیت فصلیں پھول رنگ اور خوشبو تو میری کمزوری ہے۔ پسندیدہ پروفیشن آرمی اور پاکستان ائیر فورس ہے۔ سردیاں بہت پسند ہیں اور دھند کی تو دیوانی ہوں۔ اگر کوئی عزت کرے تو بہت عزت کرتی ہوں اور اگر نہ بھی کرے تو اگنور کر دیتی ہوں۔ خامی حساس بہت زیادہ ہوں کبھی تو چھوٹی چھوٹی بات بہت اثر کرتی ہے مجھ پر میرے خیال میں حساس ہونا چاہیے لیکن اتنا نہیں۔ پسندیدہ ڈائجسٹ آنچل اور شعاع ہیں یہ ڈائجسٹ انسان کو جینے کا شعور دیتے ہیں لیکن کبھی کبھی آگہی بھی بندے کو بہت تکلیف دیتی ہے۔ مخلص سچے باکردار ہر رشتے کو نبھانے والے لوگ پسند ہیں۔ رشتوں میں ذرا سی اونچ نیچ کو قابل نفرت گردانتی ہوں خوبی کسی کا دل نہیں دکھاتی حسد سے نفرت ہے۔ فیورٹ کرکٹر عمر اکمل اور کمار سنگا کارا ہیں۔ اس کے علاوہ جیا پروین افضل اور جو بھی مستقل قاری ہیں ان کی باتیں بہت انجوائے کرتی ہوں اور مستقل قاری بننے کا شوق بھی ہے۔ سالگرہ نہیں مناتی اگر کوئی وش کر دے تو اچھا لگتا ہے اپنی تعریف اکثر شرمندہ کرتی ہے رونا بہت آتا ہے آنسو تو جیسے پلکوں کی باڑ میں کھڑے ہوتے ہیں پسندیدہ اسکالر طارق جمیل ہیں۔ میک اپ میں کاجل

اور آئی لائنر پسند ہے۔ تمنا سکون، اطمینان، روح، تمنا ہے آبرو اور آسمان کی وسعتوں کو کھوجتا ہے۔ شاید ہر پھول ٹہنی سے جڑا رہنا چاہتا ہے ہر پرندہ سرحدوں کو عبور کرکے آزاد فضا میں اڑنا چاہتا ہے۔ ہر کیڑا ابل سے نکل کر دنیا دیکھنا چاہتا ہے، اسی طرح انسان بھی آسمان کی وسعتوں کو خود سے بھر دینا چاہتا ہے اور اس کی راہ میں رکاوٹ اس کے سب سے قریبی عزیز ہوتے ہیں۔ اللہ پاکستان کو ترقی و کامیابی عطا فرمائے اس وطن کو ہمیشہ گلزار رکھے، آخر میں تمام قارئین آنچل، اسٹاف اور تمام جاننے والوں کو سلام و دعا، خوش رہیں، آباد رہیں، زندگی کو جینا سیکھیں، اللہ حافظ۔

انا احب

السلام علیکم! جی ہاں جناب حیران مت ہوں، یہ ہم ہی ہیں انا احب! کیا کہا...... کہاں گم تھی؟ جی گم کہاں تھی بس ذرا سا بزی تھی خیر مجھے لگا آپ مجھے بھول گئے تو کیوں نہ آپ کی یادداشت ریفریش کی جائیں تو مابدولت کا نام انا زاہد ہے، تخلص کے ساتھ انا احب اور اب گزشتہ 4 سال ایک ماہ اور 17 دن سے انا شاہ زاد ہیں۔ 17 نومبر 1992 کی پیدائش ہوں، اسٹار عقرب ہے۔ دو کیوٹ سی پریوں مطرب اور انایا کی مما ہوں، اپنی بچیوں میں میری جان ہے، زندگی بھرپور ہے ہر طرح سے مکمل۔ اللہ نے مجھے شاہ زاد کے روپ میں مجھے ہر طرح کی رُت میں جینے کا سہارا دے دیا ہے۔ میں ان سے بہت پیار کرتی ہوں، ایک وقت تھا جب میں بہت کم گو اور اداس روح ہوا کرتی تھی مگر اب نہیں۔ شاہ زاد نے مجھے اتنا زیادہ باتونی بنا دیا ہے کہ کبھی کبھی تو خود بھی تنگ آجاتے ہیں، کبھی میں صرف بلیک، وائٹ اور پنک کلرز کو ہی لائک کرتی تھی مگر...... اب سب رنگ اچھے لگتے ہیں۔ بات پسند ناپسند کی کی جائے تو...... کھانے پینے کی کل بھی شوقین تھی، آج بھی ہوں۔ انا شاہ مری پلاؤ، حلیم، کوفتہ، چنے اور دہی کی لسی، شیرمال کے ساتھ بہت پسند ہے۔ فروٹ سیلڈ، چاول، سیخ کباب، ڈونٹ، مالٹو، قیمہ مٹر، انناس بہت پسند ہیں۔ شلوار قمیص اچھی لگتی ہے، بارش میں نہانا، سردی کی رات میں گھومنا، برگر کھانا اچھا لگتا ہے۔ مختصر یہ کہ اپنی زندگی میں بے حد خوش ہوں، بس زندگی میں ایک چیز کی کمی ہے، ماں کی دعا کی کمی۔ قدم قدم پر میرے لیے دعا کرنے والے ہاتھ ابدی نیند سو گئے ہیں، اللہ تعالیٰ میری مما کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے، آمین، آپ سب بھی ان کے لیے دعا کیجیے گا۔ دعائے سحر اور میں سسٹرز ہیں پھر اسامہ، رجاء، یمنیٰ پھر ارسل اور اسود، دعا کے علاوہ سب زیرِ تعلیم ہیں۔ دعا ٹیچر ہے اور رات کی بات بتاؤں دعا کی منگنی میرے دیور شاہ باز کے ساتھ ہو چکی ہے، اس نے نہیں بتایا ناں، اینڈ امید کرتی ہوں وہ یہ پڑھ کر میرا سر پھوڑ دے گی کہ میں نے راز کیوں شیئر کیا۔ میرے تین دیور اور دو نندیں ہیں، باجی صبا شادی شدہ تین بیٹوں کی مما ہیں۔ طاہرہ چھوٹی ہے اور میری اچھی دوست ہے۔ شیراز جس کی شادی چھ ماہ پہلے ہوئی ہے اور شہباز، شمروز، امی، ابو اور دادی جان اینڈ ڈیٹس مائی فیملی۔ سب بہت اچھے ہیں اور میرا بہت خیال رکھتے ہیں، اب دعا کریں کہ طاہرہ بھی میری جان چھوڑے تاکہ ٹی وی ریموٹ پر میرا قبضہ ہو سکے ہاہاہا۔ بس اب اور کیا کہوں، اتنا کافی ہے کیوں کہ مطرب کی ”مما جی! فیڈر رچاہیے“ کی گردان شروع ہو چکی ہے، اللہ حافظ۔

چراغ خانہ
رفعت سراج

بے سبب مسکرا رہا ہے چاند
کوئی سازش چھپا رہا ہے چاند
جانے کس گلی سے نکلا ہے
جھینپا جھینپا سا آرہا ہے چاند

گزشتہ قسط کا خلاصہ

دانیال بے یقینی کی کیفیت میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اسے مشہود کی آواز سن کر یقین نہیں آتا دوسری طرف مشہود اسے کچھ دیر میں جیوانی ایئرپورٹ (بلوچستان) سے کراچی پہنچنے کا بتاتا ہے۔ مشہود دانیال کو ایئرپورٹ پر بوا اور پیاری کو بھی ساتھ لانے کی تاکید کرتا ہے دوست سے بات کرکے دانیال فرط مسرت سے کمال فاروقی سے لپٹ جاتا ہے اور مشہود کی خیریت کا بتاتا ہے۔ پیاری کے اردگرد مانو آپا کی دوستوں کی بیٹیاں بہوئیں وغیرہ بیٹھی ہوتی ہیں مانو آپا نے خود انہیں پیاری کی تنہائی کے خیال سے بلایا ہوتا ہے مانو آپا ہولائی بولائی سی کمرے میں داخل ہوتی ہیں اور سب کو باہر جانے کا کہتی ہیں۔ کمال فاروقی پیاری کو نکاح کی مبارک باد دینے کے ساتھ مشہود کی واپسی کا بتاتے ہیں پیاری بھائی سے ملنے کے لیے بے قرار ہوجاتی ہے تب کمال فاروقی بلوچستان میں اس کی موجودگی کا بتاتے ہیں مانو آپا مشہود کی سلامتی کی دعا مانگتی پیاری کو بھی شکرانے کے نوافل پڑھنے کو کہتی ہیں۔ نکاح کے موقع پر ماں کی عدم موجودگی دانیال کو چبھ رہی ہوتی ہے لیکن پھر مشہود کی کال آنے پر وہ سب کچھ بھول جاتا ہے تب ہی پیاری سے ملنے دانیال مانو آپا کے کمرے میں آتا ہے۔ سعدیہ خود ترسی کی کیفیت میں مبتلا ہوکر اپنے بڑے بیٹے سے فون پر بات کرتی ہے اور اسے دانیال کے نکاح کا بتاتی ہے۔ دوسری طرف بلال (کمال فاروقی کا بڑا بیٹا) ماں کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہے اس کی نظر میں دانیال کا فیصلہ صحیح ہوتا ہے۔ اس لیے وہ سعدیہ کے ہر دلائل کو مسترد کردیتا ہے بلال آفس سے دیر ہوجانے کا کہتا فون بند کردیتا ہے۔ مانو آپا عالی جاہ کی طرف سے بہت فکرمند ہوتی ہیں لیکن کسی پر ظاہر نہیں کرتی ہیں اور ماں ہونے کے ناطے اس کے دل کے جذبات سے بخوبی واقف ہوتی ہیں۔ گھر کی خاموشی سعدیہ کو کہیں چین نہیں لینے دیتی ہے وہ لان میں آکر بیٹھ جاتی ہیں دانیال کے نکاح کا سوچ کر ان پر مسلسل تلملاہٹ سوار ہوتی ہے وہ ایک لمحے بھی پیاری کو اپنے گھر میں برداشت کرنے پر تیار نہیں ہوتی ہیں جبکہ ابھی وہ اس گھر میں آئی بھی نہیں تھی۔ کمال فاروقی، مانو آپا اور دانیال پیاری کو ساتھ لے کر ایئرپورٹ کے لیے روانہ ہوجاتے ہیں۔ بلال سعدیہ کو فون کرتا ہے اور دانیال کے نکاح میں شریک نہ ہونے پر ناراضگی ظاہر کرتا ہے ساتھ ہی دانیال کا فون بزی ہونے کا بتاتا ہے۔ پیاری اور دانیال خوشیوں کے حصار میں ہوتے ہیں پیاری کے چہرے پر بلا کا اطمینان ہوتا ہے بھائی کی واپسی اور محبوب کے قرب کے احساس سے روح شاداں ہوتی ہے ساتھ ہی ہر ہونے والی اناؤنسمنٹ پر پیاری کے کان کھڑے ہوجاتے ہیں۔ مانو آپا نے پیاری اور دانیال کے لیے خاص کمرہ تیار کرایا ہوتا ہے سعدیہ کے مزاج کو جانتے ہوئے وہ رات پیاری اور دانیال کو اپنے گھر ٹھہرانا چاہتی

ہیں لیکن مشہود کے آنے سے صورت حال بدل جاتی ہے۔ عالی جاہ سارے گھر میں مانو آپا کو تلاش کرنے کے بعد شکورن (ملازمہ) سے ماں کا پوچھتا ہے جس پر شکورن پیاری کے بھائی کی واپسی کا بتاتی ہے ساتھ ہی عالی جاہ سے کھانے کا بھی پوچھتی ہے جس پر عالی جاہ غصہ سے آگ بگولہ ہوجاتا ہے۔ مشہود کی سیدھی ٹانگ پر پلاسٹر چڑھا ہوتا ہے چہرے پر بھی گہرے زخموں کے نشان موجود ہوتے ہیں پیاری ششدر سی حواس باختہ ہوکر مشہود کی طرف بڑھتی ہے اور اس سے لپٹ کر آنسو بہانے لگ جاتی ہے۔ مشہود بوا کا سن کرافسردہ ہوجاتا ہے گھر پہنچ کر پیاری کچھ ہی دیر میں بھائی کا کمرہ صاف کردیتی ہے مشہود کو دانیال نے اپنے سہارے سے بیڈ پر لیٹا دیتا ہے۔ مشہود دواؤں کے زیر اثر سو جاتا ہے تب دانیال کو پیاری کا خیال آتا ہے اور وہ اس کے کمرے کی طرف بڑھ جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❀.......❀.......❀

دانیال براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا اس کا یہ انداز پیاری کے لیے بالکل نیا تھا۔ محتاط اندازِ گفتگو...... نگاہ میں بلا کی احتیاط...... سنجیدگی...... بقدر ضرورت کلام ابھی تک اس نے دانیال کی جرأت و بے ساختگی کا کوئی مظاہرہ نہ دیکھا تھا سوائے اس نازک لمحے کے جب دانیال اس کی تنہائی کے خیال سے بہت بے اختیار ہوگیا تھا اور اسے ہمیشہ کے لیے اپنانے کی بات کی تھی وہی نازک لمحہ جوان کے درمیان لامحدود فاصلوں کی بنیاد بن گیا تھا۔ پیاری نے جھٹکے سے بازو چھڑانے کی کوشش کی مگر دانیال کی گرفت آہنی شکنجہ بن گئی تھی۔

پیاری نے بے بسی سے دانیال کی طرف دیکھا۔

''یہ بہت غلط حرکت ہے۔'' اس نے بدقت کہا۔

''اب غلط اور صحیح میں بتاؤں گا۔ چلو بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' اس نے پیاری کا بازو آہستگی سے چھوڑا اور اسے ایک طرف کرکے کمرے میں داخل ہوا اور دروازہ لاک کردیا۔ پیاری پسینے پسینے ہونے لگی۔

''نہیں...... جب تک مشہود بھائی کو پتا نہیں چلتا کہ ہماری شادی ہوگئی ہے میں آپ سے کوئی بات نہیں کروں گی۔'' وہ یہ کہہ کر پیچھے ہٹی اور دیوار کے ساتھ یوں چپک گئی جیسے دیوار پر پینٹنگ لگی ہو۔ دانیال کے ٹھاٹھیں مارتے حسین جذبات جھاگ کی طرح بیٹھ گئے چند لمحے تو بات کا توڑ بھائی نہ دیا۔

''شادی ہوئی ہے کوئی گناہ نہیں کیا۔ صبح مشہود سے آرام سے بات ہوگی تو بتادیں گے۔ ابھی اس کی جو حالت تھی مجھے اس سے بات کرنا مناسب نہیں لگا۔ یہ تو چھپانے والی بات ہی نہیں ہے۔'' وہ اس کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے بہت اعتماد اور سکون سے کہہ رہا تھا۔

''کچھ بھی ہو پہلے مشہود بھائی کو پتا ہونا چاہیے۔'' پیاری کے انداز میں قطعیت تھی جیسے وہ کچھ سننے کو تیار نہیں۔ دانیال اس سے دو قدم کے فاصلے پر رکا اور کسی خیال میں کھو گیا۔ پیاری اسی کی طرف دیکھ رہی تھی، دانیال کسی خیال کے تحت چونکا پھر چہرے پر ایک دم گہری سنجیدگی طاری ہوگئی تھی۔

''اوکے...... تمہارے ساتھ زبردستی بھی کرسکتا ہوں مگر کروں گا نہیں لیکن یہ تو بتادو مشہود کو یہ خبر کون سنائے گا میں یا تم؟'' وہ ابھی تک جہاں کھڑا تھا وہاں سے ایک قدم آگے بڑھے بغیر اس سے سوال کررہا تھا۔

''میں...... میں...... میں تو کبھی بھی یہ بات مشہود بھائی سے نہیں کرسکتی وہ تو پہلے ہی کہہ چکے تھے۔'' پیاری بولتے بولتے ایک دم رک گئی۔ اس ادھوری بات نے دانیال کے ذہن میں ایک طوفان سا کھڑا کردیا۔

''کیا کہہ چکا ہے مشہود...... تم رک کیوں گئیں، بولو......!'' وہ پریشانی کی کیفیت میں بولتا ہوا اس کے قریب چلا آیا۔

پیاری کو انجانے سے خوف نے آلیا کہ پتا نہیں وہ مشہود کے خیالات دانیال تک پہنچادے اور ردِعمل میں دانیال کیا کرے کیا کہے۔

"بولو پیاری تم کچھ بتاؤ گی تو میں آگے کا سوچوں گا۔
تمہاری ادھوری بات مجھے پریشان کر رہی ہے۔" دانیال
بہت الجھ گیا تھا مسلسل پیاری کی طرف دیکھ رہا تھا جو اس
کی اپنی ہو کر بھی لامحدود فاصلوں پر نظر آ رہی تھی۔

"رہنے دیں بس جیسے مناسب سمجھیں بات کر لیجیے
گا۔" پیاری نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا۔

"نہیں اس طرح تو میں اس روم سے نہیں جاؤں گا
کچھ تو خاص ہے ورنہ تم بتاتے بتاتے ایک دم نہ رکتیں
جلدی سے بتاؤ پیاری کیا کہا تھا مشہود نے۔" پیاری
دانیال کی دھمکی سن کر سچ مچ ڈر گئی۔

"وہ......!" اس نے یوں تھوک نگلا جیسے ہڈی حلق
سے نیچے اتار رہی ہو۔

"وہ......ایک دفعہ مشہود بھائی نے بوا سے کہا تھا کہ وہ
دوستی کو رشتے داری میں بدلنے کے قائل نہیں ہیں۔" وہ
بدقت گویا ہوئی۔

"لیکن مشہود نے بوا سے کیوں یہ بات کی تھی۔"
دانیال کو ابھی بھی کچھ سمجھ نہ آئی۔

"بوا آپ کو بہت پسند کرتی تھیں میرے لیے بہت
فکر مند رہتی تھیں۔" پیاری نے جیسے تیسے کر کے حقیقت
گوش گزار کر دی۔

"او گاڈ۔" دانیال نے اپنے سر پر بے اختیار ہاتھ رکھا
تو پیاری ڈر گئی جیسے دانیال نے اعلان کر دیا ہو کہ اب اس
مسئلے کا کوئی حل ہی نہیں۔ پیاری بھی اس کے بے ساختہ
انداز پر پریشان سی ہو گئی۔

دانیال چند سیکنڈ گہری سوچ کے گرداب میں پھنسا رہا
پھر اس نے آہستگی سے سر اٹھا کر پیاری کی طرف دیکھا۔

"یہ بات مشہود نے اس وقت کہی تھی جب حالات
نارمل تھے مگر اب مشہود خود ریئلائز کرے گا کہ صورت
حال ہی ایسی تھی کہ یہ سب کرنا پڑا۔" اب وہ قدرے
پُرسکون نظر آ رہا تھا۔ چند سیکنڈ کے توقف کے بعد اس نے
دھیرے سے مسکرا کر پیاری کی طرف دیکھا، پیاری نے
ایک دم نظریں چرا لیں۔

"مجھے تو ذرا سا بھی اندازہ نہیں تھا کہ مشہود نے اس
طرح کی بات کی ہے ورنہ میں تو سیدھے سیدھے اس
کے پاؤں پکڑ لیتا اور کہتا یار یہ کیسی دوستی ہے زندہ دفن
کر رہے ہو خدا کے لیے دوست کو بچا لو بے شک دوستی کو
دریا میں پھینک دو۔ میں تو پیاری کے بغیر زندگی کا تصور
بھی نہیں کر سکتا۔"

"کم از کم آپ اپنی امی کے ہی پاؤں پکڑ لیتے وہ بھی تو
ہماری شادی میں شریک نہیں ہوئیں۔" پیاری نے فوراً
کہا، جس سے پتا چلتا تھا کہ وہ دانیال کی ماں کی عدم
شرکت کو شدت سے محسوس کر رہی تھی۔ پیاری کی بات سن
کر وہ ایک لمحے کے لیے چکرا کر رہ گیا۔ پھر فوراً ہی جواب
سوجھ گیا ماں کے تصور نے البتہ ذہن کو بوجھل کر دیا تھا۔

"ممی...... میری ماں ہیں...... ایک دن اپنی ضد کا
احساس ضرور کریں گی اس لیے کہ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ
ایسا ہو مگر ایسا ہو گیا...... اسپتال میں جب تم سے شادی کی
بات کی تھی تو ممی ہی کی وجہ سے کی تھی مجھے پتا تھا ممی کو
منانے سمجھانے میں بہت وقت لگ جائے گا اور اس
وقت سچویشن بہت گمبھیر تھی ٹائم نہیں تھا۔" لگے ہاتھوں
دانیال کو پرانے جرم کا تاوان ادا کرنے کا بھی موقع مل گیا
تھا پیاری کے ذہن میں ایک دم وہ روحانی مشقتوں کے
دن رات آ گئے۔

دانیال کو ہمیشہ کے لیے کھو دینے کا جان لیوا احساس
جس نے زندگی کو بے معنی کر کے رکھ دیا تھا آج وہ اس کا
سب سے زیادہ اپنا بن چکا تھا ایک حسین خیال کی کیفیت
میں بھیگنے لگی ایک لازوال طمانیت نے اسے بڑی قوت
سے یقین دلایا کہ وہ بہت خوش قسمت ہے اللہ نے بوجھل
زندگی کی آزمائشوں سے بچا لیا۔ اب وہ خوش رہ سکتی ہے
جتنا مرضی خوش رہ سکتی ہے کیونکہ ذات کی بھرپور تکمیل
ہو چکی ہے سارے خیال خوف کاغذ کے بھوت تھے اس کا
دل چاہا آج دانیال کو جی بھر کر دیکھے مگر نظر اٹھ کر پھر
قدموں میں آ گری۔

"میں مشہود کے ساتھ ہی سو رہا ہوں۔" دانیال نے

سوچ میں گم پیاری کو مخاطب کیا۔ پیاری کو جیسے ان دیکھی زنجیریں ٹوٹنے کا احساس ہوا اس نے کچھ کہنے کے بجائے صرف گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

مگر دانیال دروازے کی طرف جانے کے بجائے پیاری کے بہت قریب آگیا افق نے مشفق کو ہم کنار کیا۔

محبت بے کنار ہو کر بکھر گئی۔

✿ ...... ✿ ...... ✿

کمال فاروقی تھکن سے چور وجود لے کر گھر میں داخل ہوئے تو گھر کی تمام لائٹس آف تھیں صرف لاؤنج میں ایک دیوار پر نصب فینسی لائٹ آن تھی جس کی ہلکی روشنی مقدور بھر اطراف میں اجالا پھیلانے کی ذمہ داری اٹھائے ہوئے تھی۔

"پن ڈراپ سائلنٹ۔" والا ماحول تھا۔ دودھیا چمکتی ٹائلوں پر بلا کی احتیاط سے قدم رکھنے کے باوجود جوتوں کی چرچراہٹ خاموشی کا سینہ چیر رہی تھی۔

"سعدیہ قدرتی طور پر نہ سہی نیند کی گولی کھا کر تو سو ہی گئی ہوگی۔" انہوں نے بیڈ روم کی طرف بڑھتے ہوئے سوچا۔

اور چاروں طرف ناقدانہ نظر دوڑا کر ہینڈل گھمایا کمرے میں تاریکی کا راج تھا انہوں نے سوئچ آن کیا پل میں کمرہ روشن ہوگیا دروازہ بند کیا اور ساتھ ہی اسپلٹ چلا دیا اب ماحول میں اسپلٹ کی آواز سے ہلکا سا ارتعاش محسوس ہونے لگا اور خاموشی کا زور ٹوٹ گیا۔ سب سے پہلے پاؤں جوتوں کی قید سے آزاد کیے موزے اتارے پھر ٹائی کا پھندا گلے سے اتارا۔ سعدیہ کی طرف سے یہ اطمینان ہونے کے بعد کہ وہ سو چکی ہے اب ان کا ذہن مختلف سمتوں میں دوڑ رہا تھا۔ بہرحال وہ بہت پُرسکون تھے بیٹے کی دلی آرزو کی تکمیل کا احساس ہی پُرسکون ہونے کے لیے کافی تھا۔

اللہ نے دو ہی بیٹے دیے تھے آج وہ اپنی فطری ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو چکے تھے یوں لگ رہا تھا زندگی کے تمام ضروری کام انجام پا چکے اور اب بس وقت گزارنا

ہے۔ شب خوابی کا لباس پہن کر وہ یوں بستر پر دراز ہوئے گویا میلوں کا سفر طے کرکے منزل پر پہنچے ہوں لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی کافی عرصے بعد ٹوٹ کر نیند آئی تھی۔ سوئے ہوئے بمشکل دو گھنٹے ہوئے ہوں گے رات کے آخری پہر کے ختم ہونے کا عالم اور صبح کاذب کے آثار تھے انہیں یوں محسوس ہوا کہ کوئی ان کا کندھا پکڑ کر جھنجوڑ رہا ہو وہ ہڑبڑا کر کروٹ سے سیدھے ہوئے تو سامنے سعدیہ بال بکھرائے کھڑی تھیں۔ سعدیہ کو دیکھ کچھ گہری نیند ٹوٹنے کی وجہ سے ایک دم غصے کی کیفیت نے غلبہ کردیا۔

”تمہیں تو کھانے اور سونے کے علاوہ کوئی کام نہیں ہے اور کسی کی تھکن کا احساس اس لیے نہیں کرسکتیں کہ تمہیں پتا ہی نہیں کہ انسان تھکتا کیوں ہے۔“ وہ نیند کی کیفیت میں برس پڑے۔

”وبس اب دیواروں پر برستے رہنا مجھے طلاق چاہیے۔“ سعدیہ نے بارود پھیلا کر تیلی دکھادی تھی۔ ایک لمحے کے لیے کمال فاروقی ہل کر رہ گئے نیند اچٹ گئی۔

”یہ احمقانہ بات کرنے کے لیے تمہیں یہی وقت ملا تھا۔“ وہ اب غصے کے بجائے فکرمندانہ انداز میں پوچھ رہے تھے۔

”وقت ہوں گے آپ کے لیے میرا بی پی شوٹ کررہا ہے۔ مجھے تو پتا ہی نہیں اس وقت صبح ہے شام ہے دوپہر ہے یا رات ہے لگتا ہے میرے دماغ کی شریانیں پھٹ جائیں گی۔“ سعدیہ بہت آہستہ مگر معنی خیز انداز میں بات کررہی تھیں انہیں پورا پورا ادراک تھا کہ دھماکہ خیز بات کرنے کے لیے چلانا ضروری نہیں کمال فاروقی پر ان کی دھیمی آواز کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ انہوں نے گہری سانس لے کر سعدیہ کی طرف دیکھا اور روئی میں سوئی کو لپیٹ کر بات کی۔

ابھی آفس نہیں کھلے ہوں گے وکیل بھی گہری نیند سو رہے ہوں گے میں اس وقت طلاق کے کاغذات تو تیار نہیں کرا سکتا۔“ سعدیہ من چاہا ردعمل نہ پا کر ایک پل کے لیے مایوس تو ہوئیں مگر فوراً ہی کمر کس لی۔

”ذہن میں یہ ضروری کام کرلیں تاکہ میں رات سے پہلے یہ دوزخ چھوڑ دوں کل کی رات اس گھر میں نہ دیکھوں۔“ سعدیہ کے انداز میں قطعیت تھی۔ اب کمال فاروقی وہ بے پروائی نہ دکھا سکے جس کے سہارے برسہا برس گزر گئے تھے انہوں نے اب بہت غور سے سعدیہ کی طرف دیکھا۔

”تمہیں اس وقت گہری اور پُرسکون نیند کی ضرورت ہے یہ بالکل نیچرل ہے اگر انسان کے اعصاب شل ہوں اور غصے کی کیفیت طاری ہو تو انسان کبھی بھی درست فیصلے نہیں کرسکتا۔ تم ٹیبلٹ لے کر سوجاؤ، صبح ایک کپ بیڈ ٹی لینے کے بعد میرے ساتھ بیٹھنا، میں تمہاری ہر بات سنوں گا پھر وہی فیصلے ہوں گے جو قدرت ہماری قسمت لکھتے وقت طے کرچکی ہے۔ بڑے فیصلے ہمیشہ سکون کی کیفیت میں کیے جاتے ہیں اور کرنا چاہیے تاکہ فیصلہ ہوجانے کے بعد کوئی بھی گواہ پھر پلٹ کر نہ دیکھے اور زندگی پچھتاوے کا بوجھ نہ بن جائے۔“ کمال فاروقی عین فطری مردانہ مزاج کے مطابق بات کررہے تھے بیوی گھر میں ڈٹ کر بیٹھی ہو تو شوہر ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیتا ہے بلکہ اڑاتا رہتا ہے اکثر بیویاں معمول کے کھانے کے ساتھ ساتھ خون کے گھونٹ بھی پیتی رہتی ہیں، کچھ چیخ چلا کر اپنا غصہ کم کرلیتی ہیں۔ مگر جب دو ساتھ ساتھ چلنے والے اس مقام پر آجائیں جہاں ایک فریق علیحدگی کا حتمی فیصلہ سناتا ہے تو معمولات زندگی منجمد ہوجاتے ہیں۔ ایک فریق بھی تحمل کا مظاہرہ کرے تو بند کمرے کے اجلاس ہوتے ہیں۔ دونوں ہی عقل کو رخصت پر بھیج دیں تو وکیلوں کی فلاح و بہبود کے لیے کمر کس لیتے ہیں۔ کمال فاروقی ہر وقت چیخنے چلانے والی عورت کو اپنے بچوں کی ماں سمجھ کر بڑی بے نیازی سے زندگی کی بھاگ دوڑ میں لگے رہتے تھے۔ مگر آج رات کے اس پہر سعدیہ نے پچھلے سارے حساب برابر کردیے تھے اور کمال فاروقی کو سنجیدگی سے بات کرنے پر مجبور کردیا تھا۔

"نہیں آج مجھ پر کوئی ٹیبلٹ اثر نہیں کرے گی۔ آپ ابھی اسی وقت مجھے تین مرتبہ طلاق دیں۔ ایک منٹ کے اندر اندر۔" سعدیہ نے بپھر کر کہا۔

"مرد طلاق دیتا ہے عورت کے پاس خلع کا حق ہے۔ میں تو کسی صورت تمہیں طلاق نہیں دوں گا البتہ تم اپنا خلع کا حق استعمال کرسکتی ہو۔" کمال فاروقی نے بڑی ذہانت سے معاملہ کنٹرول کیا۔

"کمال ہوسکتا ہے صبح تک مجھے برین ہیمبرج ہوجائے اور میں زندہ ہی نہ بچوں......!" سعدیہ نے آخری کارڈ پھینکا۔

"ہوگا تو وہی جو قسمت میں لکھا ہے اسی لیے کہہ رہا ہوں ٹیبلیٹ کھا کر سوجاؤ صبح بات کرتے ہیں۔ میں نے تمہیں اس بیڈروم سے بے دخل نہیں کیا تم نے اپنی مرضی سے یہ کمرہ چھوڑا تھا۔ تم پہلے کی طرح اس بیڈ پر بھی سوسکتی ہو۔" کمال فاروقی کو اب سچویشن قابو کرنے کے لیے سب کچھ کرنا تھا مرد اسی مقام پر اپنی بہترین صلاحیتیں استعمال کرتا ہے کیونکہ علیحدگی کا فیصلہ شادی کے فیصلے سے بڑا فیصلہ ہوتا ہے۔

"اس بیڈ پر وہ بھی آپ کے قریب اس سے بہتر ہے کہ کسی قبر میں جا کر لیٹ جاؤں۔" سعدیہ نے استہزائیہ انداز میں کہا مگر کمال فاروقی بھی طے کرچکے تھے کہ سعدیہ جو مرضی کہے انہوں نے اب بہت صبر سے سننا ہے۔ ورنہ چاروں طرف ایسی آگ لگے گی جو سرسبز زندگیوں کو راکھ کا ڈھیر کردے گی۔

"ٹھیک ہے جو تم نے کہا وہ میں نے سن لیا اب تمہاری جہاں مرضی سوجاؤ، جو بات ہوگی صبح ہوگی اب مجھ سے مزید کوئی بات نہ کرنا ورنہ میں آفس جا کر سو جاؤں گا۔" کمال فاروقی نے حتمی انداز میں کہا اور دوبارہ کروٹ کے بل لیٹ گئے بلکہ برابر والا تکیہ اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ دھمکی بہت موثر رہی پھر کان بھی بند کرلیے گئے تھے چاروناچار سعدیہ کو کمرے سے باہر اب جانا ہی تھا مگر بری طرح سلگ کر رہ گئی تھیں یوں جیسے جی کی جی ہی میں رہ گئی ہو۔

❀......❁......❀

مشہود کی نور کے تڑکے آنکھ کھل گئی تھی یوں بھی کافی عرصے سے نیند کا دورانیہ بہت کم ہوگیا تھا کمرے میں پھیلی معدوم سی روشنی سے لگتا تھا کہ سورج اوٹ سے نکلا ہی چاہتا ہے۔ اس نے کمرے میں نظر گھمائی تو پہلو میں سوئے ہوئے دانیال پر نگاہ گئی۔ اسے اپنے دوست پر جیسے ٹوٹ کر پیار آگیا جی چاہا سوئے ہوئے دانیال کی پیشانی یا ہاتھ چوم لے فوراً ہی خیال آیا کہ جانے کب سویا ہوگا۔ اس کا لمس محسوس کرکے جاگ پڑے پھر دوبارہ سو ہی نہ سکے۔ وہ احتیاط سے کہنیوں کے بل اٹھ کر بیٹھ گیا اور ازسرنو کمرے میں نگاہ دوڑائی، ہر شے اسی طرح اپنی جگہ پر موجود تھی یوں لگا وہ صبح کا نکلا ہوا رات گئے گھر پہنچا ہو۔ فوراً ہی دھیان ٹانگوں کی طرف گیا ایک آہ سرد سینے سے آزاد ہوئی۔ اس نے پلاسٹر چڑھی ٹانگ پر آہستہ سے ہاتھ پھیرا اور بے معنی سا مسکرانے لگا کس حال میں گھر سے نکلا تھا کس حال میں واپس آیا ہوں' اسے وہ صبح یاد تھی جس کی رات کو وہ اس شہر میں ہی نہیں تھا کوئی ضروری فائل کمرے سے لینا بھول گیا تھا کار اسٹارٹ ہی چھوڑ کر بھاگتا ہوا واپس گھر میں گیا تھا اور اسی برق رفتاری میں واپس باہر آیا تھا۔ تعاقب میں بوا کی آواز تھی۔

"اے بیٹا دھیرج پاؤں دھرو کودنے پھاندنے سے یہ سے رکنے والا نہیں۔" بوا کا خیال آتے ہی اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی۔

"میں تو کہتی ہوں گھر میں دلہن لے آؤ پیاری کی بعد میں کرنا پیاری کی پہلے ہوگئی تو گھر خالی ڈھنڈار لگے گا۔"

"بوا خالی تو سمجھ میں آتا ہے یہ ڈھنڈار کیا ہوتا ہے۔" اس نے چھیڑ چھاڑ کی۔ اپنی شادی کی بات وہ یونہی ہوا میں اڑا دیا کرتا تھا۔

"زبان پکڑنے کی ضرورت نہیں یہ ہماری بولی ہے ماں کے پیٹ سے پڑھ سیکھ کر آئے ہیں۔" ان کے انداز میں بلا کا اعتماد اور شان بے نیازی تھی۔

"ہوا کبھی خیال ہی نہ آیا کہ یہ ڈھونڈرا کیا ہو سکتا ہے۔" پھر جھلا کر بولی تھی۔

"ارے بڑوں کے منہ سے نکلا ہے کچھ تو مطلب ہوگا ہی۔" اور مشہود ہنستا ہوا اپنے رستے پر چل پڑا تھا۔

ایک بوا سے کتنی رونق تھی لگتا تھا دیواریں بھی باتیں کرتی ہیں اس نے ہمت کر کے بیڈ سے اترنے کی کوشش کی تا کہ واکر کے ساتھ واش روم تک قدم بڑھائے دانیال کی گہری نیند کی وجہ سے حد درجہ احتیاط کر رہا تھا جب بیڈ سے دونوں ٹانگیں لٹکانے میں کامیاب ہوگیا تو واکر کی طرف ہاتھ بڑھایا ہاتھ بمشکل واکر تک پہنچ رہا تھا وہ مزید کھسک کر آگے ہوا اور واکر پکڑنے کی کوشش کی اور ایک دم لڑھک کر نیچے آ رہا واکر بھی اس کے ہاتھ کی جنبش سے گر گئی ٹائلوں پر دھاتی اشیا کے گرنے سے ایک مخصوص آواز پیدا ہوتی ہے اس آواز کی وجہ سے دانیال ہڑبڑا کر جاگ گیا پریشان ہو کر اطراف میں نظر دوڑائی مشہود کہیں نظر نہ آیا وہ اچھل کر بیڈ سے اترا۔ کھڑا ہوا تو مشہود پر نظر پڑی۔

"اوہ مائی گاڈ...... کیا تم نیند میں گر گئے۔" وہ بھاگ کر اس کے قریب آیا اور بازو تھام کر اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔

"نہیں واش روم جا رہا تھا واکر پکڑتے ہوئے گر گیا۔" مشہود شرمسار سا ہو کر بولا۔

"یار مجھے جگا دیتے تمہارے روم میں سونے کا مقصد ہی یہی تھا کہ تمہاری مدد کروں۔" دانیال کو اصل فکر اس کی پلاسٹر والی ٹانگ کی ہو رہی تھی۔ وہ پوری قوت سے مشہود کو اٹھا رہا تھا۔

"میں نے سوچا پتا نہیں کب آنکھ لگی ہوگی تھوڑی دیر میں تو خود ہی اٹھ جاؤ گے سوری یار میں نے تمہیں جگا دیا۔" مشہود اسی سابقہ انداز میں گویا ہوا دانیال نے بالآخر اسے اٹھا کر کھڑا کیا اور واکر اس کے سامنے کر دی۔

"تھینک یو۔" مشہود نے سارا بوجھ واکر پر ڈالتے ہوئے تشکرانہ انداز میں دانیال سے کہا۔

"سوری...... ٹھیک ہے یوں بس کر دیا میں تمہارا دوست ہوں کوئی احسان نہیں کر رہا تم پر۔" دانیال نے محبت کا اظہار خفگی سے کیا۔

"دعا کرو۔ اللہ مجھے ہمت دے اور میں زندگی کے اس مرحلے سے عزت کے ساتھ گزر جاؤں۔" مشہود کے لہجے میں شکستگی جھلک رہی تھی۔

"اللہ نے تمہیں بہت ہمت دی ہے اور اسی وجہ سے آج اپنے گھر میں ہو دانیال ایک بالکل سچی بات بتاؤں ویسے تو میں نے ہمیشہ جھوٹ سے پرہیز ہی کیا ہے۔" مشہود اس کے مقابل کھڑا ہوا کسی خیال میں کھو کر بات کر رہا تھا۔ دانیال نے کچھ کہنے کے بجائے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"پیاری کا خیال آتے ہی مجھے لگتا تھا میری رگوں میں پگھلا ہوا فولاد دوڑ رہا ہے درندوں نے مجھے قابو کر لیا، پیاری تو پھر لڑکی ہے۔ یہ جذبہ اتنا پاورفل تھا کہ میں آگ کے دریا ڈوب کر پار کر لینا چاہتا تھا مجھے اپنی بہن کے سوا کچھ بھائی نہیں دیتا تھا۔" مشہود نے رک کر اپنی جذباتیت کو قابو کرنے کی کوشش کی دانیال مسلسل اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میں نے کسی طرح سے ایک چاقو حاصل کر لیا۔" مشہود کی آواز دھیمی ہوگئی۔

"چاقو......؟" دانیال اپنی جگہ ہل کر رہ گیا کیا خودکشی کے لیے وہ سوچنے لگا۔

"ہاں...... چاقو......! پھر میں اندازہ لگانے لگا کہ باتھ روم کی دیوار کھرچ کر ہول بنانے میں کتنے دن لگ جائیں گے۔"

"اوہ مائی گاڈ......!" دانیال کے منہ سے بے ساختہ نکلا...... چاقو سے دیوار میں رستہ بنانا گویا پہاڑ کھود کر دودھ کی نہر نکالنا۔

"پیاری کا خیال مجھے اتنی ہمت دیتا تھا کہ اس لمحے میں لوہے کو موڑ سکتا تھا۔ مگر اس ارادے پر کام شروع نہ ہوسکا گینگ کے لوگ آپس میں لڑ پڑے۔

بیماری کی آنکھ فجر کی اذان کے ساتھ ہی کھل گئی تھی آنکھ کھلتے ہی یوں لگا گویا وہ آج رات سوئی ہی نہیں ذہن کے پردے پر نیند کی کوئی شکن نہیں تھی۔ رات کے واقعات کسی فلم کی طرح ذہن میں اترنے لگے وہ اٹھ کر بیٹھ گئی مشہود سامنے آ کھڑا ہوا اس کی گردن پر کالر اور ٹانگ پر پلاسٹر چڑھا ہوا تھا چہرے پر زخموں کی کھرنڈ تھی۔

اسے شدید ذمہ داری کے احساس نے آ لیا، فوراً بستر چھوڑا ٹائم دیکھا اور سوچا ابھی تو مشہود بھائی اور دانیال سو رہے ہوں گے۔ دانیال جواب اس کا سب کچھ تھا اس کے لیے دل میں بہت قدر دانی کے جذبات موجزن ہونے لگے۔ دانیال کی وجہ سے اس کی بھی رات ہوگئی اگر دانیال مشہود بھائی کے ساتھ نہ ہوتا تو وہ ایک پل کے لیے بھی نہیں سو سکتی تھی۔

صوفے پر اس کے رات کے پہنے ہوئے کپڑے پڑے ہوئے تھے اس نے سب سے پہلے انہیں ہینگر کیا پھر وضو کرنے چلی گئی۔ نماز ادا کر کے مشہود کی صحت یابی کے لیے طویل دعا کی اتنا ڈوب کر کہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے جسم سنسنانے لگا دل کی گہرائیوں سے دعا مانگ کر وہ شاد ہوگئی روح ہلکی پھلکی ہوگئی قبولیت دعا کا احساس بہت طاقت ور تھا اب ذہن میں کوئی بھی الجھاؤ یا خلفشار نہیں تھا۔

دعا کا یہ اعجاز ہے کہ دل فوراً تقویت پکڑتا ہے بیٹری چارج ہو جاتی ہے۔ توانائی کا احساس ملتے ہی اسے کام سوجھنے لگے۔

دانیال اور مشہود کے لیے ناشتہ تیار کرنا ہے صفائی والی ماسی کو فون کر کے گھر کی صفائی کرانا ہے۔ مالی کو فون کرنا ہے تاکہ وہ ویران سے لان کو تر و تازہ کرے۔ ذہن تیزی سے دوڑتے دوڑتے ایک دم رک گیا۔ ابھی تو ایک اہم اور بڑا مرحلہ طے کرنا باقی ہے۔ مشہود کو پتا چلنا ہے کہ اس کی کل شادی ہوگئی ہے جب مشہود کو پتا چلے گا تو کیا ہوگا؟ خوش ہوگا مبارک باد دے گا دانیال کا شکریہ ادا کرے گا؟ مشہود کو دوئی رشتے داری میں بدلنے پر اعتراض تھا مگر وقت اور حالات اس وقت کچھ اور تھے اب تو وہ یہ خوش خبری سن کر اللہ کا شکر ہی ادا کرے گا کہ یہ تو ایک غیبی مدد ہے۔ وہ سوچتی ہوئی کچن کی طرف جا رہی تھی تاکہ صورت حال کا جائزہ لے وہاں کیا کچھ موجود ہے جو ناشتہ تیار کرنے میں سہولت ہو۔

مشہود بات ادھوری چھوڑ کر واش روم چلا گیا تھا۔

دانیال نے ہی اسے کہا تھا کہ پہلے وہ فریش ہو جائے پھر آپ بیتی سنائے کیونکہ مشہود کھڑا ہونے کے بعد گویا بھول ہی گیا کہ اس نے بستر کیوں چھوڑا تھا جیسے ہی ذہن تکلیف دہ دنوں کی طرف متوجہ ہوا وہ بہک گئی اور وہ بولتا چلا گیا۔

تب دانیال نے اسے ٹوک کر یاد دلایا کہ وہ واش روم جا رہا تھا اس حادثے نے مشہود کی نفسیات کو بہت زیادہ متاثر کیا تھا یہ بات دانیال رات ہی کو نوٹ کر چکا تھا کہ مشہود کو اب صرف اپنی ہی بات سے دلچسپی ہوتی ہے۔ اسے اپنے مخاطب کی طرف دیکھنے یا اسے سننے سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، مشہود واش روم سے باہر آیا تو دانیال نے اسے صوفے پر بٹھا دیا تاکہ وہ ٹیک لگا کر سکون سے بیٹھ جائے۔

"دانیال ایک بات بتاؤں یار۔" دانیال نے اس کے انداز پر چونک کر دیکھا۔

"سب بتا دو۔ میں بے چین ہوں سننے کے لیے۔" دانیال نے جلدی سے کہا اور اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔

"بچپن سے سنتے آ رہے ہیں کہ کل نفس ذائقۃ الموت میں نے ایک مرتبہ نہیں سیکڑوں مرتبہ موت کے ذائقے کو اپنی زبان کی نوک چھوتے ہوئے محسوس کیا ہے۔ اگر ماں باپ کے سائے سے محروم اکیلی تنہا پیاری سی بہن کا چہرہ آنکھوں کے سامنے نہ ہوتا تو میں شاید ہار مان کر مر جاتا جیسے ہی موت میرے وجود کو چھوتی میں زندگی کے لیے پاگل ہو جاتا پتا نہیں کیا ہو جاتا تھا مجھے

جیسے اندر کوئی جن اتر گیا ہو۔" بولتے بولتے مشہود کی آواز بہت دھیمی ہوگئی گویا خود کلامی کر رہا ہو۔

"تم بتا رہے تھے کہ تمہیں اغوا کرنے والے آپس میں لڑ پڑے پھر کیا ہوا؟" مشہود شاید آگے بڑھ گیا تھا اور بھول گیا تھا کہ کچھ دیر پہلے کیا بات کر رہا تھا دانیال کی بات سن کر ایک لمحے کے لیے اس نے غیر ارادی طور پر آنکھیں بند کیں اور گہری سانس لی۔

"پہلے چیخ چیخ کر ایک دوسرے کو فحش گالیاں دیتے رہے یہ پتا نہیں چل سکا کہ ان کی لڑائی کی وجہ کیا تھی پھر فائرنگ کی آواز بھی آئی میں تو بس قرآنی آیات پڑھتا رہا ذہن بالکل ماؤف ہوگیا تھا۔ موت سامنے ناچ رہی تھی۔ رات ڈھائی بجے کے قریب میرے کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک بندہ جس کو میں پہلی بار دیکھ رہا تھا اس کے ہاتھ میں اسٹین گن تھی اس نے آتے ہی میرا بازو پکڑا اور کھینچ کر اٹھایا ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں اس وقت مجھے یہی محسوس ہو رہا تھا کہ یہ میری زندگی کی آخری رات ہے۔" یہ کہہ کر مشہود دم لینے کے لیے رکا دانیال جیسے سانس روک کر اس کی بپتا سن رہا تھا۔

"پھر وہ مجھے کھینچتا ہوا کمرے سے باہر لایا اور گیٹ کی طرف دوڑنا شروع کر دیا میں اس کے ساتھ کھنچتا ہوا جا رہا تھا۔ باہر ایک پرانی جیپ کھڑی ہوئی تھی اس نے مجھے جیپ میں بیٹھنے کے لیے کہا میں فوراً بیٹھ گیا۔ میرے بیٹھتے ہی وہ اچھل کر ڈرائیونگ سیٹ پر آیا اور جیپ اسٹارٹ کرتے ہی دوڑا دی۔ جیپ اونچے نیچے راستے پر تقریباً ڈھائی تین گھنٹے چلی یہاں تک کہ صبح کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اتنی دیر تک اس شخص نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی روبوٹ کی طرح جیپ ڈرائیو کرتا رہا پھر ہم ایک گاؤں میں پہنچے چھوٹی دیواروں کے بڑے صحن اور دیواروں سے اونچے ڈبل اونچے مین دروازے اس ڈیزائن کے اکثر گھر بنے ہوئے تھے کوئی بندہ گھر میں داخل ہوئے بغیر گھر کے اندر کا جائزہ لے سکتا تھا۔" مشہود رک کر سانس لینے رکا یوں لگا جیسے وہ یادداشت پر زور دے کر کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ "پھر وہ جیپ سے اترا لٹکی ہوئی زنجیر زور زور سے دروازے پر ماری گاؤں میں کچھ لوگ آتے جاتے بھی نظر آ رہے تھے میں نے غور سے ان کی شکلیں دیکھیں تاکہ اندازہ ہو کہ میں کس شہر کے گاؤں میں ہوں اس وقت...... مگر ٹھیک سے کچھ پتا نہیں چلا۔ دروازہ کھلا میں نے نہیں دیکھا دروازہ کھولنے والا کون تھا بس دروازہ کھلنے کے بعد وہ شخص بڑا سا دروازہ چوپٹ کھول کر دوبارہ جیپ میں بیٹھ کر جیپ گھر کے اندر لے گیا میں ابھی تک بالکل خاموش تھا پھر وہ جیپ سے اتر گیا۔ اس نے دروازہ بند کر کے مجھے جیپ سے اترنے کو کہا وہ اسٹین گن لہرا کر اشارے کر رہا تھا۔ میں جیپ سے اتر گیا بہت بڑا صحن تھا جس میں کمروں کے دروازے کھلتے تھے ایک شیڈ کے نیچے ان کا کچن تھا لکڑی کا چولہا جل رہا تھا اس پر ایک بڑی سی دیگچی رکھی ہوئی تھی مگر کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ مجھے ایک کمرے میں لے کر آ گیا کمرے میں صرف ایک بڑا سا پلنگ تھا جس پر کوئی دری یا چادر نہیں بچھی ہوئی تھی نہ کوئی تکیہ تھا۔"

"ابھی تک تم نے اس کی آواز نہیں سنی تھی۔" دانیال بے صبری سے بول پڑا۔

"ہاں مگر کمرے میں پہنچ کر اس نے بلوچی زبان میں بات کی۔ پر شین الفاظ کی وجہ سے کچھ کچھ مجھے اس کی بات سمجھ آئی وہ مجھے آرام کرنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ تمہیں یاد ہے دانیال۔" مشہود کو درمیان میں کوئی نئی بات یاد آ گئی تھی بات کسی اور رخ پر چل پڑی مشہود کہہ رہا تھا۔

"شروع شروع میں پیاری کے پاس ان لوگوں کی طرف سے کافی فون کالز ہوئیں پیاری سے میری بات بھی کرائی پھر اس کے بعد فون کالز کا سلسلہ بند ہوگیا۔ اس کی یہی وجہ تھی کہ میں اس شخص کے ساتھ وہاں سے نکل گیا تھا جہاں یہ لوگ مجھے اغوا کر کے لے گئے تھے۔ میرے ذہن میں یہی آ رہا تھا کہ گینگ کے لوگ تاوان کی رقم پر آپس میں لڑ پڑے ہیں اور اس گینگ کا یہ کارندہ مجھے

یہاں اس لیے لایا ہے کہ تاوان کی ساری رقم اس کے ہاتھ لگے کسی اور کا شیئر نہ ہو۔ میں انتظار کرنے لگا کہ اب یہ پیاری کو فون کرے گا میری بات کرائے گا تاوان کا مطالبہ کرے گا۔ مگر ایسا کچھ نہ ہوا وہ بالکل خاموش تھا وہ گرم گرم روٹیاں اور ایک بڑا سا گول پیالہ چائے کا لے کر آیا اور اپنی زبان میں مجھے ناشتہ کرنے کے لیے کہا۔ بہت مدت بعد گرم روٹی نصیب ہوئی تھی۔'' مشہود یہیں تک پہنچا تھا کہ پیاری ہلکا سا ناک کر کے دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔ اندر آ کر اس نے بڑی حیرت سے دونوں کی طرف دیکھا دونوں صوفے پر بیٹھے ہوئے اندر داخل ہوتی پیاری کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پیاری دونوں کو اپنی طرف تکتا پا کر قدرے سٹپٹائی۔

''وہ میں سمجھی ابھی آپ لوگ سو رہے ہیں مگر لگتا ہے آپ تو کافی دیر سے جاگ رہے ہیں۔'' دانیال ایک خاص نگاہ سے پیاری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پہلے کی طرح اس نے نظر نہیں بچائی تھی بلکہ سر سے پاؤں تک بہت سکون و اطمینان سے دیکھا تھا۔ شب زفاف میسر آتی تو صبح اس انداز میں نہ ہوتی وہ اپنی محبوب بیوی کو بڑی حسرت سے دیکھ رہا تھا۔

''ہم تو منہ اندھیرے سے جاگ رہے ہیں۔'' مشہود نے بوا کی زبان میں اور بڑی بے ساختگی سے کہا تھا۔

''یار یہ منہ اندھیرے کا کیا مطلب ہے یعنی منہ پر اندھیرا تھا یا اندھیرے میں منہ تھا۔'' دانیال پیاری کی پیاری صورت دیکھ کر چونچال ہونے لگا دلدر دور ہو چکے تھے محبت جڑ پکڑ کر رنگ لے آئی تھی حس لطیف بیدار کر درجہ کمالیت پر تھی۔

''چھوڑو یار، مطلب مجھے نہیں پتا بوا ایسے ہی بولتی تھیں۔'' مشہود نے بھی مصنوعی انداز میں چڑ کر کہا۔

پیاری دانیال کی شوخی کی وجہ بھی جانتی تھی اور اس کے مزاج کے اشارے بھی سمجھتی تھی قدرے بدحواس سی نظر آنے لگی۔

''مشہود بھائی ناشتہ لاؤں۔'' اس نے وہاں سے جانے کے لیے پر تولے۔

''صرف مجھے ناشتہ دو گی اس بے چارے دانیال کا کیا قصور ہے۔ بے چارہ کل رات سے میری نرسنگ کر رہا ہے۔'' پیاری دانیال کی نظروں سے ویسے ہی گھبرا رہی تھی جلدی سے بھاگ گئی۔

''میں ناشتہ لا رہی ہوں۔'' کمرے سے نکلتے ہوئے اس کا آخری جملہ تھا آخری لفظ سے پہلے تو وہ کمرے سے باہر بھی نکل چکی تھی۔

''اف...... دل دھڑکنے کا بھی ایک خاص موسم ہوتا ہے۔ یہ پانچواں موسم سب پر نہیں آتا۔ چاہے جانے کے احساس کے ساتھ ہی یہ موسم وارد ہوتا ہے اور قدرت کے چاروں موسم کو اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے۔ سردی، گرمی، خزاں، بہار ایک ہی کیفیت کے پابند ہو جاتے ہیں موسم کی تبدیلی سے دل کا موسم تبدیل نہیں ہوتا۔ اس بہن کی وجہ سے اللہ نے مجھے بہت ہمت دی۔ آج بھی یقین نہیں آتا کہ میں اپنے گھر واپس آ چکا ہوں۔ اگر میں اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہوتا تو شاید ہمت ہار کر موت کو گلے لگا لیتا مگر جب روح موت کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جاتی تو میں آنکھیں بند کر کے آگ میں چھلانگ مار دیتا تھا بند آنکھیں اس وقت صرف پیاری کو دیکھتی تھیں۔ پیاری مجھے اپنی جان سے زیادہ پیاری ہے۔'' مشہود کے لہجے میں محبت کے چشمے ابل رہے تھے۔

''میں بھی کچھ ایسا ہی سوچتا ہوں مگر مجبوری ہے کہ تمہارے سامنے کہہ نہیں سکتا۔'' دانیال سوچ رہا تھا۔

''پہلے ناشتہ کر لیتے ہیں میڈیسن بھی لینی ہے پھر تمہیں بتاتا ہوں اس گھر میں کتنے دن رہا وہاں میں نے کیا کچھ دیکھا اور جو دیکھا وہ کتنا انوکھا اور نرالا تھا۔''

''اتنا سسپنس پیدا کر رہے ہو میں تو ناشتہ نہیں کر سکوں گا۔ ایسا کرو بس مجھے سمری سنا دو۔'' دانیال نے فوراً اور بے ساختہ انداز میں کہا۔

''میں تھک گیا ہوں یار کچھ پیٹ میں جائے گا تو آواز نکلے گی اور ناشتہ تیار ہی ہے۔'' مشہود نے دونوں

ہاتھوں سے گردن پر چڑھے کارکو چھوڑ کر گئی ہے سب ٹھیک ہے لہجے میں واقعی تھکن کا تاثر نمایاں تھا دانیال نے نرم ہاتھ سے بجس کو تھپکی دی۔

❀......❀......❀

ایک سادہ کاغذ اور بال پوائنٹ سعدیہ نے کمال فاروقی کے سامنے رکھ دیا۔

"یہ کیا ہے؟" کمال فاروقی بیڈ ٹی لے رہے تھے چونک کر سعدیہ کے سپاٹ چہرے کی طرف دیکھا۔

"لعنت بھیجتی ہوں ایسی شادی شدہ زندگی پر جس میں میری کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔ اولاد وہ بھی بیٹے حاصل کرنا اتنا آسان تھا تو درخت سے توڑ لیتے۔" سعدیہ بڑے سرد اور اجنبی انداز میں کہہ رہی تھیں۔

"سعدیہ فار گاڈ سیک۔" کمال فاروقی نے کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر زور سے دونوں ہاتھ جوڑے۔

"بہت جلدی خدا یاد آ گیا۔" سعدیہ نے طنز کا نشتر چلایا۔

"میں نے رات تم سے کہا تھا کہ ناشتے کے بعد آرام سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں میں تمہاری بیسک پرابلم تک اپروچ کرنے کی کوشش کروں گا کوئی حل نکالوں گا۔"

"میں نے حل نکال لیا ہے پلیز آپ تکلیف نہ کریں۔ ویسے بھی آپ نے کما کما کر مجھ پر احسانات کے پہاڑ جما دیے ہیں۔" سعدیہ اس وقت چیخنے چلانے کے بجائے روبوٹ کے انداز میں بات کر رہی تھیں۔

"آرام سے یہاں بیٹھ کر بات سنو، پیرنٹس کی ساری بھاگ دوڑ محنت مشقت کا مقصد کیا ہوتا ہے یہی ناں کہ ان کے بچے سکھی رہیں خوش رہیں آرام دہ گھر، مال و دولت سب کچھ بچوں کو دے دیں اور انہیں ہمیشہ کے لیے اداس کر دیں۔ یہ پیرنٹس کو سوٹ نہیں کرتا سعدیہ۔" کمال فاروقی نے وہی انداز اپنایا جو نازک صورت حال میں ذمہ دار مرد اپناتے ہیں سعدیہ کے شور شرابے پر وہ ردعمل ضرور کرتے تھے اور یہ سمجھ کر کرتے تھے کہ آواز کی تیزی ختم ہو جائے سمع خراشی کی اذیت سے نجات ملے۔

"ماں کا اس کی اولاد پر سب سے زیادہ حق ہوتا ہے مجھے کچرے کوڑے کی طرح یہاں پھینک کر بیٹے کی شادی کرنے چلے گئے یہ صلہ ہے میری سالوں کی محنت کا۔" سعدیہ کسی صورت بیٹھنے پر تیار نہیں تھیں اسی طرح آف موڈ مگر نیچی آواز میں بات کر رہی تھیں۔

"تمہیں کسی نے روکا تھا، بہت سخت اور پتھر دل ہے تمہارا، بچے کی خوشی منانے کے بجائے اسے خوشی کے موقع پر مینٹلی ٹارچر کیا۔"

"مجھے الٹی چھری سے ذبح کریں ڈنگر مویشی ہوں میں۔ انسان نہیں ہوں۔ جب باپ بیٹے کی نظر میں میری کوئی حیثیت نہیں میرے اس گھر میں ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تو آخر میں کیوں آپ لوگوں کی شکلیں دیکھوں۔ مجھے ہر صورت علیحدگی چاہیے اسی جگہ فیصلہ کر لیں تو اچھا ہوگا کورٹ سے خلع لوں گی تو سب کا تماشا بنے گا۔" سعدیہ کے انداز واضح اور فیصلہ کن تھے کمال فاروقی نے جیسے پھر خون کا گھونٹ پیا۔

"کیوں کر رہی ہو یہ سب، چین سے جینے کیوں نہیں دیتیں سب کو بے چین کر کے تمہاری اپنی زندگی سکون سے خالی ہو جائے گی۔" کمال فاروقی نے پھر سمجھایا۔

"ناٹ ایٹ آل کچھ نہیں سننا مجھے فیصلہ کریں ورنہ کل ہی کورٹ سے نوٹس ملے گا۔ جب اولاد ہی میری مخالف ہے تو آپ سے تو خون کا رشتہ بھی نہیں کمال صاحب۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھیں پھر ایک دم رک کر پلٹ کر کمال فاروقی کی طرف دیکھا میں فی الحال گیسٹ ہاؤس میں شفٹ ہو رہی ہوں بے قدری اور ذلت کے بعد جس طرح میں نے رات گزاری ہے میں ہی جانتی ہوں۔ سعدیہ راہداری کے موڑ پر غائب ہو چکی تھیں کمال فاروقی زندگی کے انتہائی نازک موڑ پر آ کھڑے ہوئے تھے۔

❀......❀......❀

آملیٹ، دہی اور پراٹھوں کا پُرلطف ناشتہ کرتے ہوئے دانیال کو ایک دم سے سعدیہ کا خیال آیا تھا۔ رات گزر گئی صبح بھی ہو گئی اسے باپ کو فون کر کے پتا کرنا

چاہیے تھا کہ سب خیریت رہی یا گھمسان کا رن پڑا تو دانیال ہکا بکا مشہود کی شکل دیکھ رہا تھا۔ وہ سمجھ سکتا تھا کمال فاروقی آگ کا دریا پار کرنے کے بعد ہی سو پائے ہوں گے۔

"ٹھیک سے ناشتا کرو دانیال کیا سوچنے لگے۔" مشہود نے چمچ سے دہی کھاتے ہوئے دانیال کو ٹوکا، جو نوالہ توڑتے ہوئے رک گیا تھا۔

وہ چونک پڑا اور زبردستی کے انداز میں مسکرا کر مشہود کی طرف دیکھا۔

"ہاں...... آں...... کچھ نہیں آج تمہارے ساتھ ناشتہ کررہا ہوں پتا ہی نہیں چلا پورے دو پراٹھے کھا چکا ہوں۔ یہ ناشتا تو بڑی دعاؤں کے بعد نصیب ہوا ہے۔" اس نے معنی خیز انداز اور ذرا اونچی آواز میں کہا تاکہ پیاری سن لے اور پیاری نے سن بھی لیا۔

دل میں میٹھے میٹھے درد کی ہلکی سی لہر اٹھی مشہود کے اصرار کرنے کے باوجود وہ ان کے ساتھ ناشتا کرنے نہیں بیٹھی اسے پتا تھا دانیال کی شوخ نگاہیں اسے بھوکا ہی مار دیں گی۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو، میں لاکھوں کروڑوں دعاؤں کے بعد اپنی پیاری سی بہن کے ہاتھ کے پراٹھے کھا رہا ہوں۔" مشہود نے بڑی سادگی سے کہا وہ دانیال کے معنی خیز جملوں کی گہرائیوں تک نہیں اتر سکتا تھا۔ دانیال کو پیاری کے علاوہ کوئی سوچ نہیں تھی ماں کو منانا آسان لگ رہا تھا شادی کی خبر مشہود کو سنانا مشکل مرحلہ لگ رہا تھا۔ مشہود بھی صبح سے اپنی بات کیے جارہا تھا دانیال کو راستہ ہی نہیں دے رہا تھا جبکہ دانیال کی شدید خواہش تھی کہ وہ پہلی فرصت میں مشہود کو خوش خبری سنادے۔

"تھینک گاڈ دوزخ سے گزر کر واپس اپنی جنت میں آ گیا لیکن میں مہر بی بی کو زندگی بھر نہیں بھلا سکتا۔ جنگل میں بھیڑیوں کے ساتھ ساتھ مور اور مورنیاں بھی تو ہوتی ہیں۔" یہ کہہ کر مشہود نے مسکرا کر گہری سانس کھینچی اور چائے کا کپ اٹھا کر ایک گھونٹ لیا۔ امریکن کچن میں کاؤنٹر پر اپنا ناشتہ رکھتے ہوئے پیاری بھی چونک گئی۔

"مہر بی بی......! گینگ میں کیا مہر بی بی بھی تھی؟؟" دانیال نے بے اختیار کیفیت میں پوچھا۔

"اس بے چاری کو کیا پتا کہ گینگ کیا ہوتا ہے۔" مشہود مسکرایا۔ "وہ تو اس کریمنل کی سوتیلی ماں تھی اور تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی اس وقت اس کی عمر مشکل سے پندرہ سال ہوگی۔" پیاری کے ہاتھ سے نوالہ گر پڑا دانیال الجھن بھری نظروں سے مشہود کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اسی وقت دانیال کے سیل فون پر رنگ ہوئی تھی اس نے ہاتھ بڑھا کر سیل فون اٹھایا۔ کمال فاروقی کی کال آرہی تھی۔ اس نے بلاتاخیر توقف کال ریسیو کی۔

"السلام علیکم بابا۔"

"والسلام سب خیریت ہے مشہود کی طبیعت کیسی ہے۔" کمال فاروقی کا انداز پرسکون اور معمول کے مطابق تھا۔

"جی پاپا بس ابھی ناشتہ کیا ہے مشہود کی طبیعت رات کے مقابلے میں بہت بہتر ہے۔"

"گھر آخر گھر ہوتا ہے فرق تو پڑے گا۔ میرا اندازہ ہے مشہود بہت جلد فٹ ہوجائے گا ان شاء اللہ۔" دانیال نے مشہود کی طرف دیکھ کر اچھی امید کا اظہار کیا۔

"گڈ اچھا یہ بتاؤ ابھی تمہارا کیا پروگرام ہے۔" کمال فاروقی نے یوں پوچھا جیسے ویسے ہی پوچھ رہے ہوں۔

"کوئی خاص نہیں تھوڑی دیر میں آتا ہوں مگر آپ تو آفس کے لیے نکل رہے ہوں گے۔" دانیال نے وال کلاک پر ایک نگاہ کی۔

"نہیں میں تمہارا ویٹ کروں گا اندازاً کتنی دیر میں وہاں سے چلو گے۔" کمال فاروقی کا انداز سابقہ تھا مگر جملہ چونکانے والا تھا۔

"ویٹ کریں گے خیریت۔" دانیال اب فکر مند ہوا کہ ضرور کوئی خاص بات ہے ورنہ وہ ویٹ کرنے کا کیوں کہتے وہ تو آفس میں بھی مل سکتا ہے۔

"ٹھیک ہے پھر آجاؤ میں ویٹ کررہا ہوں اللہ

حافظ۔" کمال فاروقی کی طرف سے رابطہ منقطع ہوگیا مگر
ٹھنک جانے کی وجہ سے سیل ابھی تک دانیال کے کان
سے لگا ہوا تھا۔ سارا سکون ہوا ہوگیا۔ پاپا گھر پر میرا ویٹ
کر رہے ہیں تو پھر دیر کیوں کی جائے اس پر اب عجلت
سوار ہوگئی طرح طرح کے خیالات کی یلغار ہوگئی۔

"یار مشہود میں چلوں گا۔" وہ کھڑا ہوا۔

"خیریت تو ہے ناں انکل کیا کہتے ہیں؟" مشہود
گردن نہیں موڑ سکتا تھا اس نے آنکھیں گھما کر دانیال کا
چہرہ دیکھنے کی کوشش کی پیاری بھی اپنی جگہ دھک سے رہ
گئی تھی۔

حسین تصورات جھاگ کی طرح بیٹھ گئے تلخ حقیقت
سرو قد کھڑی ہوگئی دانیال کی ممی شادی میں شریک نہیں
ہوئیں ابھی یہ سب بھی تو فیس کرنا ہے۔ پتا نہیں انکل نے
فون پر کیا کہا ہے دانیال کچھ فکر مند تو لگ رہے ہیں پیاری
کو اب وہم ستا رہے تھے۔ کوئی ایک مرحلہ تو تھا نہیں
دانیال کی ممی، مشہود کی حالت اسے پیاری اور دانیال کی
شادی سے مطلع کرنا پھر اس کا ردعمل دیکھنا۔

"ٹھیک ہے تم گھر کا ایک چکر لگا لو مگر جلدی آجانا
یار۔" مشہود نے سر اٹھا کر دانیال کو دیکھنے کی کوشش کی۔

"ڈونٹ وری کہنے کی ضرورت نہیں مجھے احساس ہے
کہ تمہیں اس وقت بہت پرابلم ہے میں زیادہ دیر تم سے
دور نہیں رہوں گا۔" اس نے مشہود کا شانہ دھیرے سے دبا
کر تسلی دی۔

"تھینک یو یار مجھے احساس ہے تم اس دوستی کا بہت
بوجھ اٹھا رہے ہو، مگر کوئی بات نہیں مشکل وقت ہے مگر گزر
جائے گا ان شاء اللہ۔"

"ان شاء اللہ ایسا ہی ہے۔" اس نے دور کھڑی پیاری
کی طرف دیکھا جو پشت کیے کھڑی تھی مشہود کی وجہ سے
بلا کی محتاط تھی۔

دانیال کا ذہن اب ہر طرف سے ہٹ کر بس اپنے گھر
کی طرف لگا ہوا تھا۔ جی چاہا پیاری کو دو بول تسلی کے کہہ کر
یہاں سے روانہ ہو مگر مشہود کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

"اماں یہ جو آپ کی عادت ہے ناں کہ ہر راہ چلتے پر
جان قربان کرنے لگتی ہیں درختوں، پرندوں سے پیار
کرنے لگتی ہیں یہ ٹھیک نہیں آپ جیسے لوگوں سے لوگ
ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں بس اب سمجھ لیں آپ۔" عالی جاہ
ناشتے کی میز پر آف موڈ میں آ کر بیٹھا تھا۔

"بیٹا میرا قصور کیا ہے۔ کیوں راشن پانی لے کر چڑھ
دوڑے ہو؟" مانو آپا نے حیران پریشان ہو کر عالی جاہ کی
صورت تکی۔

"ہزاروں روپے کے پودے رات برباد ہوئے ہیں
وہ جو باہر سے ویٹرز آئے تھے لان تباہ و برباد کر کے رکھ دیا
ہے۔ مجھے صرف اتنا بتا دیں کہ یہ سب ڈرامہ ماموں جان
کے گھر کیوں نہیں ہو سکتا تھا۔ دس کلومیٹر کے فاصلے پر ان
کا گھر ہے ان کا تو صرف لان ہی ہزار گز کا ہے۔ ایک
ساتھ دو شادیاں ہو سکتی ہیں وہاں۔" عالی جاہ نے مارجرین
کے جار کا ڈھکن کھولتے ہوئے انگارے چبائے۔

"اللہ سب کی ایک ہی کرائے دو شادیاں تو آج کل
تماشہ ہیں۔ بولتے ہوئے کچھ تو سوچ لیا کرو۔" مانو آپا
سچویشن بھول کر ڈائیلاگ میں اٹک گئیں۔

"میں نے آپ سے کچھ پوچھا ہے پہلے میری بات کا
جواب دیں۔ دانیال کی شادی اس کے اپنے گھر میں کیوں
نہیں ہو سکتی تھی۔ مجھے کیوں فضول میں ڈسٹرب کیا گیا۔"
عالی جاہ کی شکست خوردگی کی وجہ شاید اسے خود بھی سمجھ نہیں
آرہی تھی مگر مانو آپا کا وجدان انہیں حقیقت بتا رہا تھا وہ سمجھ
رہی تھیں کہ عالی جاہ پیاری کا ہاتھ سے جانا برداشت نہیں
کر پا رہا دوسری باتوں کی آڑ لے کر اپنے دل کا غبار نکال
رہا ہے۔ مزید یہ کہ اس کے دل میں دانیال کے لیے جو
کدورت جمع ہوگئی ہے وہ اس وقت تک جمع رہے گی جب
تک کسی اچھی لڑکی سے اس کی شادی نہیں ہو جاتی یا شادی
سے پہلے ہی اسے کوئی لڑکی پسند نہیں آجاتی۔

"بیٹا سیدھی سی بات ہے یہ سب سعدیہ کی وجہ سے
کرنا پڑا تمہاری مامی کی ضد اور ہٹ دھرمی نے سب کا

سکون غارت کر کے رکھ دیا ہے یہ میرے سیدھے سادے بھائی کا جگرا ہے جو اتنی ضدی مزاج عورت کو نباہ گیا۔ سر پر رکھ کرنا چیں ایسی ماں کو جسے اولاد کی خوشی کا خیال نہیں پہلے رشنا کی وجہ سے ہنگامہ کیا میں نے ایک طرف ہو کر راستہ دے دیا کہ جاؤ تم اپنی خوشی پوری کر لو اب دانیال ہی نہیں مانا تو میرا کیا قصور۔" مانو آپا نے چائے تیار کر کے عالی جاہ کے سامنے رکھ دی اور وہاں سے جانے کی نیت کی۔

"ایشو کیا ہے مامی نے کس بات پر ضد کی مجھے ابھی بھی سمجھ نہیں آئی۔" عالی جاہ غم و غصہ وقتی طور پر بھول گیا اور حیرت سے سوال کرنے لگا۔

"بہو اپنی پسند کی لاؤں گی بیٹے کی پسند منظور نہیں۔" مانو آپا نے قصہ کوتہ کیا۔

"بیٹا بھی ماں پر جائے گا یا باپ پر دانیال نے تو قسم کھائی تھی شادی پیاری سے ہی کرے گا بس ماں بیٹے میں ٹھن گئی۔"

"آپ کے سامنے قسم کھائی تھی دانیال نے۔" عالی جاہ نے بے سروپا سوال کیا۔

"دوست کی بہن ہے برسوں کا آنا جانا تھا دل میں بس گئی اب یہ تو نصیب کے کھیل ہیں ارے پتھر کا کلیجہ ہے اولاد کی خوشی میں شریک ہو جاتیں تو گرہ سے کیا چلا جاتا دنیا کو ہنسنے کو دے دیا۔ شادی تو ہو گئی اب بیٹھی لیکر پیٹتی رہیں۔" مانو آپا یہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چل پڑیں اس سے زیادہ بولنے کی طاقت نہیں تھی عجلت اس لیے دکھائی مبادا عالی جاہ مزید سوال نہ کر بیٹھے۔

"اوہ تو یہ بات ہے۔ مامی جی آپ سے تو ملنا بنتا ہے۔" عالی جاہ کو کچھ ٹھنڈک سی محسوس ہوئی۔

دونوں مل کر دل کی بھڑاس نکالیں گے تو آنچ کچھ دھیمی پڑے گی دانیال کی فتح نا قابل برداشت اس لیے تھی کہ اس نے پیاری کو واقعی دل میں بسایا تھا۔ اس لیے کہ اس نے پیاری جیسی لڑکی آج تک دیکھی ہی نہیں تھی چٹاخ پٹاخ سی لڑکیاں جو اس کے اسٹائل اور دولت کی وجہ سے اس پر ٹوٹی پڑتی تھیں ان کی تو اس کی نظر میں کوئی وقعت ہی نہیں تھی۔ پیاری کم گو، کم آمیز حسن خاموش ہو تو اس کی تاثیر کالے جادو کے مثل ہوتی ہے جو سر چڑھ کر بولتا ہے۔

❁......✹......❁

دانیال گھر میں داخل ہوا تو کچن سے برتن کھڑکھڑانے کی آوازیں آرہی تھیں جن سے گھر آباد ہونے کا نشان ملتا تھا اسے لاؤنج سے کاریڈور کے آخری سرے تک کوئی نظر نہ آیا وہ سیدھا کمال فاروقی کے بیڈ روم تک چلا آیا دروازے پر پہنچ کر ہلکی سی دستک دی۔

"آجاؤ۔" اندر سے کمال فاروقی کی آواز آئی دانیال نے آہستگی سے ہینڈل گھما کر دروازہ وا کیا کمال فاروقی کمرے میں ٹہلتے نظر آئے وہ گھر کے بے تکلف حلیے میں تھے۔ اس نے کمرے میں نظر دوڑائی ماں نظر نہ آئی۔

"ممی سو رہی ہیں؟" اس کا دھیان گیسٹ روم کی طرف گیا۔

"میں اس عورت کی بلیک میلنگ سے تنگ آ گیا ہوں تم اور بلال اسے سمجھاؤ وہ خلع کی دھمکیاں دے رہی ہے میں سچ مچ طلاق دے دوں گا۔ اب یہ تم دونوں بھائیوں پر ہے کہ ماں کو تباہی سے بچانے کے لیے کیا کچھ کر سکتے ہو، ایک ثواب کا کام بتاتا ہوں پہلی فرصت میں اپنی ماں کو کسی سائیکاٹرسٹ کے پاس لے جاؤ۔" کمال فاروقی بولتے ہوئے دانیال کے قریب آ کھڑے ہوئے دانیال کو زمین ہلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی یوں گویا پانی پر لکڑی کا تختہ......!

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

انتہا کی زنجیر

اقبال بانو

نہ مزہ ہے دشمنی میں نہ لطف دوستی میں
کوئی غیر غیر ہوتا، کوئی یار یار ہوتا
یہ مزہ تھا دل لگی کا کہ برابر آگ لگتی
نہ تمہیں قرار ہوتا نہ ہمیں قرار ہوتا

سگنل کی سرخ بتی کی وجہ سے نواں شہر کے چوراہے پر رکشا ایک جھٹکے سے رک گیا۔ دوسری طرف کا ٹریفک سڑک پر رواں دواں تھا‘ میں نے بلا ارادہ ہی رکشے سے باہر دیکھنا شروع کردیا تبھی برابر میں ایک موٹر سائیکل کے اگلی طرف کھڑی بلیو ہنڈا دیکھ کر بے ساختہ ہی میرے ہونٹوں سے ”ارے“ نکل گیا مگر دوسرے ہی پل میری آنکھوں میں حیرتوں کے سارے سنگریزے چبھنے لگے اور دل میں ہلکا ہلکا درد آپ ہی آپ اٹھا تھا‘ میں نے بے ساختہ دل پہ ہاتھ رکھ لیا‘ ایک درد سا جاگا تھا۔

وہ درد جس سے میں کبھی بھی آشنا نہ ہوئی تھی‘ اس درد کی تو مجھے خبر ہی نہ تھی۔ وہ دل کی تہوں میں ایک دم ہی واویلا مچانے لگا تھا شاید مجھے غلط فہمی ہوئی تھی‘ میں نے ایک دم ہی آنکھوں کو میچ کر پھر کھولا مگر حقیقت کی سخت چٹانیں بھی آنکھیں بند کرلینے سے سرکتی ہیں بھلا؟ حقیقت تو اٹل ہے اور یہ اٹل حقیقت ہی تو تھی کہ اس بلیو کار میں میرا شوہر ڈاکٹر آفاق ملک بیٹھا تھا۔

حیرت یہ نہ تھی کہ اسے دیکھ کر میں حیران ہوئی تھی؛ حیرانی تو مجھے اس لیے تھی کہ فرنٹ سیٹ پر اس کے ساتھ کوئی ”اور“ بھی تھی اگر یہ ”کوئی اور“ مذکر ہوتا تو مجھے پروانہ ہوتی نہ ہی میرے اندر درد کی لہریں اٹھتیں وہ تو کوئی شعلہ جوالہ تھی جو غالباً کیا یقیناً میری ازدواجی زندگی کے چھپر پر چنگاری کی صورت گرسکتی تھی اور میرے گھر کو ساڑ (جلا) کے راکھ کردیتی۔ خوب صورت عورتوں سے مجھے بہت خوف آتا ہے کہ یہ عورتیں نہیں ہوتیں چلتی پھرتی آگ ہوتی ہیں‘ کڑکتی بجلیاں ہوتی ہیں۔

یہ خوب صورت عورتیں جو غیر مردوں کے ساتھ گھومتی پھرتی ہیں‘ خوب صورت عورتیں نہیں بلائیں ہوتی ہیں جو مردوں سے چمٹ جائیں تو پھر کوئی منتر بھی ان سے جان نہیں چھڑوا سکتا تبھی رکشا ایک جھٹکے سے آگے بڑھا تو خیالوں کی ڈور بھی ایک جھٹکے سے ٹوٹی‘ میں نے ایک بار پھر اس کار کی طرف دیکھا جس کا اسٹیئرنگ میرے شوہر کے ہاتھ میں تھا مگر مجھے یقین تھا کہ اس وقت اس کے دل کی ساری لگام اس حسین بلا نے اپنے ہاتھوں میں سنبھالی ہوئی ہیں۔

"ضروری ہے جو کچھ تم سمجھ رہی ہو وہ اور ملک وہی بات ہو؟" میرے ذہن نے دلیل دی۔

"میں جو سمجھ رہی ہوں وہی بات ہے ورنہ...... ورنہ آفاق مجھے نہ پک کرنے کا یہ بہانہ کیوں کرتا کہ ایمرجنسی کیس کی وجہ سے وہ مجھے لینے نہیں آئے گا۔" میرے دل نے جواباً کہا۔

انسان جھوٹ تبھی بولتا ہے جب اس کے دل میں کوئی چور اور خلوص میں کوئی کھوٹ ہوتا ہے ورنہ جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟ میرے ذہن میں خیالات ریشم کے لچھوں کی طرح الجھ کر رہ گئے۔

"کون تھی وہ......؟" یہی سوال ذہن کے گنبد میں چکرا رہا تھا۔

"کہاں غلطی ہوئی ہے مجھ سے؟ آفو! کیوں دوسری طرف بڑھا؟ کہیں نہ کہیں مجھ سے ضرور کوئی غلطی ہوئی ہے...... مرد ہمیشہ دوسری عورت کی طرف تبھی بڑھتا ہے جب اپنی بیوی سے مطمئن نہ ہو یا بیوی میں کوئی کمی ہو۔ میں نے پرفیکٹ ہونے کا کبھی دعویٰ نہیں کیا مگر......"

"بی بی جی...... کس طرف جانا ہے؟" رکشا ڈرائیور گردن موڑ کر پوچھ رہا تھا' میں نے طویل سانس لی اور بتایا۔

"عیدگاہ کے چوراہے سے سیدھے ہاتھ کو موڑ لو۔"

چند لمحے بعد ہی رکشا میرے گھر کے گیٹ پر رکا' میں کرایہ ادا کر کے جلدی سے گیٹ کی طرف بڑھی۔ اندر آئی تو ایک دم ہی میری نظریں پورچ میں اس نیوی بلیو گاڑی کو تلاشنے لگیں جسے چند لمحے پیشتر میں سڑک پر دیکھ چکی تھی۔ خالی پورچ میرا منہ چڑا رہا تھا' آنسوؤں کو پیتے ہوئے میں نے اپنی ساس کو سلام کیا۔

"جیتی رہو۔" انہوں نے نہایت محبت سے مخصوص جملہ کہا۔ میں اپنی خواب گاہ کی طرف بڑھی تو وہ بولیں۔

"آفاق نہیں آیا؟"

"مجھے اس نے فون کر کے کہہ دیا تھا کہ ایمرجنسی کیس کی وجہ سے وہ نہیں آسکے گا' میں رکشا کر کے آئی ہوں۔"

"اللہ خیر کرے۔" وہ دل پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔

"عمو کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"عابدہ کے پاس سویا ہوا ہے؟"

"ٹھیک ہے۔" میں نے قدم اٹھایا۔

"کھانا لگواؤں۔" انہوں نے پوچھا۔

"نہیں امی جی۔"

"کچھ تو کھالو۔" جی چاہا کہوں ہاں زہر کھانے کی خواہش ہے وہی کھلا دیں مگر میں نے کہا تو اتنا......

"ابھی میں سوؤں گی پھر اٹھ کر کھالوں گی۔ فی الحال بھوک نہیں ہے۔" میں نے دھیرے سے کہا اور جلدی سے اپنے کمرے میں آگئی حالانکہ اس وقت میرا جی چاہ رہا تھا۔ میں اپنی ماں جیسی ساس کے کندھے سے سر ٹکا کر بے تحاشا روؤں آفاق کی شکایت کروں کہ آج اس نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔

پتا نہیں وہ مجھے کب سے اس طرح کے ڈاج دیتا چلا آرہا ہے' بیڈ پر آڑی ترچھی لیٹ کر میں نے یہ سب سوچ ڈالا۔

"آفو...... آفو! مجھے تم سے یہ امید نہ تھی۔" انجانا سا دکھ میرے دل کی رگوں کو چیر رہا تھا۔

"ماورا ہو سکتا ہے وہ آفاق کی کوئی کولیگ ہو؟" میرے ذہن نے پھر آفاق کی طرف داری کی۔

"پھر اس نے مجھے کیوں فون کر کے کہا تھا کہ ایمرجنسی کیس کی وجہ سے وہ نہ آسکے گا مجھے لینے' میں خود چلی جاؤں۔" میرے دل نے ذہن کی دلیل رد کرتے ہوئے کہا اور اس کا جواب میرے ذہن کے پاس بھی نہ تھا۔

"کون تھی وہ آفو تمہارے ساتھ' میرے علاوہ بھی کسی کی اتنی اہمیت ہو سکتی ہے کہ اس کی خاطر تم مجھ سے جھوٹ بولو۔ میں جو تمہارا اپنا آپ ہوں آفاق ملک! بقول تمہارے...... تمہارے دل کی دھڑکن ہوں' روح کا چین ہوں پھر تم نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا؟ پتا نہیں آفو! تم مجھ سے کب سے جھوٹ بول کر کسی حسین آفت کے ساتھ وقت گزارتے ہو۔ میرے وقت میں سے دوسری کے لیے

وقت نکالتے ہو میری امانت وہ محبتیں جو میرے لیے ہیں اس پر نچھاور کرتے ہو آفو...... آفو!" میرے دل کا لہو آنکھوں سے بوند بوند ٹپکنے لگا۔

پہلی چوٹ لگی تھی درد تو لازمی ہونا تھا۔ پانچ سالہ ازدواجی زندگی میں پہلی بار اس دکھ سے میں گزر رہی ہوں' ناآشنا سے دکھ بہت رلاتے ہیں نا۔ میں ایک مقامی بینک میں آفیسر ہوں اور میرا شوہر ڈاکٹر آفاق ملک شہر کا مشہور و معروف سرجن ہے۔ آفاق صبح اسپتال جاتے ہوئے مجھے بینک چھوڑ دیتا ہے اور واپسی پر مجھے پک بھی کر لیتا ہے۔ کبھی اسے کوئی ضروری کام ہو یعنی کوئی آپریشن وغیرہ ہو تو مجھے فون کر کے کہہ دیتا ہے۔

"ماری جان! تم گھر چلی جانا' میں تمہیں لینے نہ آسکوں گا کہ آپریشن کرنا ہے۔" اور میں اس کی بات پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لیتی ہوں' ایک تو وہ واقعی بہت مصروف رہتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مجھے خود پر بہت اعتماد ہے کہ میرا شوہر اور کہیں نہیں جاسکتا اور یہ اعتماد بلاوجہ نہیں ہے۔

آفاق نے پورے خاندان کی مخالفت لے کر مجھے اپنایا ہے آفاق نے یہ عہد کر لیا تھا کہ اگر مجھ سے شادی نہ ہوئی تو وہ کسی سے بھی شادی نہ کرے گا۔ میری خاطر اس نے اپنی ٹھیکرے کی مانگ کو ٹھکرا کر خاندان سے دشمنی مول لی تھی۔ عذرا اس کی ماموں زاد تھی اور اس نے عذرا سے شادی سے انکار کر دیا تھا تب سے اس نے ماموں سے قطع تعلق کر لیا تھا' ماں سے میکہ ہی چھڑوا دیا تھا مگر مجھے اپنایا تھا۔ سب گھر والوں سے مجھے قبول کروایا تھا' ایک محبت کو پانے کے لیے اس نے ڈھیر ساری محبتوں اور رشتوں کو ٹھکرایا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اور کہیں نہیں جاسکتا مگر مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے جب پہلی بار میری آفاق ملک سے ملاقات ہوئی تھی۔

میں ایک سیمینار میں شرکت کے لیے بینک کی طرف سے لاہور جارہی تھی فلائنگ کوچ سے میں ملتان سے روانہ ہوئی' میرے ساتھ ہی آفاق ملک بھی تھا۔ میرے دائیں

سائیڈ کی سیٹ پر بیٹھا مجھے مسلسل اپنی نظروں کی زد میں رکھے ہوئے تھا اور میں سخت کوفت میں مبتلا تھی یوں بھی آپ کو کوئی مسلسل دیکھے تو عجیب سی گھبراہٹ تو ہوتی ہے نا؟ یہی حالت میری بھی تھی کئی بار میرا جی چاہا میں اس سے کہوں۔

''کیا بات ہے کیا میری شکل تمہاری سابقہ محبوبہ سے ملتی ہے جو تم نظریں نہیں ہٹا رہے ہو؟'' میں جو نہایت بولڈ لڑکی تھی کچھ کہہ ہی نہ پائی دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتی رہی۔ کوچ نے پہلا اسٹاپ شور کوٹ پر کیا مرد حضرات اتر گئے وہ بھی اترا پھر ایک دم ہی دوبارہ لوٹ آیا میرے قرب آ کر بولا۔

''مجھے ڈاکٹر آفاق ملک کہتے ہیں؟''

''جی......!'' میں اس اچانک تعارف کے لیے تیار نہ تھی۔

''کیا پئیں گی ٹھنڈا یا گرام۔'' اگلی سیٹ کی پشت پر وہ ہتھیلیاں ٹکا کر بولا۔

''میں...... کچھ نہیں پیوں گی۔''

''آپ کا حلق خشک ہو رہا ہے پی لیں۔ کون سی کولڈ ڈرنک چلے گی؟'' آفاق ملک میرے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''ٹیم......'' بے ساختہ ہی میرے لبوں سے نکلا۔ وہ ہنستے ہوئے ایک دم سیدھا ہوا اور پھر کوچ سے اتر گیا۔ مجھے خود پر غصہ آنے لگا آخر میں اتنی بزدل کیوں ہو گئی تھی کہ فوراً اس کی بات مان لی۔ میں جو مردوں کے ساتھ آفس میں کام کرتی ہوں کیا مجھ جیسی لڑکی اتنی بزدل بھی ہو سکتی ہے تبھی وہ آ گیا اور کولڈ ڈرنک میری طرف بڑھاتے ہوئے اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

''شکریہ۔'' میں نے ٹھنڈی بوتل تھام لی۔

''لاہور کس سلسلے میں جا رہی ہیں؟''

''ایک سیمینار میں شرکت کے لیے۔'' میں نے اسٹرا لبوں میں دبا اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا شاید وہ میری نظر کا سوال جان گیا تھا۔

''میں انٹرویو دینے جا رہا ہوں یہ حکومت نے اچھی رٹ لگا دی ہے کہ پہلے ایڈہاک پر کام کرو پھر مستقل جاب کے لیے انٹرویوز دو۔ کامیاب وہی ہوتے ہیں جن کے پاس اپروچ ہو اپنی قابلیت کسی کام نہیں آتی۔'' آفاق کے لہجے میں زہر بھرا تھا۔

''پھر آپ نے اپروچ تلاش کی۔''

''ہاں جی ایسا ضروری ہے۔''

''پھر تو آپ کا کام ہو جائے گا۔'' میری گھبراہٹ اب ختم ہو گئی تھی۔

''امید تو یہی ہے لاہور میں کہاں ٹھہریں گی آپ؟''

''یوں تو بینک کی طرف سے ہوٹل میں رہائش ہے مگر میں اپنے انکل کے ہاں ٹھہروں گی۔'' میں نے اسے بتایا پھر وہ خالی بوتلیں کولڈ اسپاٹ پر دے آیا میں نے پیسے دینے چاہے تو بولا۔

''اتنی بڑی رقم نہیں تھی۔''

''قطرے قطرے سے دریا بنتا ہے۔''

''میرے پاس ایسے بہت سے قطرے ہیں فی الحال۔'' اس نے میرے ہاتھ میں دبے سو روپے کے نوٹ کی طرف اشارہ کیا تو میں نے ہنس کر وہ نوٹ دوبارہ پرس میں رکھ لیا پھر تو باقی سارا راستہ وہ مجھ سے باتیں ہی کرتا گیا اپنے مشاغل کے بارے میں بتاتا رہا اور ایک بات جو اس نے لاہور پہنچ کر مجھے کہی وہ یہ تھی۔

''جونہی آپ کوچ میں آ کر بیٹھی تھیں میرا دل تبھی سے آپ سے تعارف حاصل کرنے کے لیے مچلا اور میں نے سوچ لیا تھا کہ آپ سے باتیں ضرور کروں گا۔''

''بعض سوچیں جلد پوری ہوتی ہیں۔'' میں نے کہا۔

''مجھ جیسے خوش قسمت لوگوں کی۔ لیکن آپ نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں؟''

''آپ نے پوچھا کب تھا؟'' میں نے اسے دیکھا۔

''میں نے بھی تو آپ کے پوچھے بغیر نام بتا دیا تھا۔''

''اب ہر کوئی آپ سا تو نہیں ہو سکتا۔''

''یہ تو ہے۔'' آفاق ملک اکڑ کر بولا۔ ''ہاں تو کیا نام

"ہے مس!؟"

"ماورا بخاری۔"

"بہت منفرد نام ہے۔"

"میں خود بھی منفرد ہوں۔"

"شک کی کوئی گنجائش نہیں۔" اس نے مجھے ستائشی نظروں سے دیکھا پھر میں رکشا کر کے شادمان روانہ ہوئی تو یونہی بے ساختہ ہی میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ ابھی تک وہیں کھڑا تھا' اس نے بھی میری حرکت دیکھ لی تھی تو ڈاکٹر آفاق ملک سے یہ میری پہلی ملاقات تھی جو کئی روز تک میرے ذہن میں آم کے کچے بور کی خوشبو کی مانند رہی۔

ذہانت میری ہمیشہ سے کمزوری رہی ہے اور ڈاکٹر آفاق ملک بھی ایک ذہین شخص تھا جس سے بار بار ملنے کی خواہش کی جاسکتی ہے۔ میں ایک ہفتہ بعد ملتان لوٹ آئی پھر وہی روٹین ہوگئی' صبح بینک جانا اور شام کو واپس آجانا۔ میں کچھ ہی دنوں میں ڈاکٹر آفاق ملک کو بھول بھال گئی کہ روز ہی سیکڑوں لوگوں سے ملنا ہوتا ہے کوئی اگر متاثر کرے تو چند روز تک یاد رہتا ہے پھر ذہن کی سیڑھی سے سلپ ہونے میں پل بھی نہیں لگتا۔

بڑی بھابی کے ہاں بیٹا ہوا تو اس کی اطلاع مجھے آفس ہی میں ملی تھی۔ اپنی ڈیوٹی آف ہونے کے بعد میں گھر جانے کی بجائے سیدھی اسپتال چلی آئی۔ وارڈ نمبر ۱۴ کی طرف جاتے ہوئے کوریڈور میں ایک دم ہی میرا پاؤں رپٹ گیا' اس سے پہلے کہ میں پوری طرح سجدہ ریز ہوجاتی تیزی سے دو ہاتھ میری جانب بڑھے اور مجھے بازوؤں سے تھام لیا۔

"شکریہ۔" میں نے کہا تبھی نظریں اٹھیں تو حیرت سے پھیل گئیں' میرے سامنے ڈاکٹر آفاق ملک کھڑا تھا۔ مجھے دونوں بازوؤں سے تھامے۔

"پتا ہے کہاں تک پھسلتی جاتیں۔" اس کے لب مسکرا رہے تھے میں کوئی جواب نہ دے سکی۔

"یہاں کیسے.....؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"بھابی کو دیکھنے آئی ہوں اس سے زیادہ اپنے اس بھتیجے کو دیکھنے آئی ہوں جو آج ہی آیا ہے اس دنیا میں۔"

"اوہ......"

"اور آپ یہاں کیسے؟"

"اتفاق ہے کہ میری ڈیوٹی اسی وارڈ میں ہے۔"

"اور آپ یہ ڈیوٹی انجام دے رہے ہیں۔"

"ڈیوٹیاں اسی طرح انجام دی جاتی ہیں۔" آفاق ہنس دیا پھر وہ میرے ساتھ چلتا ہوا وارڈ تک آیا۔

"آئیں چائے پلواؤں آپ کو۔"

"بالکل موڈ نہیں۔ میں نے کھانا نہیں کھایا' گھر جا کر کھانا کھاؤں گی پھر چائے کا نمبر آئے گا۔" میں نے کہا۔

"یہ ہے میرا آفس بھابی سے مل کر یہیں آجایئے گا۔" ڈاکٹر آفاق ملک میری بات سنے بغیر ہی اس کمرے میں گھس گیا اور میں کندھے اچکا کر آگے بڑھ گئی۔ بھابی کے پاس بہت سارے لوگ جمع تھے امی اور فاریہ بھی موجود تھیں۔ میں کاٹ میں پڑے گل گوتھنے سے بچے پر جھک گئی اسے پیار کرنے کے بعد میں نے بھابی کا گال چومتے ہوئے انہیں مبارک باد دی تو ان کی بہن بولیں۔

"پہلے بھتیجے کو دیکھا ہے تب خیال آیا مبارک باد کا۔"

"صائمہ باجی! پہلے میں نے بھابی کی تخلیق دیکھی کہ اس قابل بھی ہے کہ انہیں مبارک باد دی جائے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"اچھا تو یہ بات ہے۔" وہ بولیں۔

"جب وہ اچھا لگا تو میں نے مبارک باد دے دی۔" میں نے کہا۔

"تم سے کوئی نہیں جیت سکتا۔" صائمہ باجی ہنس دی۔

تھوڑی دیر بعد میں گھر آنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ امی اور فاریہ کی واپسی کا امکان نہ تھا کہ ابھی مہمان آرہے ہیں۔ واپسی پر پھر ڈاکٹر آفاق ملک سے ٹاکرا ہوگیا وہ اپنے آفس کے باہر ہی کھڑا تھا۔

"آئیں نا؟" وہ بولا۔

"اب میں گھر جارہی ہوں۔" میں نے کہا۔

"مجھے پتا ہے۔" وہ بولا۔ "اسی لیے انتظار کررہا تھا۔"

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

وہ مسکرایا۔

''پھر کبھی سہی۔'' میں نے جواباً مسکرا کر کہا۔

''نہیں ابھی۔'' وہ ضدی لہجے میں بولا اور آخر اس کے مجبور کرنے پر میں اس کے آفس چلی آئی۔

''اطمینان سے بیٹھیں۔''

''مجھے گھر جانا ہے۔'' میں نے جواز پیش کیا۔

''علم ہے مجھے کہ آپ کو بھوک لگی ہے۔''

''اس میں شک بھی نہیں۔'' میں مسکرائی۔

''میں نے کھانا منگوایا ہے۔''

''پلیز ڈاکٹر......''

''بس میں کچھ سننا نہیں چاہتا۔'' ڈاکٹر آفاق ملک کا حتمی لہجہ تھا اور مجھے چپ ہونا پڑا۔ مجھے سخت حیرت تھی کہ میں اس شخص سے ہار کیوں جاتی ہوں تبھی وارڈ بوائے لفافہ لے آیا' آفاق نے پلیٹیں منگوائیں چرغہ' کباب' نان' سلاد وغیرہ تھے میرے انکار کی گنجائش ہی نہ تھی۔

''یہاں تو یہی حاضر کرسکتا ہوں۔''

''یہ بھی بہت ہے۔''

''بھوک تو مٹ ہی جائے گی۔''

''بالکل۔'' میں ہنسی تو وہ بھی ہنس دیا۔ کھانے کے بعد چائے بھی آگئی اور چائے کے دوران آفاق میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

''گزرے چھ ہفتوں میں آپ مجھے بہت یاد آئیں ماورا۔''

''اچھا۔'' میں نے مزا لیتے ہوئے کہا۔

''کیا میں آپ کو یاد نہیں آیا؟'' وہ شوق سے پوچھ رہا تھا۔

''اوں ہوں......'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔

''کیوں؟'' وہ بجھ سا گیا۔

''آپ میں خوبی ہی کیا ہے کہ آپ یاد آتے؟''

''اور آپ میں کیا خوبی تھی کہ آپ مجھے یاد رہیں؟'' اس نے الٹا مجھ سے سوال کیا۔

''میں تو خوبیوں کا مجموعہ ہوں میرا نام ہی ایسا ہے جو یاد رکھا جاسکتا ہے شاید ہی...... کسی بچی کا نام آپ نے یہ رکھا ہو۔''

''اگر میری بچی کی ماں کا نام ہی یہی ہو تو......'' اب تو میں گڑبڑا کر رہ گئی مگر خود پر قابو پا کر بولی۔

''آپ کو پتا ہے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''میں اپنے دل کی پوری سچائیوں سے کہہ رہا ہوں۔''

''ایسی باتیں راہ چلتے نہیں کی جاتیں۔''

''ہم تو بیٹھے ہیں۔''

''ایسی باتیں والدین سے کرنے کی ہیں۔''

''مجھے یہ بتائیں کہیں آپ انگیج تو نہیں؟''

''اوں ہوں۔'' سر کو نفی میں جنبش دی۔

''میں کیسا لگتا ہوں آپ کو؟''

''آپ نے تو سوالوں کی بمباری شروع کردی؟'' میں نے ہنس کر بات ٹالنا چاہی۔

''میرے سوال کا جواب دیں۔'' وہ بولا سپاٹ سا انداز تھا۔

''یہ سوال آپ میرے والدین سے کریں۔'' میں بے پروائی سے بولی۔

''آپ کی کوئی پسند نہیں؟''

''اگر ایسی بات ہوتی تو میں یہ کبھی آپ سے نہ کہتی کہ میرے والدین سے بات کریں۔'' میرا لہجہ سخت ہوگیا۔

''چلیں یہ تو طے ہوا کہ آپ کی کوئی پسند نہیں۔'' وہ اطمینان بھرے لہجے میں بولا تو مجھے ہنسی آگئی۔

پھر ڈاکٹر آفاق سے میری کئی ملاقاتیں ہوئیں کہ بھائی پورا ایک ہفتہ ہسپتال میں رہی تھی اور میں روز ہی آیا کرتی تھی کہ مجھے اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ ڈاکٹر آفاق نے جلد ہی میرے دل میں اپنے لیے نرم گوشہ پیدا کرلیا تھا اور آفاق احمد مجھے اچھا لگنے لگا تھا۔ روز وہ مجھے میرے آفس فون کرتا۔ اپنے جذبوں کو وہ میری سماعتوں میں انڈیلتا اس روز موسم گرما کی پہلی بارش ہوئی تھی۔ پورا ماحول ہی دھلا دھلا سا لگ رہا تھا' جب آفاق نے خواہش کی کہ میں باہر کہیں اس سے ملوں اور سچ تو یہ ہے کہ میرا جی بھی کھلی فضا

میں نکلنے کو چاہ رہا تھا۔

"میرے آفس آجاؤ تو کہیں باہر چلیں گے۔" میں نے بغیر نخرے دکھائے ہامی بھرلی تو مارے خوشی کے وہ چیخ ہی تو پڑا۔

"مجھے یقین نہ تھا تم میری خواہش کا احترام کروگی۔"

اب وہ میرے ساتھ بے تکلفی سے بولنے لگا اور اس روز دریائے چناب کے کنارے ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہم ہواؤں میں چکنی مٹی پر ٹہلتے ہوئے کافی دور تک نکل گئے حتیٰ کہ سورج مغرب کی پناہوں میں غروب ہونے کی سعی کرنے لگا تب واپس لوٹے اور وہ شام میری زندگی کی خوب صورت شام تھی اور اسی روز میں نے سوچ لیا تھا کہ ڈاکٹر آفاق ملک سے زیادہ مخلص بندہ نہیں مل سکتا۔

انہی دنوں آفاق کا اپائنمنٹ مستقل طور پر نشتر اسپتال ہوگیا تو وہ پوسٹ گریجویشن کی تیاری بھی کرنے لگا۔ ساتھ ہی اس نے گھر میں میرا ذکر بھی کردیا اور میرے ذکر کے ساتھ ہی گھر میں ایک بھونچال آگیا۔ ادھر صائمہ باجی کے دیور ظفر کریم نے اپنا پرپوزل میرے لیے بھیج دیا تھا جس کے بارے میں، میں نے آفاق کو بتادیا تھا کہ حالات بہت سنگین صورت اختیار کرسکتے ہیں گھر کے سارے ووٹ ظفر کریم کی طرف ہیں سوائے میرے ووٹ کے اور میں نے اس روز کمپنی باغ کے سبزہ زار پر اس کے ساتھ چلتے ہوئے ظفر کریم کے پرپوزل کے بارے میں بتادیا۔

"کسی طرح تم ایک ماہ تک گھر والوں کو روک لو۔" آفاق نے نہایت بے چین ہوکر کہا۔

"کس طرح روکوں؟" میرا لہجہ سوالیہ تھا۔

"تم ذکر کردو میرا۔" اس نے راہ سمجھائی۔

"فرض کرو تمہارے والدین نہ مانے؟" میں نے اس کو معاملے کا دوسرا رخ دکھایا۔

"بدفال نہ نکالو۔" وہ تڑپ اٹھا۔

"پھر بھی......" میں نے اصرار کیا۔

"تو میں اپنے بل بوتے پر تم کو اپناؤں گا۔" وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

"مسئلہ یہ ہے کہ میرے گھر والے کبھی نہیں مانیں گے ہر صورت میں تم اپنے گھر والوں کو سمجھاؤ انہیں مناؤ ورنہ ہمارے راستے بدل جائیں گے۔" میں نے کہا۔

"یار مجھے پریشان مت کرو، میں راہ نکال لوں گا بس تم ایک ماہ انتظار کرو۔" وہ بے ربط لہجے میں بولا۔ آفاق نے پُرسوچ لہجے میں کہا۔

"آخر تمہارے والدین کیوں نہیں مانتے؟"

"میری ماموں زاد ٹھیکرے کی مانگ ہے میری۔"

"پھر کرلو اس سے شادی؟"

"یہ ناممکن ہے؟"

"کیوں؟"

"بھئی مجھے عذرا سے قطعاً دلچسپی نہیں اور میں کسی ایسی لڑکی کو نہیں اپنا سکتا جسے دیکھ کر کبھی میرے دل کی دھڑکن تیز نہ ہوئی ہو دل میں کبھی یہ خواہش نہیں ابھری کہ اسے دوبارہ دیکھوں۔"

"مجھے دیکھ کر تمہاری دھڑکن تیز ہوجاتی ہے۔" میں نے پوچھا۔

"تم جن چلنے لگتا ہے پسلیوں کے درمیان۔" آفاق نے شوخی سے کہا۔

"قریب آکر سنو تو......" اس نے معنی خیز مسکراہٹ سے کہا اور میں ایک دم شرما گئی اور پرے ہٹ گئی۔ اس کی دھڑکن خاک سنتی کہ میری اپنی دھڑکن ہی منتشر ہوگئی تھیں۔

"بہت بُرے ہو۔" میں جھینپتے ہوئے بولی۔

"تم سچ جو نہیں مان رہیں۔"

"ہر کہے کا تجزیہ کرنا ضروری ہے۔" میں نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا مگر زیادہ دیر نہ دیکھ سکی کہ وہ آنکھوں میں دل رکھے اپنے تمام تر زل زل جذبوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

❁......❁......❁

پھر ظفر کریم کا پرپوزل خود بخود ہی لیٹ ہوگیا، امی ابا نے جواب اس لیے نہ دیا تھا۔ آصف بھائی ان دنوں

سنگاپور گئے ہوئے تھے اور جواب ان کے آنے پر دینا تھا کہ میرے بڑے بھائی تھے۔

فیصلہ تو والدین کر چکے تھے مگر گھر میں ان کی رائے مقدم سمجھی جاتی تھی‘ میں نے سکھ کا سانس لیا اور اُدھر آخر کار مسلسل کوششوں کے بعد آفاق کے والدین مان ہی گئے‘ دھمکی بھی تو اس نے ایسی دی تھی۔ کبھی شادی نہ کرنے کی دھمکی‘ گھر چھوڑ کر جانے کی دھمکی۔ یوں بھی والدین بعض مرتبہ اپنی اولاد کے سامنے ہار جاتے ہیں اور آفاق کے والدین بھی ہار کر میرے ہاں چلے آئے تھے۔ امی ابو نے ذرا پس و پیش تو کی کہ برادری سے باہر ہمارے خاندان میں کوئی لڑکی نہ بیاہی گئی تھی مگر میں نے رومانیہ بھابی سے کہہ دیا۔

”بھابی...... امی کو بتادیں کہ آفاق میری پسند ہے۔“ میرا اتنا ہی کہنا کافی تھا پھر آفاق میں کوئی برائی بھی نہ تھی جو میرے والدین اسے ریجیکٹ کرتے‘ میں نے بھی طے کرلیا تھا کہ ”آفاق نہیں تو کوئی اور بھی نہیں۔“

جب وہ میری خاطر اپنے گھر والوں سے لڑ سکتا تھا تو میں کیوں نہ لڑ سکتی تھی مگر میرے لڑنے کی نوبت ہی نہ آئی اور آفاق کا پروپوزل منظور کرلیا گیا اور یوں صرف ایک ماہ بعد ہی ہماری شادی ہوگئی۔ شروع شروع میں تو میری ساس نے میرے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کیا مگر میں نے اپنے حسن سلوک سے ان کے دل میں گھر کرلیا۔ امی جی...... امی جی کہتے میری زبان سوکھتی تھی‘ میرے سسر بھی مجھے بے حد چاہتے تھے‘ جلد ہی میں پورے گھر والوں کے دل میں اتر گئی۔

آفاق مجھ سے بہت خوش تھے‘ صبح اسپتال جانے سے پہلے مجھے وہ بینک چھوڑ دیتے اور واپسی پر پک کرلیتے۔ ایک سال بعد عمیر پیدا ہوا تو سسرال میں میری جڑیں اور مضبوط ہوگئیں۔ ماں بن کر لگا جیسے میری حیثیت مستحکم ہوگئی ہو۔ وقت گزرتے دیر نہیں لگتی‘ دن مہینوں اور سالوں میں بدلتے رہے اور ہماری شادی کو پورے پانچ برس گزر گئے۔ ڈیڑھ ماہ قبل ہم نے اپنی شادی کی پانچویں سالگرہ منائی تھی ان گزرتے پانچ برسوں میں مجھے یاد نہیں کہ آفاق نے کبھی میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہو۔ کبھی ہمارا آپس میں زبردست جھگڑا نہیں ہوا۔

کہتے ہیں جھگڑے محبت کو بڑھاتے ہیں مگر ہمارے درمیان جھگڑے کے باوجود بھی وہ محبت تھی کہ لوگ رشک کرتے تھے۔ آفاق کی جن دنوں ڈے ڈیوٹی ہوتی وہ زیادہ تر شام کا وقت گھر پر ہی گزارتا تھا۔ اس کی نائٹ ڈیوٹی ہوتی تو حقیقت تو یہ ہے کہ میں بھی رات بھر جاگتی رہتی۔ مجھے کمرے میں اس کی غیر موجودگی بہت کھلتی تھی مگر اس کی بھی تو مجبوری تھی‘ آفاق سے کبھی مجھے شکوہ نہ ہوا تھا اور نہ ہی میں نے اسے شکوے کا موقع دیا تھا۔ ہم دنیا کو خود پر ہنسنے کا موقع نہ دینا چاہتے تھے کہ میرے خاندان اور آفاق کے خاندان والوں میں یہ بات مشہور تھی کہ ان کی لو میرج ہے۔ اور محبت وقت گزرنے کے ساتھ ختم ہوجاتی ہے مگر لوگوں کو یہ نہیں پتا کہ جو محبت روز عود کر نہیں آتی وہی ختم ہوتی ہے اور جہاں روز شدتیں ہوں۔ وہ تو محبت سمندر کی مانند وسیع تر ہوتی چلی جاتی ہے مگر آج اس محبت کے سمندر میں درد کی لہریں اٹھنے لگی تھیں۔

آج میرے اعتماد کی چادر میں ایسا شگاف پڑا تھا کہ لگتا تھا درد کی ہوائیں میرے جسم کو کاٹ رہی ہوں۔ ایک نامعلوم سا دکھ برے کی طرح میری روح کو چھید رہا تھا‘ نجانے کتنے پل اور ساعتیں بیت گئیں‘ میں چت بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔

”آج بہت تھک گئی ہو کہ سینڈل اتارے بغیر ہی لیٹ گئیں۔“ آفاق کی آواز مجھے خیالوں کے جزیرے سے کھینچ لائی۔ میں نے آنکھوں پر سے بازو ہٹا کر دیکھا‘ آفاق کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور جھک کر اپنے جوتوں کے تسمے کھول رہا تھا۔

”کب آئے تم؟“ میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”ابھی آیا ہوں‘ کیا بات ہے تھکی تھکی لگ رہی ہو؟“ آفاق نے میری طرف دیکھا۔

”حالانکہ تھکنا تمہیں چاہیے تھا۔“

"کیوں؟"

"ظاہر ہے سیریس آپریشن کرکے آرہے ہو؟" مجھے یقین تھا میرا لہجہ تلخ ہے۔

"بھئی، ہم تو سدا بہار ہیں، تھکن میں بھی خوش رہتے ہیں' تمہاری طرح مسلط نہیں کرلیتے۔"

"اُف...... کبھی روح کی تھکن محسوس کی ہے تم نے؟"

"کیا مطلب؟" وہ حیرت سے بولا۔

"آج میری روح تھکی ہوئی ہے۔" میں آہ بھر کر بولی' اس سے پیشتر کہ آفاق کچھ کہتا عمیر کمرے میں آگیا۔

"مما...... پاپا کہاں ہیں؟"

"آؤ مما کی جان!" میں نے بازو پھیلا دیئے تو وہ دوڑ کر میرے قریب آگیا۔ آفاق کپڑے بدلنے کے لیے ڈریسنگ روم میں گھس گیا تھا' میں عمیر کو اٹھا کر باہر چلی آئی۔

"بھابی...... چائے تیار ہے۔" عابدہ نے کہا۔

"پھر ایک کپ بنادو۔"

"آفاق بھائی؟"

"انہیں کمرے میں دے آؤ۔" میں نے بے نیازی سے کہا تو میری ساس نے ایک لمحے کے لیے حیرت سے مجھے دیکھا۔ کبھی بھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ آفاق کا کام اس کی بہنوں نے کیا ہو وہ کہتیں بھی تو میں کہتی۔

"یہ میرا فرض ہے میری ذمہ داری ہے۔" کھانا' چائے' پانی' آفاق کو میں خود ہی دیتی تھی اور آج پہلی بار مجھے احساس ہوا تھا کہ میری ساری ریاضت پر پانی پھر گیا ہو۔ عابدہ چائے کپ میں ڈال کر لے گئی تھی تب میری ساس نے مجھ سے سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔

"آفاق سے لڑائی ہوئی ہے؟"

"نہیں تو امی جی۔"

"پھر......" انہوں نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔

"آج میں بہت تھک گئی ہوں' جسم ٹوٹ رہا ہے۔"

"کوئی گولی لے لو۔" وہ بولیں۔ یہ تھکن ایسی نہیں جو کسی گولی سے اتر جائے' میں نے دل میں سوچا پھر سارا وقت میں نے آفاق سے بات نہ کی۔ رات کے کھانے کے بعد کتنی دیر تک اپنی ساس اور نندوں سے باتیں کرتی رہی۔

آفاق کئی بار اشاروں میں مجھے بلاچکا تھا مگر میں نے نظرانداز کرنے کی ٹھانی ہوئی تھی۔ آخر وہ تنگ آکر کمرے میں چلا گیا' عمیر بھی دادی کے پاس سوچکا تھا۔ تقریباً رات کے ساڑھے گیارہ بجے تھے جب میں کمرے میں آئی تو آفاق بیڈ پر لیٹا ہوا میگزین پڑھ رہا تھا۔ میں بیڈ پر جانے کی بجائے کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کیا بات ہے' سونا نہیں ہے آج۔" آفاق کروٹ لے کر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"نیند نہیں آرہی۔" میں نے بےزاری سے کہا۔

"کیوں؟" وہ پوچھ رہا تھا اور اس کے اتنے نرم لہجے پر میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"ماروہ...... کیا بات ہے؟ دیکھو اگر تم مجھ سے خفا ہو تو وجہ بتادو یوں بھی میاں بیوی کو سونے سے پہلے ہر خفگی دور کرلینی چاہیے تاکہ اگلی صبح خوش گوار ہو' بتاؤ کیا بات ہے؟"

"بتادوں۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"یہاں آجاؤ اور بتاؤ۔" وہ بیڈ پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"میں تمہارے قریب نہیں آؤں گی۔" میں نے بےساختہ کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اس کے لہجے میں حیرتیں بھری تھیں' وہ اٹھ کر خود میرے قریب آگیا۔

"وہ عورت کون تھی آفاق؟" میں ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ماورا......"

"اُف...... جھوٹ مت بولنا' یقین کرو......" میرا جملہ حلق ہی میں گھٹ گیا۔

"تو...... تو تم نے......" وہ پریشان ہوگیا۔

"ہاں میں نے تمہیں اس خوب صورت بلا کے ساتھ دیکھ لیا تھا' جس کے ساتھ گھرے اڑانے کے لیے تم نے ایمرجنسی کیس کا بہانہ کیا تھا آفاق مجھے بتاؤ مجھ سے کہاں

غلطی ہوئی جو تمہارے قریب ایک اور عورت آ گئی؟" میں نے اسے دونوں بازوؤں سے جھنجھوڑ ڈالا۔ "بتاؤ آفو! کیا ہے اس میں جو مجھ میں نہیں۔ میں تو تمہاری بیوی ہوں' تمہارے بچے کی ماں۔ اس سے زیادہ معتبر ہوں' تم نے اس کی خاطر مجھ سے جھوٹ بولا...... آفو! وہ کون تھی؟"

"ماری! وہ میری کلاس فیلو رہ چکی ہے اور......" وہ ایک دم ہی چپ ہوگیا۔

"اور آگے بھی بتاؤ نا......" میں نے سلگ کر کہا۔

"درست ہے کہ اس سے میری بہت اچھی دوستی رہی تھی' ہم دونوں نے ایک دوسرے کو چاہا بھی تھا مگر...... مگر پھر ہوا یہ کہ فرقے کی بڑی دیوار ہم دونوں کے بیچ حائل ہوگئی۔ ہم کسی صورت بھی ایک دوسرے کو اپنا نہ سکتے تھے پھر وہ ایم بی بی ایس کرنے کے بعد کراچی چلی گئی آج ہی پورے نو برس بعد وہ مجھے ملی۔"

"تو پرانی محبت نے تمہارا دامن پکڑ لیا۔" میرا لہجہ سرد تھا۔

"اس نے مووی دیکھنے کی خواہش کی تھی اور......"

"اور تم چلے گئے۔" مارے غصے کے میری ٹانگیں کانپ رہی تھیں' میں واپس کرسی پر ڈھ گئی تب آفاق چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا اور ہولے سے بولا۔

"ماورا! معافی نہیں مل سکتی؟" میں کچھ بھی نہ بولی آنسو ٹپ ٹپ ساون کی بوندوں کی طرح میری آنکھوں سے بہنے لگے۔

آفاق جھکا اور نیچے بیٹھ گیا پھر اس نے میرے گھٹنوں پر اپنی ٹھوڑی ٹکاتے ہوئے میرے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ماورا! تمہاری خفگی میرا دل چیر رہی ہے' یقین کرو میں انجانے احساس کی دلدل میں اترتا چلا جارہا ہوں۔ ماورا! یقین کرو' تمہاری جگہ کوئی بھی نہیں لے سکتا کہ تم بن میں جینے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔"

"پھر...... پھر تم اس کے ساتھ کیوں مووی دیکھنے گئے تھے؟"

"مرد ہوں نا کبھی کبھی کیچڑ میں اترنے کو بھی چاہتا ہے' پلیز معاف کردو نا۔" آفاق نے ہاتھ جوڑ دیئے تب میں نے اس کے اتنے حسین اعتراف پر اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"آج تو تم پر لگا کیچڑ صاف کرلوں گی آفو! آج تو میں تمہاری یہ غلطی معاف کردوں گی مگر آفو! آئندہ کے لیے سوری......"

"آئندہ کون کافر ایسا کرے گا' میں نے فیروزہ کو منع کردیا ہے کہ آئندہ اس شہر آئے تو مجھ سے رابطہ قائم نہ کرے۔"

"واقعی......" میں نے ترچھی نظر سے اسے دیکھا۔

"تمہاری قسم......" آفاق نے کہا۔

"اس کی قسم کھاؤ نا؟" میں نے شوخی سے کہا۔

"انسان قسم اس کی کھاتا ہے جو اسے عزیز ہو۔" آفاق نے میری جانب شرارت بھری نظروں سے دیکھا تو میں ہنس دی۔

مجھے لگا جیسے بے شمار روشنیاں ہمارے کمرے میں اتر آئی ہوں' جن میں ہم دونوں نہائے جارہے ہیں اور یہ اعتماد اور وعدے کی روشنی تھی جس سے میرے اور آفاق کے اندر کے اندھیرے اجالے میں بدل رہے تھے کہ میاں بیوی میں اعتماد کی زنجیر نہ ہو تو ازدواجی سفر دشوار ہوجاتا ہے اور وہ اعتماد کی زنجیر جس کی کڑی ٹوٹی تھی ہم نے آج پھر جوڑ لی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ یہ زنجیر اب کبھی نہیں ٹوٹے گی۔

تیری زلف کے سر ہونے تک
اقرا صغیر احمد

قسط نمبر 1

ان دنوں لوح کا عالم ہے عجب
جیسے جو حسن ہے میرا ہے وہ سب
جیسے اک خواب میں نکلا ہوا دن
جیسے اک وصل میں جاگی ہوئی شب

کار پورٹیکو میں آ کر رکی تھی۔ قبل اس کے کہ ڈرائیور باہر نکل کر دروازہ کھولتا وہ خود ہی دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اور بھرپور نگاہ شان وشوکت سے کھڑی عمارت پر ڈالی جو داؤد ہاؤس کے نام سے مشہور تھی۔ وہ چند لمحے کھڑا عمارت کو دیکھتا رہا اس کی آنکھوں میں طمانیت سی اتر آئی تھی اس نے اپنا بیگ اٹھایا اور آگے بڑھنے لگا تب ڈرائیور نے لجاجت سے کہا۔

”ارے صاحب..... آپ کیوں یہ تکلیف کر رہے ہیں رہنے دیجیے میں لے جاؤں گا۔“

”تکلیف کیسی بابا‘ سامان ابھی باقی ہے وہ آپ لے آئیں بلکہ ایسا کریں قمرو کو بلا لیجیے وہ آپ کی مدد کرے گا۔“ وہ شائستہ لہجے میں بولا ساتھ ہی اپنی طرف آنے والے قمرو کے سلام کا جواب دے کر اس کی خیریت معلوم کرتا چلا گیا تھا۔ اس کے قدموں میں بڑی پھرتی تھی۔ آنکھوں میں بے قراری پُر جوش سمندر کی مانند لہریں مار رہی تھی۔

”اللہ صاحب کو سلامت رکھے‘ غرور ان میں نام کو نہیں، ہم کو انہوں نے کبھی نوکر سمجھا ہی نہیں ہمیشہ عزت دی ہے۔“ وہ قمرو کو سامان پکڑاتا ہوا گویا ہوا جواباً وہ سر ہلا کر بولا۔

”یہ بات تو سچ کہہ رہے ہو سہراب چاچا‘ صاحب سب سے مختلف ہیں۔“ جوں جوں وہ اندر بڑھتا گیا ایک عجیب سی ویرانی وسناٹا ہر سو پھیلا ہوا محسوس ہوا تھا۔

❁.......❁.......❁

اس کے اندر بے چینی سر ابھارنے لگی تھی وہ جس چہرے کو دیکھنے کے لیے طویل سفر طے کر کے آیا تھا اسی خوشی سے وہ سرشار رہا تھا کہ..... سب سے پہلے اس دل افروز چہرے کا دیدار کر کے آسودہ ہونا ہے اور یہ خلاف معمول بات تھی کہ وہ لیونگ روم لاؤنج کہیں بھی نہ تھیں۔ راہداری سے ملحقہ کامن روم میں ملازمائیں اس کی آمد سے بے خبر ہنسی مذاق میں مصروف تھیں۔ ٹیبل پر کولڈ ڈرنکس اور دیگر اسنیکس موجود تھے ان کی کوئی پارٹی چل رہی تھی۔ وہ چپ چاپ وہاں سے گزر کر اس کمرے کے سامنے کھڑا تھا جس کے اندر وہ چہرہ موجود تھا جس کی دید اس کی نگاہیں سب کی دید سے پہلے چاہتی تھیں۔ اس نے بیگ وہیں رکھا اور ہینڈل پر ہاتھ رکھا تو دروازہ لاک نہ ہونے کی وجہ سے کھلتا چلا گیا۔ بے تحاشہ ٹھنڈک و دبیز اندھیرے نے استقبال کیا۔

اس نے موبائل کوٹ کی جیب سے نکال کر ٹارچ آن کی اور سوئچ بورڈ کی طرف بڑھ گیا۔ دوسرے لمحے کمرا روشنیوں سے جگمگا اٹھا تھا۔ اس نے مڑ کر دیکھا‘ کمرے کے وسط میں بیڈ پر سرخ پھولوں سے مزین کمبل اوڑھے وہ محو استراحت تھیں۔ اس نے حیرانی سے رسٹ واچ دیکھی‘ ابھی رات شروع ہوئی تھی اور وہ اتنی جلدی سونے کی عادی نہ تھیں۔ اس نے ان کے چہرے سے کمبل ہٹایا تو معلوم ہوا وہ آگ کی طرح گرم تھے۔ اس نے ریموٹ اٹھا کر پہلے اسپلٹ آف کیا پھر

سارے پردے ہٹا کر تمام کھڑکیاں کھول دیں۔ اس اثناء میں ملازماؤں کو بھی ان کے آنے کی خبر ہوئی تھی وہ پارٹی بھول کر پریشانی وخوف میں مبتلا ہوگئی تھیں۔

"اب کیا ہوگا؟ یہ بُرا ہوا کہ نوفل صاحب نے ہمیں اس طرح دیکھ لیا ہے ان کے غصے سے بہت ڈر لگتا ہے۔" امینہ نے کہا۔

"ارے نوفل صاحب جیسا سخی و دیالو کوئی دوسرا نہیں' یہاں تمہارے کھانے پینے پر ان کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ بس وہ چاہتے ہیں ہر کوئی اپنا کام ایمان داری سے کرے۔" سہراب اور قمر وہاں اس کا سامان چھوڑنے آئے اور ساتھ ہی ان کو اس کے آنے کی اطلاع بھی دی تھی۔

"یہی تو غضب ہوا ہے نا' بڑی بیگم صاحبہ سارے دن سے اپنے کمرے میں ہیں پھر سارا دن دوسری بیگمات نے اپنے کاموں میں اس قدر مصروف رکھا کہ ہمیں بڑی بیگم صاحبہ کا خیال نہ رہا اور اب ہم اپنی پارٹی میں لگ گئے۔"

"ارے یہ تو واقعی بہت بڑا غضب ہوگیا' تم تو اچھی طرح جانتی ہو سب کی سب' نوفل بابا کی تو جان ہیں بڑی بیگم صاحبہ میں وہ اپنے ساتھ زیادتی برداشت کر لیتے ہیں مگر...... بڑی بیگم کے ساتھ ہونے والی معمولی بے پروائی بھی وہ برداشت نہیں کرتے۔" بات بالکل درست تھی وہ ایسا ہی تھا۔

حمیدہ اور زیتون ملازماؤں میں پرانی اور بڑی عمر کی ملازمائیں تھیں وہ ہمت کر کے تاک کرتی ہوئی وہاں آئی تھیں۔ نوفل کی ایمرجنسی ٹریٹمنٹ سے ان کے بخار میں خاطر خواہ کمی ہوئی تھی۔ اس نے بخار میں کمی کے بعد فیملی فزیشن کو گھر آنے کے لیے کال کی' تب ہی ہواس باختہ دونوں ملازمائیں وہاں آئی تھیں۔

"ماما کو بخار کب سے ہو رہا ہے؟" وہ زیتون سے گویا ہوا۔

"بخار......؟" زیتون نے چونک کر حمیدہ کی جانب دیکھا۔

"اس کا مطلب ہے آپ لوگوں کو معلوم ہی نہیں ہے کہ ماما کو بخار ہے؟"

"وہ......وہ...... نوفل بابا' بڑی بیگم صاحبہ اپنے کمرے سے باہر ہی نہیں آئی تھیں اور ہم سارا دن......"

"شٹ اپ...... ماما سارا دن روم سے باہر نہیں گئیں اور تم لوگوں کو اپنی عیاشیوں سے فرصت نہیں ہے گیٹ لاسٹ...... گیٹ لاسٹ فرام ہیئر۔" وہ شدید طیش کے عالم میں غرایا تھا۔

وہ جو پہلے ہی اپنی کوتاہی پر شرمندہ وخوف زدہ تھیں اس کی دھاڑ پر گویا سر پر پاؤں رکھ کر بھاگی تھیں اور ماما جاگ گئی تھیں۔

"ارے نوفل' میری جان...... کب آئے انفارم بھی نہیں کیا؟" وہ اس کا سہارا لے کر اٹھیں۔

"آپ کو سرپرائز کرنا چاہتا تھا لیکن یہاں آپ کو تیز بخار میں دیکھ کر خود سرپرائزڈ ہو کر رہ گیا' سب لوگ کہاں ہیں؟" وہ ان کو پانی پلاتا ہوا بولا۔

"یوسف نے غیر ملکی سفیروں کے اعزاز میں آج رات عشائیہ دیا ہے سب لوگ ہوٹل میں ہوں گے' رات شروع ہوگئی ہے۔" وہ وال کلاک دیکھتی ہوئی بولیں۔

"ہونہہ' چاچو صرف ایک سیاسی لیڈر بن کر رہ گئے ہیں' آنٹیز کو اپنی سوشل ایکٹیویز و فیشن سے فرصت نہیں ملتی' لیکن چاچو کو تو آپ سے غافل نہیں رہنا چاہیے نا۔" اس کے لہجے میں دکھ کے ساتھ جھنجھلاہٹ نمایاں تھی۔

"چھوڑیں ان باتوں کو' یہ بتائیں ڈنر میں کیا لیں گے؟"

"آپ کی اسی سخاوت نے گھر والوں کے علاوہ ملازموں کو بھی آپ سے بے پروا کر دیا ہے اور میں آپ کے ساتھ زیادتی بالکل برداشت نہیں کروں گا۔"

وہ تقریباً بھاگتی ہوئی سیڑھیاں چڑھتی اوپر چھت پر آئی اونچی دیوار سے لگ کر سڑک پر دوڑتی بلیک سیوک کو اس وقت تک دیکھتی رہی جب تک وہ دور جاتی سڑکوں سے مڑ کر نگاہوں سے اوجھل نا ہوگئی پھر اس کی نگاہیں نیچے لان میں کھلے مختلف پھولوں پر جم گئی تھیں جو رات کے پُرسکون ماحول میں خوب صورت لگ رہے تھے۔

''سودہ بیٹی' مدثر میاں اپنے گھر بھی پہنچ گئے ہوں گے اور تم ہو کہ یہیں کی یہیں کھڑی ہو۔'' بوا نے اوپر آ کر پھولی سانسوں کے ساتھ کہا۔

''بوا...... میرا دل کرتا ہے ماموں جان جائیں تو میں بھی ان کے ساتھ ہی چلی جاؤں' ان کے جانے کے بعد میرا دل نہیں لگتا یہاں۔'' اس کا لہجہ ان کی محبت سے سرشار تھا۔

''ارے بیٹی...... آہستہ بولو' اگر عمرانہ بہو کے کان میں تمہارے ان سنہری خیالات کی بھنک بھی پہنچ گئی تو سمجھو گھر میں قیامت ہی آجائے گی۔'' وہ گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھتی ہوئی بولیں۔

''عمرانہ ممانی اس وقت گہری نیند سو رہی ہوں گی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جتنا وقت گزر رہا ہے مدثر میاں اور عمرانہ بہو کے درمیان فاصلوں کو طول مل رہا ہے دونوں ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔''

''ماموں جان تو بے حد نرم مزاج اور محبت کرنے والے ہیں۔''

''کسی وقت میں عمرانہ بہو بھی ایسی ہی گداز و شیریں طبیعت کی مالک تھیں۔'' وہ ماضی کی کسی یاد میں کھو سی گئی تھیں۔

''بوا...... وہ زمانہ کتنا اچھا ہوگا جب ماموں یہاں رہتے ہوں گے۔'' بوا نے جواب دینے کے لیے لب وا ہی کیے تھے کہ اس کے عقب میں نیچے کھلتے گیٹ اور گیٹ سے برآمد ہونے والی کار کو دیکھ کر وہ الرٹ ہوگئی تھیں۔

''لو میں بھول ہی گئی بیٹا' یہ کہنے آئی تھی صوفیہ بی بی آپ کو بلا رہی ہیں۔'' وہ کہہ اس سے رہی تھیں مگر نگاہیں کار کے کھلتے ڈرائیونگ ڈور پر تھیں اور قبل اس کے کہ وہ باہر نکلتا وہ ایک ہی سانس میں کہہ کر چلی گئی تھیں۔ وہ چاہنے کے باوجود بھاگ نہ سکی تھی۔

گاڑی کی آواز اس کی سماعتوں میں بھی آئی تھی اور وہ بخوبی جانتی تھی کہ آنے والا کون ہے۔ ڈرائیونگ ڈور کھلنے کی آواز آئی تھی اور ساتھ ہی اس کے اندر خطرے کے الارم بج اٹھے تھے۔ اس نے مڑ کر نیچے دیکھا اور خوف سے اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔ وہ باہر نہیں نکلا تھا کھلے دروازے سے سیٹ پر بیٹھا ہوا اوپر ہی دیکھ رہا تھا۔ اُف کیسی تپش تھی ان آنکھوں میں اَن دیکھی آگ سی اندر بھڑ بھڑ جلنے لگی تھی لمحے بھر کو دونوں کی نگاہیں ٹکرائی تھیں۔

ایک طرف خوف و سہم تھا' دوسری طرف خشونت دسر دھری تھی۔ اس کی نگاہیں تیزی سے پلٹ آئی تھیں وہ تیز تیز قدم اٹھاتی سیڑھیوں کی جانب بڑھی تھی تب ہی ڈرائیونگ ڈور بند کرنے کی زوردار آواز خاموش ماحول میں گونج کر رہ گئی۔ اس نے تیزی سے دل پر ہاتھ رکھا۔

''لو آ گئے نواب صاحب...... بھیا گھر سے نکلے ہیں اور وہ گھر میں گھسا ہے۔'' صوفیہ نے کار کی آواز سن کر قریب بیٹھی زمرد بھابی سے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

''عجیب اتفاق ہے یہ بھی۔'' وہ حلاوت آمیز لہجے میں گویا ہوئیں۔

''عجیب اتفاق...... کمال کی باتیں کرتی ہیں بھابی آپ بھی بھلا روز روز بھی کوئی اتفاق ہوا کرتے ہیں۔ آج بھائی کو اس کا مسلسل انتظار کر کے جاتے ہوئے چھٹا ہفتہ ہے اور ہر بار کی طرح آج بھی ان کے جاتے ہی گھر پر آیا ہے یہ اتفاق نہیں کوئی چال ہے عمرانہ بھابی کی۔'' وہ اُوپر پورشن کی طرف دیکھتی ہوئیں منہ بنا کر کہہ رہی تھیں۔

”صوفیہ اس طرح بات بات پر بدگمان ہونے کی عادت اچھی نہیں، تمہیں تو معلوم ہی ہے زید نے ابھی تعلیم مکمل کرنے کے بعد نیا نیا بزنس شروع کیا ہے اور وہ بے حد مصروف ہے گھر آنے جانے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے اور عمرانہ کیوں ایسا کرے گی۔“ مدثر سے بڑے محسن نے نرمی سے انہیں سمجھانے کی سعی کی۔

”جیسے آپ تو ان کی فطرت کو جانتے نہیں ہیں؟ زید جو باپ سے فرنٹ ہے اس کے پیچھے ان کا ہی ہاتھ ہے۔“ وہ اور بھی بہت کچھ کہنے کی حسرت دل میں دبائے اس لیے خاموش ہوگئی کہ وہ سلام کرتا ہوا وہاں داخل ہوا تھا۔

سودہ کئی کئی سیڑھیاں پھلانگتی نیچے آئی اور اپنے اور مائدہ کے مشترکہ کمرے کی طرف بھاگی اور اندر جا کر دروازہ سے ٹیک لگا کر گہرے گہرے سانس لینے لگی تھی۔

”یا وحشت...... کون آ رہا ہے تمہارے پیچھے؟“ ناول پڑھتی مائدہ چونک کر بولی۔

”وہ...... زید...... بھائی......“ وہ اسی طرح کھڑے کھڑے گویا ہوئی۔

”اوہ...... زید بھائی......! لیکن میرے بھائی تو بہت گڈ لکنگ اینڈ چارمنگ بوائے ہیں اور تم تو ان کو دیکھ کر ایسے ری ایکٹ کر رہی ہو جیسے وہ بھوت ہوں۔“ وہ اسے گھورتی مصنوعی خفگی سے گویا ہوئی۔

”زید بھائی کا غصہ دیکھا ہے نہ تم نے وہ اپنے سامنے کسی کو خاطر میں کہاں لاتے۔“ حواس بحال ہونے کے بعد وہ بیڈ پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

”لیکن ہوا کیا ہے آخر؟“ وہ متجسس ہوئی۔

”انہوں نے اس وقت مجھے چھت پر دیکھ لیا ہے۔“

”ہائی داوے...... تم چھت پر کرنے کیا گئی تھیں؟“

”ماموں کو جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی یہ میری عادت ہے تم جانتی ہو نا۔“

”ہوں، تم فکر مت کرو اگر میں تمہارے ساتھ ہوتی تو بھائی غصہ کرتے اب وہ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے ڈرو نہیں۔“ اس نے ناول اٹھاتے ہوئے کہا۔

”آج بھی ماموں ان سے ملے بغیر چلے گئے، بہت انتظار کیا تھا اور دیکھو ان کے جاتے ہی زید بھائی گھر آ گئے۔“

”ہوں...... بھائی بے حد بزی ہیں آج کل۔“ وہ لیٹتے ہوئے بولی۔

❁......❁......❁

”اماں...... اماں، یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟ آپ کو اس شہر میں نہیں آنا چاہیے تھا پلیز...... آپ لوگ واپس چلے جائیں۔“

”ارے روشن آرا...... سانس لے لو بچے، یہ میرا شہر ہے تمہاری وجہ سے ایک طویل عرصہ اس پیارے شہر سے دور رہ لی بس اب مزید دور نہیں رہ سکتی۔“ براؤن پرنٹڈ ساڑھی میں ملبوس صحت مند وجود اور خوب صورت خدوخال والی وہ پینسٹھ سالہ عمر رسیدہ عورت تھی لیکن عمر کے برعکس ان میں خاصی پھرتی و چستی تھی اور انداز میں بھی شگفتگی موجود تھی۔

”اماں...... اپنا نہیں تو انشراح کا ہی خیال کر لو اور فوراً یہاں سے چلی جاؤ۔“ اماں کے انداز میں جتنی بے فکری و اطمینان جھلک رہا تھا دوسری طرف روشن آرا اتنی ہی مضطرب و بے چین ہو رہی تھی از حد خوف زدہ تھی وہ۔

”انشراح کا خیال ہی تو مجھے یہاں لے کر آیا ہے اس کی اب یونیورسٹی لائف شروع ہوگی اور میں نہیں چاہتی وہ کسی گم نام ادارے سے ڈگری حاصل کرے۔“

”اماں...... ادارے کبھی بھی گمنام نہیں ہوا کرتے ہر ادارے کی اپنی ساکھ اور پہچان ہوتی ہے اور پھر یہ تو......“

”اوہو روشی...... اس بحث کو ختم بھی کرو نہ...... یہ بتاؤ وہ ننھا اشل کیسا ہے؟“ انہوں نے موضوع بدلا۔

"اسد بالکل ٹھیک ہیں اب اتنا ننھا نہیں رہا ہے اس عمر وہ بارہ سال کا ہو گیا ہے۔ آج کل اس کی صحت اچھی ہو رہی ہے۔" لہجہ شدید مضطرب تھا۔

"ماشاء اللہ جس دن سب ساتھ ہوں تو اسکائپ پر بات کرنا انشراح بہت یاد کر رہی ہے تم نے بھی تو اسے محبت کچھ زیادہ ہی دی ہے۔"

"جبھی کہہ رہی ہوں آپ اس شہر سے واپس چلی جائیں اگر اس عفریت کو ذرا بھی خبر ہو گئی تو...... آپ سوچ بھی نہیں سکتی کہ وہ کیا سلوک کرے گا۔" دوسری طرف سے پھر اصرار کیا گیا۔

"دیکھو روشی...... ایک وقت تھا جب میں نے خود ہی ڈر کر یہ شہر چھوڑا تھا اور سنو وقت کبھی ایک سا نہیں رہا ہے۔ کبھی یہ انسان کو زیر کرتا ہے تو کبھی زبر...... میرے زیر ہونے کا وقت گزر چکا ہے۔" ان کے لہجے میں ہٹ دھرمی و بے پروائی بدرجہ اتم موجود تھی۔

"اماں...... آپ آگ سے کھیلنے کی حماقت کر رہی ہیں پلیز میری بات مان لیں اور واپس پنڈی چلی جائیں۔"

"اچھا بیٹی...... اجازت دو اللہ حافظ۔" انہوں نے کال ڈس کنیکٹ کردی۔

❀......❀......❀

ڈاکٹر ماما کو چیک اپ کے بعد میڈیسن دے کر چلا گیا تھا اس نے لائٹ ساؤنڈز ان کے ساتھ ہی کیا تھا پھر میڈیسن دے کر ان کے محو استراحت ہونے تک ان کے پاس ہی رہا حالانکہ وہ اسے بار بار آرام کرنے کی تلقین کرتی رہی تھیں مگر ان کے آگے وہ کسی کو بھی فوقیت دینے کا عادی نہ تھا۔ ان کے سونے کے بعد وہ آہستگی سے ان کے کمرے سے نکلا اور اس کے قدم بیرونی طرف بنی گیلری کی طرف بڑھ رہے تھے۔ رہائشی عمارت سے ہٹ کر کچھ فاصلے پر وہ بھی ایک اور شاندار عمارت بنی ہوئی تھی جہاں کشادہ لان پارکنگ ایریا گیسٹ ہاؤس اور بے حد شاندار ہال بنا ہوا تھا جو تقریباً مہمانوں اور پارٹیز کے لیے ریزروڈ تھا۔ اب بھی پارکنگ میں قیمتی گاڑیاں کھڑی تھیں ہر سو سناٹا اس لیے پھیلا ہوا تھا کہ ہال روم مکمل طور پر ساؤنڈ پروف تھا اور وہ جانتا تھا اندر اتنا ہی شور و غل و رنگ و بو پھیلا ہوا ہوگا اگر چند سیکنڈ کے لیے وہاں کے دروازے وا کر دیئے جائیں تو لمحے بھر میں فضا بلند و بانگ قہقہوں اور میوزک سے گونجنے لگے گی۔

"صاحب...... بڑے صاحب کو آپ کے آنے کی خبر دے دوں؟" ملازمہ نے وہاں آ کر پوچھا۔

❀......❀......❀

صبح سحر کی مدھم مدھم روشنی ہر سو پھیلی دن کے آغاز کی نوید سنا رہی تھی۔ لان میں لگے دیسی بدیسی پھولوں پودوں کی مہک ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔ بڑا پُر کیف و دل پذیر منظر تھا۔ وہ ٹریک سوٹ میں ملبوس ایکسر سائز و جاگنگ سے فارغ ہو کر ایک طرف آویزاں گرین شیڈ کے نیچے آراستہ ٹیبل اور کرسیوں میں سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ وجیہہ چہرے کی سرخ و سپید رنگت سے مساموں سے پسینے کے قطرے موتی موتیوں کی مانند جھڑ رہے تھے۔ وہ گہری گہری سانسیں لیتا ہوا کرسی کی بیک سے سر ٹکائے بیٹھا تھا۔ اس کی ڈارک براؤن بے حد چمکیلی آنکھیں اوپر اڑتے پرندوں پر تھیں جو لان میں نصب اونچے سر سبز و شاداب درختوں پر قائم گھونسلوں کے مکین تھے اور تلاش رزق کے لیے پروازیں جاری تھیں۔ ملازم قمر ٹاول اور فریش جوس کا گلاس دے کر چلا گیا تھا وہ پسینہ خشک کر کے گھونٹ گھونٹ جوس پیتا ہوا دلچسپی سے پرندوں کی پرواز دیکھتا رہا تھا۔ اس دوران سورج نے بھی آمد کا نقارہ بجا دیا تھا۔ فضا کا نیم اندھیرا سورج کی سنہری شعاعوں سے چمک اٹھا تھا صبح پوری طرح بیدار ہو کر چھا گئی تھی۔

وہ ہاتھ لینے کے بعد تیار ہو کر سیدھا ماما کے کمرے میں آیا وہ ابھی تک سو رہی تھیں۔ ان کو بخار اب نہیں تھا وہاں موجود

زیتون نے بتایا تھا بڑی بیگم صاحبہ نماز فجر ادا کرنے کے بعد ناشتہ اور میڈیسن لے کر سوئی ہیں اور ماما کے چہرے کی آسودگی کہہ رہی تھی زیتون سچ کہہ رہی ہے۔ وہ مطمئن ہوکر ڈرائنگ روم میں چلا آیا جہاں ٹیبل پر ینگ جنریشن کے علاوہ تینوں تایا' چچا اپنی بیگمات کے ساتھ موجود تھے۔ ملازمائیں ناشتے کے لوازمات سرو کرنے میں لگی ہوئی تھیں۔

"مائی سن...... واٹ آ سرپرائز؟" بڑے پاپا (تایا) نے اس پر نظر پڑتے ہی بڑے پُرجوش انداز میں بلند آواز میں کہا۔ ان کی بھاری و پُررعب آواز میں اس کا سلام بھی گڈمڈ ہوکر رہ گیا جو اس نے وہاں داخل ہوتے کیا تھا' باقی سب نے بھی اس کا استقبال اسی انداز میں کیا تھا۔

"یار...... کب آئے؟ آپ کے آنے کا پتا ہی نہیں چلا" یوسف صاحب اسے لپٹائے لپٹائے کرسی تک لے آئے تھے۔

"بڑے گھروں میں رہنے کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ انسان' انسان سے دور ہوجاتا ہے کسی کو کسی کا پتا ہی نہیں چلتا' کون تکلیف میں ہے اور کون راحت میں' کون مر رہا ہے' کون جی رہا ہے؟ عجب بے خبری کا عالم ہوتا ہے بڑے گھروں

یہ فیضانِ مکتب تھا یا مدرسے کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

عیدالاضحیٰ قربانی کی عید ہے قربانی کے معنی اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرنا ہے جبکہ شرعی اصطلاح میں اس کا مطلب عبادت کی نیت سے ایک خاص وقت میں حلال جانور کو اللہ کی راہ میں قربان کرکے سنتِ ابراہیمی پر عمل پیرا ہونا ہے۔ جب ایک فرماں بردار بیٹے نے باپ کے حکم کے آگے سر جھکاتے رب کی خوشنودی و رضا حاصل کرنے کے لیے خود کو قربانی کے لیے پیش کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی فرماں برداری و شکر گزاری کا یہ انداز اس قدر بھایا کہ اس نے رہتی دنیا تک مسلمانانِ عالم کے لیے اسے سنت قرار دے دیا اور حج میں ایک اہم رکن کے طور پر شامل کردیا گیا۔ ذی الحج کا چاند نظر آتے ہی اس ماہ کی رحمتیں و برکتیں ہمارا احاطہ کرلیتی ہیں ایک طرف جہاں مسلمان کعبۃ اللہ میں جمع ہوکر حج جیسے عظیم فرض کی ادائیگی کرتے ہیں وہاں دوسری طرف اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے قربانی کی جاتی ہے۔

عیدالاضحیٰ پر خواتین کی ذمہ داریاں بہت بڑھ جاتی ہیں اور گوشت کے حصے بنانے میں بھی خواتین کا بہت اہم کردار ہوتا ہے خواتین کو چاہیے کہ قربانی کے گوشت کی تقسیم میں عدل و انصاف سے کام لیں۔ گوشت کے تین حصے برابر کرلیں ایک حصہ اپنے لیے دوسرا غریبوں اور محتاجوں کے لیے جبکہ تیسرا عزیز و اقارب کے لیے بقرعید جیسے جیسے قریب آتی ہے اس کی تیاریوں میں اضافہ اور جوش و خروش بڑھتا چلا جاتا ہے آنچل نے سابقہ روایت برقرار رکھتے اس مرتبہ بھی آپ بہنوں کے لیے خصوصی سروے کا اہتمام کیا ہے۔ جس میں آپ بہنوں کی شرکت باعث مسرت ہوگی سروے کے سوالات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱:۔ آپ کی عیدِ قربان کی تیاریوں میں خاص اور اہم بات کیا ہوتی ہے۔

۲:۔ قربانی کا جانور عموماً آپ کے گھر کتنے دن پہلے آتا ہے اور قربانی کے لیے کون سا دن مخصوص ہے؟

۳:۔ کوئی ایسی خاص ڈش جو آپ قربانی کے گوشت سے تیار کرکے داد وصول کرتی ہیں؟

۴:۔ عید پر گوشت کی تقسیم اور دیگر گھریلو امور میں مرد حضرات کس طرح آپ کے ساتھ تعاون کرتے ہیں یا بالکل نہیں کرتے؟

۵:۔ مویشی جب منڈیوں سے آتے ہیں تو ہجوم اور نئی جگہ کی وجہ سے بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں آپ کے مشاہدے میں ایسا کوئی دلچسپ واقعہ ہو جو مسکرانے پر مجبور کردے؟

ان سوالات کے جوابات پانچ تاریخ تک بذریعہ ڈاک یا ای میل ارسال کردیں تاکہ آپ بہنوں کی شرکت کو یقینی بنایا جاسکے۔

info@aanchal.com.pk

میں۔" اس کی نگاہیں زرقا کی طرف نہ تھیں وہ نظریں جھکائے بیٹھا تھا۔

وہاں موجود مردوں کے سر سے یہ باتیں گزر گئی تھیں البتہ وہاں موجود تینوں خواتین نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا تھا۔ حمرہ بیگم کے چہرے پر ایک آتشیں لپک نمودار ہوئی تھی مگر وہ چپ رہی تھیں۔

"ارے آپ تو شکوہ کررہے ہیں۔" یوسف صاحب نے مسکراتے ہوئے استفسار کیا۔

"جی ہاں بھائی جان...... کچھ ایسا ہی فیل ہورہا ہے" نوفل کے انداز میں شکایت فیل ہورہی ہے۔" یوسف سے چھوٹے لقمان نے سنجیدگی سے کہا تو ان سے بھی چھوٹے بلال نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ایسی کیا بات ہوگئی ہے بیٹا' جو آپ کو آتے ہی شکایت محسوس ہوئی؟"

"ماما کو رات اتنا بخار تھا جس کی وجہ سے ان کو ہوش ہی نہ تھا اور اس کنڈیشن میں وہ نا معلوم کب سے تنہا روم میں تھیں اور فیملی ممبر کو خیال کرنا دور کی بات نوکروں نے بھی ان کو نہیں دیکھا۔" اس کے بھاری لہجے میں غصہ و ملال نمایاں تھا' یوسف اس کی طرف دیکھ رہے تھے' وہ فکر مند تھے ان کے لاڈلے کو گھر آتے ہی ایسی کیا شکایت ہوگئی عموماً وہ شکایت کرنے کا عادی نہ تھا اور اس کے منہ سے زرقا کے متعلق جان کر پریشانی دور ہوگئی تھی۔

"کل کچھ فرینڈز کو ڈنر پر بلایا تھا اور دن میں کس قدر مصروفیات ہوتی ہیں آفیشلی آپ کو معلوم ہے۔ رات ڈنر پارٹی میں ٹائم گزرنے کا پتا نہیں چلا پھر زرقا بیگم کوئی بچی نہیں ہیں جو اپنی کیئر نہ کرسکیں اگر ان کو بخار تھا وہ کال کرکے ڈاکٹر کو بلاسکتی تھیں۔" وہ ناشتا کرتے ہوئے طمانیت بھرے لہجے میں کہہ اٹھے۔

"اس کا مطلب ہوا ماما کی یہاں کوئی اہمیت نہیں ہے؟"

"بہت ویلیو ہے ان کی ڈیئر...... لیکن بات پھر وہ ہی آتی ہے کہ زرقا آپی کو موقع بے موقع اپنی اہمیت جتانے کا کریز ہے وہ ایسے تماشے آئے دن کرنے کی عادی ہیں اور کوئی ایسی بات نہیں ہے۔" حمرہ نے ملازمہ سے جوس کا گلاس لیتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"مائنڈ یو آنٹی...... اگر وہ تماشے ہی کررہی ہیں' تماشے کرنے کا مقصد کیا ہوتا ہے یہی نہ کہ تماشا کرنے والے کو دیکھا جائے اس کے فن کی داد دی جائے' اس کی محنت کو سراہا جائے لیکن یہاں نہ کوئی تماشا ہورہا ہے اور نہ ہی ماما کوئی ایکٹریس ہیں۔ میں نے ہمیشہ سے ان کو اس گھر میں متحرک پایا ہے' ہر ایک کے کام آتے دیکھا ہے اور کل ان کو تیمارداری کی ضرورت پڑی تو ملازموں کا ساتھ بھی نہ ملا۔"

"ارے آپ بھی آتے ہی کس ٹینشن میں پڑگئے ہیں بیٹا' حمرہ کی بات بالکل درست ہے اس عورت کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا بہت شوق ہے' دفع کرو اس ٹاپک کو اور ناشتا کرو۔" یوسف نے بھی مسکراتے ہوئے حمرہ کی بات کی تصدیق کی تھی' جس نے ان کے چہرے پر پھیلتے تناؤ کو مسرت میں بدل دیا تھا۔

"مجھے ناشتا نہیں کرنا۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھا اور ان سب کے روکنے کے باوجود وہاں سے چلا گیا۔

"یہ بہت برا ہوا نوفل بغیر کچھ کھائے پیے چلا گیا۔"

"یہ سارا فساد اس شر پسند عورت کا پھیلایا ہوا ہے وہ اسی طرح نوفل کے کان بھر کر ہمارے لیے مشکلات پیدا کرتی ہے۔" حمرہ بڑبڑائی۔

❀ ❀ ❀

وہ پورا ہفتہ اس نے زید سے چھپتے ہوئے گزارا تھا گو کہ ایک چھت تلے رہتے ہوئے یہ ممکن کہاں تھا کہ سامنا نہ ہو۔ زید کی عقابی نگاہوں سے بچنا ممکن نہ تھا لیکن یہاں مائدہ کی بات درست ثابت ہوئی تھی وہ اس کے ساتھ چھت پر موجود

نہیں تھی یہ تسلی کرنے کے بعد اس نے اسے بمشکل اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا اور وہ خوف سے آزاد ہوئی تھی ویسے بھی عمرانہ ممانی کی نگرانی ہمہ وقت رہتی تھی وہ سخت حفاظتی حصار میں اپنے اکلوتے بیٹے کو رکھا کرتی تھیں۔ ان کو یہ اندیشہ ہر وقت ہی پریشان رکھتا تھا کہ کہیں سودہ کی موہنی صورت ان کے ہینڈسم بیٹے کو اپنے سحر میں نہ جکڑ لے اس پر قابض نہ ہو جائے اس کی چاہت کا جادو نہ چل جائے۔

وہ ماں بیٹی عمرانہ کے ناپسندیدہ لوگوں کی لسٹ میں ٹاپ پر تھیں وہ اس قدر ان سے کبیدہ خاطر تھیں کہ اگر تمام اختیار کی مالکہ ہوتی تو وہ پہلی فرصت میں ان ماں بیٹی کا ہاتھ تھام کر گھر سے باہر نکال چکی ہوتیں۔ ایسی ہی نفرت ان سے وہ دونوں بچوں زید اور مائدہ کے ذہنوں میں بھی بھر چکی تھیں جو زید نے مکمل طور پر قبول کی تھی مگر مائدہ ماں کی ہزار ہا کوشش کے باوجود بھی قبول نہ کر پائی تھی۔ وہ بھائی کے برعکس پھوپو اور کزن سے پوری محبت سے ملا کرتی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو سودہ؟" صوفیہ کی آمد کا اسے احساس ہی نہیں ہوا انہوں نے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا تو وہ چونک کر بولی۔

"کچھ نہیں امی، بس ایسے ہی۔" وہ مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

"بھائی کی کال آئی تھی وہ رات کو آ رہے ہیں میں نے بڑی مشکل سے ان کو ڈنر ساتھ کرنے پر راضی کیا ہے۔ وہ مان ہی نہیں رہے تھے، میں نے بھی راضی کر کے ہی دم لیا ان کو ایک عرصہ ہو گیا ہمارے ساتھ کھانا کھائے ہوئے۔"

"ارے بڑی اچھی خبر سنائی آپ نے امی...... رات کو ماموں آ رہے ہیں۔" وہ بہت خوش ہو رہی تھی ماموں کی محبت میں وہ بچوں کی طرح ری ایکٹ کیا کرتی تھی۔ صوفیہ بھی بیٹی کو خوش دیکھ کر مسکرا اٹھی تھیں تب ہی وہاں بنارسی بوا نے آ کر کہا۔

"مدثر میاں کو دھواں گوشت بہت پسند ہے وہ ضرور پکانا صوفیہ میں نوابی پراٹھے اسی وقت تیار کر لوں گی جب سب ٹیبل پر ہوں گے۔ نوابی پراٹھے گرم گرم کھانے میں ہی مزہ آتا ہے۔ زمرد بہو بھی کشمیری پلاؤ اور چپلی کباب بنانے کا کہہ رہی ہیں اور میٹھے میں؟"

"بوا...... ڈیزرٹ میں خود تیار کروں گی۔" اس نے اپنی خدمات پیش کی۔

"ہاں بیٹی، تمہاری خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں ہوگا۔" وہ اسے دیکھ کر بولیں۔

"خوشی کی بات تو بے شک ہے بوا...... لیکن مجھے یہ فکر کھائے جا رہی ہے بھائی زید سے ملنا چاہ رہے ہیں اور آج بھی ویک اینڈ ہے زید کہیں وہی روش نہ اپنائے جو اس نے کئی ہفتوں سے اپنا رکھی ہے۔" صوفیہ کے لہجے میں فکرمندی و پریشانی جھلک رہی تھی۔

"یہ بات بالکل ٹھیک کہی ہے تم نے بیٹی...... اگر آج بھی زید میاں مدثر میاں کی موجودگی میں گھر نہ آئے تو بڑا غضب ہو جائے گا۔"

"دعا کریں بوا...... زید وقت پہ گھر آ جائے ورنہ آج بھائی اپنے غصے پر قابو نہ پا سکیں گے پچھلے ہفتے بھی بھائی اور بھابی نے سمجھا کر ان کو بھیجا تھا۔" وہ گہرے تفکرات میں گم تھیں۔

"صوفیہ بہو...... زید میاں کو جلد گھر آنے کا کہہ دیں فون کر کے۔"

"عمرانہ بھابی کب کسی کی اپنے آگے چلنے دیتی ہیں۔"

❁......❁......❁

عمرانہ بیگم میک اپ کرتے ہوئے گاہے بگاہے بیٹی کی صورت مرر میں دیکھ رہی تھیں جو ان سے باتیں کرتے ہوئے کسی الجھن کا شکار تھی۔

"اینی پرابلم مائی ڈیئر...... کچھ ڈسٹرب لگ رہی ہیں آپ، کیا ہوا ہے، کسی سے کوئی بات ہوئی ہے یا کسی نے کچھ کہا

ہے؟" وہ ہونٹوں کو لپ اسٹک کا فائنل ٹچ دے کر اس کے قریب آ بیٹھی تھیں۔
"کچھ خاص نہیں مما۔" اس کی نگاہوں میں ماں کے لیے ستائش تھی۔
"کچھ خاص نہ سہی' کچھ عام بات ضرور ہے جو آپ سوچ رہی ہو۔ مجھ سے بات کرتے ہوئے بھی آپ میری طرف متوجہ نہیں ہیں۔ کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور ہے جو آپ کو پریشان کیے ہوئے ہے کیا بات ہے ممی سے شیئر نہیں کریں گی آپ۔"
"ریئلی ممی......! آپ بہت سویٹ ہیں' بہت اسمارٹ ہیں۔" وہ فرط محبت سے ان سے لپٹ گئی تھی۔
"ہر ماں سویٹ اور اسمارٹ ہوتی ہے میری جان۔" وہ اس کی پیشانی چومتی ہوئی گویا ہوئی تھیں۔
"آپ کو معلوم ہے پاپا ہر ویک اینڈ کو بھائی سے ملنے آ رہے ہیں اور بھائی ان سے نہیں مل رہے۔"
"زید بے حد بزی ہے آج کل وہ عورتوں کی مانند ہر وقت گھر میں نہیں بیٹھ سکتا اور آپ کو اس معاملے میں بولنے کی ضرورت ہرگز نہیں۔" ان کے میٹھے لہجے میں یک دم کھردرا پن در آیا تھا۔
"میں ان کے میٹر میں نہیں بول رہی ہوں بلکہ میں یہ سوچ رہی ہوں پاپا کو اچانک بھائی کی یاد کیوں ستانے لگی ہے؟ پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا انہوں نے ہماری کبھی بھی پروا نہیں کی۔"
"پہلے کبھی ایسا اس لیے نہیں ہوا کہ اس شخص کو زید کے سہارے کی ضرورت نہیں تھی۔ زید کو اس کے سہارے کی ضرورت تھی اور وہ پیٹھ دکھا کر چلا گیا تھا اور آج وقت بدل گیا ہے زید جوان ہو گیا ہے۔ ماشاء اللہ اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا ہے اب اسے زید کے سہارے کی ضرورت ہے' اسی لیے وہ بھکاری کی طرح بار بار دستک دے رہا ہے' صدا لگا رہا ہے۔" ان کا لہجہ سخت استہزائیہ تھا۔
"ہوں...... یو آر رائٹ ممی۔"
"میں نے کبھی غلط بات کرنا سیکھی ہی نہیں۔" انہوں نے ایک مرتبہ پھر مرر میں اپنا جائزہ لیا اور اس کے ساتھ وہاں سے چلی گئیں۔

❀......❀......❀

"ہائے اللہ...... ماسی پارٹی میں بڑے بڑے لوگ آئیں گے' میں کیا زیب تن کروں؟" پائل نے حسب عادت اٹھلا کر اماں سے پوچھا۔
"کچھ بھی پہن لے تو' سب خوب بجتا ہے تجھ پر پوری محفل میں تو ہی حسین نظر آئے گی۔"
"ہائے اللہ...... یہ کیا کہہ رہی ہو ماسی۔" وہ پوری طرح شرما کر بولی۔
"بالے بھائی...... بالے بھائی...... اوہ...... آپ یہاں ہو اور میں آپ کو ہر جگہ ڈھونڈ رہی ہوں۔" انشراح نے وہاں آ کر اس سے کہا۔
"ماسی دیکھو اس نے پھر مجھے بھائی کہا؟" پائل تلملا کر رہ گئی۔
"ہاں...... کہا بھائی تو کیا ہوا آپ اماں کی بیٹی ہو مگر میرے بھائی ہو' کیوں نا نو...... ٹھیک کہہ رہی ہوں نہ میں؟" وہ بے پروائی سے کہتی ہوئی اماں کے قریب بیٹھ گئی۔
"ارے بھئی...... مجھے اپنے جھگڑوں سے دور ہی رکھو۔"
"اگر ماسی تم ہمارے درمیان سے دور ہو گئیں تو مجھے اس میزائل سے کون بچائے گا؟ یہ تو آتے جاتے مجھ پر بمباری کرتی رہے گی۔" پائل نے فوراً احتجاج کیا جبکہ وہ مسکرا کر گویا ہوئی۔
"اچھا نہیں کروں گی بمباری لیکن ایک شرط پر؟"

"وہ کیا؟" بڑا پراشتیاق لہجہ تھا۔
"میں آپ کو بالے بھائی کہوں گی۔" معصومانہ شرارت آمیز انداز۔
"اوہ...... دیکھ رہی ہیں ناں؟"
"انشراح...... بہت ہوگئی کیوں تنگ کیے جارہی ہو پائل کو، جاکر تیاری کرو پارٹی میں چلنا ہے بیٹا، فٹافٹ تیار ہوجائیں۔" انہوں نے تنبیہہ کے ساتھ ساتھ حکم بھی دیا۔
"یہاں ہم پہلی بار آئے اور آتے ہی ہمیں انویٹیشنز بھی ملنے لگے نانو کس کی پارٹی میں جانا ہے؟" اس نے چہرے پر بکھرے بالوں کو سمیٹتے ہوئے کہا۔
"آپ نے اپنی نانو کو کوئی چھوٹی وغیر معمولی عورت سمجھا ہوا ہے انشی، بڑے بڑے لوگ ہماری آپا کی ٹھوکروں میں رہے ہیں۔" کاکا (ملازم) نے وہاں آتے ہوئے فاخرانہ لہجے میں گفتگو جاری رکھی۔ "یہ الگ بات ہے کہ ایک طویل وقت گمنامی کے اندھیروں میں گزرا ہے۔"
"وہ بھی ایک مصلحت تھی کاکا، جب شدید روشنی سے بصارت چھن جانے کا خوف ہو تو پھر اندھیروں کو ہی ہم راز بنالینا چاہیے۔" انہوں نے بھی کاکا کے ہی انداز میں بات کی۔
"یہ اندھیرے اور روشنی کی باتیں سمجھ میں نہیں آرہی۔" اس نے شانے اچکاتے ہوئے دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
"ابھی آپ کو یہ باتیں سمجھ نہیں آرہی، کوئی بات نہیں جب وقت آئے گا تو از خود ہی سمجھ بھی آجائیں گی، آپ جاکر تیار ہوں۔" انشراح اور پائل کے وہاں سے جانے تک وہ ملازم خاموش کھڑا رہا پھر جب یقین ہوگیا کہ ان کے قدموں کی آہٹ دور ہوتے ہوتے بالکل معدوم ہوگئی ہیں۔ تب وہ اماں سے مخاطب ہوا۔
"آپا...... تم نے اس شہر میں آنے میں جلدی نہیں کردی؟"
"کیا مطلب ہے تمہارا؟"
"ابھی مزید کچھ سالوں تک تمہیں انشراح کو یہاں سے دور رکھنا تھا۔"
"اوہ...... اب مجھی روشن آرا نے اب تمہیں وکیل بنا کر بھیجا ہے؟" وہ استہزائیہ انداز میں اس کی طرف دیکھ کر گویا ہوئیں۔
"جب تم اس کے ہزار بار سمجھانے پر نہیں مانی ہو تو اس نے پریشان ہوکر مجھے فون کیا کہ میں تمہیں سمجھاؤں اور روشن جو کہہ رہی ہے وہ بالکل درست ہے۔ تم انشراح کو لے کر واپس چلی جاؤ۔"
"روشن آرا کون ہوتی ہے انشراح کے بارے میں فیصلہ کرنے والی؟"
"آخر کار وہ اس کی......" اماں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔
"آخر کار وہ اس کی بہن ہی ہے نا اور ماں کے آگے بہن کی کس طرح سے چل سکتی ہے۔ وہ سات سمندر پار بیٹھی ہے اپنے بچے اور شوہر کے ساتھ خوشیوں میں مگن اسے کہو اپنی خوشیوں میں مست رہے بس۔ انشراح میری بیٹی ہے اور ماں سے بڑھ کر بیٹی کے اچھے برے کا کون سمجھ سکتا ہے۔" ان کا موڈ بری طرح بگڑ چکا تھا۔
"آہ...... ہا...... تمہاری اس ضدی طبیعت نے ماضی میں بھی بڑے طوفان برپا کیے تھے۔ میں اب بھی بڑے طوفانوں کو بڑھتے ہوئے محسوس کررہا ہوں۔" وہ شکستہ انداز میں گردن جھکا کر گویا ہوئے۔
"ارے بڑا آیا نجومی کا بچہ بڑا پیر بن گیا ہے تو جا جاکر اپنی صورت دیکھ آئینے میں کیسی پھٹکار برس رہی ہے۔"
"یہی تمہاری کمزوری ہے آپا، تم سچ ذرا بھی برداشت نہیں کرسکتی۔"

براؤن بارڈر والی گولڈن رنگ کی ساڑھی میں ملبوس' جیولری نفاست سے کیا گیا میک اپ اور شانوں تک بکھرے برگنڈی کلرڈائی بالوں میں وہ خاصی خوب صورت لگ رہی تھیں۔ اندر داخل ہوتے ہوئے ان کی شرربار نگاہیں سامنے ہی بیٹھے مدثر صاحب کے چہرے پر تھیں۔ وہ بڑے رعونت بھرے انداز میں ان کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھی اور ان کے برابر میں مائدہ بھی خاموشی سے بیٹھ گئی تھی۔ اس نے باپ کو سلام کرنا گوارا نہ کیا جبکہ مدثر صاحب نے ایک نگاہ بھی ان پر ڈالنا گوارا نہ کی تھی البتہ ایک نگاہ خاموشی سے بیٹی کے چہرے پر ڈالی تھی۔

''چلیں اب کھانا شروع کریں۔ عمرانہ بہو اور مائدہ بیٹی کا ہی انتظار تھا۔'' ماحول میں بڑی تکلف زدہ خاموشی چھائی تھی جس کو منور صاحب کی پُرشفقت آواز نے توڑا ابھی کاٹ دار لہجے میں عمرانہ نے کہا۔

''ارے آپ بھی بہت پروا کرتے ہیں میری بھائی صاحب' مت کیا کریں اس قدر پروا بھلا لوگوں کو کہاں ہضم ہوگا میرا یوں انتظار کیا جانا۔'' انہوں نے ایک کاٹ دار نگاہ لاتعلقی سے براجمان مدثر صاحب پر ڈالی پھر مدثر کی پلیٹ میں دھواں گوشت ڈالتی صوفیہ پر نگاہ ڈالی۔

''یہ تو خیر اپنی اپنی سوچ کا انداز ہے عمرانہ...... ورنہ اس گھر میں رہنے والے سب لوگوں کی اہمیت ہے' کھانا کھاؤ ٹھنڈا ہوجائے گا۔'' منور نے اپنے تدبر سے عمرانہ کی طرف سے پھینکی گئی چنگاری کو شعلہ بننے سے قبل بجھا دیا تھا۔ مدثر مائدہ سے اس کی اسٹڈی کے حوالے سے پوچھتے رہے اور وہ سپاٹ لہجے میں سرسری جواب دے کر کھانے میں مشغول تھی۔ کھانا ہلکی پھلکی باتوں کے دوران کھایا گیا اور کھانا کھاتے ہی عمرانہ مائدہ کے ساتھ وہاں سے چلی گئی تھیں۔ سودہ اور مدثر میں ماموں بھانجی کا رشتہ تھا لیکن ان میں محبت و پیار باپ بیٹی کی طرح تھا۔ سودہ نے سب کو گرین ٹی بنا کر دی تھی۔

''ارے موسم دیکھئے کس قدر خراب ہو رہا ہے بھابی۔'' صوفیہ کی اتفاقیہ نگاہ کچن کی کھڑکی پر پڑی تو وہ پریشان لہجے میں کہنے لگی۔

''ہاں موسم کے تیور تو بڑے خطرناک لگ رہے ہیں' زید کا ابھی تک کوئی پتا نہیں ہے حالانکہ اس سے کہا بھی تھا جلد گھر واپسی کے لیے۔'' زمرد بھی تولیے سے ہاتھ خشک کرتی ہوئیں صوفیہ کی تقلید میں کھڑکی کے شیشے سے باہر دیکھنے لگی تھیں جہاں گرد آلود ہوائیں چل رہی تھیں۔

''بھائی کی موجودگی میں زید گھر آنے والا نہیں ہے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے وہ آجائے گا۔'' وہ کھڑکی سے ہٹ گئی تھیں۔

''یہی بات ہے آپ اور بھائی جان میری ایک نہیں سنتے۔'' وہ بھی لائٹ آف کر کے کچن سے باہر نکل آئی تھیں۔

''بات بھی تو سننے والی ہونا صوفیہ۔'' وہ نرمی سے مسکرائی تھیں۔

''بات تو سننے والی ہے مگر کوئی سننا نہ چاہے تو علیحدہ بات ہے۔'' وہ کہتی ہوئیں ان کے پیچھے لاؤنج میں آگئی تھیں جہاں منور صاحب مدثر صاحب کے ہمراہ سودہ بیٹھی تھی وہ سیاست اور ملکی حالات پر گفتگو کر رہے تھے اور وہ سن رہی تھی۔

''باہر بہت شدید آندھی آئی ہوئی ہے اتنا گرد و غبار ہے کہ کچھ دکھائی نہیں دے رہا اور زید ہے کہ ابھی تک گھر سے باہر ہے آپ اسے کال کر کے کہیں وہ فوراً گھر واپس آئے۔'' زمرد کے لہجے میں فکر و اضطراب تھا۔

''میں تمہارے حکم سے بہت پہلے سے کال ملا رہا ہوں۔''

''پھر کیا وہ جواب نہیں دے رہا ہے؟'' صوفیہ نے استفسار کیا۔

''جواب وہ تب دے گا جب اس کا فون آن ہوگا اس کا فون مسلسل آف جا رہا ہے۔'' ان کا انداز متفکرانہ تھا۔

"وہ جان بوجھ کر فون آف کر کے بیٹھا ہے یہ سب عمرانہ بھابی کی......"

"ماموں جان...... میں کافی بنا کر لاتی ہوں۔" سودہ ماں کے بگڑے تیور دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی اس کو لڑائی جھگڑے والی باتوں سے خوف آتا تھا۔ وہ اپنی ماں کی نیچر جانتی تھی کہ وہ ایسی باتیں کرتی رہیں گی۔

کچن کی لائٹ آن کر کے وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی باہر لان پتوں سے بھرا ہوا تھا سبز پیلے و ہلکے سبز پتوں کے ہمراہ پھولوں کے گچھے اور کئی کلیاں گھاس پر ہواؤں کے سنگ اڑتی پھر رہی تھیں دہشت ناک ماحول تھا۔ وہ خوف زدہ ہوگئی اور بے ساختہ نگاہیں گیٹ کی سمت گئی تھیں جو اسی طرح آن وبان سے شانت کھڑا تھا جیسے کبھی کھلے گا نہیں۔

وہ دیکھ رہی تھی ماموں جان جو بظاہر پُرسکون بیٹھے گفتگو میں مگن تھے اندر سے وہ اتنے ہی بے چین و بے کل تھے۔ باتوں کے دوران وہ بار بار رسٹ واچ دیکھ رہے تھے ان کی بے ساختہ نگاہیں گیٹ کی طرف اٹھ رہی تھیں اور ناکام پلٹ آنے والی نگاہوں میں اشتعال انگیزی سر اٹھانے لگی تھی۔ دوسری طرف زید تھا جو بے پرائیوں کی حدود کو چھو رہا تھا۔ کافی پھیلنے تک وہ اندیشوں میں ڈوبی رہی تھی۔

"ایک طوفان باہر اُدھم مچا رہا ہے اور دوسرا طوفان اندر تباہی مچانے کے لیے تیار ہو رہا ہے۔ مدثر میاں کے صبر و برداشت کو جواب دیتے ہوئے میں دیکھ رہی ہوں وہ غصہ کم ہی کرتے ہیں اور جب غصہ کرتے ہیں تو پھر سامنے والے کی خیریت نہیں ہوتی ہے۔" بنارسی بوا ہاتھ میں تسبیح پکڑے "جل تو جلال تو" کا ورد کرتی ہوئی وہاں آ گئی تھیں اور فکر مندی سے سودہ سے کہنے لگی تھیں۔

"سمجھ نہیں آتی بوا یہ رسہ کشی ماموں اور زید بھائی کے درمیان کب تک چلتی رہے گی؟ گھر میں ڈسٹربنس پھیل گئی ہے۔" وہ ٹرے میں کافی کے مگ سیٹ کرتی کہنے لگی۔

"میرے منہ میں خاک اس وقت تک یہ رسہ کشی جاری رہے گی جب تک عمرانہ بہو زندہ ہیں وہ بیٹے کو اسی طرح مٹھی میں رکھیں گی۔"

باہر ہواؤں کے زور کو بارش نے توڑ دیا تھا ونڈو گلاس سے تیزی سے گرتی بارش صاف دکھائی دے رہی تھی۔ پانی کے شفاف قطرے دھاروں کی صورت میں گر رہے تھے تمام دھول و گرد پانی میں بہنے لگی تھی۔

"لو بارش بھی شروع ہوگئی وہ بھی گرج چمک کے ساتھ۔"

"دعا کریں بوا...... زید بھائی جلدی آ جائیں اور ماموں کو غصہ نہ آئے۔" وہ فلاسک میں کافی بھر کر ٹرے میں رکھتی ہوئی گویا ہوئی۔

"میری بچی......" بوا نے محبت سے اس کی پیشانی چوم کر بوسہ دیا۔

"گھر میں سب سے چھوٹی ہو مگر ہر ایک کی فکر و پریشانی میں اس طرح لگی رہتی ہو جیسے سب کی دادی اماں ہو سدا خوش رہو۔ جاؤ تم کافی لے جاؤ میں کاؤنٹر صاف کر کے ساس پین دھو کر رکھ دوں گی۔" وہ کافی کی ٹرے اٹھائے لاؤنج میں چلی آئی۔

"بارش شروع ہوگی پر وہ نہیں آیا ابھی تک جس کو بہت پہلے آ جانا چاہیے تھا۔ کافی پی کر آپ چلے جائیں تو اچھا ہے بارش جلد رکنے والی نہیں۔" صوفیہ نے ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"آج یہیں ٹھہر جاؤ مدثر۔" منور سودہ سے کافی کا مگ لیتے ہوئے بولے۔

"سوری بھائی جان یہاں ٹھہرنا میرے لیے ممکن نہیں ہے مجھے جانا ہوگا۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے اس سے مگ لیا اور مودبانہ انداز میں بھائی سے مخاطب ہوئے تھے ان کے انداز میں بے حد عاجزی تھی۔

"مدثر بھائی...... آپ اس گھر کے فرد ہوتے ہوئے بھی مہمان بن گئے ہیں۔"

"کبھی کبھی کسی پر ایسا برا وقت بھی آتا ہے صوفیہ۔"

"ہم سب قسمت کی شطرنج کے بے جان مہروں کی مانند ہیں قسمت کی انگلیاں ہمیں کب اور کس جگہ فٹ کردیں پتا ہی نہیں چلتا ہے۔" زمرد کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

"سوہ بیٹے آپ جاکر ریسٹ کریں، بہت کام کرتی ہیں آپ۔" مدثر شفقت بھرے لہجے میں ان سے مخاطب ہوئے تھے۔

"میں اتنا کام نہیں کرتی ہوں ماموں جان، ممانی، امی اور بوا ہی کچن کا کام کرتی ہیں، میں اپنے پسندیدہ کام کرتی ہوں بس۔" اس نے مسکرا کر انکساری سے کہا۔

❁......❁......❁

لاریب گنگناتا ہوا وہاں سے گزر رہا تھا، زیتون کی تیرہ چودہ سالہ پوتی مزے سے وہاں رکھے قیمتی گل دانوں کو ڈسٹر سے رگڑ رگڑ کر صاف کر رہی تھی۔ وہ فربہ مائل بدن کی مالک تھی جس کی وجہ سے عمر سے بڑی لگ رہی تھی اور نوعمری کی نوخیزی نے اس کے چہرے کو پُرکشش بنا رکھا تھا وہ اردگرد سے بے پروا انڈور پلانٹس کے گل دانوں کو صاف کرنے میں مگن تھی اور کچھ اس طرح سے ڈسٹنگ کر رہی تھی کہ جسم میں ایک عجیب سا ارتعاش پیدا ہو رہا تھا وہ وہاں رک گیا تھا اس کی آنکھوں میں چمک ابھری تھی، بے حد پُرکیف نظارہ تھا، کچی کلی تھی، اس کا دل ہمک اٹھا۔

"اے لڑکی۔" اس نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

"جی صاحب۔" وہ ڈسٹر رکھ کر دوپٹے سے ہاتھ صاف کرکے بولی۔

"کیا نام ہے تمہارا؟ پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

"میرا نام طوبیٰ ہے، دادی کے ساتھ پہلی دفعہ آئی ہوں۔"

"کیا نام ہے تمہاری دادی کا؟"

"زیتون نام ہے۔" طوبیٰ نے خاصے شرماتے ہوئے کہا۔

"ہوں...... تم زیتون کی پوتی ہو، صفائی تو بہت اچھی کرتی ہو۔"

"میرے روم کی بھی صفائی کروگی؟"

"جی صاحب...... میں آپ کے روم کی صفائی کردوں گی۔" اس نے چٹکی بھر کر اس کا گال چھوڑ دیا تھا جو سرخ ہوگیا تھا۔

"ارے وہاں کہاں جارہی ہو، میرا روم اوپر ہے۔" وہ بچی کو دوسری سمت جاتے دیکھ کر بولا۔

"میں دادی کو بتا کر آجاؤں۔"

"کیا بتاؤ گی اپنی دادی کو؟"

"آپ کے روم کی صفائی کرنے جارہی ہوں۔"

"یہ بھی کوئی بتانے کی بات ہے، اس کو معلوم ہوگا تم میرے روم میں ہو، چلو میرے ساتھ۔" وہ جھنجلا کر بولا۔

"نہیں صاحب...... میں دادی سے پوچھے بغیر نہیں جاسکتی، دادی نے کہا تھا ان کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاؤں ورنہ وہ میری شکایت ابا سے کردیں گی اور ابا مجھے......"

"تیرے ابا کی ایسی کی تیسی۔" اس نے غصے سے کہا اور مضبوطی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اوپر سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ طوبیٰ بنا کوئی آواز نکالے اوپر کھنچتی چلی گئی تھی، وہاں آتی ملازمہ فاخرہ نے وہ منظر دیکھا تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی کچن میں گئی جہاں زیتون کچھ دیر قبل گئی تھی۔

"خالہ زیتون...... خالہ زیتون...... غضب ہوگیا۔" وہ وہاں آکر بولی۔

”ارے کیا ہوا...... تو اتنی بوکھلائی ہوئی کیوں ہے؟“ چاول بوائل کرتی ایمنہ نے پوچھا۔

”خالہ زیتون کہاں ہے؟“ اس کی سانس ابتر تھی۔

”وہ مارکیٹ گئی ہے پر تو کیوں اتنی گھبرائی ہوئی ہے؟“ ایمنہ بھی بے حد پریشان ہوگئی تھی۔

”ہائے اللہ...... اب کیا ہوگا؟ نہ جانے خالہ زیتون کب آئے گی اور تب تک تو......“ وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر ہاتھوں کو مسلنے لگی۔

”تو کچھ بتائے گی بھی یا اسی طرح پریشان رکھے گی؟“

”وہ لاریب صاحب طوبیٰ کو زبردستی اپنے کمرے میں لے گئے ہیں۔“

”توبہ خدایا...... یہ بہت برا ہوا...... بہت برا......“

❁......❁......❁

”بہت ٹائم ہوچکا ہے آپ لوگ آرام کیجیے آپ کو ڈیلی میڈیسنز بھی لینی ہے زیادہ دیر بیٹھنا آپ کی اور بھابی کی صحت کے لیے مناسب نہیں۔“ انہوں نے ٹائم دیکھتے ہوئے بھائی و بھابی سے کہا۔

”کرلیں گے ریسٹ بس زید آجائے تو جاتے ہیں۔“

”ٹھیک کہہ رہے ہیں بھائی...... آپ کو ویسے ہی آج کل معدے کی تکلیف ہے جاکر آرام کریں۔ بھائی نا معلوم کب آئے گا‘ اسے بھائی کے آنے کی خبر جو مل گئی ہوگی‘ اب وہ بھائی کی واپسی تک آنے والا نہیں ہے۔“ صوفیہ جو نیند کی کچی تھیں جھٹ سے گویا ہوئی۔

”زید کو کہاں خبر ملے گی اس کا سیل فون آف جارہا ہے۔“

”ارے بھائی جان...... خبر ملنے کی بعد ہی اس نے فون بند کیا ہے پچھلی بار بھی یہی ہوا تھا بھائی گھر سے ایک میل دور ہی گئے ہوں گے اور زید گھر آگیا تھا۔ اب بھائی صبح تک بھی بیٹھیں وہ ایسا ہی کرے گا۔“

”ایسا کچھ نہیں ہے صوفیہ...... بلاوجہ کی بدگمانیاں دل ہی نہیں رشتے بھی خراب کردیتی ہیں۔ دراصل آج کل زید بے حد مصروف ہے نیا نیا کاروبار شروع کیا ہے اسی بھاگ دوڑ میں لگا رہتا ہے پھر وہ تنہا سب کچھ سنبھال رہا ہے۔“ ان کے لہجے میں زید کے لیے اپنائیت و پیار بھرا ہوا تھا۔

”کس نے کہا تھا تنہا بزنس کرے‘ ندر بھائی نے ہزاروں آفرز کی تھیں اسے بھائی کے تعلقات کتنے اوپر تک ہیں ایک اشارے پر اعلیٰ سے اعلیٰ پوسٹ مل سکتی تھی مگر اس نے ہر آفر کو ٹھوکر ماردی۔“

”زید نے ایم بی اے بزنس کی نیت سے ہی کیا تھا‘ اس کا انٹرسٹ کبھی بھی جاب کرنے میں نہیں تھا۔“ زمرد نے کہا۔ وقت اور آگے سرکا تھا‘ بارش کی شدت میں کمی آئی تھی۔ وہ ان کو باتوں میں مصروف دیکھ کر اپنے اور مائدہ کے مشترکہ کمرے میں چلی آئی تھی۔

”اوہ چلے گئے آپ کے ماموں جان؟“ اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”تم ان کے لیے اس طرح کیوں بات کررہی ہو‘ وہ میرے ماموں ہیں تو تمہارے پاپا بھی تو ہیں۔“ اس کے لہجے پردہ دکھ سے بولی۔

”مجھے تو معلوم ہے وہ میرے پاپا ہیں‘ کیا انہیں یاد ہے وہ میرے پاپا ہیں؟“

”تمہیں شکر کرنا چاہیے مائدہ...... تمہارے پاپا ہیں اور اللہ انہیں سلامت رکھے۔ تمہیں نہیں پتا باپ کے نہ ہونے کا دکھ کتنا بڑا ہوتا ہے۔“

"اور باپ کے ہوتے ہوئے بھی نہ ہونے کا دکھ سے بڑا کوئی اور دکھ نہیں ہے دنیا میں میری جان؟" وہ برجستہ گویا ہوئی تھی۔ کچھ لمحوں کے لیے خاموشی طاری ہوئی پھر وہ آہستگی سے کہنے لگی۔ ماموں جان زید بھائی کا انتظار کررہے ہیں اور نامعلوم کیا بات ہے کہ اتنا خراب موسم ہونے کے باوجود وہ ابھی تک نہیں آئے۔"

"پاپا کو کہو وہ چلے جائیں بھائی ان کی موجودگی میں آنے والے نہیں ہیں وہ اپنا وقت ضائع کررہے ہیں اور بھائی کا بھی۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو...... تمہیں معلوم ہے اس بات کا مطلب؟" وہ حیرانی سے اس کی طرف دیکھ کر گویا ہوئی کیونکہ یہ لفظ اس کی ماں بھی کہا کرتی تھی جو وہ کہہ رہی تھی۔

"تم فکر کرنا چھوڑ دو وگرنہ حقیقت یہی ہے پاپا اپنی روش بدلیں گے نہ بھائی اپنا رویہ۔ پاپا دوسری عورت کے کہنے میں آ کر بیٹے کو نیچا دکھانا چاہتے ہیں پھر بھائی بھی ان کا خون ہیں جو ٹوٹ سکتے ہیں جھک نہیں سکتے۔ تم ان کے درمیان آنے کی غلطی مت کرو ورنہ تمہارا بھی وہ ہی حال ہوگا جو ہاتھیوں کی لڑائی میں چیونٹیوں کا ہوتا ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا اور لیٹ کر آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔ وہ گہری سانس لے کر وہاں سے آ گئی تھی کہ نینداس کی آنکھوں سے دور تھی۔ کتنا صبر آزما ہوتا ہے بے حس لوگوں میں حساس لوگوں کا زندہ رہنا۔

بارش رم جھم کی صورت اختیار کرگئی تھی ہوا بھی بے دم ہوگئی تھی۔ ماحول میں یک دم خاموشی در آئی تھی، عجیب وحشت زدہ کرنے والا سکوت تھا وہ پھر کچن میں چلی آئی تھی۔ مدثر صاحب کافی پینے کے شوقین تھے اور وہ ان کے شوق کا بے حد خیال رکھا کرتی تھی، اس نے کافی میکر کا سوچ آن کیا۔

"بھائی جان...... میرے خیال میں آپ آج رات یہیں قیام کریں، بہت رات گزر گئی ہے۔" صوفیہ نیند سے بے حال ہوکر گویا ہوئیں۔

"میں نے کہا نہ رک نہیں سکوں گا تم جاؤ۔"

"اب یہ اچھا لگے گا آپ یہاں بیٹھے رہیں اور میں جا کر سو جاؤں۔"

"میری خاطر خود پر جبر نہیں کرو، مجھے معلوم ہے تم نیند کی بے حد کچی ہو جاؤ سو جاؤ اگر تم یہاں بیٹھی رہو گی تو مجھے تکلیف ہوگی۔"

"اچھا! آپ اصرار کرتے ہیں تو جارہی ہوں ورنہ دل بالکل بھی آپ کو چھوڑ کر جانے کو نہیں چاہ رہا۔" وہ ان کے پُرشفقت لہجے پر کہتے ہوئے چلی گئی تھیں۔

اب وہاں بالکل خاموشی طاری ہوگئی تھی اور اس سناٹے میں باہر پانی کے شور کی صدائیں تھیں۔ بھائی بھاوج کو وہ پہلے ہی یہاں سے بھیج چکے تھے وہ حسرت سے درودیوار کو دیکھنے لگے۔

کتنا غیر مانوس واجنبی لگ رہا تھا سب کچھ جہاں انہوں نے زندگی کے قیمتی ماہ و سال گزارے تھے اور لگ رہا تھا جیسے ان کا کوئی تعلق کبھی یہاں سے رہا نہ ہو۔ اذیت کی ایک لہر ان کی رگ و پے میں اترتی چلی گئی تھی۔

"کافی حاضر ہے ماموں جان۔" وہ ٹرے اٹھائے اندر آتے ہوئے گویا ہوئی۔

"ارے بیٹا......! آپ سوئی نہیں۔" وہ اسے دیکھ کر خوش گوار حیرت سے بولے۔ اس کی موہنی صورت ان کی ساری یاسیت و رنج دور کرگئی تھی، وہ خوش گوار لہجے میں گویا ہوئے تھے۔

"مجھے معلوم تھا آپ کو اس وقت کافی کی طلب ہورہی ہوگی۔" وہ ٹرے میز پر رکھتے ہوئے بولی۔

"شکریہ بیٹا، خیر مجھے معلوم تھا میری بیٹی کافی لا رہی ہوگی۔" ان کے لہجے میں محبت ہی محبت تھی۔ "میرے لیے اتنی تکلیف نہ اٹھایا کریں، اتنا ٹائم ہوگیا ہے اور آپ میری خاطر جاگ رہی ہیں۔" جواباً وہ کچھ کہنے والی تھی معاً گیٹ کھلنے کی

آواز آئی تھی اس نے ماما کی طرف دیکھا۔

وہ جو ایک لمحہ قبل محبت سے مسکرا رہے تھے یک دم ہی ان کے چہرے پر سختی پھیلتی چلی گئی تھی۔ کوریڈور سے بھاری قدموں کی آہٹیں سناٹے کو چیرتی ہوئی آگے بڑھتی آرہی تھیں اور جوتوں کی دھمک کے ساتھ ساتھ اس کے دل کی دھک دھک بھی بڑھتی جارہی تھی۔

"السلام علیکم!" سنجیدہ بھاری لہجہ بے گانگی سے بھرپور تھا۔ وہ کارپٹ پر دراز نو بیٹھی تھی گردن جھکی ہوئی تھی نگاہیں کچھ فاصلے پر کھڑے زید کے سیاہ شوز پر تھیں جن پر پڑے گرد کے نشان طویل مسافت کا پتا دے رہے تھے۔

"آدھی رات کو کہاں سے آرہے ہو؟" وہ سخت تحکمانہ لہجے میں گویا ہوئے اس نے ان کی طرف ایک نگاہ بھی نہ ڈالی تھی کہ باہر کھڑی کار دیکھ کر وہ ان کی موجودگی سے آگاہ ہو چکا تھا سو اندر آکر سلام کرتے ہوئے ان کی طرف پشت کر کے کھڑا ہو گیا تھا۔

ماحول میں یک دم رویوں کا حبس بڑھ گیا تھا اشتعال انگیزیوں کی چنگاریاں اِدھر اُدھر اڑنے لگی تھیں۔ اسے لگا اس وقت ان کے درمیان اس کی موجودگی نامناسب ہے اسے فوراً یہاں سے چلے جانا چاہیے۔

"سودہ...... کہیں جانے کی ضرورت نہیں کافی بنائیں۔" مدثر نے اسے اٹھتے دیکھ کر نرمی سے کہا اور وہ ان کی بات کس طرح ٹال سکتی تھی۔ وہ بیٹھ کر کافی مگ میں انڈیلنے لگی چند قدموں کے فاصلے پر کھڑے بندے کی آنکھوں کی سختی اس لمحے اس نے شدت سے محسوس کی مارے خوف کے بدن میں کپکپی پیدا ہونے لگی۔

"میں دیواروں سے نہیں تم سے مخاطب ہوں کہاں سے آرہے ہو اس وقت؟"

"بزی تھا ایک جگہ۔" وہ ان کے گرجنے سے بالکل متاثر نہیں ہوا تھا۔

"وہ کون سی جگہ ہے سیدھی طرح جواب دو؟" وہ چلائے۔ حالات کی سنگینی کا سب کو ہی احساس تھا اس لیے کوئی بھی بستروں میں لیٹ کر سو نہیں پایا تھا۔ زمرد منور اور صوفیہ وہاں داخل ہوئے۔

"شریفوں کا شیوہ نہیں ہوتا آدھی آدھی رات تک باہر آوارہ گردی کرنے کا میں کس طرح تمہارے کریکٹر پر اعتبار کروں۔"

"میں نے کب کہا کہ مجھے آپ سے کریکٹر سرٹیفکیٹ چاہیے۔" اس کا لہجہ طنز و بے پروائی کے زہر میں بجھا ہوا تھا۔

"بہت خوب کان کھول کر سن لو تمہاری اس آوارہ گردی و بے راہ روی سے میری خاندانی عزت و ناموس پر کوئی آنچ......"

"کس خاندانی عزت و ناموس کی بات کر رہے ہیں آپ......" وہ ان کی طرف گھوم کر استہزائیہ لہجے میں گویا ہوا۔ "وہ خاندانی عزت و ناموس جس کو بیس سال قبل آپ خود داغ دار کر چکے ہیں۔" لہجہ تھا یا زہریلے اژدھوں کی پھنکاریں تھیں مدثر صاحب کے ساتھ سب وہاں ساکت رہ گئے تھے۔

"ز...... ید......" پہلے مدثر صاحب کا سکتہ ٹوٹا تھا پھر تو گویا تمام صبر و ضبط تمام ہوا تھا اور وہ سخت غصے سے بے قابو ہو کر اس کی طرف بڑھے تھے سودہ کے ہاتھ سے کپ چھوٹ گیا تھا۔

"بدتمیز...... گستاخ...... بے ادب تمہاری جرأت کیسے ہوئی زبان درازی کرنے کی۔" وہ کف اڑاتے ہوئے اس کی طرف بڑھے تھے۔

❀......❀......❀

"ارے کیا ہوا؟ کیوں تم دونوں کے چہروں کے رنگ اڑے ہوئے ہیں؟" وہ ابھی کچھ تدبیر سوچ بھی نہ پائی تھیں کہ

زیتون ہاتھ اس سامان سے بھرا شاپر پکڑے اندر آتی دکھائی دی۔

"خالہ غضب ہوگیا۔" امینہ نے جلدی جلدی تمام صورت حال اس کو بتائی اور وہ شاپر رکھ کر دل پر ہاتھ رکھ کر گرنے لگی تھی۔

"ارے خود کو سنبھال خالہ...... یہ گرنے کا وقت نہیں ہے کسی طرح اس بچی کو اس موذی سے بچالے وقت برباد نہیں کر۔" فاخرہ نے اسے سنبھالتے ہوئے کہا۔

"ہائے میں لٹ گئی، کس طرح اپنی بچی کو بچاؤں؟" وہ ماتھا پیٹ کر زاروقطار رونے لگی۔

"سیدھی جاکر سامعہ بیگم صاحبہ کو بتاؤ ان کا ہی سپوت ہے وہ۔"

"ارے تم گل بی بی اور اس کی بیٹی کا حال بھول گئی ہو اس بے چاری کی بیٹی کی عزت بھی نہ رہی تھی اور جب وہ بیٹی کو لے کر روتی دھوتی سامعہ بیگم صاحبہ کے پاس گئی تھی اور بیگم صاحبہ نے بیٹے کی حمایت لیتے ہوئے یہاں سے دھکے دے کر نکلوادیا تھا ان کو ساتھ دھمکی بھی دی تھی کہ...... اگر وہ کبھی بنگلے کے آس پاس بھی دکھائی دیں تو پھر ساری زندگی جیل میں گزاروگی۔"

"یہ بڑے لوگ ہیں کسی کو بے آبرو کرکے بھی عزت دار بنے رہتے ہیں۔"

"ارے میری پوتی ابھی بہت چھوٹی ہے، سامعہ بیگم ایک نہیں سنیں گی اور دھکے مار کر نکال دیں گی۔ میں کس سے فریاد کروں، کس کے پاس جاؤں؟" اس پر غشی طاری ہونے لگی۔

"بڑی بیگم صاحبہ کے پاس چلتے ہیں شاید وہ ہی کچھ مدد کرسکیں۔"

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو ایک وہ ہی ہستی ہیں جو ساری بیگمات سے الگ مزاج رکھتی ہیں۔" وہ بے دم ہوتی زیتون کو سہارا دے کر ان کے کمرے تک لے آئی تھیں، زرقا بیگم میگزین پڑھ رہی تھیں۔

ان تینوں کو ہراساں دیکھ کر وہ چونکی تھیں معاً زیتون کارپٹ پر بیٹھتے ہوئے ان کے پاؤں پکڑ کر روتے ہوئے بولی۔

"بیگم صاحبہ...... میری پوتی کو بچالیجیے اسے لاریب صاحب زبردستی اپنے کمرے میں لے گئے ہیں، میری بچی کو بچالیں۔"

"لاریب......؟" وہ کہتی ہوئیں بے حد سنجیدگی سے فون کی طرف بڑھی تھیں۔

❁......❁......❁

کمر تک جاتے اس کے کرلی بال سونے کے تاروں کی طرح چمک رہے تھے۔ ٹراؤزر اور شرٹ میں ملبوس چیئر پر بیٹھی سیل فون پر روشن آرا سے گفتگو کررہی تھی۔ روشن ماں سے مایوس ہوکر اسے سمجھانے لگی۔

"انشی میری جان...... ماں کی سمجھ نہیں آرہی ہے میری بات، آپ ہی سمجھو جتنی جلد ممکن ہو آپ اماں کو اس شہر سے بہت دور لے جاؤ۔"

"آپی...... یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ کراچی بے حد خوب صورت شہر ہے، یہاں زندگی تیز دوڑتی ہے۔ دن ورات کا کوئی فرق نہیں ہے۔" وہ حیرت وخوشی سے بھرپور لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"ممّاں یہاں سے جانا بھی چاہیں گی تو بھی میں جانے نہیں دوں گی۔"

"آئی نو...... یہ شہر بہت خوب صورت ہے، منی پاکستان کہلاتا ہے جو یہاں آتا ہے یہیں کا ہوکر رہ جاتا ہے مگر انشی...... یہاں بسنے والے کچھ لوگ بہت خطرناک ہیں۔ سانپوں سے زیادہ زہریلے درندوں سے زیادہ خونخوار۔" روشن کا لہجہ کسی گہرے خوف کے زیر اثر تھا جبکہ انشراح اپنی لاابالی طبیعت کے باعث شوخی سے کہہ رہی تھی۔

”ڈونٹ وری آپی...... میں سرپھروں کے سرکچلنا اور دردمندوں سے نبٹنا جانتی ہوں۔“

”اب میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں یہ مذاق نہیں ہے؟“

”آپ بلاوجہ پریشان ہونا چھوڑیئے یہ بتائیں اسد بھائی کیسے ہیں؟ اور اشل کے کیا حال چال ہیں اس کی کالز کم آرہی ہیں۔“

”ٹھیک ہیں سب اور اشل آج کل اسپورٹس میں بزی ہے اور آپ بھی اماں کی طرح میری بات نہیں مان رہی۔“

”آپ بھی وہ بات کررہی ہیں جو مانی نہیں جاسکتی۔“

”اب میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں کہ یہاں آپ کی زندگی کتنے بڑے خطرے میں ہے کچھ لوگ دشمن ہیں ہمارے یہاں پر۔“

”اوہ...... رئیلی......!“ وہ گویا خوشی سے جھوم اٹھی۔ ”مجھے تو دشمن بہت اٹریکٹ کرتے ہیں میرا بڑا دل کرتا ہے گن چلانے کا یہ تو آپ نے بڑی اچھی نیوز سنائی۔ اصل مزہ تو دشمن کو گولی مار کر ہی آتا ہے۔ اب دشمن کا بتایا ہے تو ان کا ایڈریس بھی بتادیں؟“ وہ پُراشتیاق تھی اور دوسری طرف روشن کا دل چاہنے لگا دیواروں سے سر ٹکرانے کا، وہ اماں سے بھی زیادہ ٹیڑھی کھیر ثابت ہوئی تھی اس نے خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا تھا۔

وہ سوچ رہی تھی ان کے کون دشمن ہوں گے اور کیوں؟ اس نے بچپن سے آج تک نانو کو کسی سے معمولی سا جھگڑتے ہوئے بھی نہ دیکھا۔

”انشی...... وہ موا پروڈیوسر تو چپک کر رہ گیا ہے اور ماسی سے اصرار کیے جارہا ہے ایک بار بے بی کو بلا لیجیے۔“ پائل نے اندر آتے ہوئے ہاتھ ہلا کر کہا۔

”وہ گھر تک بھی پہنچ گیا؟ رات پارٹی میں میرے پیچھے پیچھے گھومتا رہا کہ ایک فلم میں لیڈنگ رول دے گا میں نے انکار کردیا۔“

”وہ ہی جنم جلا ہے آپ کو ہیروئن بنانے کے لیے ماسی کے دماغ میں نجانے کون کون سی فلموں کے نام بھر رہا ہے۔“

”چلو اچھا ہے نہ میں بھی ایک مووی میں کام کرکے پاپولر ہوجاؤں گی سنا ہے اب یہاں بھی اچھی فلمیں بننے لگی ہیں۔“

”اچھی فلمیں نہیں بے ہودہ فلمیں بننے لگی ہیں۔ بھارت کی اندھی تقلید میں بے حیائی و بے غیرتی کو فروغ دیا جارہا ہے جو نہ ملبوسات سے ہمارے معاشرے کی ترجمانی کرتا ہے اور نہ ہی کہانیوں میں ہمارا کلچر کہیں نظر آتا ہے۔“

”وہ ہی دکھایا جائے گا جو لوگ پسند کرتے ہیں۔“

”آٹے میں نمک کے برابر لوگوں کی پسند کی خاطر پورے معاشرے میں بگاڑ پیدا نہیں کیا جاسکتا اور جہاں سے یہ کلچر اڈاپٹ کیا جارہا ہے اس معاشرے میں اب عورت نہ راستوں پر محفوظ ہے نہ درسگاہوں میں اور تو اور بسوں ویٹوں میں بھی ان کی عزتیں پامال کی جاتی ہیں۔“

”واہ بھئی...... تم تو بالکل بھائیوں جیسی بات کررہے ہو بالے بھائی۔“

”بس...... آج سے میں آپ کے لیے بالے بھائی ہوں آپ مجھے بہنوں سے بڑھ کر عزیز ہو میں ماسی کو پروڈیوسر کی باتوں میں نہیں آنے دوں گا۔“

”او کے مائی لارڈ...... جو آپ کہیں گے وہ ہی ہوگا اور میری بات کان کھول کر سن لو۔ اگلی دفعہ مجھے آپ نہیں تم کہنا۔“

”یہ کیسے ہوسکتا ہے آپ ہماری مالکن ہو۔“

"جو میں نے کہہ دیا سو کہہ دیا حکم عدولی کی سزا جانتے ہونا؟" وہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"جی...... جی جو حکم آج سے میں آپ کو تم ہی بولوں گا۔"

"چلو آج تو آؤٹنگ پر چلتے ہیں۔" وہ کھڑی ہوئی۔

"بہت دن ہوگئے تم نے کسی کو گاڑی نہیں ماری ہے۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"ہوں چپ چاپ چلو اماں کو پتا نہ چلے۔" اس نے کار کی چابیاں اٹھائیں۔

❀......❀......❀

"حسین...... کم آن بتاؤ نہ تم نے کال کیوں کی ہے؟" وہ طوبیٰ کو کمرے میں لایا ہی تھا کہ اس کی گرل فرینڈ کی کال آ گئی تھی اور اس سے دوستی اس نوعیت کی تھی کہ نہ چاہنے کے باوجود کال پک کرنی پڑی تھی کہ اسے معلوم تھا وہ کال بلاوجہ نہیں کرتی لیکن آدھے گھنٹے سے وہ اِدھر اُدھر کی ہانکے جارہی تھی۔ اس کو مجبوراً اس سے پوچھا پڑا اور جواباً وہ حیرانی سے بولی۔

"کیا ہوا تم اس قدر جلدی میں کیوں لگ رہے ہو کہیں جارہے ہو؟"

"نہیں...... کہیں نہیں جارہا۔" اس نے دانت کچکچائے۔

"پھر اس قدر کریزی کیوں ہورہے ہو؟"

"وہ میرے کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں۔" اس نے سامنے کھڑی طوبیٰ کو دیکھا جو حسرت بھری نگاہوں سے کمرے کی ڈیکوریشن دیکھ رہی تھی۔

"تمہاری بے صبری بتارہی ہے کوئی اسپیشل مہمان ہے؟" معنی خیز لہجہ تھا۔

"نہیں نہیں سویٹ ہارٹ...... تمہارے بنا میرا کوئی اسپیشل پرسن نہیں ہے۔" وہ دل ہی دل میں اسے گالیوں سے نوازتا جبراً شوخی سے کہہ رہا تھا۔ "اب کہہ بھی دو کال کیوں کی ہے؟"

"میں بور ہورہی تھی سوچا تم سے ٹائم پاس کیا جائے۔"

"میں تمہارے لیے ٹائم پاس ہوں؟ اب ملو گی پھر بتاؤں گا ٹائم کس طرح پاس کیا جاتا ہے۔" دوسری طرف سے قہقہہ ابھرا تھا۔

"صاحب...... آپ کا کمرا بالکل صاف ہے۔" وہ فون سے فارغ ہوا تو وہ معصومیت سے گویا ہوئی۔

"ادھر آؤ میرے پاس تمہیں سر دبانا آتا ہے ذرا میرا سر تو دباؤ بہت درد ہورہا ہے۔" وہ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے گویا ہوا۔

"اس نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے دونوں ہاتھ سر کی طرف بڑھائے ہی تھے کہ اس نے اٹھ کر تیزی سے پکڑ لیا اور عین اسی لمحے دروازہ کھول کر نوفل اندر آیا تھا پھر چیتے کی مانند جست لگا کر وہ اس تک پہنچا اور بچی کو اس کی آغوش سے نکال کر کمرے سے باہر چھوڑ آیا تھا۔ یہ سب اتنی جلدی واچانک ہوا تھا کہ لاریب ہکا بکا رہ گیا تھا وہ پھر اس کے قریب پہنچا۔

"تم...... تم یہاں کس طرح آ گئے؟" وہ بوکھلا کر کھڑا ہوتا بولا۔

"تمہاری جرأت کیسے ہوئی اس بچی کو یہاں لانے کی؟" اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہورہا تھا اور آنکھوں میں گویا انگارے بھرے تھے۔ ایسا ہی کچھ تھا اس کے انداز میں کہ لاریب جیسا نڈر و بے باک کسی سے نہ ڈرنے والا بندہ ٹپٹا کر رہ گیا۔

"وہ...... وہ ایک ملازمہ کی بچی ہے اس کی خاطر تم میری بے عزتی کررہے ہو؟" وہ نگاہیں چراتا ہوا گویا ہوا۔

"ایک تو تم زمانے بھر کا درد دل میں لیے پھرتے ہو کھیلتے ہو نہ کھیلنے دیتے ہو اس عمر کی خواہشیں تمہیں چھو کر بھی نہیں

گزری‘‘ اس نے بہت جلد اپنے خوف پر قابو پالیا تھا۔
’’ٹھوکر مارتا ہوں میں ایسی خواہشوں کو جو انسان کو لمحے بھر میں حیوان بنا ڈالیں۔ کان کھول کر سن لو میں تمہاری یہ پہلی و آخری غلطی سمجھ کر معاف کر رہا ہوں۔‘‘ اس کے لہجے کی سختی میں ذرا کمی نہ آئی تھی۔
’’وہ لوگ اس سب کے عادی ہوتے ہیں ابھی کچھ روپیہ دے دیتا کل وہ خود بچی کو چھوڑ کر جاتی میرے پاس۔‘‘
’’غریبوں کو اس قدر نظروں سے نہ گرایا کرو ان کی دولت ان کی عزت ہوتی ہے کاغذ کے ٹکڑوں کو ایسے لوگ عزت پر فوقیت نہیں دیتے۔‘‘
’’نوفل یار...... تم اس حقیقت کو نہیں مانو گے۔‘‘ وہ بیٹھ گیا۔
’’ہمارے یہاں ان باتوں کو انجوائے کیا جاتا ہے یہ سب ہماری عمر کے شوق ہیں۔ ہم سب میں ایک تم ہی ہو جو ان راہوں پر چلتے ہو جہاں ہم دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔‘‘
’’میں یہاں تم سے تمہارے شوق کے بارے میں پوچھنے نہیں آیا‘ یہی سمجھانے آیا تھا اس گھر میں کام کرنے والے ملازم یہاں کے مکین جیسے ہیں‘ ان کی عزت اس گھر کے افراد جیسی ہی ہے۔‘‘
’’اوکے اوکے مائی ڈیئریسٹ برادر...... میں سمجھ گیا۔‘‘ وہ کان پکڑ کر سنجیدگی سے گویا ہوا تھا‘ نوفل چلا گیا۔
’’بڑے بھائی...... اب تمہیں کوئی بات پتا ہی نہیں چلے گی‘ آج میرا لک ہی خراب تھا ورنہ آج سے پہلے میں نے اتنے شکار کیے ہیں اور کسی کو بھی کانوں کان خبر نہ ہوئی۔‘‘ وہ بڑبڑا کر رہ گیا۔
’’اللہ آپ کو سلامت رکھے نوفل صاحب...... آپ نے میری عزت بچائی‘ گھر جا کر میں اپنے بہو بیٹے کو کیا منہ دکھاتی۔‘‘ اس کے آگے زیتون ہاتھ جوڑ کر ممنون لہجے میں بولی۔
’’اٹس اوکے اس طرح نہ کریں آپ۔‘‘ وہ اس کے جڑے ہوئے ہاتھوں کو دیکھ کر نرم لہجے میں گویا ہوا۔
’’آئندہ آپ میں سے کوئی بھی بچوں کو ساتھ نہیں لائیں گی‘ اب اس واقعے کا کبھی بھی ذکر نہیں ہوگا؟‘‘ وہ بولا تو تمام ملازماؤں نے نفی میں سر ہلا دیئے تھے۔
’’یاد رکھنا اس کا ذکر دہرایا گیا تو اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔‘‘
’’نہیں صاحب...... ہم ابھی اس وقت سے سب بھول گئے۔‘‘
’’گڈ...... اب آپ لوگ جاسکتے ہیں۔‘‘ اس کے کہنے پر تمام ملازمائیں وہاں سے چلی گئی تھیں۔
’’سامعہ اور آذر کو بھی یہ دیکھنے کی فرصت ہی نہیں ملتی کہ لاریب کی ایکٹوٹیز کیا ہیں‘ وہ کس کمپنی میں سروائیو کر رہا ہے۔‘‘ تنہائی ملتے ہی زرقا بیگم افسردگی سے گویا ہوئی تھیں۔
’’والدین کو ہی کیوں الزام دیا جائے ماما...... اپنی بے راہ روی پر ہمیں خود کو کنٹرول کرنا چاہیے نہ۔‘‘ وہ ان کے قریب بیٹھتا ہوا بولا۔
’’ہر کوئی آپ کی طرح سمجھ دار نہیں ہوتا بیٹا۔‘‘ انہوں نے پیار سے اس کے گھنیرے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔
’’ماما...... میں ذرا باہر جا رہا ہوں۔‘‘ ہمیشہ کی طرح اسے اپنی تعریف نہ بھائی تھی۔
’’کسی فرینڈ کی طرف جا رہے ہیں؟‘‘
’’جی‘ ڈنر باہر ہی کروں گا۔‘‘
’’جائیں میں بھی نماز ادا کرنے جا رہی ہوں‘ پہلے شکرانے کے نفل پڑھوں گی۔ آپ وقت پر نہ پہنچتے تو لاریب نے

ہمارے چہروں پر سیاہی مل دیتی۔ اللہ ہدایت عطا کرے اس بچے کو......"

وہ کار ڈرائیو کرتے ہوئے خاصا اپ سیٹ تھا۔ ماما کے خیال سے اس نے خود پر ضبط کیا ہوا تھا کہ وہ اس کے معاملے میں بے حد حساس تھیں ان سے دور ہوتے ہی وہ سوچوں کے نرغے میں پھنس گیا تھا۔

لاریب کی غیر اخلاقی سرگرمیوں سے وہاں کا ہر فرد واقف تھا۔ اس کی گیدرنگ اسی طرح کے کریکٹر لیس لڑکے لڑکیوں سے بھری ہوئی تھی اور اس کا وقت اسی گیدرنگ میں گزرتا تھا اس کے اور ماما کے علاوہ ایسی گیدرنگز کو کوئی برا نہیں سمجھتا تھا۔ بے حد ماڈ اور لبرل فیملی تھی ملک کے مشہور و معروف فیملیز میں ان کا شمار ہوتا تھا وہ ایک سیاسی گھرانہ تھا۔

اس کے دادا اور چچا ملک کے بڑے سیاستداں رہے تھے دولت ان کی جدی پشتی لونڈی تھی۔ سیاست نے شہرت کو بھی پاؤں کی دھول بنا دیا تھا جس سے لاریب جیسے لوگ ناجائز فائدے حاصل کرتے تھے۔

"ہیلو یار' کن سوچوں میں گم ہو؟" بابر نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہراتے ہوئے شوخی سے کہا تو وہ گہری سانس لے کر گویا ہوا۔

"میں سوچ رہا ہوں ایڈمیشن اوپن ہوں تو اسٹڈی میں ٹائم اچھا گزرے گا ورنہ اب تو بوریت ہونے لگی ہے۔" اس نے اپنا موڈ درست کیا۔

"تم جیسے بندے کو کیوں بوریت ہونے لگی؟ تم فری رہنے والے نہیں ہو۔"

❀.......❀.......❀

"موسم اچھا ہے کیوں نہ پیدل مارچ کیا جائے ریسٹورنٹ پاس ہی ہے۔" رات سیاہی میں ڈوبی ہوئی تھی آسمان پر چھائے بادلوں نے ماحول میں فسوں خیزی بکھیر دی تھی۔ بارش پہلے ہی برس چکی تھی اب بھی ننھے ننھے کرسٹل کے موتی زمین پر گر رہے تھے' ہوائیں ٹھنڈی تھیں۔

"ارے وہ دیکھو کتنا اسمارٹ لڑکا جا رہا ہے ماشاء اللہ کیا پرسنلٹی ہے اس کو تو فلموں میں ہیرو ہونا چاہیے طوفان مچا دے گا طوفان۔" وہ آگے کی طرف جاتے دو نوجوانوں میں سے ایک کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ بلو جینز' ملٹی کلر کی ٹی شرٹ میں اس لڑکے کی بلند قامت نمایاں تھی گو کہ خاصے فاصلے پر ہونے کے باعث اس کا چہرہ نمایاں نہ تھا لیکن وہ شاندار پرسنلٹی کا مالک تھا۔ پائل کی بات پر وہ بھی اس کو دیکھ رہی تھی معاً بے دھیانی میں ایکسلیٹر پر پاؤں دبتا چلا گیا اور کار بے قابو ہو کر آگے بڑھی تھی۔ کار کی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا جو کسی خونخوار بیل کی مانند ان کی طرف بھاگی آ رہی تھی۔ اس نے تیزی سے آتی کار سے بچنے کے لیے بابر کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا مگر لمحوں میں وہ قریب پہنچی تھی آگے بڑھتے بڑھتے بھی بابر کو سائیڈ مار گئی تھی اگر وہ اسے پکڑے ہوئے نہ ہوتا تو بابر کچلا جاتا کار آگے جا کر جھٹکے سے رکی تھی۔

"یو ڈیم فل' کم آؤٹ...... کم آؤٹ۔" وہ غصے سے بھرا ڈرائیونگ ڈور میں جھک کر غرایا تھا۔ پائل نے خوف سے اس ہیرو کو دیکھا جبکہ وہ گم صم بیٹھی تھی۔

"میں نے کہا باہر آؤ۔" وہ ڈرائیونگ ڈور پکڑ کر چیخا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

Downloaded From
paksociety.com
ذرا پھر سے کہنا
نازیہ احمد

زخم کھانا تو اپنی عادت ہے
مسکرانا تو اپنی عادت ہے
روشنی ہو گھپ اندھیرا ہو
دل جلانا تو اپنی عادت ہے

حمیدہ کے ساتھ پچھلے ہفتے جو لوگ آئے تھے انہوں نے بھی ٹکا سا جواب دے دیا ہے۔ گھر میں داخل ہوتے ہی سعیدہ ممانی کی آواز کانوں سے ٹکرائی تھی۔ بے دلی سے دروازہ بند کر کے اس نے دھیمی آواز میں سلام کیا اور اپنے کمرے میں چلی آئی۔ چادر اتار کر اس نے پلنگ پہ پھینکی یہاں بھی اسے سعیدہ ممانی کی کاٹ دار آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ جانتی تھی اب یہ موضوع اگلے کئی دنوں تک گھر میں زیر بحث رہے گا اور اس کے ساتھ وہ تمام طنز کے تیر اور پچھلے بیس سال کی مہربانیاں جتائی جائیں گی۔ اس کی بھوک پیاس غائب ہوگئی تھی۔

"آج بہت دیر کردی آنے میں؟" صفیہ اس کے پیچھے پیچھے چلی آئیں۔

"بس نہیں مل رہی تھی، دو بسیں بدل کر آئی ہوں اسی لیے دیر ہوگئی۔" ماں کو کمرے میں دیکھ کر اس نے خود کو پُرسکون کرنے کی کوشش کی۔

"میں تو کہتی ہوں چھوڑو یہ نوکری کے جھنجٹ اچھی خاصی تمہاری ٹیوشن لگی ہوئی تھی، گزر بسر ہو ہی جاتی تھی۔" صفیہ نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تین چار ٹیوشنز سے کیا بنتا ہے امی، کب تک ماموں پہ بوجھ بنے رہیں گے۔ ویسے بھی مہینے کے سترہ اٹھارہ سو روپے سے ہماری زندگی میں کون سا فرق پڑ گیا تھا۔"

"ارے سویرا اب کمرے میں گھسی رہے گی یا پھر کوئی کام بھی کرے گی۔ رات کا کھانا بھی پکانا ہے اور باورچی خانے میں چائے کے جھوٹے برتن بھی پڑے ہیں۔ سارا دن افسری میں گزار کر محترمہ اب اندر آرام فرما رہی ہیں۔" سعیدہ کی چنگھارتی ہوئی آواز پہ وہ فوراً پلنگ سے اٹھی۔

"تم آج تھکی ہوئی ہو رہنے دو میں کھانا پکا لیتی ہوں۔" صفیہ نے بیٹی کا مرجھایا ہوا چہرہ دیکھ کر کہا۔

"نہیں امی آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں اور پھر میری غیر موجودگی میں سب کام آپ ہی تو کرتی ہیں۔ میں کرلوں گی سب آپ فکر نہ کریں۔" دوپٹہ سنبھالتی وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

❀......❀......❀

"میں پوچھتی ہوں آخر کب تک ہم تمہاری بہن اور بھانجی کا بوجھ اٹھائیں گے، بیس سال ہوگئے ہیں۔ اس ایثار کی کوئی حد بھی ہے؟" سعیدہ کو تو جیسے موقع ملنا چاہیے تھا اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا۔

"کیا کہہ دیا ہے اب میری بہن اور بھانجی نے تمہیں؟ اور وہ دونوں میرے لیے بوجھ نہیں ہیں، خیر سے سویرا تو اب خود کمانے لگی ہے بھول گئی تم ابھی پچھلے ماہ ہی تو اس نے مجھے شکیل کی فیس کے لیے پیسے دیئے تھے بولتے ہوئے کبھی تو سوچ لیا کرو۔"

"ہاں تو کون سا احسان کردیا جو اتنے سالوں میں ماموں کو چند ہزار روپے دے دیئے۔ تم بھی تو بیس سال سے ان کے خرچے برداشت کر رہے ہو۔ اس چھت کے نیچے رہتیں ہیں تو کیا ہمارے مشکل وقت میں اتنا بھی نہیں کریں گی۔ تم نے بھی تو بڑے دل کا مظاہرہ کرتے ہوئے بیس سال پہلے ساری دنیا کی ذلت و رسوائی برداشت کر کے

بہن کو گھر میں پناہ دی تھی حالانکہ جو کارنامہ وہ کرچکی تھی اس کے بعد غیرت مند بھائی بہنوں کا خون کردیتے ہیں۔" سعیدہ نے ایک بار پھر اس زخم کو کھرچ ڈالا جو اتنے برسوں میں بھی مندمل نہیں ہوا تھا۔

"پرانی باتوں کا ذکر کرنے کا کیا فائدہ سعیدہ، بس وہ ذلت مقدر میں لکھی تھی۔" عبدالقیوم نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ ایک یہی بات تو انہیں اتنے سالوں سے سعیدہ کے سامنے کمزور کرتی تھی۔

"اب یہ بتاؤ اس خوب صورت بلا کا کیا کرنا ہے۔ نوکری کے چکر میں اس کو گھر پہ تو بٹھایا نہیں جاسکتا۔ میں پوچھتی ہوں تمہاری یہ بھانجی کب تک میرے کلیجے پہ مونگ دلے گی۔ اس بار بھی لڑکے والوں نے انکار کردیا، کب تک اس کے بیاہ کے چکر میں ہلکان ہوتی رہوں مجھے اپنی بیٹی بھی تو بیاہنی ہے۔" سعیدہ نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"ارے عقل سے پیدل عورت ہماری عالیہ تو ابھی بچی ہے، میٹرک بھی نہیں کیا اس نے اور تمہیں اس کی شادی کی فکر پڑگئی ہے۔ اللہ اس کے نصیب اچھے کرے جب وقت آئے گا تو اس کے لیے بھی کوئی اچھا بر مل جائے گا۔" عبدالقیوم نے اس کی بات سن کہا۔

"ویسے ایک بات تو ہے سعیدہ تمہیں جہیز کے لیے منع نہیں کرنا چاہیئے تھا آج کل کے دور میں بغیر جہیز کے کسی لڑکی کی شادی ہونا اتنا آسان نہیں۔ جتنی بھی ہماری حیثیت تھی سویرا کے نصیب کا کچھ نہ کچھ تو میں کرہی دیتا۔" عبدالقیوم نے مزید کہا۔

"لگتا ہے بڑھاپے میں سٹھیا گئے ہو میاں۔ کہاں سے دیتے جہیز اپنی بھانجی کو، یہاں دو وقت کی روٹی کے لالے پڑے ہیں، بچوں کی فیس بھرتے ہوئے تم مجھے دس باتیں سناتے ہو بھانجی کی شادی کا جہیز اکٹھا کرنے کے لیے ڈاکا مارتے کیا۔ یہ تو اچھا ہوا میں نے پہلے ہی انہیں بتادیا کہ ہم جہیز نہیں دے سکتے رشتہ طے ہوجاتا تو کہاں سے ان کی فرمائشیں پوری کرتے۔" سعیدہ ہاتھ نچاتے ہوئے بولی۔

"تو پھر میرے کان کیوں کھارہی ہو جب سب کچھ اپنی مرضی سے کرنا ہے تو پھر مجھے یہ سب باتیں سنانے کا کیا مقصد؟ جو دل میں آتا ہے کرو۔" عبدالقیوم نے جل کر کہا اور دوبارہ اخبار کی طرف متوجہ ہوگئے۔ سعیدہ اسے یہ بتا نہیں پائی تھی کہ پچھلے چند ماہ سے اس کے اندر کون سے شبہات کا ناگ پھن اٹھائے بیٹھ گیا ہے۔ اس کا بس چلتا تو وہ اس لڑکی کو کل ہی رخصت کردیتی۔

عبدالقیوم اور صفیہ دو بہن بھائی تھے۔ جنت بی بی کے شوہر کے انتقال کے بعد یہ دونوں ہی ایک دوسرے کا آسرا تھے۔ عبدالقیوم ریلوے میں کلرک تھا، گھر میں پیسے کی ریل پیل نہ سہی مگر خوش حالی تھی۔ صفیہ گھر بھر کی لاڈلی تھی۔ عبدالقیوم اس کی کوئی بات نہیں ٹالتا تھا۔ سعیدہ سے شادی کے بعد بھی اپنی ماں اور بہن کو عبدالقیوم نے کبھی نظر انداز نہیں کیا تھا۔ سعیدہ کی بھی شوہر کے سامنے اونچی آواز میں بولنے کی ہمت نہیں تھی۔ ایسا نہیں کہ عبدالقیوم حاکمانہ فطرت رکھتا تھا بلکہ یہ اس لیے کہ وہ اس کا بھی بہت خیال رکھتا تھا۔ وہ ایک اچھا بیٹا، اچھا بھائی اور اچھا شوہر تھا۔ خرم کی پیدائش کے بعد گھر میں سعیدہ کی قدر اور بھی بڑھ گئی تھی۔ ان دنوں صفیہ انٹر میں تھی جب محلے کے نکڑ پہ بنی کریانہ کی دکان میں ایک نیا ملازم رکھا گیا۔ کالج آتے جاتے اس کا سامنا شفیق سے ہوا۔ وہ کہنے کو تو دکاندار تھا مگر صورت اس کی شہزادوں والی تھی۔ یہ کہنا تو مشکل ہے کہ صفیہ پہ آتی اس نئی نئی جوانی کا اثر تھا یا یہ اس کی وجیہہ صورت تھی جس نے اسے شفیق کی طرف راغب کیا اور پھر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک دن صفیہ ماں اور بھائی سے بغیر کچھ کہے گھر سے بھاگ گئی۔

شفیق اچھی طرح جانتا تھا کہ صورت کے سوا اس میں ایسی کوئی خوبی نہیں کہ عبدالقیوم اپنی اکلوتی خوب صورت بہن اس سے بیاہ دے گا اسی لیے اس نے صفیہ کو گھر سے بھاگ کر شادی کرنے پہ راضی کرلیا تھا۔ جس دن صفیہ گھر واپس نہیں آئی وہ رات عبدالقیوم پر قیامت بن کر گزری اور اس کے بعد آنے والا ہر دن اس کے لیے قیامت ہی تھا۔ محلے میں یہ بات جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھی۔ رشتے داروں اور محلے والوں کی باتیں شروع تو جوان لڑکی کے گھر

سے چلے جانے پہ افسردہ تو ہوئیں اور ان کا اختتام عبدالقیوم کو اس خوف ناک مستقبل کی جھلک دکھلانے پہ ہوا جس کا سامنا عبدالقیوم کو کرنا پڑے گا۔ اس نے ان زہر میں بجھے تیروں کو سر جھکائے برداشت کیا تھا۔ جنت بی بی تو بستر پہ لگ گئی تھیں۔ اگلے چند ماہ میں یہ قصہ لوگوں کی دلچسپی کھو چکا تھا۔ دنیا کو اور بھی بہت سے دکھ تھے وہ کب تک صفیہ کے گھر سے بھاگنے پر تبادلہ خیال کرتے لیکن عبدالقیوم کے لیے ابھی ذلت کے اس باب کا خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ ڈیڑھ سال بعد صفیہ گود میں ایک ادھ مری بلکتی بچی اٹھائے اس کے دروازے پہ واپس آ گئی تھی۔ عبدالقیوم نے اسے دھتکارہ نہیں تھا، وہ اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کبھی نہ کرتا اگر وہ جنت بی بی کی آنکھوں میں بے بسی اور بہن کے لیے رحم کی التجا نہ دیکھتا۔

شفیق سے شادی کے چند دن بعد ہی صفیہ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ شفیق ان لوگوں میں سے تھا جو عشق آسانی سے کر لیتے ہیں وہ شادی کو تو کھیل سمجھتے ہیں لیکن جب ذمہ داری نبھانے کا وقت آتا ہے تو راہِ فرار اختیار کر لیتے ہیں۔ صفیہ اپنی واپسی کا دروازہ اپنے ہاتھوں سے بند کر چکی تھی، ان لوگوں کا سامنا کیسے کرتی جن کی عزت کو اپنی خوشیوں کی خاطر اپنے پیروں تلے روند چکی تھی۔ اپنے خوابوں کی جنت سجاتے اس نے ایک بار بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ اپنے خونی رشتوں کی زندگی دوزخ بنا آئی ہے اور پھر ایک دن یہ عذاب اسے بھی بھگتنا تھا۔ شفیق کے ساتھ روتے دھوتے وہ نبھا رہی تھی لیکن جب ایک دن وہ صفیہ کو بتائے بغیر غائب ہو گیا اور پورے ایک مہینے تک اس کا کچھ پتا نہ چلا تو گود میں چند ماہ کی سویرا کو لے کر وہ اپنی انا اور عزت نفس کا لاشا سنبھالے بھائی کی چوکھٹ پہ آ گئی وہ بخار میں تپتی اپنی بھوکی پیاسی بہن کو دیکھ کر اسے پناہ دینے پہ مجبور ہو گیا تھا۔ اپنی عزت کو سولی پر چڑھا کر عبدالقیوم نے اس زہر کے گھونٹ کو پی لیا تھا۔ ذلت و رسوائی کا جو سلسلہ چند ماہ پہلے بند ہو گیا تھا صفیہ کی گھر واپسی کے بعد دوبارہ شروع ہو گیا تھا۔ لوگوں کی باتیں ماضی بھولنے نہیں دیتی تھیں اور سعیدہ کے طعنوں نے

جانے پہ چلن کا کام دکھایا۔ عبدالقیوم نے صفیہ کو گھر میں رکھ تو لیا لیکن اس سے کبھی بات نہیں کی تھی۔ جنت بی بی کی موت کے بعد گھر پہ سعیدہ کا مکمل کنٹرول تھا اور صفیہ کی حیثیت ایک ملازمہ سے بھی بدتر تھی۔ جب تک ماں زندہ تھی وہ اس کی ڈھال بنی رہی اور اس کے بعد زندگی صفیہ اور اس کی بیٹی کے لیے مزید تنگ ہوتی چلی گئی۔ اسے بے دام کی غلام بنا کر بھی سعیدہ کی زبان زہر اگلتی تھی۔ عبدالقیوم صفیہ سے تو بات نہیں کرتا تھا لیکن سویرا سے اسے بہت محبت تھی لیکن سعیدہ کی موجودگی میں وہ اس کا برملا اظہار کبھی نہیں کر پاتا۔ عبدالقیوم اسے خرم کی طرح ایک پرائیوٹ اسکول میں داخل کرانا چاہتا تھا لیکن سویرا کے اسکول جانے پہ گھر میں جو کہرام مچا اس کے بعد عبدالقیوم نے خاموشی سے سویرا کا داخلہ قریبی سرکاری اسکول میں کرا دیا تھا۔ صفیہ کے لیے تو یہ بھی غنیمت تھا ورنہ جس طرح سعیدہ صفیہ کے کردار پہ جملے کسنے سے باز نہیں آتی تھی یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اس کی بیٹی کو کسی اسکول میں داخل ہی نہ کرایا جاتا۔ آئے دن کے ہنگاموں کے باعث عبدالقیوم نے خود کو گھر کے مسائل سے الگ کر لیا تھا۔ اسے خاموشی میں عافیت نظر آتی تھی۔ یوں بھی گھر کا خرچ ایک اکیلے شخص کی کمائی پہ چل رہا تھا، پچھلے چند سالوں میں سعیدہ کے دو حمل ضائع ہوئے اور پھر عالیہ کی پیدائش کے بعد گھر میں ایک اور فرد کے اضافے سے عبدالقیوم کو ایک قریبی پی سی او میں شام کے چند گھنٹے کی پارٹ ٹائم ملازمت کرنا پڑی۔ گھر کے ہر فیصلے کی مالک و مختار سعیدہ تھی۔

سویرا شکل صورت کی اچھی تھی اور پڑھائی میں ہوشیار بھی اس کے برعکس سعیدہ کے دونوں بچے واجبی صورت شکل ہونے کے ساتھ ساتھ بگڑے ہوئے اور کوڑھ مغز تھے۔ اسکول سے آئے دن ان کی شکایات آتیں لیکن سعیدہ کی بے جا حمایت کے سامنے عبدالقیوم کبھی انہیں سرزنش نہیں کر پاتا تھا۔ خرم سویرا سے تین سال بڑا ہونے کے باوجود ابھی تک بی اے میں اٹکا ہوا تھا۔ سعیدہ کی طرح اس کے دونوں بچوں کو بھی پھوپی سے کوئی ہمدردی نہیں تھی اور

سویرا سے ان سب کو خدا واسطے کا بیر تھا۔ صفیہ کے [illegible] کو جواز بنا کر سعیدہ نے سویرا پہ بہت سی پابندیاں لگائی ہوئی تھیں، اس کے کالج جانے پہ تو خیر عبدالقیوم بھی جز بز تھا مگر میٹرک میں ملنے والی شاندار کامیابی کے بعد سویرا کی التجا اور یقین دہانیوں سے موم پڑ کر عبدالقیوم نے اسے کالج جانے کی اجازت دے دی تھی۔ پچھلے چند سالوں میں عبدالقیوم کی خرابی صحت کے باعث دو نوکریاں اس کے ہاتھ سے نکل گئی تھیں۔ ایسے میں پڑھائی کے ساتھ ساتھ سویرا نے محلے کے چند بچوں کو ٹیوشن پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ بی اے کے بعد اسے ایک پرائیوٹ کمپنی میں ملازمت مل گئی تھی۔ گھر کے خرچ میں اس کے حصہ ڈالنے سے عبدالقیوم کو اپنا بوجھ کم ہوتا محسوس ہوا لیکن انہی دنوں سعیدہ کو اس کی شادی کا دورہ پڑ گیا تھا۔ اس کے سینے پہ پچھلے کچھ عرصے سے جو بوجھ آ پڑا تھا وہ اسے عبدالقیوم کے ساتھ بھی نہیں بانٹ سکتی تھی۔ کہیں عبدالقیوم کے دل میں، بہن اور بھانجی کی محبت کا لاوا پھوٹ نکلا تو سعیدہ کی زندگی جل کر خاک ہو جائے گی۔ یہ تو اچھا ہوا اس دن، رات کو سعیدہ نے سونے سے پہلے باورچی خانے کا چکر لگا لیا جہاں سویرا اس وقت رات کے کھانے کے برتن دھو کر رکھنے کے بعد باورچی خانے کی صفائی کر رہی تھی۔ خرم سویرا کے ساتھ باورچی خانے میں جانے کیا کھسر پھسر کر رہا تھا۔ سعیدہ کے تو پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔ سویرا تو خیر اپنے کام میں مصروف تھی لیکن خرم کے انداز اسے کچھ ٹھیک نہیں لگے تھے۔ وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ وہاں پہنچی تھی۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"وہ...... وہ میں چائے کا کہنے آیا تھا۔ کب سے آوازیں دے رہا تھا کہ ایک کپ چائے بنا دو لیکن کسی نے سنا ہی نہیں تو میں کچن میں آ گیا۔"

"اچھا...... لیکن مجھے تو کوئی آواز نہیں آئی۔" وہ سوچ میں پڑ گئی تھی اور پھر اگلے ہی لمحے اس نے گھور کر سویرا کو دیکھا۔ جو وہاں خوف زدہ کھڑی تھی۔

"تجھ سے اب تک باورچی خانہ صاف نہیں ہوا؟ جلدی جلدی ہاتھ چلایا کر۔" نگاہوں کی طرح اس وقت زبان بھی شعلے اگل رہی تھی۔

"مامی میں بس کر ہی رہی تھی۔" سر جھکائے سویرا نے کہا اور ایک بار پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

"اس وقت چائے پیے گا تو نیند نہیں آئے گی اور دیر سے سوئے گا تو صبح کالج کیسے جائے گا؟" سعیدہ اب خرم سے کہہ رہی تھی۔

"آ جائے گی نیند اماں، ابھی تو چائے کی طلب ہو رہی ہے۔" وہ بھی ڈھٹائی سے بولا تھا۔

"دیکھ خرم میں کہہ رہی ہوں تو اب سنجیدہ ہو جا، تیرے ابا پہلے ہی اس بار تیری فیس دیتے ہوئے مجھے دس باتیں سنا چکے ہیں۔ اس بار بی اے میں فیل ہوا تو......" اس نے سعیدہ کی بات مکمل نہیں ہونے دی تھی۔

"ایک کپ چائے کا مانگا تھا وہ تو ملا نہیں البتہ دس باتیں سنا دی ہیں اماں تم نے۔ رہنے دو نہیں پیتا چائے میں۔" پیر پٹختا وہ باورچی خانے سے نکل گیا تھا۔

"ارے غصہ کیوں کر رہا ہے؟ میں تو کہہ رہی ہوں چائے نہ پی گرم گرم دودھ پی کے سو جا بیٹا نیند اچھی آئے گی۔ میں لا رہی ہوں تیرے لیے۔" سعیدہ پیچھے سے اسے پچکارتی رہ گئی تھی۔

اس دن کے بعد سے سعیدہ کے لیے سکون حرام ہو گیا تھا۔ حمیدہ کو بلا کر اس نے جلد سے جلد سویرا کو ٹھکانے لگانے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اسے سویرا کے چار پانچ ہزار میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن یہ دوسرا رشتہ بھی انکار کر چکا تھا جس کی بنیادی وجہ سعیدہ کا جہیز سے صاف انکار تھا۔

❀......❀......❀

رات تک بات بے بات سعیدہ اپنا غصہ سویرا اور صفیہ پہ نکالتی رہی تھی۔

"سوچ سوچ کر میرا تو دل بیٹھا جاتا ہے کہ اس نوکری کے چکر میں کہیں کوئی چاند نہ چڑھا آئے، جوان لڑکی پہ کب تک نظر رکھی جائے وہ بھی جب اس کی رگوں میں بھگوڑے ماں باپ کا خون ہو۔ عزت سے اس کو رخصت

کروں تو میں چین کی نیند سو پاؤں گی۔" سعیدہ کی باتیں صفیہ اور سویرا دونوں کے لیے ایک جیسی تکلیف دہ تھیں لیکن صفیہ کو سعیدہ کے جملوں سے زیادہ بیٹی کی خاموشی مارتی تھی۔ وہ اگر ماضی میں ایک بھیانک غلطی نہ کرتی تو آج اس کی اولاد کو یہ طعنے نہ سننے کو ملتے۔

"تم بھائی کی باتوں کو دل پہ مت لیا کرو سویرا، وہ زبان کی کڑوی ہیں لیکن دل کی بری نہیں۔ انہیں بس تمہاری شادی کی فکر ہے۔" کمرے میں آ کر صفیہ نے سویرا کی اتری ہوئی صورت دیکھ کر کہا۔

"اماں میں اپنے لیے ان کی کسی بات کا برا نہیں مناتی مجھے تو آپ کی بے عزتی پر تکلیف ہوتی ہے۔ آخر وہ معاف کیوں نہیں کر دیتیں۔ اللہ بھی بندوں کے قصور معاف کر دیتا ہے۔"

"اللہ معاف کر دیتا ہے بیٹا انسان نہیں کرتا۔ اس لیے بندوں سے ایسی توقع رکھنی بھی نہیں چاہیے۔" صفیہ نے دھیمی آواز میں بستر پہ لیٹتے ہوئے کہا۔ سویرا لائٹ بند کر کے ساتھ والے پلنگ پہ لیٹ گئی تھی۔

"انہیں صرف اپنی فکر ہے، میری شادی کے چکر میں ان کے ہاتھ آپ کو باتیں سنانے کا ایک اور موقع آ گیا ہے۔ آپ کو کیا لگتا ہے وہ میری شادی کا تردد کسی ثواب کے چکر میں کر رہی ہیں ضرور ان کے ذہن میں کچھ اور چل رہا ہے۔" سویرا آنکھوں پہ ہاتھ رکھے بستر پہ لیٹی تھی۔

"اس زمانے میں کسی کے رشتے دار کہاں اتنا کرتے ہیں جو میرے بھائی بھابی نے کیا ہے۔ بیس سال سے ہماری ہر ضرورت انہی کے طفیل پوری ہوئی ہے۔ اگر وہ کچھ برا بول بھی دیں تو تمہیں درگزر کرنا چاہیے اور پھر تم اپنے گھر بار کی ہو جاؤ یہ تو میں بھی چاہتی ہوں۔ اللہ سے بس یہی دعا ہے کہ میں اپنی زندگی میں تمہاری شادی کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔" صفیہ کی بات پر سویرا نے لب بھینچ لیے۔ وہ جانتی تھی صفیہ کو کچھ بھی کہنا بیکار ہے۔

پتا نہیں ان میں اتنا ضبط کیسے تھا، بیس سال سے وہ اس عذاب میں تھی لیکن کسی کے سامنے تو دور اکیلے میں سویرا کے سامنے بھی وہ نہ کبھی روئی تھی اور نہ ہی انہوں نے کوئی شکایت کی تھی۔

❁......❁......❁

"یہ تم دونوں ماں بیٹی اندر بیٹھی کون سی منصوبہ سازی کر رہی ہو؟" چھٹی کے دن سب کاموں سے فارغ ہو کر وہ صفیہ کے پاس آ کر ہی بیٹھی تھی کہ سعیدہ اندر آ گئی۔ صفیہ کی طبیعت کچھ دن سے ٹھیک نہیں تھی اور سویرا اس سے اس کی طبیعت کا ہی پوچھ رہی تھی۔

"ارے نہیں بھابی ہم دونوں تو بس یونہی اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہے تھے۔" صفیہ نے سعیدہ کو دیکھ کر وضاحت کی۔

"مجھے کیا اِدھر کی کرو یا اُدھر کی میں تو یہ کہنے آئی تھی کہ باہر بارش شروع ہو گئی ہے۔ چھت سے کپڑے اتار لاؤ، ورنہ سب دھلے ہوئے کپڑوں کا ستیاناس ہو جائے گا۔" سعیدہ نے ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"میں ابھی اتار لاتی ہوں ممانی۔" سویرا جلدی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔ بارش بہت تیز نہیں لیکن مسلسل ہو رہی تھی۔ کپڑے جلدی جلدی اتار کر وہ واپس جانے کے لیے پلٹی تو راستے میں خرم کھڑا تھا۔

"خرم بھائی راستے سے ہٹیں۔" خرم کی حرکتیں دن بہ دن ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھیں۔ دن بھر آوارہ لڑکوں کی صحبت میں رہ کر وہ گھر میں بھی وہی گھٹیا حرکتیں کرتا تھا۔ سویرا کی زندگی کچھ عرصے سے اس نے عذاب بنا رکھی تھی۔ یوں تو وہ گھر میں کم ہی ہوتا اور جب ہوتا تو سویرا کی حتی الامکان یہی کوشش ہوتی تھی کہ وہ سب گھر والوں کے ساتھ رہے۔ لیکن پھر بھی اس کی جملہ بازیاں چلتی رہتی تھیں جنہیں سویرا نظر انداز کر دیتی۔ اسے معلوم تھا اگر سعیدہ کے کان میں کسی بات کی بھنک بھی پڑ گئی تو وہ سویرا کو ہی قصوروار سمجھے گی۔

"اتنی بھی کیا جلدی ہے کبھی دو گھڑی ہم سے بھی تو بات کر لیا کرو۔ کتنا دل چاہتا ہے تمہیں اپنے دل کا حال سنانے کو ایک تم ہو کہ نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتی۔"

"خرم بھائی آپ کو شرم نہیں آتی مجھ سے ایسی باتیں کرتے ہوئے؟ چھوڑیں میرا راستہ مجھے یہ کپڑے نیچے لے کر جانے ہیں۔"

"ایک تو یہ بھائی تمہاری زبان سے بالکل اچھا نہیں لگتا...... ذرا پیار سے بھی بول لیا کرو ہر وقت غصے میں......؟"

"ممانی۔" خرم کی بات کاٹ کر اس نے زور سے سعیدہ کو پکارا، وہ جانتی تھی یہ حربہ کامیاب ہوگا۔ خرم فوراً اس کے آگے سے ہٹ گیا اور وہ اسے نیچے جاتے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

❁......❁......❁

"لگتا ہے آپ یہاں نئی آئی ہیں مس؟" سویرا اس وقت ایک کانٹریکٹ ٹائپ کرنے میں مصروف تھی جب اسے کسی کی بے تکلف آواز اپنے قریب سنائی دی۔

سیاہ قیمتی سوٹ میں آنکھوں پہ گلاسز لگائے وہ کافی اسمارٹ لگ رہا تھا۔ دراز قد اور صاف رنگت، آنکھوں میں ذہانت اور اعتماد کی چمک۔ وہ اسے کافی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر اس نے اعتماد اور سنجیدگی سے کہا۔

"آپ کو شہیر صاحب سے ملنا ہے سر؟" اس کی مسکراہٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔ ڈیڑھ ماہ پہلے وہ اس کمپنی میں سیکرٹری کی پوسٹ پہ اپائنٹ ہوئی تھی۔ اس کمپنی کے مینجنگ ڈائریکٹر کے کمرے کے باہر ایک چھوٹا سا شیشے کا کیبن اسے دیا گیا تھا۔ اس سے پہلے اس نے اس شخص کو کبھی اپنے دفتر میں نہیں دیکھا تھا لیکن اس کا حلیہ اور اعتماد سویرا کو بتا رہا تھا کہ وہ کوئی اہم شخصیت یا اعلیٰ عہدیدار ہے۔ اس شخص کی خود پہ جمی نظریں اور بے تکلف مسکراہٹ اسے زہر لگ رہی تھیں لیکن یہ اس کی جاب کی مجبوری تھی کہ اسے یہاں اپنے باس سے ملنے آئے ہر شخص کے ساتھ اچھے طریقے سے بات کرنی تھی۔ اس دفتر کے باہر اگر یہ اسے ملتا تو وہ اسے مزا چکھا دیتی۔

"سویرا انیس نیم۔" اس کا نام دہراتا وہ اب بھی اسی کو دیکھ رہا تھا جب ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھلا اور شہیر سلیمان باہر نکلا۔ اسے وہاں کھڑے دیکھ کر ایک لمحے کو وہ چونکا اور دوسرے ہی پل اس نے نہایت بے تکلفی سے اسے پکارا۔

"ہیلو جنید...... یہاں باہر کیوں کھڑے ہو؟" شہیر نے سویرا کے کیبن میں آتے ہوئے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ وہ اب اس سے گلے مل رہا تھا۔

"تمہاری نئی سیکرٹری سے تعارف حاصل کر رہا تھا۔" بائیں آنکھ مارتے ہوئے اس نے شہیر سے کہا۔

"تم نہیں بدلو گے۔" اس کی بات پہ قہقہہ لگاتے ہوئے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ مار کر شہیر نے اس کی بات کو انجوائے کیا۔

"پرفیکشن کو امپروو کرنا مشکل ہے۔" جنید برجستہ بولا۔

"مس سویرا یہ میرا بہت اچھا دوست ہے جنید بخاری اس کی بات کا برا مت منایئے گا اسے بات بے بات مذاق کرنے کی عادت ہے۔" جنید کی بات پہ مسکراتے شہیر نے سویرا سے کہا جو اسے اپنے کیبن میں دیکھ کر کرسی سے کھڑی ہوگئی تھی۔

"ایسا کریں دو کپ اچھی سی کافی بھجوائیں۔" سویرا کو کافی کا کہہ کر شہیر اس کے کمرے سے نکل گیا۔

"اور سناؤ لندن سے کب واپس آئے؟" کمرے میں جاتے ہوئے شہیر کی آواز سویرا کے کانوں سے ٹکرائی۔ انٹر کام پہ کافی کا کہہ کر وہ ایک بار پھر اپنے کام میں مصروف ہوگئی تھی۔

❁......❁......❁

"یہ جنید بخاری کون ہے؟" لنچ ٹائم پہ وہ فرح کے ساتھ بیٹھی تھی۔ فرح ان کے آفس میں کمپیوٹر سیکشن میں ہوتی تھی۔ شروع کے چند دن فرح نے اسے کمپیوٹر کے بنیادی استعمال کی ٹریننگ دی تھی۔ اسے کمپیوٹر چلانا نہیں آتا تھا لیکن یہ اس نوکری کی ضرورت تھی۔ شہیر کی سیکرٹری اچانک شادی کی وجہ سے ملازمت چھوڑ گئی تھی ایسے میں اسے فوری طور پہ سیکرٹری اپائنٹ کرنا تھی اور اسی لیے سویرا کی کمپیوٹر

معلومات صفر ہونے کے باوجود اسے یہ نوکری مل گئی تھی۔ ای میل اور ٹائپنگ جیسے کام سیکھنے کے لیے سویرا شروع میں دو گھنٹے فرح کے ساتھ بیٹھتی تھی اور اب وہ خود بھی کمپیوٹر آپریٹ کرلیتی تھی ٹائپنگ اس کی البتہ گزارے لائق ہی تھی۔ اس دوران دونوں کی بہت اچھی دوستی ہوگئی تھی۔ دونوں اپنا کھانا آفس کینٹین میں ساتھ کھایا کرتی اور ایک دوسرے سے گپ شپ بھی کرلیتی تھیں۔

''جنید بخاری صاحب تو شہیر صاحب کے بہت قریبی دوست ہیں۔ اس آفس میں ان کا آنا جانا رہتا ہے۔ جسٹس نسیم بخاری کا نام سنا ہے تم نے؟ انہی کے بیٹے ہیں۔ بہت ہی قابل بیرسٹر اور انتہائی ہمدرد انسان ہیں۔'' فرح اسے بتارہی تھی اور اس کے لہجے میں جنید کے لیے عزت واحترام کے ساتھ پسندیدگی بھی تھی۔ شاید وہ اس سے بہت متاثر تھی۔

''لیکن مجھے تو یہ بندہ کافی چھچھورا لگا۔ خوامخواہ فری ہونے کی کوشش کررہا تھا۔'' سویرا تبصرہ کیے بغیر رہ نہیں پائی۔

''وہ تو ان کی عادت ہے سب سے ہنسی مذاق کرتے رہنا۔ شہیر صاحب کی پرانی سیکرٹری کو تو انہوں نے بہن بنایا ہوا تھا۔ بہت مدد کی تھی انہوں نے خدیجہ کی۔ خدیجہ نے اپنے گھر میں کچھ سال پہلے کرائے دار رکھے تھے۔ گھر میں صرف دو ہی خواتین تھیں اور کمائی کا دوسرا کوئی ذریعہ نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے ایک فیملی کو اپنے گھر کا نچلا پورشن کرائے پہ دے دیا لیکن وہ لوگ تو گھر پہ قابض ہی ہوگئے تھے۔ نہ کرایہ دیتے اور نہ گھر چھوڑتے تھے اور تو اور پولیس کو بھی کچھ روپے دے کر اپنے ساتھ ملالیا۔ خدیجہ نے جنید صاحب سے اپنی پریشانی کا تذکرہ کیا تو انہوں نے ایک بہت ہی اچھے وکیل کی مدد سے اس کے گھر کا مسئلہ حل کروایا تھا اور یہی نہیں اس کیس کے لیے لائر کو فیس بھی خود دی تھی۔ نہ تو ان دونوں ماں بیٹی کو تھانے کچہری جانا پڑا اور نہ ہی کوئی لمبے چوڑے بل بھرنے پڑے۔ اس آفس میں سب لوگ ان کی بہت عزت کرتے ہیں۔ کسی کو کوئی بھی مسئلہ ہو شہیر صاحب کے بعد اگر کوئی آؤٹ آف دے جاکر آپ کی مدد کرسکتا ہے تو وہ جنید بخاری ہیں۔'' فرح اسے بتارہی تھی۔ سویرا اس کی بات سن کر مزید کچھ کہنے کی بجائے کھانے کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

❁......❁......❁

اگلے چند دن میں جنید بخاری اس کے ذہن سے پوری طرح محو ہوچکا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ آفس کا کام سیکھ چکی تھی۔ بہت سے معاملات میں شہیر اس کی رہنمائی کرتا تھا۔ وہ بہت سخت گیر باس نہیں بلکہ نرم لہجے میں سنجیدگی سے وہ اسے اس کی پوزیشن سے متعلق فرائض سے آگاہ کررہا تھا۔ دوسرے لفظوں میں وہ ایک انتہائی اسمارٹ ایڈمنسٹریٹر تھا جسے اپنے ماتحتوں سے کام لینا آتا تھا۔ وہ ان پہ چیخ چلا کریا اپنی ناراضگی سے خوف زدہ کرکے ان کا جینا دوبھر کرنے کی بجائے انہیں پیشہ ورانہ انداز میں ٹریٹ کرتا اور ہمیشہ اپنے ملازمین کی گڈ بکس میں رہتا تھا۔ سویرا صرف دو ماہ کے قلیل عرصے میں اس دفتر میں بہت اچھے طریقے سے ایڈجسٹ ہوچکی تھی اور شہیر سلیمان کو اس سے کوئی شکایت نہیں تھی۔

''ہیلو مس سویرا، کیسی ہیں آپ؟'' فون کی دوسری بیل پہ اس نے کال ریسیو کی تھی، اس کے ہیلو کہنے پہ دوسری طرف خوبصورت اور بے تکلف لہجے میں پوچھا گیا تھا۔

''آپ کون؟'' وہ حیرت سے اس آواز کو پہچاننے کی کوشش کررہی تھی۔ یہ نمبر شہیر سلیمان کے دفتر کی ڈائرکٹ لائن تھی۔ اسے شہیر ہی اٹینڈ کرتا تھا اور اس کی غیر موجودگی میں سویرا اس نمبر پہ آنے والی کالز اٹینڈ کیا کرتی تھی۔

''واہ جنید بخاری خوامخواہ خود کو توپ سمجھتے پھرتے ہو کہ کوئی ایک بار مل لے تو کبھی فراموش نہ کرپائے۔ یہاں تو لوگ پوچھ رہے ہیں آپ کون۔'' وہ محظوظ ہوتے ہوئے بولا۔

''اوہ تو یہ آپ ہیں۔'' سویرا نے ایک گہرا سانس لیا۔ اسے اس بندے کے بلاوجہ فری ہونے سے کوفت ہورہی تھی۔

''شہیر صاحب ابھی آفس میں نہیں ہیں، آپ کچھ دیر بعد کال کرلیں یا پھر ان کے موبائل پہ رابطہ کرلیں۔''

بہت سنجیدگی سے کہہ کر وہ کال بند کرنے والی تھی کہ دوسری طرف سے جنید کی آواز سن کر اس نے ریسیور ایک بار پھر کان سے لگالیا۔

"شہیر آفس میں نہیں تو کچھ دیر آپ سے بات کرلیتے ہیں۔ یہ بتائیں جاب کیسی جارہی ہے۔ آفس میں کوئی پرابلم تو نہیں۔" وہ اس سے ایسے پوچھ رہا تھا جیسے اس وقت اس نے سویرا سے صرف یہی پوچھنے کے لیے فون کیا ہو۔

"جنید صاحب میری جاب بالکل ٹھیک جارہی ہے اور اگر مجھے یہاں کوئی پرابلم ہوئی تو میں آپ کو بتانے کے بجائے اپنے باس کو بتانا ضروری سمجھتی ہوں۔" اس کا لہجہ بدتمیزی والا نہیں تھا لیکن سنجیدہ اور دوٹوک تھا۔

"شہیر صاحب آئیں گے تو میں انہیں آپ کا پیغام دے دوں گی۔" دوسرے طرف کی بات سنے بغیر اس نے جلدی سے فون بند کردیا تھا۔ وہ اسے باتیں سنا تو چکی تھی لیکن اندر ہی اندر اسے یہ خوف بھی تھا کہ کہیں جنید اس کی شکایت شہیر سلیمان سے نہ کردے۔ آخر وہ اس کا پرانا دوست تھا اور سویرا اس کی معمولی سی سیکرٹری۔ دل ہی دل میں وہ ان لفظوں کو سوچ رہی تھی جو اسے شہیر کو وضاحت دینے کے لیے کہنے پڑیں گے۔ شہیر کے دفتر آنے کے بعد جتنی بار بھی اس نے سویرا کو کسی کام سے بلایا یا کال کی اسے یہی لگا کہ وہ اب اس سے جنید کے موضوع پہ بات کرے گا لیکن جب اگلے دو دن اس نے سویرا سے اس بارے میں کچھ نہیں کہا تو اسے اطمینان ہوگیا بلکہ اب تو وہ اپنے رویے کو سو فیصد ٹھیک قرار دے رہی تھی اور اسے امید تھی آئندہ جنید اس کے ساتھ بلاوجہ بے تکلف ہونے کی کوشش نہیں کرے گا۔ لیکن اس کا یہ خیال اگلے دن ہی غلط ثابت ہوگیا تھا۔ جب جنید ایک بار پھر شہیر کے آفس میں موجود تھا۔ وہ وہاں پہلے سے موجود تھی اور شہیر اسے کچھ ڈاکومنٹس ٹائپ کرنے کے لیے دے رہا تھا کہ ایک کھلکھلاتے ہوئے ہیلو کے ساتھ دروازہ کھولتا جنید اس کے کمرے میں داخل ہوا۔ دروازے کی طرف اس کی بیک تھی اسی لیے اس نے بھی گردن گھما کر اندر آنے والے کو دیکھا۔ وہ مبالغے کی حد تک اسمارٹ لگ رہا تھا۔ اسے شہیر کے کمرے میں دیکھ کر وہ معنی خیز لہجے میں مسکرایا۔ سویرا نے واپس اپنی توجہ شہیر کی طرف مرکوز کرلی تھی جو جنید سے ملنے کے لیے کھڑا ہوا تھا۔ وہ اسے کرسی پہ بیٹھتا دیکھ چکی تھی اس لیے اب وہاں سے نکلنے کے لیے پر تول رہی تھی۔

"یہ کلر کافی سوٹ کرتا ہے تم پہ، اکثر پہنا کرو۔" جنید کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی جو ایک نظر اسے دیکھ کر اگلے ہی پل شہیر کی طرف متوجہ ہوگیا تھا جیسے یہ بات اس نے شہیر کو کہی ہو۔ شہیر حیرت سے اس کا کمنٹ سن رہا تھا۔

"اچھا..... تم نے پہلے کبھی نہیں بتایا میں تو اکثر یہ شرٹ پہنتا ہوں۔" وہ اپنی شیمپین براؤن کلر کی شرٹ پہ ایک نظر ڈالتا ہوا بولا۔

"پہلے میں نے تمہیں اتنے غور سے دیکھا بھی تو نہیں تھا۔" جنید نے کن انکھیوں سے سویرا کو دیکھا جو سر جھکائے شہیر کے حکم کا انتظار کررہی تھی۔ جیسے ہی اس نے ڈاکومنٹس سویرا کے حوالے کیے وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ کمرے سے نکل گئی۔ اپنے کیبن میں آکر کافی دیر تک وہ جنید کے جملے پر غور کرتی رہی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ جنید نے اسے کہا تھا یا شہیر سے مخاطب تھا۔

❀.......❀.......❀

وہ بس اسٹاپ پہ کافی دیر سے کھڑی تھی، پہلی بس مسافروں سے کھچاکھچ بھری ہوئی تھی اور اب اگلی بس کے لیے اسے مزید کچھ دیر انتظار کرنا تھا۔ اچانک ایک سفید ہونڈا اکارڈ اس کے بالکل پاس آکر رکی۔

"آؤ میں ڈراپ کردیتا ہوں۔" شیشہ نیچے کیے جنید اسے مسکراتے ہوئے لفٹ آفر کررہا تھا۔

"شکریہ میری بس آتی ہی ہوگی۔" سنجیدگی سے انکار کرکے اس نے سڑک پہ اپنی توجہ مرکوز کرلی تھی۔

"اتنی گرمی میں کھڑی بس کا انتظار کررہی ہو پتا نہیں کب تک یہاں کھڑے رہنا پڑے چلو میں ڈراپ کردیتا ہوں۔" اس کا انکار سن کر وہ گاڑی سے اتر آیا اور بہت حق جتانے والے انداز میں وہ ایسے بول رہا تھا جیسے یہ اس کا روز

کا کام ہو۔

"یہ میرا روز کا معمول ہے جنید صاحب اور میں اس کی عادی ہوں پلیز میرا تماشہ مت بنائیں' سب لوگ اس طرف ہی دیکھ رہے ہیں۔ آپ یہاں سے چلے جائیں۔" سویرا کے لفظوں میں اس بار التجا تھی۔ کن انکھیوں سے وہ بس اسٹاپ پہ کھڑے ہجوم کو دیکھ رہی تھی۔

اس کے چہرے پہ جو پشیمانی اور التجا تھی اسے دیکھ کر جنید نے ایک نظر اپنے اردگرد دوڑائی اور اپنی گاڑی کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ اس کے چلے جانے کے بعد سویرا نے اپنا رکا ہوا سانس بحال کیا اور ایک دوسری بس میں بیٹھ گئی۔ وہ فی الحال وہاں کھڑے ہو کر لوگوں کو خود پہ ہنسنے کا موقع نہیں دے سکتی تھی۔

❁......❁......❁

اگلے دن لنچ ٹائم سے چند منٹ پہلے جنید اس کے کیبن میں آ کر بے تکلفی سے بیٹھا ہوا تھا۔ شہیر دس منٹ پہلے لنچ کے لیے نکلا تھا۔ وہ اکثر اس وقت گھر چلا جاتا تھا یا پھر کسی آفیشل لنچ میں۔ آفس میں وہ لنچ نہیں کرتا تھا اور جس دن وہ لنچ ٹائم میں دفتر میں ہوتا سویرا بھی اپنا لنچ کیبن میں ہی کر لیتی تھی۔ اب جو وہ نکلا تو سویرا فرح کے پاس جا کر گپیں لگانے کے موڈ میں تھی۔ کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کر کے وہ جانے ہی والی تھی کہ اسے سامنے سے جنید آتا دکھائی دیا۔ اس کا موڈ آف ہو گیا تھا۔

"شہیر صاحب باہر گئے ہیں۔" اس نے اسے ٹیبل کے دوسری طرف پڑی کرسی پہ بیٹھے دیکھ کر کہا۔

"میں جانتا ہوں شہیر اس وقت آفس میں نہیں۔ میں اس سے نہیں تم سے ملنے آیا ہوں۔" وہ نہ تو آج مسکرا رہا تھا اور نہ ہی اس کا انداز بے تکلف تھا۔ وہ غصے میں نہیں بلکہ نرمی سے اس سے بات کر رہا تھا۔

"کیا سمجھتی ہو تم خود کو؟ مس یونیورس ہو، کوئی پرنسس ہو یا دیوی ہو جو اعلیٰ اقدار اور اخلاقیات کو سر پہ اٹھائے گھوم رہی ہو اور سامنے والا کوئی لچا لفنگا یا بدمعاش ہے جو تمہارے پیچھے ہاتھ دھو کے پڑا ہوا ہے اور تمہارا جس طرح دل چاہے گا مجھے انسلٹ کر دو گی۔ تمہیں کیا لگتا ہے میں سارا دن سڑکوں پہ گاڑی گھماتا پھرتا ہوں تاکہ لڑکیوں کو ان کے گھر ڈراپ کر سکوں یا پھر مختلف دفتروں میں فون کر کے وہاں کی لیڈی ورکرز کے ساتھ وقت گزاری کرتا ہوں یا ہر لڑکی کی بات بے بات تعریف کرتا پھرتا ہوں۔" وہ دونوں کہنیاں ٹیبل پہ ٹکائے پوچھ رہا تھا۔

"یہاں کچھ عقل نام کی چیز ہے یا نہیں۔" اپنے سر کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔ اسے ایک دم اتنا خفا ہوتا دیکھ کر وہ کچھ نروس ہو گئی تھی لیکن پھر اپنے حواس پہ قابو پاتے ہوئے بولی۔

"دیکھئے جنید صاحب مجھے اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ آپ کون ہیں اور کون نہیں، میں ان لڑکیوں میں سے نہیں جو آپ کی شخصیت سے متاثر ہیں اور آپ یا آپ کے والد کے رتبے سے آپ کی طرف مائل ہوں۔ آپ جو بھی ہیں مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن مجھے آپ کا اپنے ساتھ بلاوجہ بے تکلف ہونا پسند نہیں' آپ یہاں میرے باس کے دوست کی حیثیت سے آتے ہیں اس سے زیادہ میرے نزدیک آپ کی کوئی اہمیت نہیں۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ میرے لیے یہ ملازمت بہت ضروری ہے۔ میری زندگی پہلے ہی بہت الجھی ہوئی ہے برائے مہربانی میرے لیے مزید مشکلات کھڑی مت کریں۔" وہ لب بھینچے اس کی بات سن رہا تھا۔ چند لمحے اسے خاموشی سے دیکھنے کے بعد وہ نرم لہجے میں بولا۔

"اچھی لگتی ہو تم مجھے، چاہنے لگا ہوں تمہیں۔ اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔ شادی کرنا چاہتا ہوں تم سے۔ جب بھی تم سے بات کرنے کی کوشش کی تم نے اتنا روڈ انداز دکھایا جیسے میں کوئی آوارہ گلی کا غنڈہ ہوں۔ سویرا تمہیں اندازہ نہیں ہے......"

"میری زندگی میں ان سب باتوں کی کوئی گنجائش نہیں۔ مجھے یہ جاننے میں کوئی دلچسپی نہیں کہ آپ مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ مجھے ان باتوں پہ یقین ہے نہ اعتبار۔ میری شادی صرف وہاں ہوگی جہاں میرے گھر

والے چاہیں گے۔"

"سویرا مجھ پہ ایک بار اعتبار کرکے تو دیکھو میں سچ کہتا ہوں تمہیں کبھی مایوس نہیں کروں گا۔" وہ بہت جذب سے بولا۔

❁......❁......❁

"اماں کیا ہر مرد ناقابل اعتبار ہوتا ہے؟" بستر پہ چت لیٹی وہ چھت کو گھور رہی تھی۔ سویرا کے ذہن میں اب بھی اس کے لفظ گونج رہے تھے۔

"یہ سوال تمہارے ذہن میں کیوں آیا سویرا؟" اچانک اس کی آنکھوں کے سامنے جنید کی شبیہہ لہرائی۔

"آپ نے کہا تھا مرد پہ بھروسہ کرنا عورت کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہے۔ اس دنیا میں اس سے زیادہ ناقابل اعتبار شے اور کوئی نہیں، لیکن اماں کیا یہ فتویٰ ہر مرد پہ صادق آتا ہے۔ کیا سب مرد ایک جیسے ہوتے ہیں؟"

"سویرا عورت جب بھی کسی مرد پہ اعتبار کرنے کے بعد دھوکا کھاتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس نے ہر مرد کو پرکھ لیا بلکہ وہ ایک شخص اس کے لیے پوری دنیا تھا جس کے دھوکے نے تمام مردوں کو اسی صف میں لا کھڑا کیا۔"

"پھر تو اماں یہ عورت کی غلطی ہوئی نا کہ اسے صحیح اور غلط کی پہچان نہ ہوسکی۔ اس میں مرد کا کیا قصور، یہ بات تو ایک عورت کو کسی مرد پہ بھروسہ کرنے سے پہلے طے کرنی چاہیے تھی کہ کیا وہ اس اعتبار اور مقام کے قابل ہے جس پہ ایک عورت نے اسے محبت کرکے پہنچا دیا ہے۔ اگر آپ نے ایک غلط انسان کا انتخاب کیا محبت میں بے اختیار ہوکر غلط قدم اٹھایا، اپنے گھر والوں کی عزت کو فراموش کرکے چھپ کر شادی کرلی تو یہ تو سراسر عورت کی ہی غلطی ہوئی نہ آپ اگر ابا کے بارے میں ماموں کو بتا دیتیں تو وہ سوچ سمجھ کر ابا سے آپ کا رشتہ کرتے اور ماموں اور نانی کی اس رشتے میں شمولیت کے بعد ابا کبھی آپ کو اتنی آسانی سے چھوڑ کر نہ جاتے، جو بھی ہوا اس میں سارا قصور ابا کا تو نہیں تھا۔"

"محبت کی پٹی آنکھوں پہ بندھنے کے بعد اتنی عقل کہاں رہتی ہے، یہ دل کے فیصلے ہوتے ہیں دماغ کو ان معاملات میں دخل اندازی کی اجازت نہیں۔ یہ محبت سوچ اور سمجھ کے تمام دروازوں پہ قفل ڈال دیتی ہے۔" صفیہ ہولے سے بولی۔

"وہ کون ہے سویرا؟" صفیہ کے سوال نے اسے چونکا دیا۔

"آپ کس کا پوچھ رہی ہیں اماں؟" اس نے بے اختیار نظریں چرائیں۔

"تم نے آج سے پہلے مجھ سے کبھی یہ سب نہیں کہا، آج سے پہلے جب بھی میں نے تمہیں یہ تنبیہہ کی کہ تمہیں خود کو مرد کے فریب سے بہت دور رکھنا ہے تم نے مجھے ہمیشہ یہ یقین دلایا کہ تم میرا سر کبھی جھکنے نہیں دو گی، تم وہ نہیں کرو گی جو میں ماضی میں کرچکی ہوں...... تم صفیہ نہیں بنو گی مگر آج پہلی بار تم مجھ سے اس موضوع پہ بحث کررہی ہو۔ اس تبدیلی کی وجہ کون ہے؟"

"میں تو ایسے ہی آپ سے ابا کے حوالے سے بات کررہی تھی آپ بھی بات کو کہاں سے کہاں لے گئیں۔ مجھ پر بھروسہ کریں اماں میں آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔" ان کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھے وہ اسے یقین دلا رہی تھی، وعدہ کررہی تھی کہ وہ کبھی محبت نہیں کرے گی لیکن دل کے کسی کونے میں ایک چور چھپا بیٹھا تھا شاید اس بات کا اقرار وہ خود سے بھی نہ کرپائی لیکن یہ سچ تھا کہ جنید اسے بھی اچھا لگتا تھا۔ اس میں ایسا کچھ تھا ہی نہیں جو اسے ناپسند کیا جاتا۔ وہ کسی بھی لڑکی کے خوابوں کا شہزادہ ہوسکتا تھا۔ یہ جان کر کہ جنید سویرا سے محبت کرتا ہے اس کا دل اور بھی بے اختیار ہوگیا تھا لیکن وہ اماں سے کیا وعدہ بھی نہیں توڑ سکتی تھی۔ وہ اسے اعتبار کرنے کا کہہ رہا تھا اور سویرا کا دل اس پہ اعتبار کرنا چاہتا تھا لیکن اس سب کا انجام کیا ہوگا۔ ماضی ایک بار پھر دہرایا جائے گا۔ لوگوں کے ہاتھ ایک نیا قصہ لگ جائے گا نہیں اسے صفیہ نہیں بننا۔ اسے ماضی نہیں دہرانا۔

❁......❁......❁

"تم جانتے بھی ہو تم کیا کہہ رہے ہو؟ تم یہ چاہتے ہو میں ایک ریلوے کلرک کی بھانجی کو اپنے گھر کی بہو بنا

لاؤں۔ اپنا نہیں تو کم سے کم ہماری عزت اور اسٹیٹس کا تو سوچا ہوتا جنید۔" فاخرہ اس کی بات سن کر بے حد خفگی سے بولی۔ جسٹس نسیم بھی اس وقت وہاں موجود تھے جب جنید نے ان دونوں سے اپنی پسند اور سویرا سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

"ممی کلرک کی بھانجی ہونا اتنا بڑا عیب نہیں جس کی وجہ سے میری یا آپ کی عزت متاثر ہو۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"تمہیں اندازہ ہے تمہاری اس لڑکی سے شادی کے بعد ہمیں لوگوں کو کتنی وضاحتیں دینی پڑیں گی۔ لوگوں کو چھوڑو میں تمہارے بڑے بھائیوں، ان کی بیویوں اور تمہاری بہن سے کیا کہوں گی۔ کیا بتائیں گے انہیں کہ کس فیملی بیک گراؤنڈ سے تعلق ہے ہماری تیسری بہو کا۔" فاخرہ کافی غصے میں تھیں۔

"آپ کو میری شادی کے لیے کسی کو وضاحتیں دینے کی ضرورت نہیں، میری شادی کوئی نیشنل ایشو نہیں ہے جو میں لوگوں کو وضاحتیں دیتا پھروں۔ مجھے ایک لڑکی پسند ہے اور میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں یہ میری پرسنل لائف ہے اور یہ فیصلہ کرنے کا مجھے پورا حق ہے۔ جب میرے بھائیوں نے اپنی پسند کی لڑکیوں سے شادی کی تھی تو اس وقت آپ نے انہیں کیوں نہیں روکا تھا یہاں تک کہ زینب نے بھی اپنے کلاس فیلو کے ساتھ پسند کی شادی کی۔ میری شادی کے وقت آپ اتنا واویلا کیوں مچا رہی ہیں۔" جنید ان کی لاجک سے کسی صورت ہار ماننے والا نہیں تھا۔

"حیدر اور وقاص نے جن لڑکیوں سے شادی کی ان کا اور ہمارا کلاس ڈفرنس نہیں ہے۔ حیدر کی بیوی جنرل کی بیٹی اور وقاص نے اس ملک کی دوسری بڑی پولیٹکل فیملی میں شادی کی ہے۔ زینب نے بھی ایک انڈسٹریلسٹ کے بیٹے سے شادی کی تھی۔ خاندان اور ملنے جلنے والوں میں دس لڑکیاں ہیں جو تمہارے لیے مناسب ہیں تم ان میں سے جس سے کہو، ہم تمہاری شادی کردیں گے، لیکن تم تو......!"

"میری بیوی کسی اعلیٰ افسر کی بیٹی نہیں یا اس کا بیک گراؤنڈ میرے جتنا مضبوط نہیں، میرے لیے یہ بات ہرگز اہم نہیں ہے۔ میں جو خوبیاں اپنی بیوی میں دیکھنا چاہتا ہوں وہ مجھے سویرا میں نظر آتی ہیں۔ میں اپنا لائف پارٹنر سلیکٹ کررہا ہوں ممی کوئی خریداری نہیں کررہا کہ اس دکان پہ یا اچھا ملے گا اور دوسری دکان پہ وہ پراڈکٹ ملے گی۔" اس کے دوٹوک انداز پہ فاخرہ جزبز ہورہی تھی۔

"آپ اسے سمجھاتے کیوں نہیں۔" اس نے نسیم بخاری کو گفتگو میں شامل کرنے کی کوشش کی جواب تک ان دونوں کی بات سن رہے تھے۔

"کب سے جانتے ہو اس لڑکی کو؟" کافی کا کپ میز پہ رکھتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

"تقریباً ایک ماہ سے۔"

"یہ اتنا زیادہ عرصہ تو نہیں ہے کسی کو جاننے کے لیے۔"

"میرے لیے بہت ہے۔"

"کیا بہت خوب صورت ہے؟" ان کی بات پہ فاخرہ نے پہلو بدلا۔ وہ چہرے پہ مکمل سنجیدگی لیے اس سے سوال کررہے تھے۔

"خوبصورت تو بہت ہے۔" جواب بھی اسی سنجیدگی سے آیا تھا۔

"کیا بس ایک یہی وجہ ہے اس سے شادی کرنے کی؟" فاخرہ اب بھی خاموش نہیں۔

"نہیں...... یہ ایک وجہ نہیں ہے وہ بہت معصوم اور مضبوط کردار کی لڑکی ہے۔"

"اس کی معصومیت اور کردار کا اندازہ تو مجھے ہورہا ہے، کس طرح اس نے ایک امیر لڑکے کو پھنسا ہے...... عقل کے داؤ پیچ دکھانے والا بیرسٹر جنید بخاری اس کے عشق میں کس طرح عقل سے پیدل ہوگیا ہے یہ اس کی معصومیت اور کردار کی مضبوطی ثابت کرنے کے لیے بہت ہے۔" فاخرہ جل کر بولی تھیں۔

"ممی پلیز میں اس کی انسلٹ برداشت نہیں کروں گا۔ اس سے شادی کا فیصلہ میرا ہے۔ وہ تو اس سب کے بارے میں جانتی بھی نہیں...... آج تک سیدھی طرح بات نہیں کی اس نے مجھ سے۔" جنید چڑ کے بولا۔

"یہی جوہر ہوتے ہیں ان لوئر کلاس لڑکیوں کے بڑے خاندان کے قابل مردوں کو اگنور کرکے ان کی انا پہ چوٹ کرتی ہیں اور پھر ان کی توجہ حاصل کرلیتی ہیں۔" وہ اب ایک نیا پہلو نکال رہی تھیں۔

"ممی انف از انف...... میں آپ کو ایک بات کلیئر کردوں۔ اگر میری شادی سویرا سے نہیں ہوئی تو میں کسی دوسری لڑکی سے شادی نہیں کروں گا۔" پیر پٹختا وہ وہاں سے چلا گیا۔

"آپ نے اسے روکا کیوں نہیں؟" وہ اب نسیم بخاری سے کہہ رہی تھیں۔

"تمہارے خیال میں مجھے اسے کیا کہنا چاہئے تھا فاخرہ؟" انہوں نے الٹا سوال کیا۔

"اسے منع کرتے اس لڑکی سے شادی کے لیے......" ان کا دل اپنا سر پیٹنے کو چاہا۔

"وہ تو تم بھی کرچکی ہو اور کافی بحث بھی کی، اس کا کچھ فائدہ ہوا؟ جنید کوئی ٹین ایجر نہیں کہ میں یا تم اس کے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ اور زبردستی کریں وہ میچور اور انڈیپنڈنٹ ہے۔ سختی کرنے سے اس نے ہمارے سامنے گھٹنے تو نہیں ٹیک دینے۔ پھر جب میں نے اپنی ساری اولاد کو یہ حق دیا ہے کہ وہ جہاں چاہیں جس سے چاہیں شادی کریں تو میں جنید پہ یہ پابندی کیسے لگا سکتا ہوں۔"

"لیکن ہمارے باقی بچوں نے جنید کی طرح کھائی میں چھلانگ لگانے کی ضد نہیں کی۔" وہ تنک کر بولیں۔

"انہوں نے زندگی میں جنید جیسا کوئی قابل فخر کارنامہ بھی نہیں کیا۔ ان کی تعلیم سے لے کر کریئر تک میں نے انہیں مکمل اسپورٹ کیا ہے۔ ان کے بزنس اسٹیبلش کرا کے دیئے، آج بھی ان کے لیے سفارشیں کرتا پھرتا ہوں۔ جنید نے مجھ سے کیا لیا ہے...... میں نے اس کی تعلیم پر بھی اتنا ہی خرچہ کیا جتنا حیدر اور وقاص کی تعلیم پہ کیا تھا لیکن یہ صرف جنید ہے، جس نے اپنی پہچان خود بنائی...... اپنے تعلیمی کریئر میں وہ ایک آؤٹ اسٹینڈنگ اسٹوڈنٹ رہا اس کا کریئر میری نہیں اس کی اپنی قابلیت سے بنا...... آج وہ اپنے نام سے نہیں بلکہ میں اس کے نام سے پہچانا جانے لگا ہوں۔ زندگی کی اس اسٹیج پہ اگر وہ ہمارے پاس آ کر اپنی شادی کی اجازت مانگ رہا ہے۔ ہمیں قائل کرنے کی کوشش کررہا ہے تو کیا تم چاہتی ہو میں اسے مشتعل کرکے اپنا مان گنوا دوں۔ تم اس معاملے سے الگ ہوجاؤ میں پہلے خود اس لڑکی سے ملوں گا اور پھر یہ طے کروں گا کہ آگے کیا کرنا ہے۔"

"ایک بات یاد رکھیں اگر آپ نے جنید کی بات مانی تو میں ہرگز اس رشتے کے لیے ان لوگوں کے گھر نہیں جاؤں گی۔"

"تم بلاوجہ جذباتی ہورہی ہو، اپنی انا کے خول سے باہر آ کر اپنی اولاد کی خوشی کا سوچو۔" فاخرہ خاموش ہوگئیں۔

❀......❀......❀

نسیم بخاری اچانک ہی شہیر کے دفتر پہنچے تھے، انہوں نے اپنا تعارف شہیر کے انکل کی حیثیت سے کروایا تھا اور سویرا نے انہیں روٹین وزیٹر کی طرح خوش اخلاقی سے اس کے کمرے تک پہنچا دیا تھا۔ وہ انہیں بہر حال اچھی لگی تھی۔ سوفٹ اسپوکن لیکن محتاط اور خوب صورت تو وہ تھی ہی۔ کاسنی پرنٹڈ کاٹن کے سوٹ پہ ہم رنگ دوپٹہ سر پہ اوڑھے وہ بغیر کسی زیبائش کے اتنی پیاری لگ رہی تھی تو اگر بناؤ سنگھار کرتی تو وہ لڑکی کسی کو بھی دیوانہ بنا دیتی۔ انہیں ان تمام لڑکیوں کا خیال آیا جنہیں فاخرہ آج کل جنید کے لیے نامزد کررہی تھی، ان کے میک اپ زدہ چہرے لائف اسٹائل ان کی نظروں کے سامنے گھوم گیا۔ اس لڑکی کے ساتھ اگر کسی بڑے خاندان کا نام جڑا ہوتا تو وہ اور فاخرہ سر کے بل چل کر اس کا رشتہ مانگنے جاتے۔ وہ جانتے تھے اس ایک خامی کے سوا وہ جنید کو اس لڑکی سے شادی کرنے سے روکنے کا کوئی دوسرا جواز پیش نہیں کرسکتے اور پھر وہی ہوا جو جنید چاہتا تھا۔ نسیم بخاری اور فاخرہ ایک دن سویرا کے گھر باقاعدہ رشتہ مانگنے چلے آئے۔

❀......❀......❀

وہ آفس سے گھر آئی تو عدالت لگی ہوئی تھی۔ صفیہ سر

www.paksociety.com
معروف مصنف و کالم نگار مشتاق احمد قریشی کے قلم سے ایک اور شاہکار
پیہم خیال
مشتاق احمد قریشی
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
شائع ہوگئی ہے
WWW.PAKSOCIETY.COM
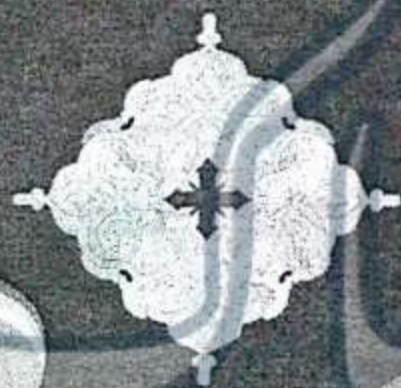
جھکائے عبدالقیوم اور سعیدہ کے سامنے پیش تھی۔ وہ ڈرتے ڈرتے اندر داخل ہوئی۔

"لو آ گئی تمہاری لاڈلی ذرا پوچھو تو اس سے نوکری کے بہانے باہر جا کر کیا گل کھلا رہی ہے۔" سعیدہ کی آواز تھی یا ہتھوڑا۔ وہ ان باتوں کا مطلب سمجھ نہیں پائی۔ اس نے حیرت سے ماں کی طرف دیکھا۔ صفیہ کی آنکھوں میں بے اعتباری اور غصہ بیک وقت امڈ آیا تھا۔

"جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں اس لڑکی کو کام پہ جاتے ہوئے اور کیا اونچا ہاتھ مارا ہے محترمہ نے...... کہاں وہ ہائی کورٹ کے جج کا بیٹا اور کہاں یہ بھگوڑی ماں کی اولاد۔ کیسا باؤلا ہوا ہے اس کے عشق میں کہ رشتہ لے کر گھر آ گیا۔ بھئی اس لڑکی کے سارے لچھن ماں والے ہیں، پتا نہیں کیسے پھانسا ہے اس کو کہ وہ اس چھوٹے سے محلے میں اپنے ماں باپ کو لے کر آ گیا۔" سعیدہ کی بات نے اس کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکال دی تھی۔ صفیہ ایک دم اپنی جگہ سے اٹھی اور اسے سختی سے کندھے سے پکڑ کر زور زور سے چلانے لگی۔

"کون ہے یہ جنید بخاری اور تم کیسے جانتی ہو اس کو؟" صفیہ کا بس چلتا تو وہ اسے مار مار کر لہولہان کر دیتی۔

"اماں...... وہ...... میرے باس کا دوست ہے اور ایک دو بار آفس آیا ہے میں اس سے زیادہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔" بے یقینی سے انہیں دیکھتی ہوئی بولی۔ دل کو مضبوط کر کے وہ جنید کو پہلے ہی انکار کر چکی تھی لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ اگر وہ رشتہ لے کر گھر پہنچ گیا تو اس صورت میں بھی اس کے گھر والے اسے ہی مورد الزام ٹھہرائیں گے۔

"آج سے تمہارا گھر سے باہر نکلنا بند، کوئی ضرورت نہیں نوکری کرنے کی اپنا استعفیٰ لکھ دینا میں کل دے آؤں گا۔" عبدالقیوم نے حتمی فیصلہ کیا۔

"میں تو کہتی ہوں جلد سے جلد اس کا رشتہ کسی موچی، مستری سے ہی کر کے اس کو رخصت کرو۔ ان امیر زادوں کا کیا اعتبار، آج دل آیا ہے تو گھر رشتہ لے آئے، جب چار دن بعد دل بھر جائے گا تو طلاق کا پرچہ تھما کر اس کو واپس بھیج دیں گے۔ بیس سال بہن کو سنبھالا ہے مرتے دم تک اس کی بیٹی کو سنبھالنا۔" سعیدہ نے کمرے میں بیٹھے عبدالقیوم سے اونچی آواز میں کہا۔ سویرا کی شادی کی اس سے زیادہ جلدی کسی اور کو نہیں تھی لیکن اتنے بڑے خاندان میں تو وہ اس کی شادی مر کر بھی نہ کرے۔ اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا، کہیں عبدالقیوم اس رشتے کے لیے راضی ہو گیا تو وہ کیا کرے گی۔ اس لیے اس نے عبدالقیوم کے ذہن میں یہ بات ڈالی تھی۔ عبدالقیوم یوں بھی سویرا سے خائف تھا، سعیدہ کی بات اس کے دل کو بھی لگی تھی۔ آخر اتنے بڑے گھر کا لڑکا ایک معمولی خاندان کی لڑکی کو کیونکر اپنائے گا، یہ محض وقتی ابال ہے۔

"تم کل حمیدہ کو بلاؤ اسے کہو جلد سے جلد کوئی رشتہ دکھائے، تعلیم یا عمر کی کوئی قید نہیں...... جہیز کا بھی کچھ نہ کچھ بندوبست ہو جائے گا میں اب خود بھی جلد سے جلد اس مشکل سے چھٹکارہ حاصل کرنا چاہتا ہوں اور ہاں...... ان لوگوں کو فون کر کے کل منع کر دینا' کہہ دینا ہم غیر برادری میں شادی نہیں کرتے۔" عبدالقیوم دھیمی آواز میں پُرسوچ لہجے میں بول رہا تھا اور سعیدہ کے اندر سکون اتر رہا تھا۔

"اماں آپ مجھے بھلے جان سے مار دیں لیکن مجھ سے اس طرح ناراض مت ہوں۔ میں سچ کہتی ہوں میں نے اسے گھر آنے کے لیے نہیں کہا، میں تو اسے ٹھیک سے جانتی بھی نہیں ہوں۔ اگر آپ کو میری بات کا یقین نہیں تو وعدہ کرتی ہوں آپ سے آپ جہاں کہیں گی میں وہاں شادی کر لوں گی۔" وہ صفیہ کی آنکھوں میں بے اعتباری دیکھ کر ٹوٹ گئی تھی۔ دو دن سے صفیہ نے اس سے بات نہیں کی تھی۔ صرف صفیہ ہی نہیں اس سے گھر میں کوئی بھی بات نہیں کر رہا تھا۔ وہ صفیہ کو صفائیاں دے دے کر تھک چکی تھی۔ اس وقت وہ تنہا چھت پہ بیٹھی مسلسل رو رہی تھی جب اسے کسی کی آہٹ سنائی دی۔ آنسو پونچھتے ہوئے اس نے آنے والے کی طرف دیکھا۔

"تو اس لیے مجھے اتنے نخرے دکھائے جا رہے تھے،

اس وکیل سے عشق کے پیچ جولڑارہی تھی۔" خرم دانت پیستا ہوا کہہ رہا تھا۔اس کی بات کا کوئی بھی جواب دینے کے بجائے وہ وہاں سے اٹھ کر نیچے جانے لگی تھی جب خرم نے اس کا ہاتھ پکڑلیا۔

"خرم بھائی میرا ہاتھ چھوڑیں۔" وہ غصے سے چیخی۔

"اتنا غصہ اس امیر زادے پہ تو نہیں کیا ہوگا جب وہ تمہارا ہاتھ پکڑتا ہوگا۔" اس کی بات کا کوئی بھی جواب دینے کے بجائے سویرا نے ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پہ مارا اور تیزی سے نیچے چلی گئی۔

جنید تک سویرا کے گھر والوں کا انکار پہنچا تو وہ اگلے ہی دن شہیر کے دفتر پہنچا تھا وہ سویرا سے بات کرنا چاہتا تھا لیکن یہ جان کر اسے شاک لگا کہ سویرا ریزائن کر چکی ہے اور اس کی شادی ہو رہی ہے۔ شہیر خود بھی اس کے اچانک چلے جانے سے حیران تھا۔ جنید کو اس بات کا تو پورا یقین تھا کہ اس کا رشتہ آنے پہ سویرا کے گھر والے انکار نہیں کریں گے۔ اسے دکھ بھی تھا اور غصہ بھی۔ فاخرہ کے سامنے اسے سبکی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہ سویرا سے ملنا چاہتا تھا لیکن اس کے گھر جانے سے شہیر نے اسے روک دیا تھا۔ شہیر کا خیال تھا کہ سویرا خود اگر اس میں رتی برابر بھی دلچسپی رکھتی تو یقیناً اس کے لیے اپنے گھر والوں کو راضی کرنے کی کوشش کرتی اگر وہ اس کا رشتہ ٹھکرا کر کسی اور سے شادی کر رہی ہے تو ہوسکتا ہے اس میں اس کی اپنی مرضی اور پسند شامل ہو۔

❁.......❁.......❁

صرف ایک ہفتے میں اس کا نکاح اشتیاق سے کردیا گیا تھا۔ پانچویں پاس موٹر مکینک، جس کی اپنی گاڑیوں کی ورکشاپ تھی۔ اشتیاق کی پہلی بیوی کی وفات دو سال پہلے تیسرے بچے کی پیدائش کے وقت ہوئی تھی۔ ماں اور بچہ دونوں ہی جانبر نہ ہوسکے تھے۔ اس کے دو بچے اور تھے۔ وہ عمر میں سویرا سے پندرہ سال بڑا تھا۔ شکل صورت تو معمولی تھی ساتھ میں زبان کا بھی تیز تھا۔ بات بے بات گالی گلوچ کرنا، چھوٹی چھوٹی باتوں پہ ہاتھ اٹھانا اس کے نزدیک معمولی بات تھی۔ اس کی ماں کے ساتھ گھر میں ایک طلاق یافتہ بہن بھی موجود تھی اور ان کی زبانیں اور تیور بھی اشتیاق سے کسی صورت کم نہ تھے۔ صفیہ کو اس رشتے پہ اعتراض تھا لیکن سعیدہ کے سامنے وہ کچھ بھی کہنے کی ہمت نہیں کر پائی البتہ عبدالقیوم کے سامنے اس نے تھوڑا سا احتجاج کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کی بیس سالہ پڑھی لکھی اور خوبصورت بیٹی کے مقدر میں ایک رنڈوا دو بچوں کا باپ موٹر مکینک تو بہر حال نہیں تھا لیکن عبدالقیوم اس وقت پوری طرح سعیدہ کے کنٹرول میں تھا۔ اسے یہ بھی تشویش تھی کہ جنید کا رشتہ ٹھکرانے کے بعد سویرا کہیں اس کے ساتھ بھاگ نہ جائے۔ یہ بات بھی سعیدہ نے ہی اس کے کان میں ڈالی تھی۔ بیس سال پہلے جو کچھ ہوا وہ اب ایک بار پھر دہرایا جائے وہ بھی اس وقت جب اسے اپنی بھی ایک بیٹی کی شادی کرنی ہے۔ اس خوف کے سامنے صفیہ کی التجا کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔

"سنا ہے کسی وکیل کو پھنسا رکھا تھا تو نے۔" وہ دلہن بنی اس وقت کمرے میں بیٹھی تھی۔ زندگی میں پہلی بار بنی سنوری وہ ہوش اڑانے والی خوب صورتی کے ساتھ اشتیاق کے سامنے بیٹھی تھی جب اس کے لفظوں نے اسے اندر تک چیر ڈالا تھا۔

"میری بات کان کھول کے سن لے یہ میرا گھر ہے تیرا میکہ نہیں جہاں تو کسی کی بھی آنکھوں میں دھول جھونک سکتی ہے۔ یہاں اپنے پرانے لچھن نہ چھوڑے تو جان سے مار ڈالوں گا۔ وہ تو اچھا ہوا تیری مامی نے سب کچھ پہلے ہی بتا دیا اور یہ بھی کہا کہ میں تجھ پہ نظر رکھوں ورنہ میں تو تیری بھولی صورت دیکھ کر بیوقوف ہی بنا رہتا۔ تجھ سے شادی کے وقت تک یہی سوچ کر خوش ہو رہا تھا کیسی حسین بیوی ملی ہے۔" اس کے لفظ تھے یا کوڑے جو روح تک کو زخمی کر گئے تھے۔ یہ وہ شروعات تھی جس کا اختتام نظر نہیں آتا تھا۔ اپنے گھر میں صرف ایک سعیدہ تھی جو اسے صفیہ کا طعنہ دیتی تھی۔ سعیدہ کی مہربانی سے اب یہ خبر اس کے سسرال تک پہنچ چکی تھی۔ اشتیاق کے ساتھ ساتھ اس کی ماں اور بہن بھی بات بے بات اسے کچھ نہ کچھ سناتے

رہتے تھے۔ وہ مٹی کی مادھو بنی ان کے طعنے اور گالیاں سنتی سارا دن گھر کے کاموں میں خود کو مصروف رکھتی پھر بھی ذرا سی غلطی پہ اشتیاق ہاتھ اٹھانے سے گریز نہ کرتا۔ یہ بے بسی کی انتہا تھی کوئی جرم نہ ہوتے ہوئے سزا مل رہی تھی۔ صفائی دینا فضول تھا جہاں فرد جرم عائد کر کے سزا سنا دی جائے وہاں کسی صفائی کی گنجائش نہیں رہتی۔

اس کے دونوں بچوں کی تمام ضروریات کا خیال رکھنے کے باوجود اسے سوتیلی ماں کے لقب اور ان متوقع مظالم کے متعلق جتایا جاتا جو وہ ان بچوں کے ساتھ کر سکتی تھی۔ دو وقت کی روٹی جو اسے اس مشقت کے بعد ملتی وہ بھی اشتیاق دس بار جتاتا کہ وہ کتنی محنت سے کما کر لاتا ہے۔

"کیسی عورت ہو بچہ رو رہا ہے اور تم یہاں سوئی پڑی ہو۔ میرا بچہ نہیں سنبھالا جاتا تو چلی جاؤ اپنی ماں کے گھر۔" اشتیاق کی غصے میں بھری آواز پہ اس نے گھبرا کر حارث کو گود میں اٹھا لیا۔ گھر کے کاموں سے تھک کر چور وہ وہیں بیٹھی بیٹھی اونگھنے لگی تھی کہ حارث کھیلتا کھیلتا گر گیا اس کے رونے پہ اشتیاق کو اسے ذلیل کرنے کا ایک اور بہانہ مل گیا تھا۔

وقت سب کا گزر جاتا ہے اس کا بھی گزر رہا تھا۔ دن رات صرف اسی کوشش میں گزرتے کہ اشتیاق یا اس کے گھر والوں کو کوئی بات بری نہ لگ جائے، انھیں بے عزتی کا ایک اور موقع نہ مل جائے۔ وہ لاکھ کوشش کرتی کہ ان لوگوں کو شکایت کا کوئی موقع نہ ملے پھر بھی کچھ نہ کچھ رہ جاتا اور گالی گلوچ شروع ہو جاتی۔ بات ہانڈی جلنے سے بھی شروع ہوتی تو اس کا کردار اور اس کی ماں کا گھر سے بھاگنا ضرور درمیان میں آ جاتا۔ شادی کے بعد اس نے کبھی کوئی اچھا کپڑا پہنا نہ ہی بناؤ سنگھار کیا تھا۔ یہ شادی کے شروع کے دنوں کا قصہ ہے جب صفیہ نے اسے اپنے خاوند کے سامنے بن سنور کے رہنے کی ہدایت کی تھی کہ اس سے مرد کا دل اپنی بیوی کے لیے موم ہوتا ہے لیکن اس دن اشتیاق نے اس کی بے تحاشہ بے عزتی کی تھی۔ ساس اور نند کو تو اسے گھر کی ماسی کے روپ میں دیکھنا ہی پسند تھا اس لیے انہوں نے بھی اشتیاق کو مزید اکسایا۔ اپنی بڑی عمر اور کم صورت کا کمپلیکس اس کی ماں اور بہن نے ہی اس کے ذہن میں ڈالا تھا۔ وہ کمزور نہیں تھی لیکن وہ ایک عام لڑکی کی طرح اپنی شادی نبھانا چاہتی تھی۔ وہ کسی کو موقع نہیں دینا چاہتی تھی کہ جس طرح اس کی ماں کا گھر نہ بس سکا وہ بھی اپنا گھر بسانے میں ناکام رہی۔ لوگ ایک لڑکی کے گھر سے بھاگ جانے کو بھول بھی جائیں وہ یہ نہیں بھولتے کہ اس کا خاوند اسے چھوڑ کر چلا گیا۔ یقیناً اس میں ہی کوئی کمی ہوگی جو اس نے اپنے سلوک سے شوہر کو اپنا مطیع نہ کر لیا۔ وہ اس رشتے کو ہر حال میں نبھائے گی اور یہ فیصلہ اس نے اپنی شادی والے دن کیا تھا لیکن وہ نہیں جانتی تھی اس کے لیے یہ سب اتنا مشکل ہوگا۔ جس دن اسے اپنے ماں بننے کی خبر ملی وہ بہت خوش تھی۔ صفیہ نے بھی گھر آ کر اسے خوش رہنے کی دعائیں دی تھیں۔

"تم دیکھنا سویرا کیسے اب اشتیاق تمہارے آگے پیچھے گھومتا ہے۔ مرد اپنی بیوی سے تو زیادتی کر سکتا ہے لیکن اپنے بچے کی ماں سے نہیں۔ اماں بیچاری یہ بات کہتے ہوئے اپنی زندگی بھول گئی تھیں۔ پھر بھی وہ خوش تھی اور پُرامید بھی۔ ان دنوں اس کی طبیعت اکثر خراب رہتی تھی۔ کھانا پکاتے ہوئے دل متلی کرتا اور طبیعت بھاری رہتی۔ ان دنوں اسے آرام کی ضرورت تھی جو اس گھر میں تو ممکن نہیں تھا۔ ایسے میں کوئی نہ کوئی کمی بیشی رہ ہی جاتی۔ ساس کی صلواتیں اور نند کی باتیں سن کر بھی وہ چپ چاپ اپنا کام کرتی رہتی تھی۔ اس دن بھی وہ اپنی ہمت سے بڑھ کر سب کام کر رہی تھی۔ دوپہر میں کچھ بھی نہیں کھایا گیا اور پھر وہ سب کاموں سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گئی۔ اشتیاق کب گھر آیا کب اس نے سویرا کو پانی لانے کے لیے آواز دی اسے ہوش نہیں تھا اتنی سی بات پہ اشتیاق نے اس پہ اپنا سارا غصہ نکال دیا۔ اسے ہاتھوں اور لاتوں سے مارتے ہوئے یہ بھی بھول گیا کہ وہ پانچ ماہ کی حاملہ ہے اور اس کی اولاد پیدا کرنے جا رہی ہے۔ اس کا حمل ضائع ہو گیا تھا۔ بستر پہ ادھ مری حالت میں پڑی وہ صفیہ کو کچھ بھی بتا نہیں پائی تھی۔ صفیہ اسے کہے بغیر بھی جانتی تھی کہ اس

کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ اس کے چہرے اور ہاتھوں پہ زخموں کے نشان چیخ چیخ کر اسے سویرا پہ ہونے والے ظلم کی داستان سنا رہے تھے۔ صفیہ مجرم بنی اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ اسے پہلی بار سویرا کی آنکھوں میں شکایت نظر آئی تھی۔ اس دن وہ وہاں سے دل پہ بوجھ لیے واپس لوٹی تھی، کیسی ماں تھی وہ جو اپنی اولاد کو عزت اور سکون نہیں دے پائی تھی۔ اسے اس دن شدید احساس ہوا تھا کہ جنید کا رشتہ ٹھکرا کر اس نے غلطی نہیں جرم کیا ہے۔ وہ اپنے احساس جرم کے ساتھ سویرا کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس رات سوئی تو اگلی صبح جاگی ہی نہیں۔ صرف چوبیس گھنٹوں میں سویرا نے اپنے دو رشتے کھو دیے تھے۔ ماں کے مرنے پہ وہ آخری بار عبدالقیوم کے گھر گئی تھی۔ وہ مرتے دم تک اس گھر کی دہلیز پہ قدم نہیں رکھے گی جہاں ساری زندگی اس کی ماں اور اس کے ساتھ ظلم ہوا تھا۔ اشتیاق کا رویہ اب بھی ویسا ہی تھا، وہ اب بھی ذرا ذرا سی بات پہ مشتعل ہو جاتا تھا لیکن اچانک سویرا بہت بدل گئی تھی۔ اس کا صبر کا پیمانہ بھر چکا تھا۔ ڈیڑھ سال تک اس نے صبر اور برداشت کے ساتھ اس شخص کی ہر جائز ناجائز بات سہی تھی۔ کبھی زبان پہ شکوہ نہیں لائی تھی۔ شاید وہ اپنی ماں سے کیے وعدے کا مان رکھنا چاہتی تھی۔ اس کا گھر ٹوٹتا تو طعنہ اس کی ماں کو ملتا لیکن اب اسے یہ خوف نہیں تھا۔ اس دن اشتیاق گھر آیا تو وہ خاموشی سے کھانا اس کے سامنے رکھ رہی تھی۔

”کب تک مری ماں کا ماتم مناتی رہے گی۔ گھر کو قبرستان بنا رکھا ہے۔“ اشتیاق اس کی مرجھائی ہوئی صورت دیکھ کر بولا۔ اس کی بات پہ پہلی بار سویرا نے غصے سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

”ایسے گھور گھور کے کیا دیکھ رہی ہے آنکھیں نکال لوں گا تیری۔“ وہ اسے اپنی طرف غصے سے گھورتا دیکھ کر بولا۔

”اب اگر تم نے مجھے ایک لفظ بھی کہا یا میری ماں کے حوالے سے کوئی بات کی تو میں یہ بھول جاؤں گی کہ میرا تم سے کوئی رشتہ ہے۔“ بہت سخت الفاظ اس نے بے حد مضبوط لہجے میں کہے تھے۔

”کیا بکواس کر رہی ہے، ہوش میں تو ہے یا لگاؤں ایک تھپڑ۔“ وہ روٹی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

”تم نے مجھے ہاتھ لگایا تو میں تمہارا ہاتھ توڑ دوں گی۔“ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ بھی اس کے مقابل کھڑی ہو گئی تھی۔

”لگتا ہے تیری عقل ٹھکانے لگانی ہی پڑے گی ہمت ہے تو ہاتھ توڑ کے دکھا۔“ اس نے سویرا کو مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا لیکن اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا جب سویرا نے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ وہ اب بھی اسی کو دیکھ رہی تھی۔

”حرام خور میرے گھر میں رہتی ہے اور مجھے ہی آنکھیں دکھاتی ہے نکل جا ابھی میرے گھر سے ورنہ دھکے مار کے نکال دوں گا۔“ مرد کی انا کو عورت کی تذلیل تسکین دیتی ہے کمزور پڑنے پہ وہ انہی حربوں کا استعمال کرتا ہے۔ وہ جانتا تھا سویرا کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے اور یہ دھمکی سن کر وہ اس کے پاؤں پڑ جائے گی۔

”مجھے بھی اس جہنم میں رہنے کا کوئی شوق نہیں ہے، تم مجھے کیا نکالو گے میں خود تمہارا گھر چھوڑ کر جا رہی ہوں۔“ وہ آج اسے مسلسل حیران کرنے پہ تلی ہوئی تھی۔

”ہاں ہاں جا، تیرے جیسی عورتیں گھر تھوڑا بساتی ہیں۔“ وہ اب بھی ہتھیار ڈالنے کو تیار نہیں تھا۔

”میرے جیسی عورتیں گھر اس لیے نہیں بسا پاتیں کیونکہ ان کے شوہر تم جیسے گھٹیا اور کم ظرف مرد ہوتے ہیں۔“ ایک ایک لفظ پہ زور دیتے ہوئے وہ اب دروازے کی طرف جا رہی تھی۔

”جانتا ہوں تو کس کے بل بوتے پہ اتنا تنک رہی ہے۔ لگتا ہے اس وکیل سے رابطے بحال ہو گئے ہیں لیکن میری ایک بات کان کھول کے سن لے تو میرے سامنے ناک کی لکیریں بھی نکالے گی نہ تو میں تجھے طلاق نہیں دوں گا۔ یہاں سے نکل کر اپنے پرانے عاشق سے جو شادی کا خواب ہے نا تیرا وہ تو میں پورا ہونے نہیں دوں گا۔“ وہ کمینگی سے بولا۔

"تمہاری ان باتوں کا جواب دینا میں ضروری نہیں سمجھتی کیونکہ تم اب وہ مقام کھو چکے ہو یہ میں طے کرچکی ہوں میں اب تمہارے ساتھ نہیں رہوں گی اور تم سے خلع تو میں لے ہی لوں گی۔ تم جیسے گھٹیا شخص کے ساتھ اپنا نام جوڑے رکھنے کا مجھے کوئی شوق نہیں۔" اس رات وہ اشتیاق کے گھر سے خالی ہاتھ نکلی تھی۔ عبدالقیوم کے گھر نہ جانے کا عہد نہ بھی کیا ہوتا تو بھی وہ ان حالات میں وہاں نہیں جانا چاہتی تھی۔ جس گھر سے اس کو اور اس کی ماں کو سوائے تکلیف کے کچھ نہیں ملا وہاں اسے پناہ کیسے مل سکتی تھی۔ اس کے کالج کی ایک پرانی دوست کا گھر نزدیک ہی تھا، چند دن وہاں گزار کر اس نے ایک ہاسٹل میں رہائش کا انتظام کرلیا تھا۔ کچھ رقم اس نے فضیلہ سے ادھار لی تھی۔ وہ پڑھی لکھی تھی، اپنا بوجھ خود اٹھا سکتی تھی اسے امید تھی جلد ہی اسے نوکری مل جائے گی۔ فوری طور پر اسے ایک اسکول میں نوکری ملی تھی جو مستقل نہیں تھی۔ اس کی تنخواہ بہت قلیل تھی جو کہ اس کی ضروریات کے لیے ناکافی بھی تھی۔ وہ اس وقت ایک بہتر نوکری کی تلاش میں تھی ساتھ ہی ساتھ اشتیاق سے چھٹکارا حاصل کرنے کے طریقے بھی سوچ رہی تھی۔

❁......❁......❁

پارکنگ میں گاڑی کھڑی کرکے وہ تیزی سے احاطے میں داخل ہورہا تھا۔ اگلے چند منٹ میں اس کا کیس شروع ہونے والا تھا اور وہ ٹریفک کی وجہ سے پہلے ہی لیٹ ہوچکا تھا۔ اس کا اسسٹنٹ اس سے پہلے عدالت میں موجود تھا۔ کورٹ کے باہر معمول کا رش تھا۔ وہ جلدی جلدی قدم اٹھاتا دائیں طرف بنے کاریڈور میں مڑا اور یک دم سامنے سے آتی سویرا کو دیکھ کر ٹھٹک کر رک گیا۔ سر پہ چادر اوڑھے وہ بہت عام سے حلیے میں آہستہ آہستہ چلتی اسی کی طرف آرہی تھی۔ ایک پل کو اسے لگا وہ اسی سے ملنے آئی ہے لیکن پھر جب وہ اس کے قریب سے اس کا نوٹس لیے بغیر گزر گئی تو اس نے مڑ کر اسے پکارا۔

"سویرا......!" اپنا نام سن کر اس نے پلٹ کر جنید کی طرف دیکھا۔ حیرت کے بعد شناسائی کی جھلک اس کی آنکھوں میں ابھری تھی۔ لیکن پھر اس نے ان آنکھوں میں اداسی اور دکھ دیکھا۔

"السلام علیکم۔" اسے اپنی طرف دیکھتا پاکر وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

"وعلیکم السلام تم یہاں کیا کررہی ہو؟" وہ سچ میں اسے عدالت میں دیکھ کر حیران ہوا تھا۔

"میں......میں یہاں کسی سے ملنے آئی تھی۔" وہ سر جھکا کر بولی۔

"یہاں......کس سے ملنے آئی تھی تم؟" وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکا۔

"راحیلہ سلیم سے۔" اس نے ایک لائر کا نام لیا۔

"راحیلہ سے تمہیں کیا کام ہے؟ مجھے بتاؤ شاید میں تمہاری کچھ مدد کرسکوں۔" وہ کافی پریشان ہوکر پوچھ رہا تھا۔

"شکریہ......مجھے بس ان سے ہی کام تھا۔" مزید کچھ کہے وہ آگے بڑھ گئی تھی۔ وہ اس سے بہت سے سوال پوچھنا چاہتا تھا، اس کے پیچھے جانا تھا۔ وہ اسے بہت اپ سیٹ لگی تھی اسے اس طرح اکیلا جاتے دیکھ کر وہ اس کے پیچھے جانے کے لیے لپکا لیکن اسی وقت اس کا اسسٹنٹ اسے ڈھونڈتا ہوا وہاں آگیا۔ وہ اسے عدالت کی کارروائی شروع ہونے کے بارے میں بتارہا تھا۔ اپنی گھڑی پہ نظر ڈالتا وہ اس کے ساتھ کورٹ روم کی طرف چلا گیا تھا۔

❁......❁......❁

پچھلے آدھے گھنٹے سے وہ فائل کو پڑھنے میں مصروف تھا۔ غائب دماغی سے نظریں فائل میں لگے کاغذوں پہ مرکوز کیے وہ بہت دیر سے ایک ہی پوزیشن میں بیٹھا تھا۔ اچانک اسے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلی میں جلن کا احساس ہوا اور پھر جلدی سے اس نے ہاتھ میں پکڑے سگریٹ کے ادھ جلے ٹکڑے کو ایش ٹرے میں رکھ دیا۔ دونوں بازو میز پہ ٹکائے اس نے اپنا سر تھام لیا۔ اتنے سالوں میں پہلی بار وہ کورٹ روم میں دو بار اٹکا تھا۔ پہلی بار جب اس کے کیس کی سنوائی شروع ہوئی اور اس نے اپنی بات شروع کرنے سے پہلے اپنے کلائنٹ اور کمپنی کا نام غلط لیا تھا۔ اس کے اسسٹنٹ

نے اسے پیچھے سے ٹوکا تھا۔ یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں تھی۔ اکثر وکلاء ایسی غلطیاں کرتے رہتے ہیں۔ اس نے معذرت کر کے اپنی تصحیح کی تھی۔ دوسری بار وہ جسٹس وحید ظفر کے سامنے اس وقت اٹکا جب وہ کیس کے ریفرنس میں دلائل پیش کر رہا تھا۔ وہ بولتے بولتے اچانک خاموش ہوگیا تھا۔ اسے احساس ہوا وہ اس وقت بلینک ہو چکا ہے۔ خالی نظروں سے وہ اپنے سامنے بیٹھے جج کو دیکھ رہا تھا جو جنید بخاری جیسے اسمارٹ اور قابل سول لائر کو پہلی بار اس طرح فریز ہوتے دیکھ رہے تھے۔ کورٹ روم میں یہ کوئی انہونی بات نہیں ہوئی تھی۔ کسی بھی مقدمے کے دوران جراح اور بحث کرتے وقت اس کیس کو جیتنے کے لیے وکلاء ایڑھی چوٹی کا زور لگا دیتے تھے اس دوران وہ اکثر بات بھول جاتے ہیں یا پھر لاجواب ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے آج تک بہت سے وکلاء کو بحث کے دوران ان حالات سے گزرتے دیکھا تھا لیکن وہ بہت مہارت کے ساتھ بات کا رخ دوسری طرف موڑ کر اپنی کمزوری کو چھپا لیتے تھے۔ جنید بخاری ایسے ہینتروں سے بہت اچھی طرح واقف تھا۔ اس کے پاس دلائل کا خزانہ تھا وہ کوئی معمولی وکیل نہیں تھا بلکہ اس شہر کے مہنگے ترین اور قابل وکلا میں شمار ہوتا تھا۔ سامنے والے کو لاجک کی مار سے چت کرنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا کسی بھی کیس کے لیے اس کی تیاری ہمیشہ مکمل ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے اس کی کامیابی کا گراف سو فیصد تھا۔ اپنی عمر کے دوسرے وکیلوں کی نسبت اس نے بہت تیزی سے اپنا مقام بنایا تھا۔ وہ اپنی لاء فرم چلانے کے ساتھ ساتھ ایک بہت بڑی گروپ آف کمپنیز کا لیگل ایڈوائزر تھا۔ سول لائرز کی فہرست میں سب سے اوپر چمکنے والا نام جنید بخاری کا تھا۔ چھوٹے موٹے کیسز کے لیے اسے کورٹ آنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی ان کیسز کو اس کے جونیئر آسانی سے ہینڈل کر لیتے تھے۔ وہ صرف بڑے کیسز کے لیے ہی عدالت آتا تھا۔ اس وقت بھی وہ ایسے ہی کیس کے سلسلے میں عدالت آیا تھا جہاں اس کا سامنا سویرا سے ہوگیا اور اس کے بعد وہ اس کیس میں نا صرف اپنی دلچسپی کھو چکا تھا بلکہ اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ تھا ہی نہیں۔

"بیرسٹر بخاری کیا آپ ٹھیک ہیں۔" جسٹس وحید اسے خاموش ہوتے دیکھ کر بولے۔ وہ جج کی آواز سن کر چونکا تھا۔

"جی...... میں ٹھیک ہوں۔" اس نے آہستہ آواز میں کہا۔

"آپ اگر چاہیں تو ہم اس کیس کی کارروائی مؤخر کر سکتے ہیں۔ میں آپ کو پندرہ منٹ کا بریک دیتا ہوں اس دوران میں دوسرے کیس کی سماعت کر لیتا ہوں۔" جسٹس وحید ظفر اسے سالوں سے جانتے تھے انہیں لگا شاید اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور ایک بڑے وکیل کے لیے ایسی چھوٹی موٹی ایڈجسٹمنٹس کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہوتی ہیں۔ وہ ان کی بات پہ شکریہ ادا کرتا کورٹ روم سے نکل گیا۔ اس کا اسسٹنٹ بھی اس کے پیچھے آ رہا تھا اسے لگا وہ نیچے بنے اپنے دفتر میں جا رہا ہے لیکن جب اس نے اسے فیملی لائرز کے کاریڈور کی طرف جاتے دیکھا تو وہ کافی حیران ہوا۔ اچانک جنید نے رک کر اسے واپس دفتر جانے کی ہدایت دی تھی۔ اس کا رخ اب راحیلہ سلیم کے دفتر کی طرف تھا۔

راحیلہ سلیم کا شمار بہت بڑے اور سینئر وکلا میں نہیں ہوتا تھا۔ جنید بخاری کا شاید نام کے سوا راحیلہ سے کوئی تعارف نہیں تھا اس کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ وہ دونوں ایک شعبہ ہونے کے باوجود دو الگ فیلڈ سے تھے۔ دوسری بات راحیلہ ایک جونیئر وکیل تھی۔ اپنے آفس میں بیرسٹر جنید بخاری کو دیکھ کر وہ حیران اور خوش بھی ہوئی۔

"ہیلو مسٹر جنید! آپ کو اپنے آفس میں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔" راحیلہ خوش اخلاقی سے بولی۔ خود کو کمپوز کرتے جنید نے رسمی علیک سلیک کے بعد اس سے سویرا کے متعلق پوچھا۔ اپنے کسی کلائنٹ کے پرسنل ایشو کو کسی غیر متعلقہ شخص کے سامنے ظاہر کرنا نہایت غیر پیشہ ورانہ اور اخلاقیات کے خلاف تھا۔ خود جنید کے لیے یہ بات کافی شرمندگی کا باعث تھی لیکن وہ اس وقت جس دماغی کیفیت میں تھا اس کے لیے یہ سب جاننا بے حد ضروری تھا۔

"آپ جانتے ہیں اسے مسٹر بخاری، وہ یہاں اپنی خلع

کا کیس فائل کروانا چاہتی تھی۔ اسی سلسلے میں میرے پاس آئی تھی۔“

”سویرا خلع لے رہی ہے؟“ وہ زیر لب بڑبڑایا۔ راحیلہ نے شاید اس کی آواز نہیں سنی تھی اس لیے وہ اسے مزید بتا رہی تھی۔

”بڑی زیادتی ہوئی ہے اس بیچاری کے ساتھ، یہ خود تو کافی اچھی شکل وصورت کی ہے۔ پڑھی لکھی اور ویل مینرڈ لیکن اس کے گھر والوں نے اس کی شادی ایک موٹر مکینک سے کردی جو نہ صرف اس سے عمر میں پندرہ سال بڑا ہے بلکہ دو بچوں کا باپ بھی ہے۔ وہی سوسائٹی کے کامن ایشوز، مار پیٹ اور گھریلو جھگڑے۔ بتارہی تھی چند ماہ پہلے اسی مار پیٹ کی وجہ سے اس کا حمل بھی ضائع ہوا۔ ویسے آپ اسے کیسے جانتے ہیں؟“ اپنی بات کے اختتام پر راحیلہ نے ایک بار پھر پوچھا۔ جنید اس وقت مٹھیاں بھینچے بے تاثر چہرے کے ساتھ بیٹھا تھا۔

”یہ میرے قریبی دوست کے آفس میں کام کرتی تھی۔ کافی اچھی لڑکی ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے اسے آپ کے آفس سے نکلتے دیکھا تو سوچا آپ سے پوچھ لوں شاید اسے مدد کی ضرورت ہو۔ راحیلہ کے لیے اس بات میں کوئی اچنبھا نہیں تھا۔ جنید بخاری اور اس کی فیملی کے سوشل ورک سے وہ اچھی طرح واقف تھی۔

”میں نے ابھی اس کا کیس ایکسیپٹ نہیں کیا۔ اس کی مالی حالت ایسی نہیں کہ وہ چند ہزار بھی اس کیس کے لیے ادا کرپائے۔ میری فیس کا تو چھوڑیں اس کے پاس تو عدالتی کاغذات کی تیاری میں ہونے والے اخراجات کے لیے بھی پیسے نہیں ہیں۔ کہہ رہی تھی چند روز میں دوبارہ چکر لگائے گی۔“

”راحیلہ آپ اس کا کیس ایکسیپٹ کرلیں، آپ کی فیس اور تمام اخراجات میں ادا کروں گا۔ کیا آپ مجھے اس کا کانٹیکٹ نمبر یا پتہ دے سکتی ہیں؟“ وہ دھیمے لہجے میں بول رہا تھا۔ چند منٹوں میں راحیلہ سلیم کی اسسٹنٹ نے اسے ایک کاغذ پہ سویرا کا ایڈریس اور نمبر لکھ دیا تھا۔ وہ ایک ہاسٹل کا

پتہ تھا۔ اسے جان کر حیرت ہوئی تھی کہ وہ اپنی والدہ یا رشتے داروں کے پاس رہنے کی بجائے کسی ہاسٹل میں رہ رہی تھی۔

اس کے آفس سے اٹھ کر بھی وہ کافی اپ سیٹ تھا۔ یہ اس کی زندگی کا برا دن تھا لیکن اس سے کم جب اسے اچانک سویرا کی شادی کا پتہ چلا تھا۔

❀......❀......❀

اس دن پہلی بار جب اس نے سویرا کو شہیر کے دفتر میں دیکھا تو اسے وہ پہلی نظر میں ہی بہت اچھی لگی تھی۔ شیشے کے کیبن میں بیٹھی وہ اس وقت کمپیوٹر پہ کوئی ڈاکومنٹ ٹائپ کررہی تھی۔ یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں تھی لیکن جس طرح وہ اس کمپیوٹر پہ ٹائپ کررہی تھی جنید کے لیے وہ منظر دلچسپی کا باعث تھا۔ وہ ایک لفظ کو بہت دیر تک قریب پڑے کاغذ پہ پڑھنے کے بعد کی بورڈ پہ ایک ایک حرف کو تلاش کرتی اور پھر دائیں ہاتھ کی انگلی سے دبا دبا کر لکھ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر کوئی بھی سمجھ سکتا تھا کہ اسے کمپیوٹر کا استعمال نہیں آتا۔ وہ بہت دیر تک باہر کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا لیکن وہ اپنے اردگرد سے بے نیاز پورے انہماک سے اپنا کام کررہی تھی۔ جنید کو اس کی سادگی اچھی لگی تھی۔ یہ اتفاق تھا کہ اس کا چکر شہیر کے آفس میں شام کو لگتا تھا اور اس وقت شہیر کی سیکرٹری جاچکی ہوتی تھی اور پھر دو ہفتے کے لیے وہ خود بھی لندن چلا گیا تھا۔ آج اچانک آفس ٹائم میں وہاں پہنچا تو اسے سویرا نظر آگئی اور وہ اسے بھول نہیں پایا تھا۔ ایک دوبار اس نے سویرا سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے کبھی اسے زیادہ بات کرنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ اس دن جب وہ شہیر کے آفس آیا تو وہ اس کے کمرے میں ہی موجود تھی۔ مور پنکھ رنگ کے سادہ سے کاٹن کے سوٹ میں اس کی گوری رنگت کھل رہی تھی۔

”یہ کلر کافی سوٹ کرتا ہے تم پہ، اکثر پہنا کرو۔“ اسے دیکھتے ہوئے جنید نے کمنٹ دیا تھا اچانک اس نے اسے بلش ہوتے دیکھا تھا۔ اپنی تعریف پہ اترانے والی، قہقہہ لگانے والی اور غرور میں آجانے والی بہت سی لڑکیاں جنید نے دیکھی تھیں لیکن کسی لڑکی کو بلش ہوتے دیکھنے کا یہ اس کا

پہلا تجربہ تھا اور یہ تجربہ سوہان روح ثابت ہوا تھا۔ شہیر کی نظر اور توجہ پوری طرح اس فائل پہ تھی جو وہ اپنے آگے کھولے بیٹھا تھا۔ جیسے ہی شہیر نے سر اٹھایا وہ اپنی نظروں کا زاویہ بدل چکا تھا۔ اسے یہی لگا تھا کہ وہ شہیر کو بیوقوف بنانے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ شہیر نے بھی یہی ظاہر کیا تھا لیکن سویرا کے کمرے سے نکلتے ہی وہ اسے گھورتے ہوئے بولا تھا۔

"میری سیکرٹری پہ لائن مارنا بند کر خبیث آدمی۔" شہیر کی بات نے اسے ایک دم حیران کردیا تھا لیکن اس کے بعد اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا تھا۔

"یار تیری سیکرٹری کو دیکھ کر نہ دل قابو میں رہتا ہے نہ زبان۔"

"یار جنید مروائے گا۔ میں تجھے اتنا دل پھینک نہیں سمجھتا تھا۔ وہ برا مان گئی تو؟"

"یار عجیب لڑکی ہے ہر وقت نو لفٹ کا بورڈ لگائے رکھتی ہے۔ جب بھی بات کرنے کی کوشش کرو ڈانٹ دیتی ہے، اسے اندازہ ہی نہیں یہاں کوئی اس کے لیے دیوانہ بنا ہوا ہے۔" جنید بے اختیار ہوکر بولا۔

"آر یو سیریس؟" شہیر کے لیے یہ کافی غیر متوقع تھا۔

"آئی ایم ایکسٹریملی سیریس آئی لو ہر مین۔"

اگلے کچھ دنوں میں وہ اپنے والدین کو منا کر اس کے گھر رشتہ بھیج چکا تھا۔ اس کے گھر والوں کے انکار کے بعد بھی وہ سکون سے نہیں بیٹھا تھا وہ شہیر کے دفتر جاکر ملنے والی اس کے اچانک استعفے اور شادی کی خبر سے کافی ڈسٹرب ہوا تھا۔ جنید اسے کبھی بھول نہیں پایا تھا۔ وہ کوئی ٹین ایجر نہیں تھا جو محبت میں ناکامی پہ کھانا پینا چھوڑ کے بیٹھ جاتا یا اپنے غم کا پرچار کرنے کے لیے خود کو ختم کرنے کی کوشش کرتا لیکن اس کے لیے اپنی ادھوری محبت کو فراموش کرنا بھی آسان نہیں تھا۔ فاخرہ لاکھ کوشش کے باوجود اسے کسی اور لڑکی سے شادی کے لیے راضی نہیں کرپائی تھیں۔ زندگی میں پہلی بار اس نے کسی لڑکی کو شادی کے لیے خود منتخب کیا تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ سویرا اس سے کوئی جذباتی وابستگی نہیں رکھتی تو وہ دل سے اس کی محبت کو نوچ کے پھینک نہیں سکتا تھا۔ آج ڈیڑھ سال بعد وہ اسے ملی بھی تو کہاں اور کس حال میں۔ پہلی نظر میں تو وہ اسے پہچان ہی نہیں سکا تھا کوئی بھی پہچان نہ پاتا۔ اس کے کپڑے پہلے بھی کبھی بہت قیمتی نہیں ہوتے تھے لیکن آج وہ جس حلیے میں تھی وہ پہلے سے بہت ابتر تھا۔ پاؤں میں گھسی ہوئی چپل اور اس کا چہرہ...... یہ وہ چہرہ نہیں تھا جس نے جنید کی نیندیں چرالیں تھیں۔ وہ تو ایک انتہائی لاغر اور بیمار لڑکی کا چہرہ تھا۔ گلاب کی پنکھڑیوں جیسے ہونٹ مرجھا گئے تھے۔ پیلی زرد رنگت اور آنکھوں کے گرد گہرے حلقے، لگتا تھا کسی نے اس کے جسم کا سارا خون نچوڑ لیا ہو۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا وہ سویرا کو کبھی اس حال میں بھی دیکھے گا۔ اس نے سویرا کے لیے ہمیشہ خوشیوں کی دعا کی تھی۔ اس کا تو یہی خیال تھا کہ وہ اپنی زندگی میں خوش ہوگی۔ اس کا حلیہ، اس کا لاغر چہرہ اور اس کی خلع کا مسئلہ۔ اس نے کتنا تکلیف دہ وقت گزارا تھا اور آج بھی اس کے چہرے کی مایوسی بتا رہی تھی کہ وہ شدید پریشانی میں ہے۔ اس کی مالی حیثیت تو اسے راحیلہ سے پتا چل ہی چکی تھی۔ اس نے کئی بار سوچا وہ سویرا سے رابطہ کرے۔ لیکن پھر خود کو روک لیا۔ شاید یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔ وہ اگر برا مان گئی، اس نے پہلے بھی جنید کی محبت کا مثبت جواب نہیں دیا تھا اور آج بھی اس کے مدد کی بات کرنے پہ اس نے اسے انکار کردیا تھا۔ شاید وہ اس کی مدد اور خلوص کو غلط سمجھے۔ بہرحال وہ اس کے لیے اتنا تو کر ہی سکتا تھا کہ اس کی خلع کا معاملہ راحیلہ سلیم کے ذریعے حل کروادیتا۔

❁......❁......❁

وہ لفٹ سے نکل کر پارکنگ ایریا کی طرف جارہا تھا جب اس نے سویرا کو بھی اس بلڈنگ سے نکلتے دیکھا۔ اس دن کی نسبت وہ اسے آج کافی بہتر لگ رہی تھی۔ جنید کو دیکھ کر وہ پہلے حیران ہوئی اور پھر اس کی خوبصورت آنکھوں میں شناسائی اور ہونٹوں پہ مسکراہٹ ابھری۔ رسمی علیک سلیک کے بعد جنید نے اس سے اس کے وہاں ہونے کا سبب پوچھا۔

"میں یہاں جاب کرتی ہوں۔ میڈ اس کے آفس میں۔" وہ اسے فرسٹ فلور پہ موجود ایک کمپنی کے ہیڈ آفس

کے بارے میں بتارہی تھی۔
"اچھی کمپنی ہے، کس ڈیپارٹمنٹ میں ہو۔" اس نے مزید پوچھا۔
"اکاؤنٹس سیکشن میں، دو ماہ پہلے ہی جوائن کیا ہے۔ آپ یہاں کیسے؟"
"اس بلڈنگ میں میرا آفس ہے چوتھے فلور پہ۔ بخاری لا ایسوسی ایٹس۔"
"اچھا وہ آپ کی فرم ہے، مجھے پتا ہی نہیں تھا۔"
"پتا کیسے ہوتا؟ تم نے کبھی بتانے کا موقع ہی نہیں دیا۔"
"جنید صاحب میں بہت دنوں سے سوچ رہی تھی کہ آپ سے رابطہ کروں۔ دراصل میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہ رہی تھی۔ آپ نے ایڈووکیٹ راحیلہ کو......!" وہ سوچ سوچ کے بول رہی تھی لیکن اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی جنید بول پڑا۔
"سویرا اتنا فارمل ہونے کی ضرورت نہیں، میں نے جو کیا وہ میرا فرض بنتا تھا لیکن اگر تم میرا شکریہ ادا کرنا ہی چاہتی ہو تو میرے ساتھ ایک کپ کافی پی لو۔"
"کافی......!" وہ زیرلب بڑبڑائی اور بے دردی سے نچلا لب کاٹا۔ جب وہ پہلے اس سے ملنے جلنے میں اجتناب برتتی تھی تو اب اسے زیادہ محتاط رہنا تھا۔
"کوئی زبردستی نہیں لیکن اگر دو گھڑی کہیں بیٹھ کر بات کرسکیں تو میں احسان مند رہوں گا اور جیسے کہ پہلے بھی واضح کرچکا ہوں انتہائی شریف انسان ہوں، سڑک چھاپ لفنگا نہیں پھر بھی اگر تمہاری مرضی نہیں تو میں فورس نہیں کروں گا۔" وہ سنجیدہ تھا۔
"ایسی بات نہیں......وہ میں بس......ایسے ہی۔" اسے لفظوں کا انتخاب کرنا مشکل ہورہا تھا۔
"سویرا یہ حساب کا کلیہ نہیں فقط ایک درخواست ہے۔ نہ چلنا چاہو تو صاف انکار کردو۔" اس کی بات سن کر وہ خاموشی سے اس کے ساتھ کافی شاپ کی طرف بڑھ گئی۔

❀......❀......❀

"تم خوش ہو سویرا؟" کافی کا سپ لیتے جنید نے اچانک اس سے پوچھا۔
"میں مطمئن ہوں۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔
"سویرا تم سے ایک بات پوچھوں تم برا تو نہیں مانو گی؟" وہ بہت سوچ سوچ کے بول رہا تھا۔
"پوچھیں۔" وہ مدھم آواز میں بولی۔
"بہت عرصے سے میں تم سے صرف ایک سوال پوچھنا چاہتا تھا۔ میری خواہش تھی کہ کبھی تم ملو تو میں تم سے وہ بات پوچھوں جو مجھے کب سے ڈسٹرب کررہی ہے۔ سویرا کیا تمہارے دل میں ایک بار بھی میرے لیے چاہت کا احساس نہیں جاگا؟ کہیں نہ کہیں تمہاری سرد مہری کے باوجود میرے دل میں ایک امید تھی کہ تم میرا پرپوزل ریجیکٹ نہیں کرو گی اپنے گھر والوں کے سامنے میرے لیے اسٹینڈ لوگی......لیکن تم نے میرا ساتھ دینے کی بجائے اپنے گھر والوں کے کہنے پر اپنی زندگی برباد کردی۔ کیا کمی تھی میری محبت میں سویرا کہ تم نے مجھ پہ اعتبار نہیں کیا؟" اس کے چہرے کو نظروں میں رکھتے وہ بہت سنجیدگی سے بول رہا تھا۔ اس کا چہرہ اس کشمکش کو عیاں کررہا تھا جو جنید کی بات سن کر اس کو ہورہی تھی۔
"آپ میں کوئی کمی نہیں جنید، میں کرنا چاہتی تھی اعتبار آپ پر، ایک عام لڑکی کی طرح محبت کے پھل کا مزا چکھنا چاہتی تھی۔ اپنی زندگی میں آئے پہلے مرد کی چاہت کو اپنانا چاہتی تھی لیکن اپنی ماں سے کیے وعدے کی زنجیر نے مجھے جکڑ رکھا تھا۔ کبھی کبھی ہمارے بزرگوں کی زندگی کے تلخ تجربات ہماری زندگی کا سب سے بڑا خوف بن جاتے ہیں اور بھوت بن کر ہمیں ڈراتے رہتے ہیں۔ جنید میری ماں ایک بری عورت نہیں تھی بس اس سے ایک غلطی ہوگئی تھی ایک غلط شخص سے محبت کرنے کی غلطی اور اپنی اس غلطی کا خمیازہ اس نے ساری زندگی بھگتا اور صرف اس نے نہیں وہ تاوان میں بھی ادا کیا۔ مجھے لگا تھا میرے سرد رویے سے مایوس ہوکر آپ پیچھے ہٹ جائیں گے لیکن آپ نے اپنی محبت کے ثبوت کے طور پر میرے گھر رشتہ بھیج دیا اس دن مجھے آپ پر تو اعتبار آگیا لیکن میں نے اپنی ماں کا اعتبار کھو

دیا۔اس کی نظروں میں اپنے اس مان کو ٹوٹتے دیکھا جو
اسے مجھ پہ تھا۔اس اعتبار کو بحال کرنے کے لیے اس مان کو
برقرار رکھنے کے لیے میں نے کچھ بھی کہے بغیر شادی کے
لیے ہاں کردی۔"

"تم اگر ایک بار مجھ سے رابطہ کرلیتی تو میں تمہاری والدہ
کو قائل کرلیتا۔انہیں یقین دلاتا کہ ہر مرد ایک سا نہیں ہوتا
میں تمہیں دکھ دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا سویرا۔"

"اب ان سب باتوں پہ افسوس کرنے کا کیا فائدہ، جو
وقت گزر گیا وہ پلٹ کر نہیں آسکتا۔مقدر میں یہی لکھا تھا۔"
اپنی آنکھوں میں آئی نمی کو پلکوں سے روکتے وہ بولی۔"میرا
خیال ہے مجھے اب چلنا چاہئے مجھے دیر ہورہی ہے۔"

"میں تمہیں ڈراپ کردیتا ہوں۔" وہ بل پے کرکے اس
کے ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا۔وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن وہ اس
کے کچھ کہنے سے پہلے بولا۔

"انکار مت کرنا سویرا...... پلیز۔" وہ ایک بار پھر اسے
انکار نہیں کرپائی تھی۔

❀......❀......❀

"کسی کے ساتھ نہ ہونے سے زندگی رک نہیں جاتی
بس ایک تشنگی ہے جو دل کے کسی کونے میں ٹھہر جاتی ہے۔
وقت گزر بھی جائے تو نارسائی کا قلق ہمیشہ ساتھ رہتا ہے۔تم
میری زندگی میں صبح بہار کی طرح وارد ہوئی اور دبے پاؤں بنا
کچھ کہے سنے میرے دل کو خزاں کرگئی۔سوچا تھا تمہیں اپنا
بنا کر تمہاری زندگی کا ہر غم دور کردوں گا لیکن ایسا ہو نہ سکا تم
میری نہیں ہو پائی پھر بھی ہر لمحہ اس دل نے تمہاری خوشیوں
کی دعا کی، تمہیں آباد دیکھنا چاہا پر شاید قدرت کو میری یہ دعا
بھی منظور نہ تھی جو تمہارے دامن میں اور درد بھر گئے لیکن
سویرا میری دل کی دنیا آج بھی تمہارے وجود سے روشن
ہے۔یہ گلستان زندگی آج بھی تمہارے وجود سے مہک سکتا
ہے کیا ممکن ہے تم اس میں اپنی محبت کا رنگ بھردو؟" وہ اسے
اس کے ہاسٹل تک چھوڑنے آیا تھا جب گاڑی کا دروازہ
کھولتے ہوئے اس نے بہت سنجیدگی سے کہا۔

"میری بات کا فوری جواب دینے کے بجائے اچھی
طرح سوچ لینا میں فقط تمہاری خوشی چاہتا ہوں بس ایک التجا
ہے اس بار بناء کچھ کہے مت چلی جانا۔" وہ خاموشی سے
گاڑی سے اتری اور جنید اپنی بات کہہ کر رکا نہیں وہ اسے جاتا
ہوا دیکھتی رہی تھی۔

زندگی میں کچھ فیصلے بہت مشکل ہوتے ہیں لیکن ہم
اسے بہت آسانی سے کرلیتے ہیں اور کچھ فیصلے بہت آسان
ہوتے ہیں جنھیں کرنے کے لیے آپ کو بہت مشکلوں سے
گزرنا پڑتا ہے۔اسے بھی آج ایک فیصلہ کرنا تھا وہ نہیں
جانتی تھی یہ آسان ہوگا یا مشکل لیکن وہ جنید کو مزید انتظار کی
صعوبت نہیں دے سکتی تھی۔اس نے جنید کو کال کرکے اسی
کافی شاپ میں بلایا تھا جنید وقت سے پہلے وہاں موجود
تھا۔اس نے مسکراتے ہوئے سامنے سے آتی سویرا کو
دیکھا اس کے چہرے پہ سنجیدگی تھی۔

"میں آپ سے شادی نہیں کرسکتی جنید۔" بنا کسی تمہید
کے اس کا انداز دوٹوک تھا۔

"میں اس انکار کی وجہ جان سکتا ہوں؟" وہ سنجیدہ ہوا۔

"میں خود کو آپ کے قابل نہیں سمجھتی۔آپ بہت اچھے
انسان ہیں۔بہت خوش نصیب ہوگی وہ لڑکی جسے آپ کا
ساتھ نصیب ہوگا لیکن شاید وہ لڑکی میں نہیں جنید۔آپ کی
کلاس اور رتبہ میرے قد سے بہت بڑا ہے میں نہیں چاہتی
کہ آپ کو میری وجہ سے دنیا کے سامنے شرمندگی اٹھانا
پڑے۔ایک طلاق یافتہ لڑکی کم از کم بیرسٹر جنید بخاری کی
بیوی بننے کے لائق نہیں۔آپ مجھے ڈیزرو نہیں کرتے۔"
اپنی بات کے اختتام پر وہ اب اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔وہ
کسی بھی ردعمل کے بغیر اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔اس
کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہمیشہ کی طرح ان
آنکھوں نے ایک بار پھر اسے نروس کردیا تھا۔اس نے
پلکیں جھکالیں۔

"یہ فیصلہ کرنے والی تم کون ہوتی ہو کہ میں کیا ڈیزرو کرتا
ہوں اور کیا نہیں۔ہم اس دنیا میں رہتے ہیں اور یہاں لوگوں
کے ساتھ بڑی بڑی ٹریجڈیز ہوجاتی ہیں تو کیا اس کا
مطلب وہ لوگ آؤٹ کاسٹ ہوجاتے ہیں۔کہاں لکھا

ہے ایک عورت طلاق کے بعد دوبارہ شادی نہیں کر سکتی یا اسے عزت کی زندگی گزارنے کا حق نہیں...... سویرا میں نہ تو کم عمر عاشق ہوں نہ ہی بیوقوف، ایک عمر گزر گئی ہے لوگوں کے رویوں کو سمجھتے ہوئے، سامنے بیٹھے شخص کی باڈی لینگویج سے اندازہ لگا سکتا ہوں کہ کون سچ بول رہا ہے کون جھوٹ، کون حق پہ ہے اور کون غاصب۔ میرے اردگرد دسیوں لڑکیاں مجھ سے شادی کی خواہش رکھتی ہیں لیکن میں نے تمہارا انتخاب کیا اور یہ فیصلہ فقط صورت کی بنا پر نہیں کیا تھا میں نے...... تم میں وہ سب خصوصیات ہیں جو ایک سمجھدار انسان اپنی بیوی میں دیکھنا چاہتا ہے۔" یہ کہتے ہوئے جنید نے اپنا ہاتھ سویرا کے ہاتھ پہ رکھ دیا۔

"تمہیں خود اندازہ نہیں کہ تم میرے لیے کیا ہو...... تم میری کسی بن مانگی دعا کا ثمر ہو سویرا...... تم جیسی لڑکی کسی بھی شخص کی زندگی میں شامل ہو کر اسے گلزار بنا سکتی ہے...... خود کو کمتر سمجھنا بند کرو۔ تم لاکھوں میں ایک تھی اور آج بھی لاکھوں میں ایک ہو۔ یہ میری خوش قسمتی ہوگی کہ تم میری بیوی بن کر میری زندگی میں آؤ۔ جو کچھ ہوا اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں...... وہ برا وقت تھا جو گزر گیا۔ اس زندگی میں خوشیوں پر تمہارا پورا حق ہے۔ تم مجھ سے محبت نہیں کرتی مجھے پسند نہیں کرتی تو میں تمہیں پوری آزادی دیتا ہوں تم مجھے بالکل انکار کر سکتی ہو اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں دوبارہ کبھی تمہارا راستہ نہیں روکوں گا لیکن اگر تمہارے دل میں میرے لیے تھوڑی سی بھی محبت ہے اور تم صرف ان بیوقوفانہ باتوں کو سوچ کر میری زندگی سے جانا چاہتی ہو تو آئی ایم سوری میں تمہیں اپنے ساتھ یہ نہیں کرنے دوں گا۔" وہ دوٹوک انداز میں بولا۔

"آپ وکیل ہیں میں بحث میں آپ سے جیت نہیں سکتی۔" اس کا ہاتھ اب بھی سویرا کے ہاتھ میں تھا۔ سویرا نے اردگرد ایک نگاہ دوڑائی اور پھر آہستہ سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

"سویرا صرف ایک بار میری آنکھوں میں دیکھ کر کہہ دو کہ تم مجھ سے محبت نہیں کرتی۔"

"میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں جنید لیکن......!"

وہ جس طرح اسے دیکھ رہا تھا اس کے لیے جھوٹ بولنا ناممکن تھا۔

"میں بھی تم سے بہت محبت کرتا ہوں پلیز اس بار مجھے چھوڑ کے مت جاؤ۔" جنید نے اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بوندیں نکلتے دیکھیں۔

"ان آنسوؤں کا سبب؟" جنید نے اپنی انگلی کی پوروں سے اس کے رخسار پہ بہتے آنسوؤں کو صاف کیا۔

"برسوں بعد کسی نے ان درد بھرے کانٹوں کو نکالا ہے جو دنیا نے سفاکی سے میرے وجود میں پروئے تھے۔" اس برسات کو پلکوں پہ سمیٹنے کی کوشش میں وہ ناکام ہو رہی تھی۔

"آج کے بعد ان آنکھوں کو آنسو بہانے کی اجازت نہیں...... یہ موتی یوں ضائع کرنے کے لیے نہیں ہیں سویرا۔ میں وعدہ کرتا ہوں تمہیں اس دنیا کی ہر خوشی دوں گا اور ان آنکھوں میں کبھی آنسو نہیں آنے دوں گا۔ کیا تم مجھ پر اعتبار کرو گی؟" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ اردگرد سے بے نیاز ہو گیا تھا۔ سویرا نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ اسے آج آخری بار ہاسٹل ڈراپ کرنے جا رہا تھا کیونکہ کل وہ اسے پوری عزت اور مان کے ساتھ دلہن بنا کر اپنے گھر لے جائے گا۔

"میں تمہیں بتا نہیں سکتا سویرا کہ تمہارے اقرار نے مجھے کتنا سکون دیا ہے۔" گاڑی سے نکل کر وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"بہت طویل انتظار کیا ہے میں نے بھی خوشی کے ان لمحوں کے لیے۔" وہ اسے بتا رہی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف مسکرا کر دیکھا اس ایک لمحے میں برسوں کی تکلیف کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ دلوں میں طمانیت تھی۔ ہر طرف محبت ہی محبت تھی۔

جنجال پورہ

سلمیٰ غزل

بچھڑتے وقت اسے کوئی ملال تو ہوتا
اجڑ گیا ہے کوئی یہ خیال تو ہوتا
وہ بے وفا تو نہیں مگر پھر بھی بے وفائی میں
جہاں میں کوئی بھی اس کی مثال تو ہوتا

''نالائق گدھی نہ ہو...... تو......'' رانیہ نے غصے سے اریبہ کو گھسیٹ کر کمرے میں دھکیلا تو اریبہ ہنسنے لگی۔

''تمہاری جلد بازی کی عادت جوں کی توں ہے' پارہ صفت بے چین۔'' وہ شرارت سے اسے گلے لگا کر بولی۔

''شادی نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا۔''

''ہاں تو میری ساس کی قدم بوسی کی کیا ضرورت تھی تمہیں انہوں نے بلایا تھا یا میں نے......'' رانیہ بگڑ کر بولی۔

''توبہ ہے رانیہ کس قدر ناعاقبت اندیش ہو۔ آخر وہ گھر کی بڑی ہیں ان سے پہلے ملنا ضروری تھا اور پھر تمہارے پاس آ تو گئی ہوں۔ اب بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟'' اریبہ نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے اطمینان سے پوچھا۔

''بس یار عجیب الجھنوں کا شکار ہوں۔ کسی پل چین نہیں۔ چھ ماہ سے زیادہ شادی کو ہوگئے ہیں مگر ایک دن سکون نہیں ملا بالکل خوش نہیں۔'' اریبہ نے حیرت سے رانیہ کی طرف دیکھا۔

خوب صورت جدید تراش خراش کا برانڈیڈ سوٹ' چمکتا دمکتا روشن چہرہ اور صاف ستھری جلد' کھلا کھلا ہوادار کمرہ' قیمتی جیولری' ہرے ملائم جھاگ کی طرح ایرانی قالین' اے سی' بڑا سا دیوار میں نصب ایل ای ڈی' کونے میں دھرا روم فرج غرض آرائش و آسائش کی ہر چیز کمرے میں موجود تھی کہیں سے نہیں لگتا تھا کہ رانیہ بے سکونی کی زندگی گزار رہی ہے۔

''شادی سے پہلے ہر لڑکی کے ازدواجی زندگی سے متعلق حسین خواب ہوتے ہیں اور اگر میں نے ایسا کوئی خواب دیکھا تھا تو کیا غلط تھا؟'' رانیہ تلخی سے بولی لیکن اریبہ نے کوئی مداخلت نہیں کی۔

''سنہری سپنے اور حسین تاج محل...... یہ سب تو ہر لڑکی کا ارمان ہوتا ہے بے شک چھوٹا لیکن اپنا گھر جس کی وہ بے تاج ملکہ ہو اس کی راج دھانی میں کوئی مداخلت نہ کرے۔ لیکن میرے یہ سارے خواب شادی کے بعد ریزہ ریزہ ہوگئے مجھے ایک دن بھی یہ گھر اپنا نہیں لگا۔'' اریبہ نے لقمہ دیا۔

"ہاں تو کیا غلط تھا میری تو ساری امیدیں آرزوئیں اور تمنائیں مشترکہ خاندان کی سنگلاخ چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو چکی ہیں۔ تم جانتی ہو عورت کی زندگی کولہو کے بیل کی طرح مجھے کبھی اچھی نہیں لگی۔ عورت نہ ہوئی کوئی مشین ہو گئی۔"

"یہی تو زندگی کا حسن اور عورت کی عظمت و وقار ہے۔" ارینہ نے آہستہ سے تبصرہ کیا جسے ان سنی کرتے ہوئے رانیہ گویا ہوئی۔

"تم جانتی ہو قدیم رسم رواج کے خلاف میرے دل میں ایک جذبہ رہا تھا۔ میرا مطلب یہ بھی نہیں کہ میں خاندانی نظام کے خلاف ہوں یا گھریلو زندگی سے نفرت کرتی ہوں مگر اس نظام کی جاذبیت اور دلکشی اس گھر میں آ کر بری طرح مجروح ہوئی ہے اور اس کا حسین تصور بری طرح بکھرا اور ٹوٹا ہے تم جانتی ہو۔ دنیا کے کسی ملک میں مشترکہ خاندانی نظام نہیں ہے سوائے انڈیا اور پاکستان کے کیونکہ اسلام میں تو مشترکہ خاندانی نظام کا کوئی تصور ہی نہیں ہے تم ہی بتاؤ قرآن میں سوائے ماں باپ کے کہیں رشتہ داروں کا ذکر ہے؟" رانیہ نے منہ بنا کر سوال کیا ارینہ مسکرائی پھر تحمل سے جواب دیا۔

"بس یہ ہی ہم لوگوں میں خرابی ہے کہ اسلام کا ہر وہ پہلو جو ہمارے مفاد میں ہوتا ہے اس کو یاد رکھتے ہیں اس کا حوالہ دیتے ہیں اور باقی بھول جاتے ہیں تم بالکل صحیح کہہ رہی ہو۔ قران میں سسرالی رشتہ داروں کا کوئی ذکر نہیں لیکن قرآن میں تو عورتوں کے بارے میں اور بھی بہت کچھ کہا گیا ہے، ہم اس پر کتنا عمل کرتے ہیں؟ مثلاً محرم کے بغیر اکیلے سفر کرنا یا گھر سے باہر نکلنا، غیر مردوں کے ساتھ نوکری کرنا۔ کیا اسلام میں اس کی اجازت ہے...... لیکن ہمارے ملک میں کون سے شرعی قوانین نافذ ہیں صرف اسلامی جمہوریہ پاکستان کہنے کی حد تک ہے لیکن تم کیا جانو۔ اللہ تعالیٰ نے حقوق اللہ کے بعد سب سے زیادہ حقوق العباد پر ہی زور دیا ہے اور ان رشتوں کا احساس اور احترام حقوق العباد کے دائرے میں آتا ہے۔ ہم پڑوسیوں کے حقوق کو سمجھتے ہیں۔ دوستیاں اور رشتہ داریاں نبھاتے ہیں تو کیا شوہر کے ماں باپ یا بہن بھائی کا ہم پر کوئی حق نہیں ہے؟ مگر میں فی الحال اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتی تمہیں صرف اتنا یاد دلانا چاہتی ہوں کہ دانش بھائی سے شادی کا فیصلہ تمہارا اپنا تھا۔ گھر میں کسی کی بھی اتنے بڑے خاندان میں تمہیں بیاہنے کی مرضی نہیں تھی...... مگر تم پر تو عشق کا بھوت سوار تھا دماغ پر محبت کی چربی چڑھ گئی تھی اور آنکھوں پر دانش بھائی کی مردانہ وجاہت کی جو پٹی بندھ گئی تھی وہ تو شکر کرو کہ سب کی مخالفت مول لے کر خالہ نے تمہارا ساتھ دیا۔" ارینہ نے یاد دلایا۔

"میں مانتی ہوں، وہ میری غلطی تھی میرا جذباتی فیصلہ تھا مجھے اندازہ نہیں تھا کہ عملی طور پر ان خوابوں کے سہارے زندگی گزارنا کتنا مشکل ہوگا۔" رانیہ کا چہرہ دکھی ہوا۔

"تو اب بھگتو اپنا کیا خود۔" ارینہ شوخی سے بولی۔

"بھگت تو رہی ہوں کم از کم تم تو طعنے نہ دو۔" رانیہ بگڑ کر بولی پھر بے بسی کی تصویر بن گئی۔

"تمہیں اسی لیے تو بلایا ہے کہ مجھے مشورہ دو میری سنو۔"

"دیکھو ارینہ اس خاندان میں چھوٹے بڑے ملا کر 20 افراد ہیں۔ جن میں دانش کا ایک چھوٹا بھائی غیر شادی شدہ اور ایک دماغ سے فارغ بہن۔ دو بہنیں اپنے گھروں کی ہیں چار بھائیوں کے 8 بچے ہیں پھر ساس سسر، شکر خدا کا میرے ابھی بچے نہیں۔ نندیں چھٹی والے دن اکثر بچوں کے ساتھ آ دھمکتی ہیں، گو کہ گھر میں نوکروں کی ریل پیل ہے۔ ڈرائیور، چوکیدار، ماسی اور رات دن کے لیے ایک لڑکی بھی لیکن پورے دن گھر میں چیخ پکار مچی رہتی ہے۔ پورا جنجال پورہ بلکہ چڑیا گھر لگتا ہے۔ سب کا مشترکہ کاروبار ہے سوائے دانش کے جو ملازمت کرتے ہیں لیکن لگی بندھی تنخواہ ہے۔ گھر میں بدنظمی اور بدانتظامی کی انتہا ہے مگر ہر شخص مطمئن اور خوش ہے سوائے میرے۔ بھابیاں اپنے اپنے کمروں کی صفائی کر لیتی ہیں

یا کروالیتی ہیں لیکن ایسے ان کو گھر کے دوسرے حصوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ شروع شروع میں تو میں نے بھی صفائی ستھرائی میں حصہ لینے کی کوشش کی پھر چھوڑ دیا کہ میں ہی کیوں؟ مجھے حیرت سب سے زیادہ اس بات پر ہوتی ہے کہ ہر شخص لگتا ہے غم وفکر سے بیگانہ اپنی ذات میں مست جیسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو۔ حالانکہ گھر دو منزلہ اور کافی کشادہ ہے۔ 9 بیڈروم پر مشتمل مگر سکون نام کی کوئی چیز نہیں۔ ہر کمرے میں ٹی وی ہے لیکن بڑا ٹی وی ڈرائنگ روم میں ہے اس لیے سب وہیں بیٹھ کر ٹی وی دیکھتے ہیں۔ بچے کارٹون دیکھتے ہوئے کھانا بھی وہیں کھالیتے ہیں اور خوب گند پھیلاتے ہیں لیکن روکنے ٹوکنے والا کوئی نہیں۔ پھر میں کیوں کچھ بولوں۔ ایک دن دانش سے کہا تو وہ الٹا مجھے سمجھانے بیٹھ گئے۔

دیکھو ارینہ یہ گھر ہے ڈیکوریشن کی دکان نہیں صفائی نصف ایمان ہے میں بھی جانتا ہوں تم غیر محسوس طریقے سے بچوں بڑوں سب کو اس کی طرف راغب کرو مگر ہر وقت روک ٹوک کرکے اپنا امیج خراب مت کرو محبت اور پیار سے انہیں سمجھاؤ۔ سمجھ جائیں گے اور بدل بھی جائیں گے۔ امی سے کہنا اس لیے بیکار ہے کہ وہ الٹا مجھے سمجھانے اور نصیحت کرنے بیٹھ جاتی ہیں کیونکہ انہوں نے خدمت میں عظمت کے اصولوں پر عمل کیا جس سے مجھے شدید چڑ ہے ان کے نزدیک تو خود ساختہ مسئلے اور بیکار کی الجھنیں ہیں۔'' رانیہ کے لہجے سے اضطراب اور بے چینی مترشح تھی۔

''یقین کرو سلیقہ تمیز تو ان لوگوں کو چھو کر نہیں گزرا۔ بچھی ہوئی چادر کو اوڑھ کر سو جاتے ہیں اور پھر بستر پر بچھائے بغیر ملنگوں کی طرح اٹھ کر چل پڑتے ہیں۔ آفس کے بعد کپڑے ہینگ کرنے کی زحمت بھی گوارہ نہیں کرتے اور بستر پر سجا دیتے ہیں اور جب چاہے انہیں ایک طرف کرکے بستر استعمال کر لیتے ہیں گندے موزے، جوتے اور گیلا تولیہ غرض انہیں بدنظمی کا جیسے شوق ہو'' رانیہ نے دکھ سے ٹھنڈی سانس بھری تو ارینہ نے سوال کیا۔

''کیا دانش بھائی بھی ملنگ سے ہیں؟''

''ظاہر ہے وہ اس ماحول سے الگ تو نہیں مگر میں کمرے کو پھیلنے ہی نہیں دیتی اور دانش کو سختی سے ہدایت کررکھی ہے کہ ہر چیز جگہ اور ٹھکانے پر رکھیں۔ چڑتے تو بہت ہیں مگر مان لیتے ہیں اور اب ساس کی سنو 70 سال کی ہیں۔ مگر مجال ہے جو ٹک کر بیٹھ جائیں لور لور پھرتی رہتی ہیں نمازیں تو ساری پابندی سے پڑھتی ہیں۔ مگر T.V کا کوئی ڈرامہ ان سے نہیں بچتا۔ یہی حال جٹھانیوں کا ہے۔ مجھ سے عمر میں کچھ ہی بڑی ہوں گی لیکن روح ان میں 1857ء کی ہے۔ دقیانوسی اور پرانے خیالات کی مالک۔'' رانیہ پھر تلخ ہوگئی۔

''کیا وہ پڑھی لکھی نہیں؟'' ارینہ نے حیرت سے پوچھا۔

''اس حد تک کہ ڈگریوں نے ان کا کچھ نہیں بگاڑا۔ دو

مہکتے پھول

اگر کسی کے ہونا چاہو تو پوری حقیقت سے اس کے ہو جاؤ ورنہ اپنی ذات میں ایسی حقیقت پیدا کرو کہ کوئی حقیقت میں تمہارا ہو جائے۔

انسان کو ایسا دوست رکھنا چاہیے جو سونے جیسا ہو اگر شیشے جیسا دوست بناؤ گے تو ایک دن ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور اس کی کوئی قیمت نہیں رہتی مگر سونا ٹکڑے ہو کر بھی قیمت نہیں کھوتا۔

دعا دستک کی طرح ہے اور مسلسل دستک سے دروازے کھل ہی جاتے ہیں اللہ نے فرمایا کہ ''اے موسیٰ! مجھ سے اس زبان سے دعا مانگ کہ جس زبان سے تُو نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔'' موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ ''وہ زبان کہاں سے لاؤں؟'' تو اللہ نے فرمایا ''اپنے لیے دعا دوسروں سے کرواؤ کیونکہ تم نے ان کی زبان سے کوئی گناہ نہیں کیا۔''

سمیرا تعبیر...... سرگودھا

بی ایس سی اور دو نے ماسٹرز کیا ہے۔ لیکن ساس کے رنگ میں رنگی ہوئی بوڑھی روحیں۔ ان کے ساتھ بیٹھ کر بات کرنا بھی میرے لیے مسئلہ ہے کیونکہ ان کو نہ فیشن کا صحیح سے پتہ ہے نہ دنیا کے حالات کی خبر' سیاست سے ان کو دلچسپی نہیں۔ موجودہ دور کے جدید تقاضوں سے وہ ناآشنا۔ کون سا بینڈ آج کل ان ہے۔ کون سی فلم ٹاپ پر ہے۔ کون سے ہیرو ہیروئن کے افیئر کی دھوم ہے وہ بالکل نہیں پتہ۔ اب ان سے کیا بات کروں سوائے دل جلانے کے۔ جو بھی جٹھانی شاپنگ کے لیے جاتی ہے میرے لیے سوٹ خرید لاتی ہے تم جانتی ہو کپڑوں کے معاملے میں میں بڑی چوزی ہوں۔ ہر کسی کی لائی چیز مجھے مشکل سے ہی پسند آتی ہے۔ اب ان کا سلوانے کے لیے اصرار بھی ہوتا ہے لحاظ مروت میں' میں کہہ نہیں پاتی کہ مجھے سوٹ پسند ہی نہیں آیا تو سلواؤں کیوں؟"

"اور تمہارے سسر وہ کیسے ہیں؟" اریبہ نے پوچھا۔

"اللہ میاں کی گائے۔" رانیہ بے ساختہ منہ بنا کر بولی۔

"کسی کے لینے میں نہ دینے میں۔ ان کا عدم وجود برابر ہے کتابیں پڑھتے ہیں پانچوں وقت مسجد جاتے ہیں' ٹاک شوز دیکھتے ہیں۔ گھر میں کیا ہو رہا ہے ان کی بلا سے مٹی کا مادھو یا پتھر کی مورتی مجھے تو حیرت ہوتی ہے پورا کاروبار بچوں کو سونپ کر بے فکر۔ تم دیکھو دوپہر کھانے کے بعد کوئی سوتا نہیں کیونکہ صبح شوہر اور بچوں کو بھیج کر سب خواتین ایک دو گھنٹے آرام فرماتی ہیں پھر ماسی کے آنے پر اٹھتی ہیں اور دوپہر بھر کسی ایک کمرے میں جمع ہو کر ساس کے ساتھ زمانے بھر کی باتیں ہوتی ہیں اور تم جانتی ہو میری دوپہر میں لیٹنے کی عادت ہے میں میگزین پڑھتے پڑھتے سو جاتی ہوں پھر شام کی چائے پر اٹھتی ہوں۔ بظاہر کوئی کچھ نہیں کہتا مگر مجھے خود اچھا نہیں لگتا ان بے ڈھنگے طور طریقوں کو دیکھ کر میں نے سوچا اپنی پڑھائی کام میں لاؤں۔ آخر اے لیول کے بعد ہی بی ایس سی کیا تھا اس لیے ایک اعلیٰ انگلش میڈیم اسکول میں آسانی سے جاب مل گئی اور سسرال والے سمجھتے ہیں یہ گھر سے فرار ہے۔"

"دانش بھائی خوش ہیں میں نے سنا تھا انہیں عورتوں کا جاب کرنا پسند نہیں؟" اریبہ نے پوچھا۔

"پسند تو نہیں مگر میری خوشی کے لیے مان گئے بلکہ مجھے ایک سیکنڈ ہینڈ چھوٹی سی گاڑی بھی دلا دی کیونکہ گاڑی تو مجھے شادی سے پہلے ہی چلانی آتی تھی اب مصیبت یہ ہے کہ گھر میں کسی خاتون کو گاڑی چلانی نہیں آتی اس لیے نزلہ مجھ پر ہی گرتا ہے۔ کبھی ایک بھابی کو یاد آتا ہے کہ درزی سے کپڑے لانا ہیں تو دوسری فرماتی ہیں کہ پلیز دوپٹے رنگریز سے لے آنا اور تو اور ساس صاحبہ صدا لگاتی ہیں بیٹا ایک چھٹانک سانچی پان لیتی آنا ڈرائیور کو لاکھ سمجھاؤ وہ بنگلہ پان اٹھا لاتا ہے۔ بھلا بتاؤ میں کیا اسی کام کے لیے رہ گئی ہوں۔ اب چپکے سے کھسک جاتی ہوں تو سب کو شکایت ہو جاتی ہے کہ بتا کر کیوں نہیں گئیں۔" رانیہ نے ٹھنڈی سانس بھری اور اریبہ نے ہنس کر پوچھا۔

"تم گھر کے کاموں میں بھی حصہ لیتی ہو؟"

"ارے یار کیا بتاؤں اسکول سے اس قدر تھک کر آتی ہوں کہ ہلنے جلنے کی ہمت بھی نہیں ہوتی تم جانتی ہو یہ پرائیویٹ اسکول والے تنخواہ تو اچھی دیتے ہیں مگر ساری توانائیاں بھی نچوڑ لیتے ہیں البتہ شام کو کچن میں جاتی ہوں مگر سب یہ کہہ کر منع کر دیتے ہیں کہ تم تھکی ہوئی ہو۔ رہنے دو لیکن میں ہفتہ اتوار چھٹی کے دن کوئی نا کوئی ڈش ضرور تیار کرتی ہوں مگر وہی بات کہ بندر کیا جانے ادرک کا مزہ ایک ہفتے میں' میں نے پاستا دودھ کریم بنایا تو دوسری مرتبہ لازانیہ اور نوڈلز۔ لیکن سسر شوہر اور بچوں کے علاوہ سب نے منہ بنا بنا کر کھایا اور ساس نے تو چکھا تک نہیں۔ سسر نے خوش ہو کر پانچ سو روپیہ انعام بھی دیے۔"

"اور پھر اس کے بعد تم نے پکانا ہی چھوڑ دیا ہوگا ہیں نا؟" اریبہ نے تجزیہ پیش کیا۔

"ہاں تو کیا کرتی اپنا مذاق تھوڑی بنوانا تھا۔" رانیہ نے

برا سا منہ بنایا۔

"دانش الگ ناراض ہوئے کہ اپنی قابلیت جھاڑنے کی کیا ضرورت تھی یہاں سب دیسی کھانے شوق سے کھاتے ہیں وہی پکانا تھا۔ اب بھلا بتاؤ میں نے شادی سے پہلے اتنے مہنگے مہنگے کورسز اٹالین فوڈ' کونٹی نینٹل' چائنیز' رشین اور سنگاپوری کیا انہیں زنگ لگانے کو کیے تھے۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے کسی گھر میں نہیں سرائے میں رہ رہی ہوں۔" ارینہ تحمل سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

"اور کبھی کبھی تو دانش بھی کھنچ سے جاتے ہیں کیونکہ وہ ایسے ہیں کہ چاہے کوئی ان کو کتنا ہی برا کہے وہ کسی کو کچھ نہیں کہتے سارا گھر ان کا دیوانہ ہے البتہ میری ذرہ سی بے پروائی' کوتاہی یا غفلت پر مجھ سے ناراض ہو جاتے ہیں اور میری کوئی دلیل ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتے۔ یقین مانو مجھے ایسا لگتا ہے یہ گھر نہیں قید خانہ ہے۔ جہاں میں پھڑ پھڑا کر رہ جاتی ہوں کیونکہ اس گندے اور گھٹے ہوئے ماحول میں خوش رہنا کتنا مشکل ہے یہ کوئی مجھ سے پوچھے یقین کرو عورت کی کمزوری اور معاشرے کی اٹھتی انگلیوں اور نگاہوں کا ڈر نہ ہوتا تو میں کب کی اس قید خانے سے آزادی حاصل کر لیتی۔"
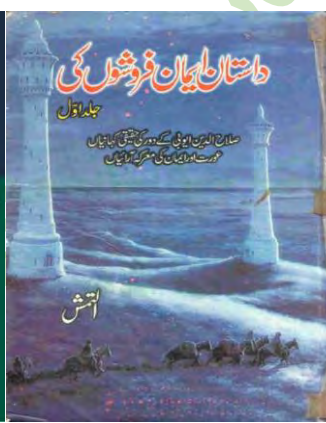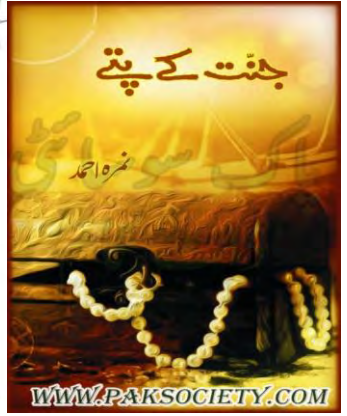
"تم علیحدہ ہو جاؤ۔" ارینہ نے دل پر جبر کر کے وہ مشورہ دیا جو اس کی فطرت کے خلاف تھا۔

"ساس سسر کی زندگی میں تو ناممکن ہے اگر میں نے ایسی کوشش بھی کی تو اپنے شوہر کا پیار اور اعتماد کھو دوں گی۔ کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ دانش مجھ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ میری ذرا سی تکلیف پر تڑپ اٹھتے ہیں میرے منہ سے نکلی ہوئی بات ان کے لیے حکم کا درجہ رکھتی ہے بیمار پڑ جاؤں تو ساری ساری رات جاگ کر تیمارداری کرتے ہیں مجھے بستر سے ہلنے نہیں دیتے بلکہ پورا گھر آگے پیچھے ہوتا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کو ناخوش کر کے میں بھی خوش نہیں رہ سکتی کیونکہ ان کا پیار ہی میرے پاؤں کی زنجیر ہے اور محبت کرنے کے معاملے میں سارے بھائی ایک جیسے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا

دل کی بات

یوں ہی جس سے خفا تھے
اس نے ہم ہی کو منایا
دل کی ان دھڑکنوں کو
دھڑکنا اس نے سکھایا
ہم جس سے چھپے تھے
اس نے ہی دل کو چرایا
دل کی ان دھڑکنوں نے
جینا ہم کو بھلایا
کل ہم نے جس کو چنا تھا
اس نے ہی ہم کو ٹھکرایا
دل کی ان دھڑکنوں نے
کتنا شور مچایا......
ہمارا نام جس سے جڑا تھا
اس نے خود سے جدا کیا ہے
دل کی ان دھڑکنوں کو
یہ کیسا درد دیا ہے
ہم جس پہ مرے تھے
اس نے ہی پیار جلایا

نامعلوم......

ان حالات میں' میں کیا کروں؟" رانیہ بے بسی اور بے چارگی سے بولی پھر ایک دم چونکتے ہوئے کہنے لگی۔

"تم میری چھوٹی بہن ونیزہ سے تو واقف ہو؟"

"اچھی طرح۔"

"اس کا تو حال ہی مت پوچھو دو چار مرتبہ یہاں کیا رہنے آئی کہ فدا ہو گئی۔ میرے سسرال والوں نے ذرا آؤ بھگت کیا کر لی کہ بھول گئی سب...... سب سے زیادہ اسی نے میری شادی پر مخالفت کی تھی ادھر میرے دیور صاحب بھی مر مٹے ونیزہ پر اب دانش سمیت سب گھر والوں کا اصرار ہے رشتے کے لیے۔ عجیب کشمکش کا شکار ہوں نہ سسرال والوں کو جواب دے سکتی ہوں نہ اپنی چھوٹی بہن کو اس آگ میں جھونک سکتی ہوں جس میں خود جل رہی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ہوں اور وہ خود نا سمجھ نا عاقبت اندیش میرے دیور کے عشق میں الگ پاگل ہو رہی ہے۔"

"مجھے حیرت ہے۔ اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ تمہارے سسرال والے تم سے خوش ہیں ورنہ ہرگز دوسری بیٹی تمہارے گھر سے نہیں لیتے۔" رانیہ نے حیرت سے کہا۔

"ظاہر ہے اتنی خوب صورت اور پڑھی لکھی بہو کوئی ایک بھی نہیں مجھ جیسی۔" ارینہ نے فرضی کالر جھاڑا اس کے لہجے میں غرور تھا۔

"بس رانیہ برا نہ ماننا یہی غرور تکبر تمہیں لے ڈوبا اور گھن کی طرح تمہیں کھا رہا ہے۔ میں تو صاف بات کرنے کی عادی ہوں تمہاری سب سے بڑی خامی یا کمزوری خود پسندی ہے اپنے سوا تمہیں کوئی دوسرا نظر ہی نہیں آتا۔ ایک مفکر کا قول ہے کہ انسان کو ہمیشہ اپنی خامیوں اور دوسروں کی خوبیوں پر نظر رکھنی چاہئے اور اسی میں زندگی کی کامیابی کا راز پنہاں ہے۔" اس نے محبت سے رانیہ کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"دیکھو رانیہ میں نہ کوئی مبلغ ہوں نہ ناصح مگر زندگی کو برتنے کا سلیقہ ضرور جانتی ہوں۔ یہاں مجھے ایک مغربی مفکر کا قول یاد آ رہا ہے کہ 'شادی کی انگوٹھی خلوص ومحبت اور خوشی مسرت کا ایک خوبصورت اظہار ہے اس کو ہاتھ میں پہن لینا بہت آسان ہے لیکن جو ذمہ داریاں اس انگوٹھی سے تعلق رکھتی ہیں ان کو پورا کرنا مشکل اور صبر آزما مرحلہ ہے۔' اس قول میں جو سبق اور نصیحت چھپی ہے وہ واضح اور صاف بھی اور اسے سمجھنے کے لیے کسی ذہنی دوڑ دھوپ کی ضرورت بھی نہیں۔ ہم مسلمانوں میں تو نکاح کے تین بول ہی نادیدہ محبت اور ذمہ داریوں کی زنجیروں سے جکڑنے کے لیے کافی ہوتے ہیں کیونکہ ازدواجی زندگی کے ابتدائی دن تو ایک دوسرے کی رفاقت اور ہمراہی میں خوشی کے ہنڈولے میں جھومتے ہوئے گزر جاتے ہیں لیکن اگلا مرحلہ بڑا کٹھن اور دشوار ہوتا ہے۔ جس کے لیے شعور وفکر اور اعتدال کی روشنی درکار ہوتی ہے۔ محبت محبت کھیل کر ساری زندگی نہیں گزرتی۔ ازدواجی زندگی میں دونوں فریقین کو ایک دوسرے کی خوبیوں اور خامیوں پر نظر رکھنے کے بجائے انہیں دل سے قبول کرنا چاہئے کیونکہ دونوں اگر ایک دوسرے کے مزاج شناس نہ ہوں جیسا کہ عام طور پر ہوتا بھی ہے تو اختلافات کے پتھر کی دل میں بنیاد پڑ جاتی ہے اور اس پتھر کی عمارت بننے سے روکنا عورت ہی کا کام ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں صبر بھی ہوتا ہے برداشت کا مادہ بھی اور ایثار وقربانی کا جذبہ بھی۔ تم میری بات سمجھ رہی ہو نا۔" ارینہ نے پیار سے اس کے گال تھپتھپائے جو سنجیدگی سے اس کی بات سن رہی تھی۔

"تم اس کی مثال اس طرح سمجھو کہ میاں بیوی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ گاڑی اس وقت چلتی ہے جب دونوں پہیے ایک سمت روانہ ہوں ٹائی راڈ ٹوٹ جائے تو بیلنس خراب ہو جاتا ہے کیونکہ پہیوں کی سمت ایک نہیں رہتی اور حادثے کا ڈر ہوتا ہے۔ محبت ایثار اور قربانی کا جذبہ میاں بیوی کے درمیان ٹائی راڈ ہے۔ اچھا تم مجھے یہ بتاؤ گھر میں تمہیں کوئی طعنے دیتا ہے روک ٹوک کرتا ہے؟"

"نہیں...... نہیں ایسا تو کچھ نہیں ہے سب اپنی ذات میں مگن کوئی کسی کے معاملے میں نہیں بولتا۔" رانیہ نے جلدی سے جواب دیا۔

"تمہارے گھر میں کوئی آئے یعنی تمہارے گھر سے تو سب کے منہ بن جاتے ہیں؟" رانیہ نے کریدا۔

"نہیں بھئی یہاں کی بدنظمی دیکھ کر تو میں خود نہیں چاہتی کہ کوئی آئے ورنہ یہ لوگ تو بہت خوش ہوتے ہیں حد درجہ مہمان نواز۔ آؤ بھگت خاطر مدارات کسی چیز میں پیچھے نہیں رہتے۔ اس لیے ونیزہ جب چاہے منہ اٹھائے چلی آتی ہے۔" رانیہ نے برا سا منہ بنایا جیسے منہ کڑوا ہو گیا ہو۔

"اچھا یہ بتاؤ آس پاس ملنے والوں سے ان کا رویہ کیسا ہے؟"

"ارے چھوڑو کیا فضول سوال کر رہی ہو سب کے سب حاتم طائی بنے رہتے ہیں کسی چیز کی قدر ہی نہیں۔

لگتا ہے جیسے گھر میں لنگر جاری ہے کھانے سے لے کر دوائیاں تک ہر ماسی کو یہیں سے ملتی ہیں اور ساس صاحبہ اتنی دیالو کہ ان کے پاس جو کچھ ہو کسی نہ کسی ماسی کی بیٹی یا بیٹی کی شادی پر خرچ ہو جاتا ہے خود انہیں خرچ کرنے کا شوق نہیں۔ ساری اولادیں جو انہیں دیتی ہیں وہ سب ایرے غیروں پر خرچ ہوتا ہے میرا دل جلتا ہے اور کسی کو احساس تک نہیں ہوتا۔"

"اچھا یہ تو بتاؤ اس بدنظمی کی وجہ سے کوئی گھر میں رشتہ دار جھانکتا تک نہیں ہوگا۔" اریبہ نے ایک اور سوال داغا۔

"ارے کیا بات کر رہی ہو۔" رانیہ نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"آئے دن کوئی نا کوئی رشتہ دار آ دھمکتا ہے اور گھر والے ایسے خوش ہوتے ہیں جیسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو۔ بچھے جاتے ہیں اور کچھ نہیں تو بھابیوں کے گھر والے ہی آتے رہتے ہیں۔ ان کو مجھ سے یہ بھی شکایت ہے کہ امی کیوں نہیں آتیں۔ انہیں تو میں نے منع کیا ہے۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تمہارے سسرال والے بے حد خوش مزاج اور خوش اخلاق ہیں۔"

"ارے بھر پائی میں ایسی خوش اخلاقی سے جس سے گھر کا سکون برباد ہو جائے اور گھر، گھر نہیں چڑیا گھر لگنے لگے جس کو دیکھو منہ اٹھائے چلا آتا ہے بھلا بتاؤ اپنے لوگ کچھ کم ہیں کیا۔ میں تو تنگ آ گئی ہوں ادھر امی الگ دباؤ ڈال رہی ہیں وینیزہ کے لیے میری پریشانی انہیں نظر ہی نہیں آتی۔" رانیہ نے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا اور اریبہ کو ہنسی آ گئی۔

"کیونکہ خالہ صحیح کہتی ہیں یہ تمہاری خود ساختہ پریشانی ہے سچ پوچھو تو مجھے تمہاری قسمت پر رشک آ رہا ہے۔" اریبہ کے لہجے میں حسرت تھی۔

"اچھا بس رہنے دو۔" رانیہ نے برا سا منہ بنایا۔

"رشک تو مجھے تمہاری قسمت پر آتا ہے تمہاری شادی مجھ سے پہلے ہوئی اور میں ایک ہی مرتبہ اپنی شادی سے پہلے تمہارے گھر گئی تھی حیدرآباد۔ کس قدر نفیس سسرال والے ہیں تمہارے۔ صاف ستھرا گھر، محبت کرنے والی ساس اور دولہا بھائی کا تو کیا کہنا کتنے اصرار سے مجھے روک رہے تھے کہ ریشم گلی لے جاؤں گا۔ شاہی بازار گھماؤں گا اور المنظر ہوٹل کی پلا مچھلی کا ذائقہ میں آج تک نہیں بھولی۔ یہاں تو جیسے ہوٹل جانے کا رواج ہی نہیں۔ میرا دل چاہتا ہے، ہم دونوں اکیلے جائیں مگر پوری فوج کو لے جانا پڑتا ہے کیونکہ گھر والے تو انکاری ہوں مگر میاں کو جنجال پورہ ساتھ لے جانا پسند ہے۔ پھر غصے میں، میں خود بھی کہیں نہیں جاتی تمہارے مزے ہیں میاں کے ساتھ اکیلی گھومتی رہتی ہوگی سسر تو ہیں نہیں ایک جیٹھ دو شادی شدہ نندیں اور ایک دیور۔" رانیہ حسرت سے بولی۔

دل

❖ انسان کو اپنا دل پتھر کا بنالینا چاہیے جس پر دکھ اور غم کا کوئی اثر نہ ہو۔

❖ مومن ہو یا کافر کسی کی دل آزاری مت کرو کیونکہ کفر کے بعد یہی سب سے بڑا گناہ ہے۔

❖ زیادہ مت ہنسا کرو اس سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔

❖ انسان کا دل توڑنے والا شخص کبھی خدا کی تلاش نہیں کر سکتا۔

❖ دل اگر سیاہ ہو تو چمکتی ہوئی آنکھیں بھی کچھ نہیں کر سکتیں۔

❖ لوگوں کے دلوں میں خوشی کے کنول کھلانا ہزاروں زیارتوں سے بہتر ہے۔

❖ دل ایک عجیب دھات ہے کبھی پتھر بن جاتا ہے اور کبھی موم۔

❖ اگرچہ دل کانچ سے بھی زیادہ نازک سہی مگر عزم و عمل سے ایسا مضبوط کردو کہ چٹانوں سے بھی ٹکرا سکے۔

❖ تعجب ہے سر توڑنا جرم ہے اور دل توڑنا نہیں۔

ماریہ کنول ماہی...... چک ورکاں

”رانیہ میری بہن...... ہیں کچھ اور لیکن کچھ اور نظر آتے ہیں۔ کبھی کبھی آنکھوں دیکھا بھی جھوٹ اور غلط ہوتا ہے آج تمہیں بتاؤں کہ جو کچھ تم نے دیکھا وہ ایک سراب تھا آنکھوں کا دھوکہ تھا۔ دکھاوا تھا بناوٹ تھی اول تو ہمارے گھر کوئی آتا ہی نہیں میرا میکہ کراچی میں ہے۔ اس لیے یہاں سے بھی حیدرآباد کوئی نہیں آتا اور اگر کوئی بھولے بھٹکے آ بھی جائے تو سب کے منہ بن جاتے ہیں۔ تیوریوں پر بل پڑ جاتے ہیں بظاہر کوئی کچھ نہیں کہتا لیکن بعد میں جو مجھ پر گزرتی ہے وہ میں ہی جانتی ہوں۔ شوہر صاحب ایک ایک چیز کا حساب لیتے ہیں۔ اس قدر اہتمام کی کیا ضرورت تھی حرام کا آتا ہے کیا۔ جس کو دیکھو منہ اٹھائے چلا آتا ہے ہمارے یہاں لڑکی والے اس طرح منہ اٹھائے دندناتے ہوئے نہیں آتے۔“ شوہر کو صفائی کا خبط ہے گھر میں گھستے ہی ایک ایک چیز پر انگلی پھیر کر سوال کرتے ہیں تم نے آج صفائی نہیں کی؟ فون پر کبھی لمبی بات کرلوں تو ساس کو اعتراض ہوتا ہے۔ اتنی لمبی بات کیوں کی میرے بیٹے کی کمائی بے دردی سے لٹا رہی ہو۔“

”مجھے یقین نہیں آرہا۔“ رانیہ کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

”تم یقین کرو پیسے کی بھی کوئی کمی نہیں لیکن دل بند اور ہاتھ تنگ ہے ناپ تول کر پکتا ہے اور اس پر کڑی نظر رہتی ہے کہ کہیں ماسی کو تو کچھ نہیں دے دیا لمحے لمحے کا حساب دینا پڑتا ہے لگتا ہے چوبیس گھنٹے عدالت کے کٹہرے میں کھڑی ہوں سارا دن میاں اور ساس کے آگے صفائیاں دینے میں گزر جاتا ہے۔ پھر میاں کا حکم ہے میں غلط کہوں یا صحیح رات کو دن کہوں تمہیں صرف ہاں میں ہاں ملانی ہے کیونکہ شوہر کبھی غلط نہیں ہوتا۔ میری جیٹھانی بھی کم و بیش انہیں حالات کا شکار ہیں۔ مردوں کا معاشرہ ہے جنہیں عورت کے حقوق نظر ہی نہیں آتے صرف فرائض یاد دلاتے رہتے ہیں۔ نندیں آتی ہیں تو ساس کا فرمان جاری ہو جاتا ہے میکے آرام کرنے آتی ہیں ان سے کوئی کام نہ کیا جائے۔ میں اور بھابی کبھی ساتھ بیٹھ جائیں تو ساس کو غصہ آجاتا ہے کہ میری برائیاں کر رہی ہوں گی۔ ایک ماسی جھاڑو پونچھے کے لیے آتی ہے مگر اس پر بھی سارا دن سننے کو ملتا ہے۔ ارے ہم نے بھی سسرال کا ٹبر سنبھالا تھا مگر مجال ہے کسی نوکر کی شکل دیکھی ہو۔ صبح بچوں اور شوہروں کو بھیجنے کے بعد اگر کبھی ہم لیٹ جائیں تو ساس ہنگامہ مچا دیتی ہیں۔ نماز کے بعد لیٹنا نحوست کی نشانی ہے کام کیا کرو۔ میری ساس قائداعظم کی جانشین ہیں کام کام اور بس کام۔“ ارینہ نے اپنی ساس کی نقل اتاری تو رانیہ کو ہنسی آگئی۔

”یا اللہ ارینہ میں تو تمہاری باتیں سن سن کر حیران ہو رہی ہوں اس لحاظ سے دیکھا جائے تو میں تو جنت میں رہ رہی ہوں سوائے بدنظمی اور بدانتظامی کے کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔“ رانیہ نے حیرت سے کہا۔

”اسی لیے تو کہتی ہوں میری بہن کہ خدا کا شکر ادا کرو کہ اتنا اچھا سسرال اور اتنا چاہنے والا شوہر ملا ہے مجھے دیکھو طبیعت خراب ہو تو شوہر کا جاگنا تو درکنار پوچھتے تک نہیں ہیں اور ساس کا سیلف میڈی کیشن پر زور ہوتا ہے۔ ارے ڈاکٹر کو دکھانے کی کیا ضرورت ہے بلاوجہ پیسہ ضائع کرنا کوئی بھی دوا کھا لو لوٹ پوٹ کر ٹھیک ہو جاؤ گی۔“

”میری پریگنینسی میں انہوں نے صاف کہہ دیا ”آرام کی قطعی ضرورت نہیں ہر روز 18 کروڑ کی آبادی میں بے شمار عورتیں بچے پیدا کرتی ہیں تم کون سا انوکھا کام کر رہی ہو جو بستر پکڑ لیا۔ یہ میرے شوہر کا فرمان ہے اور انعام کی بات تو دور رہی۔ آج تک کسی نے میری پکائی ہوئی چیز کی جو تعریف کی ہو ہاں نقص جتنے چاہو نکلوا لو بس میں اور بھابی ایک دوسرے کی تعریف کر کے خوش ہو لیتے ہیں اور میں صبر کے علاوہ کچھ کر بھی نہیں سکتی۔ میرے میکے میں کون بیٹھا ہے بھائی ہے نہیں دو کنواری بہنیں اور ماں باپ ڈیڈی بھی ریٹائرڈ ہو چکے ہیں۔ امی نے بھی حالات سے پردہ پوشی کر رکھی ہے اور جب بھی میکے جاؤ سننے کو ملتا

ہے کنواری تو ڑے روتی اور بیاہی تو ڑے بولتی' بھلا بتاؤ میں کیا کہوں اور کس سے کہوں اس لیے میں کہتی ہوں لوگوں کو نہ بدلو خود میں بدلاؤ لاؤ۔ وہ دریا ہیں تم قطرہ۔ بے شک تم پھوہڑ اور بد سلیقہ مت بنو لیکن میری دوست تم دریا کو کوزے میں بند نہیں کرسکتیں نہ ہی لہروں کے خلاف تیر کر خود کو ڈوبنے سے بچاسکتی ہو۔ تم نے جس گھر میں پرورش پائی وہ ایک فوجی کا گھر تھا۔ ڈسپلینڈ اور منظم مگر مجھے یاد ہے تمہاری امی تمہارے ڈیڈی کے اصولوں سے تنگ اور تم لوگ عاجز تھے بلکہ وہ اکثر کہتی تھیں اصول انسان اپنی سہولت کے لیے بناتا ہے۔ سارا دن ایک روبوٹ کی طرح مشینی زندگی گزاری جاسکتی کہ یہ کھانے کا وقت ہے' یہ سونے کا' رات کو نہ کوئی فون کرے نہ کسی کا فون آئے۔ بلکہ مجھے یاد ہے جب تمہارے ڈیڈی چھٹیوں میں گھر آتے تھے تو سب ان کی پابندی وقت اور اصولوں سے تنگ آجاتے تھے۔ وقت پر سونا' وقت پر اٹھنا اور وقت پر کھانا۔ بے شک بااصول زندگی اچھی ہوتی ہے لیکن اس کو سر پر سوار کرنا کسی کو بھی اچھا نہیں لگتا۔ ہم تم ایک محلے میں ہی رہتے تھے اور جب انکل چھٹیوں میں گھر آتے تھے تو تم لوگ کیا ہم بھی انتظار کرتے تھے کہ کب وہ ڈیوٹی پر جائیں اور ہم تم آزادی سے مل جل سکیں بغیر کسی ٹائم ٹیبل' کے اور اب یہ آزادی تمہیں اچھی نہیں لگ رہی۔ حالانکہ اس وقت تم تنگ تھیں۔ دراصل اس میں تمہارا قصور نہیں انسان ہے ہی ناشکرا صبر اور شکر کا لفظ تو اس کی سرشت میں داخل ہی نہیں۔ اس گھر میں بے شک بے شمار لوگ ہیں مگر سب ایک دوسرے کے ساتھ محبت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ تسبیح کے دانوں کی طرح۔ سیدھے سادھے معصوم اور دنیا کے جھمیلوں سے ناآشنا۔ ماڈرن زمانے کی ابھی نہیں ہوا لگی۔ عیاریاں اور چالاکیاں انہیں نہیں آتیں۔ بس خاندان کا شیرازہ بکھرنے کی انہیں خواہش نہیں تم تو شکر ادا کرو کہ تمہاری بہن کو بھی اچھا بر مل رہا ہے۔ ورنہ یہاں تو ماں باپ لڑکیاں رخصت کرنے کو ترس رہے ہیں اور لڑکیاں ماں

غزل

آج وہ پوچھ بیٹھے ہم سے کہ
لفظ دوستی سے ہم نالاں کیوں ہیں اتنے
معصوم چہروں سے ہم......
پریشان کیوں ہیں اتنے
آؤ آج بتاتے ہیں ان کو
کیا ہوا دوستی میں......
داستاں سناتے ہیں ان کو
دیکھو! راہ یار میں ہم
پھول بانٹتے رہے' خوشبو بکھیرتے رہے
مگر عوض اس کے ہمیں
کانٹے چبھتے رہے' پتھر لگتے رہے
ہم خلوص کے موتی چنتے رہے
وہ سازشوں کے جال ہمارے لیے بنتے رہے
اس خار دار راہ پہ چل کر
دیکھو پاؤں زخمی ہیں کتنے
آنکھوں میں بھی دیکھو' انگارے ہیں کتنے
لہو رو کے داستان یہ سناتی ہے
بہت مشکل سے دیکھو' بات اپنی بتائی ہے
عائشہ بی بی...... بھلا بٹ ٹاؤن شپ

باپ کی دہلیز پر بوڑھی ہورہی ہیں۔" اس نے پیار سے بال سنوارتے ہوئے کہا۔

"تم دونوں بہنیں ایک ہی گھر میں ہوگی تو تمہارا پلڑا ویسے بھی بھاری ہوجائے گا کہ ایک اور ایک گیارہ۔ ویسے بھی یہاں سب تم سے متاثر ہیں تمہارا دم بھرتے ہیں اور گھر میں چار ووٹ ہوجائیں گے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ تم بالکل ہی غلط ہو لیکن ذرا آنٹی کا سوچو۔ ان کی پریشانیاں دنیزہ کی شادی سے کتنی کم ہوجائیں گی۔ انکل بھی اب ریٹائرڈ ہیں ان لوگوں نے نہ پہلے جہیز کا مطالبہ کیا تھا نہ اب لیں گے۔ تمہارے سسرال والے محبت کے ضمیر سے گندھے ہوئے سیدھے سادے لوگ ہیں۔ تھوڑی سی قربانی' تھوڑا سا ایثار اور تھوڑی سی محبت انہیں تمہارا گرویدہ

بنا سکتی ہے۔ دانش بھائی کو اپنی فیملی بہت عزیز ہے ان کی محبت کا تقاضہ ہے کہ تم ان کو عزیز تر بنالو۔ پھر دیکھنا محبت کی بانہیں کس طرح واہوں گی۔ تعریف انسان کے لیے ٹانک کا کام کرتی ہیں۔ تم اٹھتے بیٹھتے ان کی تعریف کرو۔ ان کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے غیر محسوس طریقے سے احساس دلاؤ۔ تحفہ دینے لینے سے محبت بڑھتی ہے اور یہ سنت رسول ﷺ بھی ہے۔ ان کو بہانے بہانے سے تحفے دو۔ ان کا ہر کام میں ہاتھ بٹانے کی کوشش کرو اور اس کے کئی طریقے ہیں۔ سوچو آج تمہارے بچے نہیں ہیں۔ ان شاء اللہ کل ہوں گے تو ہاتھوں ہاتھ پل جائیں گے اور تم اپنا پڑھانے کا شوق مزے سے پورا کرسکو گی اور پھر یہ تو بڑی زیادتی ہے کہ ہم علم کی روشنی سے دوسرے گھروں میں اجالا پھیلائیں اور ہمارے گھر جہالت اور غفلت کے اندھیروں میں ڈوبے رہیں۔ تم گھر کے بچوں کو پڑھنے میں مدد دو پھر دیکھو دانش بھائی کی نظروں میں تمہاری اہمیت اور محبت کتنی بڑھ جائے گی۔ پھر تم نے جو اپنی فارغ دماغ نند کا بتایا ہے اس کا بھی حل ہے میرے پاس۔ بقول اس کی عمر زیادہ ہوگئی ہے۔ پڑھی لکھی ہے کسی کو پسند کرتی تھی مگر وہ دوسری ذات کے تھے اس لیے شادی نہ ہوسکی اب گھر والے تیار ہیں تو وہ جانے کہاں چلے گئے اور کبھی کبھی تمہاری نند کو دورہ پڑ جاتا ہے۔ جو تم نے تفصیل بتائی ہے وہ لوگ تو میرے گھر کے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ عدیل بھائی نے بھی آج تک شادی نہیں کی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ لڑکی تمہاری نند ہے۔ میں حیدرآباد جا کر سب سے پہلے یہ نیک کام کروں گی اور اگر یہ شادی ہوگئی تو اس کا کریڈٹ بھی تمہیں جائے گا۔ یعنی نیکی بھی اور سسرال کی خوشی بھی۔“

رانیہ میں یہ خوبی تھی کہ وہ بات کو جلدی سمجھ لیتی اور اپنی غلطی مان بھی لیتی تھی۔ ارینہ نے اسے آئینہ دکھایا تو وہ اپنا ہی چہرہ دیکھ کر ڈر گئی۔ جس میں ہر چیز واضح اور صاف تھی۔ دوسروں کی آنکھ کا بال بھی نظر آجاتا ہے مگر اپنا شہتیر ہم نہیں دیکھ پاتے۔ اپنی خود پسندی، غرور اور تکبر کی وجہ سے۔ ارینہ کی سمجھ داری نے نہ صرف اس کے دل کا بوجھ ہلکا کردیا بلکہ اس کو زندگی برتنے کا سلیقہ بھی سکھادیا۔ اتنی دیر میں بڑی بھابی نے ڈھیر سارا سامان ناشتے کا بھجوایا پھر تینوں بھابیاں اور ساس کھانے پر رکنے کے لیے اصرار کرنے لگیں۔

منع کرنے کے باوجود ساس نے ایک خوب صورت جوڑا ارینہ کے حوالے کیا کہ ”بیٹیاں ماں باپ کے گھر سے خالی ہاتھ نہیں جاتیں۔“ بھابیوں نے بھی چوڑیوں کے خوب صورت سیٹ ارینہ کو دیئے تو اس نے معنی خیز نظروں سے رانیہ کی طرف دیکھا جو شرمندہ شرمندہ نظر آرہی تھی۔ ان کے خلوص اور محبت نے ارینہ کو بھی ان کا گرویدہ بنالیا تھا۔

❁.......❁.......❁

گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ارینہ سوچ رہی تھی۔

”آج کا دن رانیہ کی امی کے پاس گزار کر صبح ہی صبح حیدرآباد کے لیے نکل جاؤں گی۔ آخر نبیزہ کے سلسلے میں ان کی پریشانی بھی دور کرنی تھی اور رانیہ کو خود ساختہ مسائل سے بھی نکالنا تھا اور پھر حیدرآباد پہنچ کر اپنے شوہر اور ساس سے بھی معذرت کرنی تھی جن کی غیر موجودگی میں ایک گھر کو ٹوٹنے سے بچانے کے لیے خوامخواہ ان کی غیبت کرنی پڑی تھی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی۔

”ایک مصلحت آمیز جھوٹ اس سچ سے بہتر ہے جو فساد پھیلانے کا باعث ہو۔ کیونکہ اس کی ساس ہیروں میں تولنے کے قابل تھیں اور شوہر کا تو جواب ہی نہیں تھا سر کا تاج، قابل احترام و محبت کے قابل۔“

❁

موم کی محبت
راحت وفا

ہیں بظاہر مطمئن یوں تو سب اپنی جگہ
ہاں مگر اک نام پہ ہے یہ کلی اپنی جگہ
لاکھ یہ چاہا کہ اس کو بھول جاؤں پر قتیل
حوصلے اپنی جگہ ہیں بے بسی اپنی جگہ

﴿گزشتہ قسط کا خلاصہ﴾

شرمین کی پوری بات سن کر عارض اس کے ساتھ آ جاتا ہے اذان صبیح احمد کی تصویر سامنے رکھے جانے کیا باتیں کررہا ہوتا ہے عارض کو دیکھ کر اذان اپنے بابا (صبیح احمد) کو بلانے کا کہتا ہے جس پر عارض اسے حقیقت سے آگاہ کردیتا ہے جس کو سننے کے بعد اذان منتشر ہوجاتا ہے۔ صفدر دو تین فارن کمپنیز کو اپنی سی وی ای میل کرتا ہے کیونکہ عبدالصمد کے بغیر اس کا دل اب یہاں نہیں لگ رہا ہوتا' ملائشیا ملٹی نیشنل کمپنی سے صفدر کو جاب کی آفر آ جاتی ہے ننھی عبدالصمد کو جہاں آرا بیگم سے ملوانے لاتی ہے اور انہیں زیبا کے گھر بدلنے کا بتاتی ہے۔ اذان عارض کے ساتھ آ جاتا ہے وہ شرمین سے ناراض ہوتا ہے اس کے ذہن میں کشف (پھپو) نے شرمین کے لیے زہر بھر دیا ہوتا ہے اذان صبیح احمد کا قاتل بھی شرمین کو ٹھہراتا ہے۔ شرمین آغا جی کا خط پڑھتی ہے جس میں درج ہوتا ہے کہ وہ اپنی ہری پور والی حویلی عبدالمعید کے لیے میموریل ٹرسٹ بنانا چاہتے تھے اب وہ یہ کام شرمین وعارض کے ذمہ ڈال دیتے ہیں شرمین ایک نئی الجھن کا شکار ہوجاتی ہے۔ عارض ایک بار پھر شرمین کو منانے کی کوشش کرتا ہے لیکن شرمین اذان کی وجہ سے پریشان ہوتی ہے جس پر عارض اذان کشف کو دینے کا کہتا ہے۔ زیبا اپنا گھر کرائے پر دے کر دوسری جگہ جانا چاہتی ہے اس حوالے سے اپنی ماں (حاجرہ) سے بات کرتی ہے تو وہ حیران ہوجاتی ہے زیبا ایک اسکول کھولنا چاہتی ہے جبکہ حاجرہ ایک بار پھر زیبا کی شادی کا سوچ رہی ہوتی ہیں۔ صفدر کا طے شدہ وقت کے مطابق بڑا اچھا انٹرویو ہوجاتا ہے۔ صفدر گھر آ کر جہاں آرا بیگم کو ملک چھوڑنے کا بتاتا ہے جس پر وہ ششدر رہ جاتی ہیں۔ حاکم الدین چاچا کے بیٹے عبدالقادر کی شادی ہوتی ہے۔ شرمین شادی میں دیر سے پہنچتی ہے۔ جس پر عارض اسے رات وہی رکنے کا کہتا ہے لیکن وہ انکار کردیتی ہے۔

﴿اب آگے پڑھیے﴾

❀......○......❀

اسے معلوم تھا کہ عارض اذان کو ساتھ لے گیا ہے اور وہ اس وقت سفر میں ہوں گے' تب بھی وہ کھول رہی تھی...... کچن سے چائے کا مگ لا کے اس نے میز پر رکھا اور فون ملانے کے لیے اپنا فون اٹھایا۔ دوسری طرف عارض کو بھی اندازہ تھا کہ اس کا فون آنا ہی ہے۔

"جی...... بیگم فرمایئے......" اس نے مزہ لینے کے لیے دھیرے سے کہا۔

"تم اچھا نہیں کررہے۔"

"جان من...... میں تو تم سے تقریباً ایک ڈیڑھ ہزار میل دور ہوں' میں اتنی دور سے کیا کرسکتا ہوں۔"

''اذان کو مجھ سے دور کر رہے ہو تم تو دشمن بن گئے۔'' وہ چلائی۔

''اذان کو تو تم نے دینا ہی تھا۔ وہ تمہارا کب ہے صبر کر چکی ہو پھر کیوں......؟'' وہ چہکا۔

''پھر وہ تمہارے پاس کیوں' تمہارا کیا لگتا ہے؟''

''وہ تو امانت ہے' چند دن تک چلا جائے گا۔'' وہ تحمل سے بولا۔

''تم یہ فیصلہ کرنے والے کون ہوتے ہو؟'' وہ تلملائی۔

''میں اذان کا...... ہاہاہا......'' وہ قہقہے لگانے لگا۔

''دیکھو...... عارض' اذان کو مجھے دے دو' یہ ڈرامے بازی بند کرو۔ اگر کشف آ گئی تو میں کیا جواب دوں گی؟'' وہ شدید غصے سے بولی۔

''اذان کی جو مرضی ہوگی وہی ہوگا' کشف کی تم فکر نہ کرو۔ مجھ سے بات کرنے کے بہانے مت ڈھونڈا کرو۔'' عارض نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ وہ چلا اٹھی۔

''تم اس خوش فہمی میں ہی رہو گے۔''

''ہاہاہا......'' وہ ہنسا تو اس نے فون بند کر دیا۔

''خود کو سمجھتا کیا ہے؟ میں اذان کو بھول جاؤں' میرے خلاف کر دیا۔'' اس نے خود سے کہا اور چائے کا مگ بنا پیئے ہی واپس کچن میں جا کے پٹخ دیا۔

طبیعت خرابی کے سبب آفس نہیں گئی تھی...... ملازمہ کمروں کی صفائی کر رہی تھی۔ وہ خالی گھر میں اِدھر سے اُدھر پھر رہی تھی۔ کوئی آواز' کوئی آہٹ نہیں تھی' بے اختیار ہی اسے اپنی بے بسی پر رونا آیا۔ کتنی پھیکی اور بے رنگ سی زندگی تھی۔

''شرمین...... کیا ہو تم' کیا ہے تمہاری حقیقت' کب تک اس خالی گھر میں ٹکریں مارو گی' کب تک محبتوں کا قرض ادا کرتی رہو گی' زینت آپا بس' صبیح احمد کا بیٹا اور میلے لباس کی مانند جسم سے اتاری عارض اور صبیح احمد کی محبتیں...... کیا یہی اثاثے سنبھالنے میں تمہاری ذات مٹ جائے گی آخر کب تک یوں لڑو گی...... بس کرو' بہت مسافت طے کر لی' سب پرائی چیزیں اتار ڈالو اپنے وجود پر سے...... ان سب کو چھوڑ کر اپنے لیے محبت سنبھال لو؟'' دل سے گویا آوازیں اٹھ رہی تھیں۔

''کون سی محبت؟'' سوال پیدا ہوا۔

''عارض کی......'' جواب آیا۔

''اور اذان......'' اس کے لب تھرائے۔

''اسے تو جانا ہے' اسے تم رخصت کر چکی ہو' اسے بھول جاؤ۔'' پھر نصیحت آئی۔

''عارض کو کیوں معاف کروں؟ مجھے اس سے بھی کوئی مطلب نہیں۔'' اس نے اپنے ضمیر سے گویا جھوٹ بولا۔

''بی بی جی...... یہ آپ کا فون۔'' ملازمہ نے آ کر اس کے خیالات کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

''اوہ اچھا......'' اس نے فون کی اسکرین پر دیکھا تو بوبی کا نمبر تھا۔

''ہیلو......'' کافی مدت کے بعد اس کا فون آیا تھا۔

''شرمین......!''

''ہمم...... کیسے ہو' آپا کیسی ہیں؟'' وہ بولی۔

''میں' میں تو بس زندہ ہوں' ماما چلی گئیں' مجھے چھوڑ کر چلی گئیں۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دیا۔

''کیا...... کیا مطلب؟''

"شرمین...... ماما مجھے تنہا چھوڑ گئیں رات اللہ کو پیاری ہوگئیں۔" وہ روتے روتے بولا۔

"اوہ...... اناللہ وانا الیہ راجعون۔" وہ بھی سسک اٹھی۔

"انہیں یہیں دفنا رہا ہوں۔" وہ بولا۔

"کیوں...... کیوں اپنے ملک لاؤ' وہاں کیوں؟" اسے اچھا نہیں لگا۔

"نہیں' جب میں یہاں ہوں تو وہ یہیں رہیں گی...... وہاں کون ہے؟" وہ مغموم سا بولا۔

"اور میں؟" اسے دکھ ہوا۔

"تم سے دور رہنا چاہتا ہوں' بس اطلاع دینی تھی۔"

"اور بزنس' سب کچھ۔"

"اس پر پھر بات کریں گے۔"

"میں کتنی بدنصیب ہوں آپا کو آخری بار دیکھ بھی نہیں سکی۔" وہ شدت سے رودی۔

"اوکے اللہ حافظ۔" اس کے ساتھ ہی فون لائن کٹ گئی۔ وہ اس اچانک غم پر شکستہ سی بڑی دیر تک آنسو بہاتی رہی۔

کمرے کی لائٹ آن کرتے وقت اچانک فون بجا تو اس کا ہاتھ لرز اٹھا۔ مغرب کی اذان سن کر وہ شکستہ جسم کو سمیٹ کر اٹھی تھی' ورنہ زینت آپا کی موت نے تو اسے توڑ ڈالا تھا۔

"ہیلو......"

"چھوٹی بی بی' چھوٹی بی بی غضب ہوگیا' بڑی بیگم صاحبہ......" شیر دل بابا کی آنسوؤں میں ڈوبی آواز نے اسے ہلا کے رکھ دیا۔

"صبر...... صبر سے کام لیں' اللہ کی یہی مرضی تھی۔" وہ خود بھی آنسو روک نہ سکی۔

"چھوٹی بی بی آپ یہیں آجائیں۔" بابا رونے لگے بڑی شدت کے ساتھ۔

"ہنہ...... میں ابھی آتی ہوں۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"میں آپ کا کمرہ کھلواتا ہوں۔"

"نہیں...... زینت آپا کا کمرہ کھلواؤ۔" اس نے کہا...... فون بند کر کے اس نے جلدی سے وضو کیا اور مغرب کی نماز پڑھی...... نماز کے بعد رو رو کے آپا کی مغفرت کی دعا کی...... اور دو جوڑے کپڑوں کے اٹھائے چوکیدار کو بتا کر نکل آئی۔

"آپا...... کتنے احسانات ہیں آپ کے مجھ پر' میری دوست تھیں' بڑی بہن یا ماں تھیں' مجھے کبھی کچھ اور محسوس نہیں ہونے دیا۔ آپ دور تھیں مگر مجھے آسرا تھا کہ آپ ہیں' اب آپ اتنی دور چلی گئیں' میں کیسے آواز دوں گی...... اور بوبی کا کیا ہوگا؟ وہ تو بالکل تنہا رہ گیا' اس نادان کو کون وہاں اجنبی دنیا میں سنبھالے گا۔ کاش آپ نہ جاتیں' کاش...... آپ میرے پاس ہوتیں۔" وہ سوچتے سوچتے زینت آپا کے گھر پہنچ گئی۔

ملازم در و بام سے لپٹے رو رہے تھے...... اپنی مالکن کی محبت میں آنسو بہا رہے تھے۔ اس پر بھی جیسے رقت طاری ہوگئی وہ خود انہیں دلاسے دیتے ہوئے روتی رہی۔ جونہی کمرے میں آئی تو بابا اس کے لیے چائے کا کپ لے آئے۔

"شکریہ بابا......" اس وقت اسے سخت ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

"بابا...... ابھی جائیں محلے کی مسجد میں آپا کی وفات کی خبر دیں اور صبح مسجد میں قل خوانی کا اہتمام کرانے کی گزارش کریں۔ فیکٹری اور دفتر کے اسٹاف کو میں خود شرکت کے لیے فون کرتی ہوں اور کھانا مدرسوں' مسجد میں بھجوانا ہے آڈر کرتی ہوں۔" اس نے دھیرے دھیرے بابا کو تمام انتظامات کے بارے میں ہدایت جاری کی۔

"دل چاہتا ہے ہماری بیگم صاحبہ کے بنا ہم کیا کریں گے؟" بابا کی نمناک آنکھوں کو دیکھنے کی تو اس میں بھی ہمت نہیں تھی۔

"اللہ کی رضا کے آگے کون کیا کرسکتا ہے؟" وہ فقط اتنا بولی۔

"اب تو بابا شاید ہی واپس آئیں، چھوٹے صاحب کو لینے گئی تھیں اور......" بابا پھر رو دیئے۔

"ہمت سے کام لیں، بوبی نے آنا ہی نہیں تھا۔" اس نے کہا۔

"آپ آرام کرو، میں کھانا لگواتا ہوں۔"

"نہیں، بھوک نہیں ہے، بس فہمیدہ سے کہیں کہ ڈرائنگ روم میں فلور کشن اور چاندنیاں بچھائے، افسوس کے لیے لوگ آئیں تو بیٹھ سکیں اور محلے کی عورتوں کو قرآن خوانی کو بھی کہہ کر آیئے۔"

"اچھا جی، ابھی سب انتظام کرتا ہوں۔" بابا یہ کہہ کر گئے تو اس نے میسج ٹائپ کر کے سب فیکٹری ملازمین کو سینڈ کر دیا۔ کھانے کا آرڈر کیا اور پھر کمرے سے باہر نکل کر اداس نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔

❁......○......❁

ولیمے کے مختصر سے مہمان کھانا کھا کر رخصت ہو رہے تھے۔ عارض کی بے قرار نظریں اسے ڈھونڈ رہی تھیں...... صفدر نے اس کی بیتابی بھانپ لی تھی۔

"فون کر کے پتا کرلو۔" دھیرے سے کان میں سرگوشی کی۔

"کیوں...... کیوں کروں میں فون؟" وہ تڑخ کر بولا۔

"معلوم کرو، کوئی مسئلہ تو نہیں۔"

"نہیں، اب میں محبت کو رسوا نہیں ہونے دوں گا۔" وہ غصے سے بولا۔

"محبت بھی ہے اور بات بھی نہیں کرنی۔" صفدر کو تعجب ہوا۔

"بس اب ایسا ہی ہے، اندر چل کر کافی پیئیں۔" وہ بولا۔

"نہیں، مجھے اب اجازت دو۔" صفدر نے کہا۔

"اوکے۔"

"اذان سے ملے ہو؟" اذان پر نظر پڑی تو عارض نے پوچھ لیا۔

"ہاں...... مگر اچھا موڈ نہیں ہے، ویسے بھی الٹی گنگا بہہ رہی ہے۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ صبیح احمد کا بیٹا، شرمین کی سرپرستی سے نکال کر تم نے اپنے پاس رکھا ہوا ہے، شاید وہ اس لیے ناراض ہو۔"

"نہیں، اذان کو تو اسے چھوڑنا پڑے گا، شاید اصل کہانی پھر بتاؤں گا۔" عارض نے کچھ ٹوٹا پھوٹا سا جواب دیا۔

"اوکے شب بخیر۔" صفدر نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی اور مصافحہ کر کے چلا گیا۔ وہ اپنے کمرے کی طرف آ گیا۔ راستے میں حاکم چاچا ملے تو خود ہی بتانے لگے۔

"شرمین بی بی کا فون اٹینڈ نہیں ہو رہا...... اللہ جانے کیا بات ہے؟" وہ پریشان تھے۔

"کچھ نہیں ہے، اس کی ضد ہے بس۔" وہ آگے بڑھا تو وہ پھر بولے۔

"میں جا کر پتا کرلوں، انہوں نے ولیمے میں شرکت کا وعدہ کیا تھا۔"

"جو آپ کا جی چاہے کریں، ویسے اب بہت رات ہو گئی ہے، تھکے ہوئے ہیں سو جائیں۔" وہ یہ کہہ کر اپنے کمرے میں

چلا گیا۔ حاکم چاچا نے ارادہ ملتوی کردیا اور باہر سامان وغیرہ اٹھوانے لگے...... مگر انہیں دلی افسوس ہورہا تھا کہ آخر شرمین بی بی کیوں نہیں آئیں؟ شاید ان دونوں کے درمیان اب تک صلح صفائی نہیں ہوئی' ایسی کیا وجہ ہے کہ اب تک شرمین بی بی نے دل صاف نہیں کیا۔ چھوٹے صاحب کی نگاہوں میں شدت بھرا انتظار تھا' بارات سے واپسی پر اس کا ذکر بھی کیا اور پھر تمام تر انتظامات میں جتنی گرم جوشی تھی' اپنی تیاری میں جو خوشی شامل تھی' نیوی بلو سوٹ میں سرخ و سپید دمکتا ہوا چہرہ نفاست سے سنوارے بال' حاکم چاچا نے کئی بار دل ہی دل میں اس کی صحت سلامتی کی دعائیں کیں...... مگر جس کے لیے یہ سب تھا' وہ نہیں آئی' یہ اچھا نہیں ہوا' وہ بے دلی سے کام ختم کر کے سونے کے لیے چلے گئے۔

عارض نے کھڑکی کا پردہ انہیں جاتا دیکھ کر سرکا دیا...... غم و غصے کی حالت میں شب خوابی کا لباس پہنا اور بیڈ پر گر سا گیا...... حاکم چاچا کا خیال درست تھا اس کو شرمین کا انتظار تھا اس کے سپنے سجائے سب انتظامات کرائے تھے...... دل چاہتا تھا کہ وہ سج بن کے حسین سراپے میں ڈھل کے آئے گی اور وہ نگاہوں سے اس کے بوسے لے گا اسے چاہے گا' سراہے گا۔

''ہنہ...... ایسا ہے تو ایسا ہی سہی۔'' اس نے غصے سے ہنکارا بھرا اور سو گیا۔

❁......○......❁

آج ناشتہ کرنے کے بعد وہ جانے کی غرض سے اپنے سامان سمیت باہر آئی تو بابا' فہمیدہ اداس کھڑے تھے...... وہ ان کی آنکھوں کا مطلب سمجھ کر وہیں ٹی وی لاؤنج میں صوفے پر بیٹھ گئی۔

''بابا...... مجھے جانا ہے آفس کے کام دیکھنے ہیں اور گھر سے آئے تو تین دن ہوگئے میں نے پلٹ کر نہیں دیکھا' وہاں صرف چوکیدار ہے۔''

''بی بی جی...... ہم اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں اتنی اجازت دے دو' ہماری بیگم صاحبہ نہیں رہیں ہم یہاں کیا کریں گے؟'' بابا نے رقت بھری آواز میں کہا۔

''ہاں...... بی بی جی ہم اب یہاں رہ کر کیا کریں؟'' فہمیدہ نے بھی بابا کی تائید کی۔

''آپ لوگ جب تک چھوٹے صاحب نہ کہیں' کہیں نہیں جاؤ گے' اس گھر کو سجا کے' صاف ستھرا رکھو گے' میں آتی رہوں گی' مجھے فون کرلیا کرنا مگر میں جانے کی اجازت نہیں دے سکتی۔''

''مگر...... چھوٹے صاحب۔'' فہمیدہ کی زبان اٹکی۔

''میں ان سے بات کروں گی' وہ آپ لوگوں کو فون کریں گے۔ آپ اپنی بیگم صاحبہ کی خاطر ان کے اس گھر کو آباد رکھو...... میں نے ان کی الماری سے استعمال شدہ کپڑے نکالے ہیں' فہمیدہ وہ تمہیں پورے آئیں گے' ساتھ میں' جرسیاں' سوئیٹرز ہیں سب اٹھا لینا۔ ان کی روح خوش ہوگی۔''

''شکریہ بی بی جی۔''

''اب میں چلوں گی' یہ پیسے رکھو خرچے کے لیے۔'' اس نے پرس سے ہزار ہزار کے کئی نوٹ بابا کو تھما دیے۔

''شکریہ۔'' بابا نے کہا۔

''اللہ حافظ! فون پر رابطہ رکھنا۔'' وہ باہر نکل آئی۔

گاڑی میں بیٹھ کر گھر کی طرف دیکھا۔ زینت آپا ہمیشہ اسے گیٹ تک چھوڑتی تھیں...... آج وہ نہیں تھیں...... اسے بہت دکھ ہوا۔ بھیگی آنکھوں کے ساتھ گیٹ سے باہر گاڑی نکالی...... مین روڈ پر ایک کلومیٹر کا راستہ ہی طے کیا تھا کہ موبائل فون بجنے لگا...... اس نے نظر انداز کیا کیونکہ ڈرائیو کرتے ہوئے وہ اجتناب برتتی تھی...... مگر فون مسلسل بج رہا تھا تو اسے فون پر نگاہ ڈالنی پڑی...... عارض کے گھر کا نمبر...... وہ ٹھٹکی اور ندامت کا جھٹکا لگا۔

"او گاڈ...... ولیمہ میں بھول گئی۔" وہ خود سے بڑبڑائی۔ فون اٹینڈ کرنے کی ہمت نہ ہوئی تو توجہ ڈرائیونگ کی طرف مبذول کرلی۔ کچھ دیر بعد فون کی آواز بند ہوئی۔

"یا خدا...... یہ کیا ہوگیا؟ مجھے جیسے تیسے وقت نکالنا چاہیے تھا۔"

مگر وقت کیسے نکالتی تین دن کیسے گزر گئے اسے سر کھجانے کی فرصت نہیں ملی...... تن تنہا سب کچھ کرنا پڑا...... تعزیت کے لیے آنے والوں سے ملنا' تین دن مسلسل کھانا تقسیم کرانا...... قرآن خوانی کرانا' کوئی ایک کام تو نہیں تھا۔ آج چوتھا دن تھا۔ وہ مجبوری کے تحت نکل آئی تھی...... مگر یہ بھی سچ تھا کہ حاکم چاچا سے نظر ملانے کے قابل نہیں رہی تھی...... کتنے ارمان سے انہوں نے بلایا تھا...... مگر اتفاقات اسی کا نام ہیں...... سوچا کیا تھا' بنا کیا؟ مگر اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ اچانک ہی کیا سے کیا ہوگیا تھا؟

⁂......○......⁂

ہمارے ملک میں محکمے فرض شناسی کے مفہوم سے ناواقف ہیں۔ دفتری نظام سستی اور ٹال مٹول کے حساب سے چل رہا ہے۔ عوام کو کسی بھی دفتر میں چھوٹے سے کام کے لیے بھی سارا سارا دن لمبی قطاروں میں کھڑے رہ کر جائز کام کرانا پڑتا ہے۔ اگر خوش قسمتی سے کوئی کام ہوجائے تو...... صبح سے پاسپورٹ آفس میں کھڑے کھڑے صفدر تھک کے چور ہوگیا تھا۔ امی کو تو کرسی بیٹھنے کو مل گئی تھی...... تب بھی بیٹھے بیٹھے وہ بری طرح تھک گئی تھیں۔ انہیں پیاس بھی لگی' صفدر نے ان کے لیے جوس خرید' تسلی دی کیونکہ وہ سخت خفگی اور غصے کے ساتھ آئی تھیں۔ مسلسل چار پانچ گھنٹوں کے بعد ان کا کام ہوا تو واپسی ہوئی...... پاسپورٹ تو بعد میں ملنا تھا صرف کاغذات مکمل ہوئے تھے۔

"کیا کرے انسان یہاں' سارا دن غرق ہوگیا۔" بے خیالی میں گاڑی پارکنگ سے باہر نکالتے ہوئے اس کے منہ سے نکل گیا تو جہاں آرا جیسے موقع کی تلاش میں تھیں۔

"یہاں کیا ہے کرنے کو؟"

"جی...... کیا مطلب؟"

"مطلب سب کچھ باہر بیگانے ملکوں میں جاکر کرنا چاہیے' ملک سے ایسے ہی وفاداری نبھانی چاہیے۔" وہ ایک دم بولتی چلی گئیں۔

"امی...... آپ جانتی ہیں مجھے اپنے ملک سے بہت پیار ہے۔"

"تو پھر' کسی حکیم نے کہا ہے کہ باہر جاؤ۔"

"ترقی کے راستے بند کرنے کا حکم بھی نہیں ہے۔"

"کس کے لیے ترقی کررہے ہو؟" انہوں نے طنز کیا۔

"آپ کے لیے۔"

"ہنہ...... ارے سال دو سال نکال گئی تو غنیمت سمجھنا۔"

"امی...... پلیز ایسا نہ کہیں۔" وہ سنجیدہ ہوا۔

"ارے باتیں نہ بناؤ' تمہیں کیا معلوم کہ کیسے زندہ ہوں؟" وہ رودیں۔

"ارے ہاں یاد آیا' آج رات میں عبدالصمد آپ سے ملنے آرہا ہے۔" اس نے ان کی خاطر جھوٹ گھڑا۔ وہ کچھ مطمئن ہوگئیں۔

"اور پھر چلا جائے گا۔"

"ہاں...... مجبوری تھا ہے۔"

"تم نے اچھا نہیں کیا' اللہ بھی معاف نہیں کرے گا۔"

"اللہ کردے گا وہ کریم اور رحیم ہے امی۔" اس نے بڑے ذوق سے کہا۔

"ہنستا بستا گھر برباد کردیا۔"

"کہاں ہنستا بستا تھا۔"

"اور کیا تھا؟"

"خیر...... اب ضروری بہت ضروری سامان پیک کرائیں' باقی غریبوں کو دے دلا دیں' کوئی قیمتی چیز فروخت ہوسکتی ہے تو بتائیں جج درخواست دے دی ہیں۔"

"بے وقوفی کی مجھے کو بیچ جاتے یا بوڑھوں کے سینٹر میں جمع کرا جاتے۔"

"اللہ نہ کرے۔" اس نے ان کا ہاتھ تھام کر لبوں سے لگالیا۔

"ہنہ...... چھوڑو۔" انہوں نے ہاتھ چھڑایا۔ پھر گھر کے دروازے تک وہ مسلسل باہر دیکھتی رہیں اس سے کوئی بات نہیں کی۔

❀......○......❀

اس نے گرم چپاتی کا پہلا نوالہ ہی لیا تھا...... کہ میز پر پڑا موبائل بج اٹھا' اس نے نظر ڈالی' نیا نمبر تھا' اس نے کچھ سوچ کر اٹینڈ کیا۔

"ہیلو۔"

"ہیلو...... یہی دیکھنا تھا کہ جان بوجھ کر آدمی کیسے کسی کی بے عزتی کرسکتا ہے' حاکم چاچا کو یقین نہیں تھا کہ ان کا فون جان بوجھ کر اٹینڈ نہیں کیا جارہا۔" عارض نے نئے نمبر سے فون کیا تھا۔

"حاکم چاچا سے بات کراؤ۔" وہ ٹال گئی۔

"ارے جاؤ' جاؤ' کوئی ضرورت نہیں۔ بس سمجھ چکے ہیں وہ بھی۔" اس نے سخت برہمی سے جواب دیا اور فون کاٹ دیا۔

نوالہ پلیٹ میں ہی رہ گیا شرمندہ تو تھی مگر عارض کے غلط انداز پر غصہ بھی آرہا تھا...... کھانا زہر مار کر کے کچن سے کمرے میں آگئی۔ کچھ دیر کمرے کے وسط میں کھڑی خالی نگاہوں اور ذہن کے ساتھ دیکھتی اور سوچتی رہی' پھر جانے کیا سمجھ میں آیا کہ الماری سے اپنے کپڑے سوٹ کیس میں رکھے' ایک گتے کے ڈبے میں اذان کا سامان رکھنے لگی۔ کچھ چیزیں اپنے بیگ میں رکھیں اور کچھ اذان کی چیزیں' کھلونے' جوتے' وغیرہ اور آخر میں صبیح احمد کی فوٹوز رکھیں کچھ ہی دیر میں کمرے کا سامان سوٹ کیس' بیگ اور ڈبوں میں بند ہوگیا' اس نے جو فیصلہ کرنا تھا کرلیا' اب صرف حاکم چاچا کو بتانا تھا' یہاں سے بھاگ جانے کا فیصلہ سنانا تھا' آغا جی نے جو اس پر بھروسہ کیا تھا اسے نبھانے کا وقت آگیا تھا...... یہاں کے ماحول نے اسے بری طرح متاثر کیا تھا۔ یہاں آزمائشیں ہی آزمائشیں تھیں وہ تھک گئی تھی شاید سب کچھ اس سے دور ہوتا جارہا تھا۔ زینت آپا گئیں' اذان متنفر ہوگیا' عارض کو وہ معاف کرنے سے قاصر تھی۔ صرف آفس اور گھر کی تنہائی سے کیا حاصل تھا۔ اس لیے اسے یہی مناسب لگ رہا تھا کہ اذان تو مستقل دور ہوجائے گا اس سے دوری کی عادت بھی بن جائے گی' بہتر یہی ہے کہ یہاں سے کسی نیک کام کے لیے دور چلے جانا چاہیے...... کسی شاعر نے کہا تھا' شاید اس کے حسب حال تھا۔

چل دوست کسی انجان بستی میں چلیں

اس نگر میں تو سبھی ہم سے خفا رہتے ہیں

اس نے آنکھیں موند کر خود کو سکون دینے کی کوشش کی...... تو جانے کیوں بہم سے عارض اور اذان دونوں اس کی نگاہوں میں آ گئے۔ گھبرا کر آنکھیں کھول دیں تو کمرہ خالی تھا...... سناٹا تھا۔

''شرمین...... کیا ان دونوں کو دیکھے بغیر سکون سے رہ سکو گی......'' ذہن سے آواز گونجی۔

''اس کو تو چھین لیا ہے' اچھا ہے کہ میں دور چلی جاؤں' اس کے بنا جی سکوں' وہ جہاں بھی جائے خوش رہے......'' اس نے رقت بھری آواز میں جواب دیا۔

''اور تم...... تم کیسے خوش رہو گی؟''

''جیسے پہلے خوش رہتی تھی' تنہا' اکیلی۔''

''نہیں' تم کیوں اپنے ساتھ ظلم کر رہی ہو' عارض کو کس جرم کی سزا دے رہی ہو' اسے معاف کر کے زندگی خوب صورت بنالو۔'' دل نے کہا تو وہ دل مسوس کے رہ گئی' جانے کیا چاہتی تھی' کیا ہو رہا تھا۔ ایک پل کا سکون نہیں تھا۔

''کشف...... تم نے میری زندگی میں دھواں بھر دیا...... اذان کو دور کر دیا۔'' اس کے لبوں پر کشف کے لیے کڑواہٹ پھیل گئی جب کچھ سمجھ نہیں آیا تو اسی کو قصور وار ٹھہرا دیا۔

❁......○......❁

جونہی بلقیس نے ننھی کے ہمراہ عبدالصمد کے آنے کی اطلاع دی' جہاں آرا نے جلدی سے اٹھ کر کمرے کا دروازہ اندر سے لاک کیا اور سختی سے کہہ دیا کہ میں سو رہی ہوں اور مجھے کسی سے نہیں ملنا۔

یہ سن کر صفدر کو سخت حیرت ہوئی...... عبدالصمد اس سے لپٹ گیا' اس نے بھی بنا گنتی اور شمار کے اسے ڈھیر سارا پیار کیا...... ننھی نے تعجب سے جہاں آرا کے بند کمرے کا دروازہ دیکھا۔

''خلاف توقع ری ایکشن آیا ہے۔'' صفدر نے ننھی سے کہا۔

''لیکن......''

''فی الحال تو ان سے پوچھا بھی نہیں جا سکتا۔'' اس نے کہا اور انہیں اپنے کمرے میں لے آیا...... بلقیس نے بسکٹ اور چپس کھول کر عبدالصمد کے سامنے رکھے' صفدر اسے محویت سے تک رہا تھا۔

''بہت شوق سے کھاتا ہے' آپ کو اور خالہ جان کو بہت مس کرتا ہے تو سارا سارا دن کچھ نہیں کھاتا۔'' صفدر کے کلیجے پر گھونسا سا لگا' بے اختیار اسے چومنے لگا۔

''ہم مستقل پاکستان سے چلے جائیں گے' پھر جانے کب پاکستان آنا ہو؟'' اس نے بتایا۔

''کب...... کیوں؟'' وہ چونکی۔

''اس سے دوری یہاں رہ کر برداشت نہیں ہوتی' زیبا سے کہنا کہ اپنے بیٹے کا اور ہمارے وارث کا خوب خیال رکھے۔ اس کے لیے جو بن سکا بھیجتا رہوں گا۔''

''مگر......''

''ابھی فوراً نہیں کچھ وقت لگے گا' مل کر جاؤں گا اپنے بیٹے سے۔'' وہ بولا۔

''اخاہ......'' ننھی کے لبوں پر حسرت دم توڑ گئی۔

''اسے اور کیا کھلانا ہے؟''

''بس کوئی فروٹ وغیرہ۔''

"میں لاتا ہوں آپ اس کا خیال رکھو۔" وہ کہہ کر باہر آیا اور پہلے امی کے دروازے پر دستک دی اور بولا۔

"امی...... آپ اپنے عبدالصمد سے نہیں ملیں گی؟" اندر سے کوئی جواب نہیں آیا۔

"امی...... پلیز دروازہ کھولیں، میں مجرم ہوں، عبدالصمد تو بے قصور ہے، مل لیں۔" اس نے منت کی۔ مگر جواب آیا نہ دروازہ کھلا...... وہ افسردہ سا مایوس ہوکر وہاں سے آ گیا۔ جانتا تھا کہ یہ ردعمل بہت اذیت ناک ہے انہوں نے عبدالصمد سے ملنے کے لیے خود کو اس جبر سے ضبط سے گزارا تھا...... یہ سزا خود کو نہیں دراصل اسے دی تھی، وہ ماں کو دکھ دینے والا بن گیا تھا۔

"صفدر بھائی...... خالہ جان کو دکھی دیکھ کر مجھے بہت صدمہ ہو رہا ہے۔"

"یہ دکھ ہماری زندگی میں آپ کی معصوم سہیلی لائی ہے۔" اس نے طنز کیا۔

"اتنا بڑا قصور تو نہیں تھا۔"

"گڑے مردے اکھیڑنے سے فائدہ۔" وہ بولا۔

"ٹھیک ہے اجازت دیں، میں نے اسے چھوڑ کر اپنے گھر جانا ہے۔" ننھی نے کہا تو اس نے تڑپ کر عبدالصمد کو بانہوں میں بھر لیا...... اس کے گال چومے اور پھر اس کو تھما دیا اس موقع پر اس مضبوط آدمی کی آنکھوں میں محبت کا سمندر تھا صرف اپنے بیٹے سے محبت کا سمندر......

"صفدر بھائی...... محبت اپنا رستہ کیسے بنا لیتی ہے یہ آج میں نے دیکھا۔"

"جو دیکھا اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا...... میری انا کو ٹھیس پہنچے گی۔" اس نے کہا۔ ننھی اثبات میں گردن ہلا کر عبدالصمد کو لے چلی گئی جب کہ بہت کچھ تھا اس کے پاس کہنے کو مگر ننھی بھی اپنی انا کھونا نہیں چاہتی تھی۔

❁......○......❁
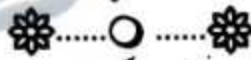
اس کا خیال تھا کہ عارض ضرور فون کرے گا مگر ایسا دو تین دن گزر جانے کے بعد بھی نہیں ہوا تو اس نے ایسے وقت میں حاکم چاچا سے ملنے کا ارادہ کیا جس وقت عارض اور اذان گھر میں نہیں تھے۔ حاکم چاچا کچن کے سامان کی لسٹ بنا رہے تھے۔ اسے دیکھ کر مسکرائے، وہ شرمندہ سی ان کی مسکراہٹ کا جواب نہ دے سکی۔

"بی بی...... ذرا دیر پہلے صاحب نکلے ہیں۔"

"مجھے ان سے نہیں آپ سے ملنا تھا۔" اس نے پرس کھول کر ایک چھوٹا سا گلابی رنگ کا لفافہ نکالتے ہوئے کہا۔

"جی بسم اللہ۔"

"معذرت خواہ ہوں چاچا...... میں ولیمے میں شریک نہ ہو سکی۔"

"کوئی بات نہیں۔" وہ بڑی فراخدلی سے بولے۔

"دراصل...... میری زینت آپا کینیڈا میں فوت ہو گئی ہیں، ان کے گھر میں قل خوانی وغیرہ کے لیے تین دن وہیں رہی...... ان کا یہاں میرے علاوہ کوئی نہیں...... میں انہی کے آفس میں کام کرتی ہوں۔" اس نے کچھ سادہ سے انداز میں تفصیل بتائی۔

"اوہ...... اللہ مغفرت فرمائے آمین۔"

"آمین۔"

"کوئی ایسی بات نہیں ہے، ہمیں تو آپ کے پاس آنا چاہیے تھا۔" وہ بولے۔

"آپ کو اطلاع بھی نہیں دے سکی خیر...... کیسی ہے آپ کی بہو؟"

"ہری پوری ہوئی ہے عبدالقادر بھی گیا ہے۔"

"اچھا...... یہ میری طرف سے ان دونوں کے لیے چھوٹا سا تحفہ ہے۔" اس نے لفافہ ان کی طرف بڑھایا تو انہوں نے صاف انکار کردیا۔

"ارے نہیں بی بی...... اس کی ضرورت نہیں۔"

"تو میں سمجھ لوں کہ آپ نے مجھے معاف نہیں کیا۔"

"ارے کیوں شرمندہ کرتی ہیں۔"

"تو پھر یہ تحفہ قبول کریں۔"

"اچھا جی جیسے آپ کی خوشی۔"

"مجھے آپ سے بات کرنی تھی ہری پور کے حوالے سے۔"

"جی...... جی بولیں۔"

"میں آغا جی کے خط کے مطابق وہاں جانا چاہتی ہوں آپ ساری تفصیل وغیرہ دیں۔"

"کون سا خط۔"

"آغا جی کا اور کون سا؟" وہ حیرت سے بولی۔

"اوہ...... اچھا وہ خط ٹھیک ہے مگر میں......"

"کیا ہوا؟"

"اس کے لیے میں ذرا معاملات طے کرکے بتاؤں گا۔" وہ ہکلائے۔

"کیسے معاملات؟"

"آپ کے وہاں جانے کے لیے۔"

"میں نے تو یہ بھی نہیں بتایا کہ خط میں کیا ہے تو پھر آپ کون سے معاملات کی بات کررہے ہیں؟"

"تو بتائیں آپ۔"

"آغا جی نے آبائی گھر کو عبدالمعید صاحب کے نام سے ٹرسٹ بنانے کا لکھا ہے اور......"

"اوہ...... اچھا اچھا تو پھر ابھی صبر کریں وہ میں آپ کو بتاؤں گا۔ وہاں کچھ رنگ و روغن کی اور بجلی کا کام کرانے کی ضرورت ہے۔"

"وہ تو میں جا کر کرالوں گی بس میں جلد یہ کام کرنا چاہتی ہوں۔"

"کوئی بات اور......؟"

"کیسی بات؟"

"میرا مطلب کوئی پریشانی وغیرہ؟" وہ بولے۔

"بس چاچا...... میں یہاں سے دور جانا چاہتی ہوں۔" وہ نڈھال سی بولی تو وہ بولے۔

"بس تھوڑا سا وقت دیں پھر جیسا آغا جی نے کہا ویسا کریں آپ کو سب اختیار ہے۔"

"اپنے صاحب سے ذکر کرنا ہے۔"

"ارے نہیں فی الحال ضرورت نہیں ہے۔ بعد میں......"

"مگر وہ ایسے تو برا مانیں گے ان کی اجازت بھی تو ضروری ہے۔" اس نے کہا۔

"ہاں...... ہاں مگر ابھی صبر کریں۔" انہوں نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔"
"میں خود آپ کو بتاؤں گا۔" حاکم چاچا نے کہا۔
"ٹھیک ہے۔"
"میں چائے بنواتا ہوں۔"
"نہیں، اذان کو مستقل رکھ لیا ہے کیا؟"
"نہیں، اس کی مرضی ہے، بس ابھی یہ فیصلہ صاحب کریں گے کہ اس کو کہاں جانا ہے۔" انہوں نے بتایا وہ کچھ نہ بولی۔
بس چپ چاپ اٹھ گئی۔ مگر جاتے جاتے حاکم چاچا کو بہو اور بیٹے سمیت کھانے کی دعوت دے ڈالی۔
"جی ضرور، وہ آ جائیں پھر۔"
"ہنہ......" وہ مسکرا کر نکل آئی۔

❁......○......❁

وہ اسٹاف کے ساتھ میٹنگ کر رہا تھا، اطلاع ملی کہ کوئی میڈم کشف ملنے آئی ہیں۔ اس نے فوراً میٹنگ ختم کی اور اپنے آفس میں آ کر کشف کو وہیں بلوالیا۔ وہ آ گئی تو اس نے بنا پوچھے چائے کا کہہ دیا۔
"میں آپ کی دی ہوئی ٹائم کی مدت سے دو دن پہلے آ گئی ہوں۔" کشف نے بات شروع۔
"گڈ...... ویسے میرے اندازے کے مطابق آپ کو چار دن پہلے آ جانا چاہیے تھا۔" اس نے ذومعنی جملہ اچھالا۔ وہ سمجھی نہیں۔ "اینی وے فیصلہ کرنے میں وقت تو لگتا ہے۔"
"جی...... جی۔"
"مجھے لمبی بات نہیں کرنی۔"
"اچھی بات ہے بولیں۔"
"آپ کی آفر قبول ہے......"
"آں ہاں...... کسی وضاحت کی ضرورت نہیں۔" اس نے بات کاٹی۔
"تو کب؟"
"جب آپ کہیں۔"
"آپ کی آفر اس لیے قبول کی کہ اذان ہمارا خون ہے، ہمیں اس کے لیے سوچنا ہے۔" کشف نے کہا۔
"جی...... جی آپ نے ٹھیک کہا آپ کا فیصلہ اچھا ہے۔"
"پھر اذان کو......" وہ رکی۔
"میں اسے سمجھاؤں گا۔"
"آپ فون کر دیجیے گا۔"
"جی ٹھیک ہے آپ اطمینان رکھیں، میری زبان میں رتی برابر فرق نہیں آئے گا۔" اس نے اسے کچھ متفکر سا دیکھ کر کہا۔
"میرے بھائی جان کا سامان۔"
"وہ سب مل جائے گا شرمین کے کس کام کا۔"
"ویسے تو ہم نے بھی اس کا کیا کرنا، بس......"
"میں جانتا ہوں آپ فکر نہ کریں وہ مل جائے گا۔"

"میں شرمین سے مل لوں گی۔"

"نہیں آپ نے انہیں ڈسٹرب نہیں کرنا بس آپ کے اور میرے درمیان ہی یہ سب بات ہے۔" اس نے سختی سے ٹوکا۔

"اوکے...... اجازت۔" وہ اٹھی۔

"چائے تو......"

"پھر سہی، مجھے جلدی ہے۔" وہ بولی۔

"اٹس اوکے اللہ حافظ۔" وہ آفس سے چلی گئی تو عارض نے افسردگی سے آنکھیں موند کر کرسی کی پشت سے سر ٹکالیا۔

"شرمین...... مجھے تمہاری خوشی چاہیے بس۔" لب ہلے اور سکون سا آ گیا۔

❁......○......❁

گروسری ختم ہوگئی تھی۔ پچھلے کئی دنوں سے وہ مصروفیت کے سبب مارکیٹ نہیں جا سکی تھی۔ اب ڈرائیور کسی ضروری کام سے آیا تو اس نے گاڑی نکالنے کو کہہ دیا...... وہ باہر نکل گیا تو وہ جلدی جلدی دوپٹہ شانوں پر پھیلا کر پرس اٹھائے باہر نکلنے ہی والی تھی کہ عارض بڑی شان بے نیازی سے چلتا ہوا سیدھا کمرے میں آ گیا۔ اس کی غیر متوقع آمد پر وہ کچھ حیران سی ہوئی۔

"سوری میں ذرا جلدی میں ہوں۔" وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔

"میں بھی جلدی میں ہوں محترمہ......" وہ اکڑ کے سیدھا صوفے پر بیٹھ گیا۔

"جی فرمائیں، باہر ڈرائیور انتظار کر رہا ہے۔"

"ڈرائیور جا چکا ہے میں نے اسے بھیج دیا ہے۔" وہ تحمل سے بولا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے، مجھے اس کے ساتھ جانا تھا۔" اسے غصہ آ گیا، چہرہ سرخ پڑ گیا۔

"یہ خادم حاضر ہے...... چلو نہیں تو مرضی ہے آپ کی، ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ مجھے بہت جلدی ہے۔" وہ آرام آرام سے بولا تو اسے اور زیادہ اشتعال آ گیا۔

"تو بولیں۔"

"وصبیح احمد کا خط اس کے وکیل سے متعلق ڈاکومنٹ وغیرہ درکار ہیں۔"

"کیوں؟"

"ان میں سے انڈے بچے نکالنے ہیں؟"

"پلیز......"

"بھئی اذان کا معاملہ نپٹانا ہے تاکہ میں آزاد ہو جاؤں یہاں سے جانا ہے مجھے۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

"کیا مطلب؟"

"اذان کا کوئی فیصلہ تو کرنا ہے نا اس کے لیے وہ خط لازمی چاہیے۔" وہ بولا۔

"مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں تو اذان کو جانتی ہی نہیں، تم ہی سب کچھ ہو۔" وہ تلخی سے بولی۔

"ہاں تو مت جانو اسے، وہ انتہائی خودسر بچہ ہے، تمہارا نام بھی نہیں لیتا، اس کی پھوپو کو بہت زعم ہے اس پر، وہ خط دیکھیں گی تو سمجھ میں آ جائے گا۔"

"اذان کو تم نے خودسر بنایا ہے۔"

"میں نے...... کیا میں کسی کو کچھ بنا سکتا ہوں، اگر بنا سکتا تو تم کو اپنا بنا لیتا۔" وہ بڑی سادگی سے کہہ گیا...... تو وہ گڑبڑا گئی۔

"دیتی ہوں وہ خط بلکہ سب کچھ...... لے جا کر دے دو کشف کو۔" وہ جذباتی ہو کر الماری کی طرف بڑھی اور سب سامان

نکال نکال کر باہر پھینکنے لگی ذرا سے۔ صبیح احمد کا خط نکال کر اس پر پڑا...... وہ مچلوظ ہو رہا تھا۔

"تمہاری جان چھوٹے گی ایسے بے وفا بچے کا کیا کرنا جس کے باپ نے بھی بے وفائی کی ہو۔" اس نے دانستہ اسے تنگ کیا۔ وہ خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے چلائی۔

"یہ میرا اور اس کا ذاتی مسئلہ ہے تم کون ہوتے ہو؟"

"اسی لیے میں اذان کا معاملہ سیٹ کر کے چلا جاؤں گا' پھر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملوں گا۔" وہ بڑی سنجیدگی سے بولا تو وہ منہ پھیر کر کھڑی ہوگئی۔

"سب سامان بھی لے جاؤ۔"

"بے فکر رہو سب کچھ لے جاؤں گا۔" وہ اطمینان سے بولا۔

"جلدی...... کیونکہ مجھے بھی بے فکر ہو کر جانا ہے۔"

"کہاں......؟"

"تم سے مطلب......؟" وہ گرجی۔

"او کے......"

"اذان کو چھین لیا ہے تم نے۔" بے اختیار ہی وہ رندھے گلے کے ساتھ کہہ گئی۔

"کمال ہے وہ کب تمہارا تھا۔ وہ کتنے دنوں سے تمہارے بغیر رہ رہا ہے نام تک نہیں لیتا' پوچھنا حاکم چاچا سے کہ اسے لاکھ سمجھاتا ہوں مگر وہ تم سے ملنا تو دور کی بات' بات تک نہیں کرنا چاہتا۔" وہ غصے میں آ گیا۔

"او کے...... جاؤ یہاں سے۔"

"چلو میرے ساتھ...... مارکیٹ لے چلتا ہوں۔"

"میں خود گاڑی چلا سکتی ہوں۔"

"یہ خودسری اور ضد بہت مہنگی پڑے گی' میرے جانے کے بعد یاد کرو گی۔" وہ تلملا کر چلا گیا...... اس نے غصے سے دوپٹہ اتار کر بیڈ پر پھینکا اور گلاس بھر کے پانی ایک سانس میں پی گئی۔

❁......○......❁

چاندنی کھلی ہوئی تھی' ہلکی ہلکی پھولوں کی مہکار لیے ہوا اٹھلا رہی تھی۔ آسمان پر تاروں کی بارات تھی' چاند پوری ضوفشانیوں کے ساتھ جلوہ گر تھا۔ ایسے میں سفید لباس میں ملبوس شرمین کسی بھٹکی ہوئی روح کی مانند ٹہل رہی تھی۔ اس کی توجہ نہ چاندنی کی طرف تھی اور نہ ستاروں کی طرف ایسے چاندنی میں نہائے نہ پھولوں کی کشش نے متاثر کیا اور نہ ان کی مہک نے دل کو چھوا...... وہ تو بے قرار' مضطرب' اداس تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تنہا تھی...... اپنے اندر کی خاموشیوں سے دست و گریباں اپنے حالات کی عجیب سی بنی صورت حال سے پنجہ آزمائی کرتی۔

"رک جاؤ' تھم جاؤ شرمین' بیٹھ کر اطمینان سے سوچو' کیا ہو رہا ہے؟ کیا یہی تم چاہتی تھیں کیا یہی پا کر تم خوش رہو گی...... دھیرے دھیرے وقت مٹھی سے نکلتا جا رہا ہے' اپنے ہمراہ سب رشتوں کو لیے...... آج صبیح احمد کا خط نہیں گیا' اذان رخصت ہو گیا' تمہاری سختی سے عارض نے کہیں جانے کا ارادہ کر لیا' تم کیا کر رہی ہو؟ اتنی ڈھیر ساری ذمہ داریاں پھیلا کر کیسے پُرسکون رہ سکو گی...... یہ گھر' زینت آپا کا گھر' ان کا کاروبار' کیسے مینج کرو گی...... اور اگر کر سکتی ہو تو پھر بے قرار کیوں ہو...... کس کے لیے ہو؟ سوچو...... سوچو شرمین۔"

"کسی کے لیے نہیں' میں تنہا تھی اور تنہا ہی رہوں گی۔" اس نے سرکشی سے ذہن میں پیدا ہونے والے خیالات کو جھٹکا۔

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد
صائمہ اکرام
عُشنا کوثر سردار
اشفاق احمد
نمرہ احمد
سعدیہ عابد
نبیلہ عزیز
نسیم حجازی
فرحت اشتیاق
عفت سحر طاہر
فائزہ افتخار
عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو
تنزیلہ ریاض
نبیلہ ابر راجہ
ہاشم ندیم
نگہت سیما
فائزہ افتخار
آمنہ ریاض
مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ
سباس گُل
عنیزہ سید
مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ
رُخسانہ نگار عدنان
اقراء صغیر احمد
علیم الحق
رفعت سراج
اُم مریم
نایاب جیلانی
ایمائے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،
حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ،
سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،
جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

"جھوٹ بالکل جھوٹ، تم تنہا نہیں تھیں، ہاں تم نے ایسا کرنے کا فیصلہ ضرور کیا ہے؟ کیا دشمنی ہے تمہیں عارض سے ذرا سوچوا تنا چاہنے والا انسان کیوں گنوا رہی ہو...... کس کے لیے؟ کس کی خاطر اذان کے لیے...... تو کیا اب بھی یقین نہیں کہ وہ جا چکا ہے ایک بار بھی تمہیں پلٹ کر نہیں دیکھا...... پھر......"

"نہ دیکھے، مگر ایسے حالات دیکھنے پڑے عارض کی بے وفائی کی وجہ سے سنا تم نے وہ اگر بے وفائی نہ کرتا تو میرے حالات مختلف ہوتے اس کی دی ہوئی جفا نے مجھے اذان میں الجھایا ہے میری زندگی دربدر جو ہوئی تو عارض کی وجہ سے ورنہ آغا جی کی زندگی میں سب ٹھیک ہو جاتا اور سوچو عارض نے کیا، کیا...... اب اس کی وابستگی کا کیا کروں؟ بس جب اس نے مجھے چھوڑ دیا تھا تو چھوڑ دیا۔" اس نے سختی سے خیالات کو جھڑکا۔

"تو ٹھیک ہے تنہا اس خالی گھر میں بھٹکتی رہنا سب پرندے اڑ جائیں گے۔" اس خیال نے اس کا دل مٹھی میں لے کر مسلا...... آنکھیں بھر آئیں، فجر کی اذان دور سے سنائی دی تو اسے احساس ہوا کہ رب کے دربار میں حاضری کا وقت ہو گیا ہے، چل کر اپنے رب سے باتیں کرلے اپنی تنہائی بانٹ لے۔

❁......○......❁

صفدر نے ریزائن دے کر اپنے تمام واجبات کی طلبی کے لیے تمام تر تفصیل جمع کرائی...... اور باہر نکل آیا...... قریب میں شرمین کا آفس تھا اس سے ملے ہوئے کافی دن ہو گئے تھے اب اس ماہ کے آخر تک جانے کی تاریخ متوقع تھی شرمین کو یہ نہیں بتایا تھا...... لہٰذا تھوڑی سی ڈرائیو پر اس کے آفس آ گیا۔

وہ اسے دیکھ کر کافی خوش ہوئی مگر جونہی صفدر نے اپنے ریزائن کا ذکر کیا اور ملک سے جانے کا بتایا تو وہ اداس اور حیران ہوئی۔

"مطلب آپ بھی جا رہے ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"کیا مطلب...... اور کون جا رہا ہے؟" صفدر کے لیے کافی منگوائی اس کا سپ لیتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کو نہیں پتا......؟" اس نے یہ کہتے ہوئے اخبار اس کے سامنے کر دیا۔ صفدر نے اخبار پر نظر ڈالی اور پھر اسے دیکھا۔

"دیکھیں اخبار کے بیک پینل میں سیکنڈ پینل دیکھیں۔" شرمین نے بتایا۔ صفدر نے ویسا ہی کیا...... وہ اپنے لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہی...... چند لمحوں بعد صفدر اپنی سیٹ پر تقریباً اچھلا اور بولا۔

"یہ...... عارض نے اشتہار دیا ہے اپنی انڈر کنسٹرکشن فیکٹری، تین کنال کے پلاٹس اور دو اپارٹمنٹ سیل کرنے ہیں، بیرون ملک جانے کی وجہ سے۔"

"جی...... لکھا تو یہی ہے۔"

"پر کیوں...... پوچھا آپ نے؟"

"میں نے...... میرا کیا حق ہے۔"

"او کم آن...... شرمین اتنی غافل مت رہو اس کے اس اقدام کے پیچھے وجہ کچھ اور ہے، کہیں وہ لڑکی سنجنا......" صفدر کو تشویش ہو رہی تھی اسے عارض نے بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا۔

"میں نے تو اس پر کچھ نہیں سوچا۔"

"اپنی پراپرٹی بیچ کر بیرون ملک جا رہا ہے اور تم......" صفدر نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"صفدر بھائی...... مجھے کیا لینا دینا۔"

”مطلب..... عارض کہیں بھی جائے؟“

”ہاں..... ویسے بھی وہ میری مرضی کا پابند تو نہیں۔“

”تو پابند کرو..... کیوں اس طرح پھیکی زندگی جی رہی ہو۔“

”صفدر بھائی کچھ چیزوں پر اختیار نہیں ہوتا۔“ وہ نرمی سے بولی۔

”کب تک اذان کو لے کر چل سکو گی' عارض دل پھینک ہے کہیں گیا تو.....“ صفدر کہتے کہتے رکا۔

”تو کیا فرق پڑے گا؟ اذان تو اس نے ہی مجھ سے دور کیا ہے' وہ میرا اپنا بھی نہیں۔“

”او خدایا..... سب کچھ کس قدر الجھا دیا ہے تم دونوں نے..... میں اس کے پاس ابھی جاتا ہوں۔“

”نہیں..... ہرگز نہیں' جانے دیں۔“

”شرمین..... وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے یہ تو سچ ہے' تم نے اسے سمجھا نہیں۔“ صفدر نے عارض کی طرف سے وکالت کی۔

”پتا نہیں۔“

”شرمین..... پلیز میری بہن لچک پیدا کرو وہ چلا گیا تو.....“ صفدر نے اسے سمجھانے کی آخری کوشش کی۔

”میں کیا کروں صفدر بھائی..... میں مٹی سے بنی ہوں' میرے اردگرد مسائل ہیں اور میں اکیلی.....“ وہ ضبط نہ کرسکی۔

”اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ نہ اکیلی رہو' عارض سے پوچھو تو۔“ صفدر نے آخری بار کہا' وہ کچھ سوچ کر چپ ہوگئی۔

صفدر نے جیسا شرمین سے کہا تھا' اسی کے مطابق وہ سیدھا عارض کے دفتر میں پہنچا اور ایک دم اس پر چڑھائی کردی۔

”تم ایسا کربھی کیسے سکتے ہو؟ تمہیں احساس ہے کہ کروڑوں کی جائیداد آغا جی کی خریدی ہوئی چیزیں فروخت کررہے ہو' اتنی بے حسی کی نوبت آگئی' مجھے بتایا تک نہیں.....“ صفدر نے ایسا اٹیک کیا کہ عارض نے مسکرانا شروع کردیا۔

”مسئلہ کیا ہے تمہارا؟“

”بکومت..... تمہیں شرم بھی نہیں آرہی کہ مجھے ہی کم از کم بتا دیتے۔“

”کیا؟“ وہ انجان بن گیا۔

”وہی جو اخبار میں چھپا ہے۔“

”اچھا..... تو اس میں قباحت کیا ہے؟“ اس نے بیل بجاتے ہوئے آرام سے پوچھا' چپڑاسی آیا تو اسے چائے بسکٹ لانے کو کہا۔

”صرف قباحت اور بیرون ملک جانے کی حسرت باقی ہے ابھی۔“ صفدر نے کہا۔

”یار..... ابھی دیکھا کیا ہے؟ اور یہاں کیا ہے میرا..... بولو؟“ وہ کچھ سنجیدہ ہوا۔

”مطلب..... یہاں کچھ نہیں ہے۔“

”ہاں..... کچھ نہیں ہے میرے لیے۔“

”شرمین.....!“ صفدر نے جملہ ادھورا چھوڑا۔

”شرمین وہ تو مجھے جانتی ہی نہیں۔“

”کیسے جانے گی.....؟ تم تو اسے چھوڑ کر بھاگنے کی سوچ رہے ہو۔“ صفدر نے جواب دیا۔

”صفدر..... تم بھی چلے جاؤ گے' پھر میں یہاں آغا جی کے بعد بہت اکیلا ہوگیا ہوں' مجھے باہر کی دنیا دیکھنے سے ہی شاید سکون ملے۔“ عارض نے دکھی دل کے ساتھ کہا۔

"یار...... تم ویسے ہی گھوم پھر آؤ پر اپنی [illegible] کریں...... مستقل جانا چاہتے ہو؟" صفدر نے کہا۔

"ہاں...... مستقل۔"

"غلط فیصلہ ہے۔"

"اب تو کرلیا' غلط ہے یا ٹھیک۔"

"نہیں یہ ٹھیک نہیں ہے' شرمین سے بات کرو۔"

"اب بات کرے گی تو وہ کرے گی' میں نہیں' ویسے میں نے جانا ہے۔"

"عارض...... وہ معصوم ہے' اپنے اندر گھلتی رہے گی اور تمہاری محبت کا کیا ہوا؟"

"وہ موم کی محبت تھی' ذرا سی تپش سے پگھل گئی۔" عارض نے جواب دیا۔

"جھوٹ وہ محبت ہوتی ہی نہیں جس پر موسم اثر انداز ہوں' موم کی بھی تھی تو پگھلنے کے لیے نہیں تھی' سچ اور مصلحت کے سانچے میں ڈھلنے کے لیے تھی۔ شرمین کو انڈر ایسٹی میٹ کررہے ہو۔" صفدر نے بڑی تفصیل سے سمجھایا۔

"شرمین کے دل پر محبت کا اثر ہوتا ہی نہیں...... وہ اپنی دنیا میں مگن ہے۔" عارض نے کہا۔

"یار...... بیٹھے بٹھائے اتنا بڑا فیصلہ کرلیا تم نے' اس بیچاری کو بتایا تک نہیں۔"

"یار...... پلیز کوئی اور بات کرو' جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔" وہ چڑ کر بولا۔ صفدر لاجواب ہوگیا اور مزید بات کیے بنا لوٹ آیا۔ کیونکہ وہ اپنے فیصلے پر اڑا ہوا تھا۔

❀......○......❀

"حاکم چاچا...... یہ مذاق ہے کیا' آغاجی کی جائیداد نیلام کرکے عارض پھر کوئی نیا گل کھلانے جائے۔" صفدر نے اطمینان کا سانس نہ لیا اور حاکم چاچا کے پاس پہنچ گیا۔

"دیکھا جائے تو چھوٹے صاحب کے ساتھ ظلم ہی ہوا ہے' اکیلے شرمین بی بی کی یاد میں تڑپتے ہیں' مگر وہ ان سے خفا ہی رہیں...... میں نے بہت سمجھایا مگر نہیں مانتے۔ مجھے تو یہ معلوم نہیں کہ کہاں جارہے ہیں؟" حاکم چاچا کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

"شرمین کی وجہ سے جارہا ہے؟"

"ظاہر ہے۔"

"یہ مسئلے کا حل ہے؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں' سب بیچ کر صرف یہ گھر اور ایک فیکٹری بچے گی۔" حاکم چاچا دکھی تھے۔

"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ یہ فیصلہ غلط ہے' اسے سمجھائیں۔" صفدر نے کہا۔

"بہت سمجھایا ہے' اب اللہ ہی سمجھا سکتا ہے۔"

"کاروبار کا کیا ہوگا؟"

"کچھ پتا نہیں۔"

"اذان کہاں ہے؟"

"اپنی پھوپو کے پاس۔"

"یعنی......" وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"کچھ کہا......؟"

"نہیں یہ دونوں بھی میری طرح ہی ہیں۔" صفدر افسردگی سے کہہ کر اٹھ گیا۔

"آپ شرمین بی بی کو سمجھائیں کہ وہ چھوٹے صاحب کو منالیں۔"
"کوئی فائدہ نہیں وہ بھی ٹیڑھی پسلی کی پیداوار ہے۔" صفدر نے مایوسی ظاہر کی۔
"پھر تو کچھ نہیں ہوسکتا۔"
"ہاں...... عارض نے میری بات نہیں مانی تو شرمین بھلا کیسے مانے گی؟" صفدر نے دکھ سے کہا۔
"افسوس تو یہ ہے کہ مشکل سے واپسی ہوئی تھی ہمارے آغا جی کی روح تڑپے گی کاروبار تباہ ہوجائے گا۔ آپ...... آپ ہی کاروبار کی ذمہ داری لے لیں۔"
"میں...... میں تو خود پاکستان سے جارہا ہوں۔ تقریباً پانچ سال کے لیے۔" صفدر نے بتایا۔
"آپ بھی...... شاید اسی لیے۔"
"نہیں میرے جانے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔"
"کیا سوچا تھا کیا ہورہا ہے؟"
"بس کیا کہہ سکتے ہیں۔" صفدر نے تاسف سے لمبی آہ بھری اور پھر وہاں سے چل دیا۔ اپنی دانست میں اسے روکنے کی اس نے بھرپور کوشش کی تھی مگر بات نہیں بنی۔

❁......○......❁

اشتہار والا اخبار سینے سے لگائے وہ جانے کیوں اس قدر مضطرب تھی...... بار بار پڑھنے سے بے قراری بڑھ رہی تھی دل کو قرار دینے کے لیے صفدر سے ویسے ہی فون پر بات کی مقصد تو یہ جاننا تھا کہ عارض کیوں اور کہاں جانا چاہ رہا ہے؟ مگر صفدر نے شعر پڑھ دیا۔

دشتِ وفا میں آبلہ پا کوئی بھی نہیں
سب جا رہے ہیں سایۂ دیوار کی طرف

اور یہ سننے کے بعد اس نے بیڈ پر چت لیٹ کر چھت پر نظریں مرکوز کردیں......
"صرف میری آبلہ پائی کا کوئی حساب نہیں رکھتا...... کیونکہ انا اور محبت کی ضد میں اب سچ مچ تمہارے تنہا رہنے کا وقت آگیا ہے۔ وہ بجلی کی سی سرعت سے اٹھی اور اپنی الماری سے وہ چیزیں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگی جو بہت عرصے سے غیر استعمال شدہ اشیاء کے خانے میں اس نے پھینک رکھی تھیں...... ان سب چیزوں پر اس کی عدم توجہی نے گرد چڑھادی تھی۔ ہر چیز پر عارض کی شوخ محبت کے شوخ کلمات درج تھے۔ وہ بت بنی انہیں پڑھ رہی تھی...... اس کی کیفیت آج کچھ اور ہی تھی...... اس کے جانے کے احساس نے تن مردہ کو عذاب میں مبتلا سا کردیا تھا...... سب پرفیومز، بریسلیٹ، میک اپ کٹس، کلچ، بکس، رسٹ واچ ایک ایک کرکے اس نے اپنے آنچل کے پلو سے صاف کیے...... لبوں کے قریب لاکر واپس وہاں ہی رکھنے لگی...... یہ سوچتے ہوئے۔

تیرے حرف ولب کا طلسم تھا مری آب وتاب میں رہ گیا
وہ کسی گلاب کا عکس تھا جو مری کتاب میں رہ گیا
میں کہاں سراپائے ناز تھی مجھے یاد ہے شب تیرگی
وہ کسی کے لمس کا معجزہ جو مرے شباب میں رہ گیا
دلِ خوش گماں تری خیر ہو تو ہے پھر یقین کی صلیب پر
تجھے پھر کسی سے شکایتیں تو اسی عذاب میں رہ گیا

تجھے کیا ملا دل جلا کے نہ کوئی دعا نہ کوئی وفا
مگر ایک عرصہ رائیگاں جو ترے حساب میں رہ گیا
کوئی پھول کھل کے بکھر گیا کوئی بات بن کے بگڑ گئی
نہ سوال کوئی لبوں پہ ہے نہ گلہ جواب میں رہ گیا
وہ جو میرا عہدِ جمال تھا وہ جو میرا شہرِ خیال تھا
مگر اس کا ذکر کمال بھی کسی دشتِ خواب میں رہ گیا

بند الماری سے ٹیک لگائے جیسے کئی زمانے اس کی آنکھوں کے سامنے سے گزر گئے...... دو قطرے آنکھوں ٹوٹے تو اس نے ہتھیلی سے رگڑ کر صاف کیے۔

''ٹھک ٹھک......'' دروازے پر دستک ہوئی تو وہ حواس کی دنیا میں آ گئی۔

''کون......؟''

''بی بی جی...... کیا کوٹھی کرائے پر دینی ہے ایک پارٹی آئی ہے۔'' چوکیدار کی دروازے کے باہر سے آواز آئی۔

''ہاں...... انہیں کہیں کل دن میں آ جائیں میں گھر ہی ہوں گی۔''

اس نے کچھ بلند آواز میں جواب دیا...... پہلے وہ کرائے پر دینا نہیں چاہتی تھی مگر اب ارادہ ہی بدل گیا تھا۔ لہٰذا اس نے فیصلہ تبدیل کر لیا۔ پہلے اذان کی وجہ سے کوٹھی اپنے استعمال میں رکھنا چاہتی تھی مگر اب اذان تو جا چکا تھا۔

❁......○......❁

حج کے لیے روانگی کی تاریخ آ گئی تھی۔ صفدر حج سے متعلق اشیاء کی فہرست بنا کر مارکیٹ آیا تھا۔ ''بزنس پلازہ'' کی تیسری بڑی دکان سے مطلوبہ چیزیں ملنی تھیں مگر ابھی وہ سیڑھیاں چڑھ کر اندر داخل ہو رہا تھا کہ اسے کیپسول لفٹ میں عارض اور اذان کے ہمراہ حاکم چاچا دکھائی دیئے وہ پلازے کی بالائی منزل پر گئے تھے...... صفدر نے بھی لمحہ ضائع کیے بغیر سیڑھیاں طے کیں اور خود بھی ان کو کھوجتا ہوا ایک گارمنٹس شاپ سے انہیں نکلتا دیکھ کر زور سے بولا۔

''عارض......'' عارض نے آواز سن کر پلٹ کر دیکھا اور پھر صفدر ان کے قریب پہنچ گیا۔

''تم......'' عارض نے پوچھا۔

''ہاں...... وہ حج کے لیے سامان لینے آیا ہوں۔ تمہیں دیکھا تو......'' صفدر کیونکہ سیڑھیاں طے کر کے آیا تھا اس لیے سانس پھولا ہوا تھا۔

''اچھا ماشاءاللہ۔''

''لیکن یہ اذان تو چلا گیا تھا۔'' صفدر نے اذان کی بابت پوچھا۔

''چلا گیا ہے بس کچھ اس کا ضروری سامان لینا تھا اور کچھ مجھے اپنی شاپنگ کرنی ہے۔'' عارض نے بتایا۔

''مطلب...... تم جا رہے ہو۔''

''ہاں......''

''غلط کر رہے ہو۔''

''اب تو تیر کمان سے نکل گیا پراپرٹی سیل ہو گئی میری سیٹ کنفرم ہونی باقی ہے۔'' عارض نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''تمہیں...... شرمین کا ذرا خیال نہیں۔'' صفدر نے عارض کا بازو پکڑ کے ذرا سا کھینچا اور دھیرے سے کان میں کہا۔

''دل کو جلانا میں نے چھوڑ دیا...... وہ معاف نہیں کر سکی اتنی نفرت کرتی ہے تو کیوں میں اسے نظر آؤں؟'' وہ سنجیدگی

سے بولا۔

"دراصل ڈسٹرب ہے اذان بھی تو چلا گیا..... وہ ڈپریشن کا شکار ہے۔" صفدر نے کہا۔

"یار..... مجھے یہ بتاؤ اس میں میرا کیا قصور اذان نے جانا ہی تھا اور وہ اپنے بارے میں سوچتی نہیں بس میں تبدیلی کے لیے جا رہا ہوں سال دو سال میں یہاں بزنس کی دیکھ بھال کے لیے آیا کروں گا وہاں کوئی کام وغیرہ شروع کروں گا۔"

"یہ ضد ہے اور کچھ نہیں۔"

"نہیں یہ میری مرضی ہے۔" وہ روکھے پن سے بولا تو صفدر کو برا لگا۔

"او کے..... جیسی تمہاری مرضی۔"

"تھینک یو۔"

"ٹھیک ہے اللہ حافظ۔" صفدر نے بجھے دل سے کہا اور ہاتھ ملا کر گلے ملا..... پھر واپسی سیڑھیاں اتر گیا۔ عارض افسردہ سا اسے جاتا دیکھتا رہا..... پھر لمبی سی سرد سانس بھر کے اذان اور حاکم چاچا کی طرف متوجہ ہوا..... مگر شاپنگ کے دوران سارا وقت وہ پیارے دوست کے لیے مغموم رہا..... بار بار صفدر کا چہرہ اسے دکھائی دیتا رہا۔

"تم نہیں جانتے دوست....." وہ بڑبڑایا۔

❁ ○ ❁

بوبی کے آنے کی اطلاع ٹیلی فون پر بابا نے دی۔ اسے کوئی حیرت نہ ہوئی..... حالانکہ کچھ کچھ حیرت کی بات ضرور تھی۔ کیونکہ وہ اتنی دور سے یوں اچانک وہ بھی اسے بتائے بغیر آ گیا۔

"شاید بیوی کے ساتھ مستقل آ گیا ہو۔" اس نے یہ سوچا مگر پھر ذہن سے یہ خیال جھٹک کے وہ صبیح احمد کے بھیجے ہوئے بڑے بڑے کارٹن اذان کا باقی سامان پک اپ پر لوڈ کرانے لگی۔ کرائے دار کا سامان اسی پک اپ پر آیا تھا۔ اس نے غنیمت سمجھا وہ سارا سامان جو صبیح احمد نے بھیجا تھا اور اذان کا سامان سب عارض کے پتے پر بھجوا دیا۔

کافی تھکن سی محسوس ہو رہی تھی..... ملازمہ کو سبزی کاٹنے کا کہہ کر وہ نہانے چلی گئی۔ نہا کر طبیعت ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔ بال برش کر رہی تھی کہ عارض کا فون آ گیا۔ فون اٹینڈ کرتے ہی وہ برس پڑا۔

"تم خود کو سمجھتی کیا ہو؟ اوور اسمارٹ بہت عاقل کیا سوچ کر تم نے اپنے محبوب کا سامان میرے پاس بھیجا ہے مجھے جلانے کے لیے یا یہ یاد دلانے کے لیے کہ مجھ سے پہلی محبت تمہاری صبیح احمد تھے۔" وہ رکا تو شرمین بھی اسی لب ولہجے میں جھپٹی۔

"سمجھتے تو تم خود کو بہت کچھ ہو تحمل سے سوچتے تو جان لیتے کہ یہ سامان اذان کا ہے جہاں اذان جائے گا سامان بھی وہیں جائے گا نا..... مگر تمہیں تو موقع چاہیے ہوتا ہے الزام تراشی کا۔"

"تو سامان اذان کی پھوپو کے گھر بھیجتیں..... میں کیوں کوئلوں کی دلالی میں ہاتھ کالے کروں میرا کیا لینا دینا..... ویسے بھی میں یہاں سے جا رہا ہوں وہ تمہارے محبوب میرا مطلب سابق محبوب کا بیٹا ہے اپنے معاملات خود دیکھو..... یہ سامان واپس پہنچ رہا ہے تمہارے پاس۔" یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا..... تو وہ سرتاپا سلگ اٹھی۔ اس نے جوک ہا ویسا ہی ہوا سامان واپس آ گیا..... اسے بہت غصہ آیا..... دل چاہا جا کر خوب جھگڑا کرے مگر پھر بہت مشکل سے یہ سوچ کر ضبط کر گئی کہ اس سے الجھنے کا حق ہی کیا ہے؟ اس نے ٹھیک ہی کہا..... وہ اس سامان کا کیا کرتا..... اذان ہی چلا گیا تو وہ سامان اپنے پاس کیوں رکھے؟ وہ سامان واپس اسی جگہ پڑا گیا۔

"اب کشف خود آ کر یہ سامان لے کر جائے گی۔" اس نے بڑبڑا کر کچن کا رخ کیا ملازمہ نے سبزی کاٹ دی تھی اس

نے چولہا جلایا اور سالن تیار کرنے میں مصروف ہوگئی۔ پچھلی کئی دن کھانا پکا کر فریج میں رکھتی تھی ایک آدھ روٹی کا کھانا ہی کیا تھا' کبھی آفس سے کچھ چائے کافی کے ساتھ کھالیتی تو گھر کے کھانے کی چھٹی ہوجاتی' پہلے اذان تھا تو اس کے لیے روز ہی کچھ نہ کچھ پکاتی تھی بیکنگ بھی کرتی تھی اس کی پسند اور فرمائش کے مطابق چیزیں تیار کرتی تھی۔

❀......○......❀

اگلی صبح چائے پی کر وہ سیدھی بوبی سے افسوس کرنے آگئی...... بابا نے بتایا کہ صاحب اکیلے آئے ہیں۔

"کہاں ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"بس ناشتہ تیار ہے آرہے ہیں' ویسے بھی آفس جانے کا کہہ رہے تھے۔" بابا بولے۔

"اچھا......!"

"آپ ناشتہ کریں گی۔" انہوں نے پوچھا۔

"نہیں...... شکریہ' میں ٹی وی لاؤنج میں بوبی کا انتظار کررہی ہوں۔" وہ یہ کہہ کر ٹی وی لاؤنج میں آگئی' ریموٹ سے ٹی وی آن کیا ابھی چینل سیٹ ہی کررہی تھی کہ بوبی آگیا۔ کافی کمزور' نظر کی عینک کے ساتھ' بہت سنجیدہ سا۔

"السلام علیکم! صبح بخیر۔" اس نے مسکرا کر کہا تو اس نے مسکرا کر ہلکے سی سر کو جنبش دے کر جواب دیا...... اور وہیں بیٹھ گیا۔

"بوبی...... یہ کیا حالت بنالی ہے؟"

"بس...... اب یہ حقیقت ہے کہ ماما نہیں ہیں۔" وہ افسردگی سے بولا۔

"ہاں...... یہ حقیقت ہے۔"

"بس بھری دنیا میں جیسے تنہا ہوگیا ہوں' وہ تھیں تو میرے ہنگامے اور تھے اب وہ نہیں رہیں تو مجھے موت کی آرزو ہورہی ہے۔" اس کی آنکھیں نم ہوگئی تھیں۔

"اللہ آپا کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور تمہیں صبر عطا کرے (آمین)۔" شرمین کی اپنی آواز بھی آنسوؤں سے تر ہوگئی تھی۔

"خیر...... کیسی ہو آپ؟"

"میں ٹھیک ہوں۔"

"شکریہ...... آپ نے ماما کے لیے یہاں اتنا ثواب کا کام کیا۔"

"کوئی بات نہیں' وہ میری بھی آپا تھیں اور ہیں۔"

"میں نے خود آپ کے پاس آنا تھا۔"

"چلو میں آگئی' یہ بتاؤ بیوی کو نہیں لائے' کیا واپس جانے کا ارادہ ہے؟"

"جی...... وہ بیوی نہیں ایک ہنگامہ ہے جو میں نے خود پسند کیا ٹھیک دس دن بعد واپسی ہے۔"

"ارے کیوں؟"

"بس یہ گھر اور بزنس کا کچھ فیصلہ کرنا تھا آپ سے مل کر۔"

"مجھ سے...... بولو۔"

"گھر تو ماما کی نشانی ہے' یہ ایسے ہی رہے گا' باقی بزنس اگر آپ سنبھال لو تو ٹھیک ہے ورنہ میرا دوست شان اسے کسی بھی قیمت پر لینے کو تیار ہے۔"

"ٹھیک ہے آپ شان کو دے دو کیونکہ میرے لیے خود بہت مشکل ہورہا ہے۔" اس نے ایک دم کہہ دیا۔

"اور آپ......"

"میرا کیا؟"

"میرا مطلب ہے اگر آپ اسی طرح اپنے کنٹرول میں رکھو تو یہ میرے لیے خوش بختی ہوگی' لیکن اگر نہیں تو پھر شان کو دوں گا۔" اس نے کہا۔

"بوبی...... بس میں خود اب اس جھمیلے سے نکل کر آرام کرنا چاہتی ہوں۔ گھر کا کرایہ بہت کافی ہے میرے لیے...... مجھے خوشی ہوگی کہ تم مجھے ذمہ داری سے آزاد کردو۔"

"اوکے...... آپ یہاں رہو' ماما کے کمرے میں رہا کریں۔"

"نہیں بوبی' بس میرے مقاصد اور ہیں' میں خود کو ڈسٹرب کرنا نہیں چاہتی۔"

"ٹھیک ہے' بس آج آفس جا رہا ہوں بلکہ ساتھ چلتے ہیں' اسٹاف سے میٹنگ اور شان سے معاملات طے کرنے ہیں۔"

"ہنہ...... بہتر فیصلہ ہے۔"

"ویسے تم ایسے اب تک......؟" بوبی کی زبان لڑکھڑائی۔

"اکیلی ہو...... شادی نہیں کی' یہی پوچھنا چاہتے ہونا۔" وہ بولی۔

"دراصل......"

"شادی ضروری بھی نہیں۔" وہ مسکرائی۔

"میں برے تجربے کے بعد یہی کہوں گا۔"

"اللہ بہتر کرے۔" وہ بولی۔

بوبی میں بڑی غیر معمولی تبدیلی آئی تھی۔ ماں کے بعد وہ یہ جان چکا تھا کہ اس نے ماں کی زندگی میں ناقدری کر کے انہیں دکھ دیئے' اب ان کے جانے کے بعد ماں کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔

❁......○......❁

صفدر نے اپنے کمرے کا فرنیچر اور دیگر قیمتی چیزیں ننھی سے زیبا کا پتا معلوم کر کے وہاں بھجوا دیا...... امی کے کمرے کا فرنیچر اور چند کرسیاں وغیرہ بلقیس کو دے دیں...... الیکٹرانک کی تمام چیزیں' فروخت کر کے وہ ساری رقم اپنے پرانے محلے کی بیوہ ہمسائی کو پہنچا دیئے...... گھر اب بالکل خالی تھا...... کمپنی کی گاڑی لوٹائی تھی' گھر کی چابیاں دینی تھیں آج رات کی فلائٹ تھی...... وہ جہاں آرا سمیت زیبا سے اور عبدالصمد سے ملنے کے لیے آ گیا...... جہاں آرا' سب قسمیں وعدے بھول کر عبدالصمد کو خود سے لپٹا کر دھاڑیں مارنے لگیں...... صفدر' ننھی اور حاجرہ بیگم کے لیے سنبھالنا مشکل ہو گیا...... ایسے جذباتی منظر میں زیبا بھی کمرے سے باہر دروازے سے لگی رو دی...... صفدر نے ننھی کے ذریعے زیبا سے آخری ملاقات کی گزارش کی...... تو زیبا اپنے کمرے میں آ گئی' جبکہ صفدر اس کی کھڑکی سے باہر کھڑے ہو کر مخاطب ہوا۔

"میرا کہا سنا معاف کر دینا' ہم طویل عرصے کے لیے جا رہے ہیں' عبدالصمد تمہارے پاس میری امانت ہے جو کہ میں نے تمہیں دی' مگر اس کا خیال رکھنا' اچھی تربیت کرنا...... کبھی بھی شریک حیات کی ضرورت محسوس ہو تو مجھے عبدالصمد لوٹا دینا...... صرف ایک فون کال کرنا' میں عبدالصمد کو لے جاؤں گا۔ میرے بیٹے کے ذہن میں میری یاد محفوظ رکھنا تاکہ بوقت ضرورت وہ میرے پاس خوش رہ سکے...... اس کا خرچہ ان شاء اللہ تواتر سے بھیجتا رہوں گا' جا کر اپنا پتا اور فون نمبر ارسال کروں گا...... کبھی میری ضرورت ہو تو میسج کر دینا' فون کر دینا...... اللہ حافظ۔" صفدر نے طویل بات کی' کمرے میں کھڑکی

سے گئی زیبا کا دل ٹکڑوں میں بٹ گیا۔ بنا پچی لیے وہ آنسو بہاتی رہی...... لب تھرائے مگر آواز نہ نکل سکی وہ اس کی طرف سے اللہ حافظ سنے بغیر بھاری قدموں سے چلا گیا۔ زیبا کو ایسا لگا کہ جیسے وہ آج اس کی زندگی سے گیا ہو...... اپنے دل کو مسوس کر جب باہر نکلی تو وہ ماں بیٹا جاچکے تھے عبدالصمد رو رہا تھا...... دروازے کی طرف دوڑ رہا تھا...... پاپا اور دادی کے لیے تڑپ رہا تھا...... مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ اب پانچ سال بعد وہ انہیں مل سکے گا۔

❀......○......❀

صفدر نے جانے سے پہلے عارض سے ملنا چاہا مگر وہ ضروری کام کے سلسلے میں اسلام آباد آج شام چار بجے کی فلائٹ سے جاچکا تھا۔ صفدر کو بہت اداسی اور دکھ محسوس ہوا اتنے طویل عرصے کے لیے جارہا تھا' پیارے اور عزیز دوست سے ملاقات کے بغیر۔ عارض کے گھر سے نکلتے ہوئے اس نے شرمین کو فون کیا تو اس نے فوراً آنے کو کہا۔ وہ سیدھا اس کے پاس پہنچا' ٹائم کم تھا۔

''صفدر بھائی آپ مجھے ملے بغیر چلے جاتے تو میرے بے وفائیوں کی فہرست اور لمبی ہو جاتی......'' اس نے کہا۔

''ایسا کیسے ہو سکتا تھا...... عارض سے ملاقات نہ ہو سکی۔''

''کیوں؟''

''وہ اسلام آباد گیا ہوا ہے' شاید باہر جانے کا کوئی مسئلہ ہو۔''

''خیر...... میری قسمت اچھی ہے' میں کچھ ہی دیر میں زینت آپا کی طرف جارہی تھی' بوبی آیا ہے تو اس نے کہا تھا کہ میں کھانا اسی کے ساتھ کھایا کروں۔''

''اوہ...... پھر تو مجھے چلنا چاہیے۔''

''نہیں...... اب ہم دونوں کھانا کھاتے ہیں' سب کچھ فریج میں ریڈی ہے۔''

''نہیں...... شرمین' بہن وقت نہیں ہے' گاڑی اور گھر کی چابی کمپنی کو دینی ہے' پھر ٹیکسی لے کر ایئرپورٹ کے لیے نکلنا ہے...... ان شاء اللہ۔''

''میں' میں چھوڑ دوں گی۔''

''ارے نہیں' کوئی ایسی بات نہیں' بس دعاؤں میں یاد رکھنا۔'' صفدر نے کہا' تو وہ آب دیدہ ہو گئی۔

''آپ بھی مجھے چھوڑ کر جارہے ہیں۔''

''مجبوری ہے' میں اپنا آپ چھوڑ کر جارہا ہوں۔'' وہ افسردہ سا بولا۔

''چلیں اللہ آپ کو خوش رکھے آمین۔''

''دیکھو...... میں عارض سے رابطہ رکھوں گا' تم نے بھی ہر ممکن اس سے رابطہ بحال کرنے کی کوشش کرنی ہے' اب زندگی ضائع نہ کرنا۔'' صفدر نے اپنائیت سے سمجھایا۔

''صفدر بھائی...... یہ مجھ سے نہیں ہوگا' بس وہ اپنے رستے پر' میں اپنے رستے پر۔'' اس نے صاف انکار کر دیا۔

''ایسا نہیں کہتے' بڑھ کر کسی کو تو ضد وانا کی دیوار گرانی ہوگی۔''

''چھوڑیں...... آپ کافی تو پئیں گے۔'' وہ ٹال گئی۔

''مجھے جلدی ہے' جلد فون پر رابطہ کروں گا او کے...... اللہ حافظ۔''

''اللہ حافظ۔'' صفدر کے جانے کے بعد دکھ اور افسوس کا نیا احساس جاگا۔

''اب شہر میں...... دوست' بھائی بھی نہیں رہے گا۔'' اس نے اپنے آپ سے کہا...... بات سچ تھی وہ اچھا دوست اور
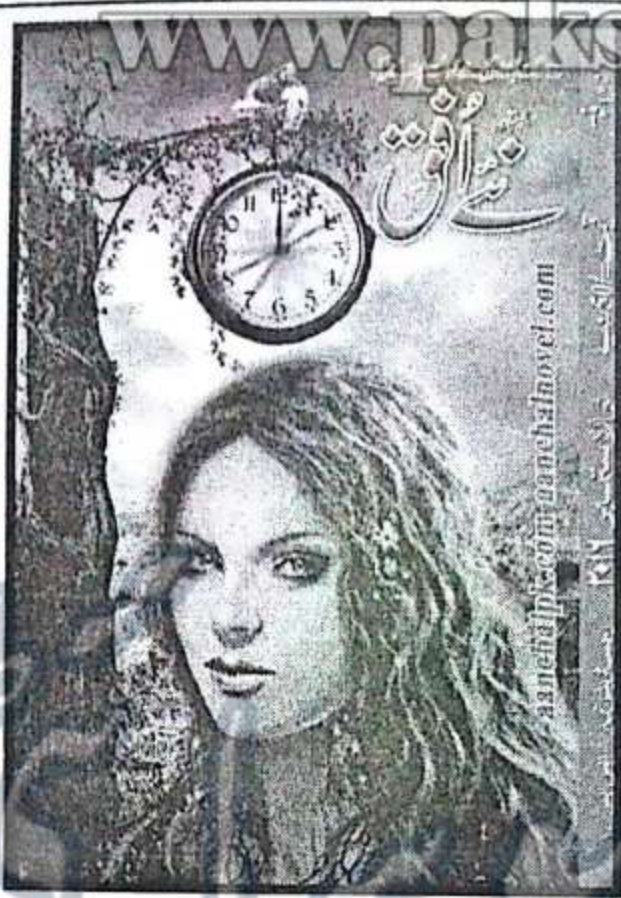
ستمبر ۲۰۱۶ء کے شمارے کی ایک جھلک

الف لام میم : چناروں کی سرزمین وادی جنت نظیر کشمیر 47ء سے آگ و بارود کی زد میں ہے کوئی دن ایسا نہیں جاتا جب وہاں سے خواتین، بچوں، نوجوانوں اور بوڑھے افراد کی شہادت کی خبریں نہ آتی ہوں، بھارتی فوج کے تمام تر مظالم کے باوجود ہر گزرتے دن کے ساتھ آزادی کی تحریک توانا ہوتی جارہی آزادی کے خواب کی تعبیر قریب سے قریب آتی جارہی ہے کشمیریوں کو یقین ہے کہ آزادی کا سورج اب طلوع ہونے کو ہے۔

ایک سو سولہ چاند کی راتیں: یہ ناول 1947ء کی ایک کہانی پر مبنی ہے اس ناول کا پلاٹ، اس کے تمام کردار تقریباً 69 سال قبل کے یہ محبت کی ایک کہانی ہے جس نے Partition سے ایک سو سولہ دن قبل جنم لیا، انڈو پاک کی تقسیم جب ہونے جارہی تھی اس محبت کی کہانی دوران اپنا سفر شروع کیا۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ

اچھا بھائی بن کر اس کے ساتھ تعاون کے لیے ہمیشہ ساتھ رہنے تھے۔

❀......○......❀

بوبی کے ساتھ مل کر بزنس کے تمام معاملات سیٹ کراتے کراتے بوبی کے جانے کا دن آن پہنچا......اس کی اتنی شدید مصروفیت میں شرمین نے بھرپور ساتھ دیا تھا۔ اب قانونی طور پر شان بزنس کا مالک تھا۔ بوبی نے بہت بڑی اماؤنٹ ایک نئے اکاؤنٹ میں جو کہ بابا کے نام سے کھلوایا گیا تھا اس میں رکھوادی تھی' جو گھر کے اخراجات اور گھر کے ملازمین کی تنخواہوں کے لیے تھا۔ شرمین نے ہی یہ مشورہ دیا تھا۔ مگر بوبی کا جانے سے گھنٹہ بھر پہلے بھی یہی اصرار تھا کہ ماما کا اکاؤنٹ اس کے نام منتقل کیا جانا چاہیے......مگر اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ اگر ضرورت ہوئی تو پیسے منگوالیا کروں گی......بوبی چپ کر گیا تھا۔ مگر جب وہ چند منٹ شرمین کو دیکھتا رہا تو شرمین نے کہا۔

''بوبی......یہیں رہو آجاؤ سب چھوڑ کر۔''

''ماما وہاں ہیں' اب انہیں نہیں چھوڑ سکتا' پہلے بھی تو کرتا رہا ہوں' اب ماما کو چھوڑ کر نہیں آسکتا۔''

''تو پھر ایک بات کہوں۔''

''ہُننہ......''

''تم ماما کی کل کائنات تھے' ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھے' ان کے لیے اپنا خیال رکھنا۔''

''میں بھی ایک بات کہوں۔'' بوبی نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

''ہاں......بولو۔''

''تم میرے ساتھ چلو' اپنا اور میرا خیال رکھنے کے لیے۔''

''اچھا سوچیں گے......فی الحال لیٹ ہو رہے ہو' چلیں۔'' شرمین نے اسے ٹال کر اپنی گھڑی پر نگاہ ڈالی اور اٹھ کھڑی ہوئی......مگر وہ بہت سے لمحے بتا کر دھیرے سے بولا۔

''کاش......تم نے میرا خیال رکھا ہوتا۔''

''خیال اپنا خود رکھنا پڑتا ہے' میں بھی تو اپنا خیال خود رکھتی ہوں۔'' شرمین نے مسکرا کر کہا۔

''جبکہ......میں تمہارا خیال رکھنا چاہتا ہوں۔'' بوبی نے عالم جذب میں کہا۔

''بوبی......کم آن دیر ہو رہی ہے......'' وہ تیز قدموں سے یہ کہہ کر مین دروازے کی طرف بڑھی' دروازے کے دونوں اطراف ملازمین کھڑے تھے......بوبی سب سے گلے ملا' بابا تو باقاعدہ رو پڑے......اس نے اپنے پیارے گھر کو اچھی طرح دیکھا اور پھر شرمین کی گاڑی میں بیٹھ گیا......اپنی پورچ میں کھڑی گاڑی دیکھ کر شرمین سے کہا۔

''گاڑی کو ورکنگ میں رکھنا' بابا سے کہنا کہ ڈرائیور سے روز اسٹارٹ کرائیں......کم استعمال یا بند کھڑی رہی تو خراب ہو جائے گی۔''

''معلوم ہے ہمیں۔'' شرمین نے ہنس کر کہا......ہنستی ہوئی شرمین اسے بہت اچھی لگتی تھی......اس وقت بھی جب وہ ہنسی تو وہ محویت سے دیکھتا رہا۔

''بوبی......اپنا بہت خیال رکھنا' زینت آپا کی روح کو تسکین اس وقت ملے گی جب تم خوش ہو گے......میں دیکھ رہی ہوں تمہاری صحت اتنی سی عمر میں بری طرح متاثر ہوئی ہے' بوڑھے لگ رہے ہو۔''

''ہاہاہا......کوشش سے بوڑھا بن کے آیا تھا کہ تمہیں شاید اب بڑا لگوں۔'' ایئرپورٹ پہنچ کر گاڑی سے اترتے ہوئے وہ اس کی طرف والی کھڑکی پر جھکتے ہوئے بولا......وہ ہولے سے مسکرا کر پارکنگ کی طرف چلی گئی۔

جانے بوبی کے جانے پر دل [illegible] سے بیٹھا کیوں جا رہا تھا؟ شاید اس سے اپنائیت کا تعلق بہت گہرا تھا وہ آج مستقل پرائے لوگوں کا حصہ بننے چلا گیا تھا‘ ایئر پورٹ سے کچھ دور ہی پہنچی تھی کہ ٹرن کرکے موبائل پر میسج آ گیا...... بوبی کا میسج جو محبت سے لبریز تھا۔

”آئی لو یو شرمین!“ اس کے لبوں پر مسکان پھیل گئی مگر جیسے ہی فون رکھا اس کی پھر سے گھنٹی بجنے لگی۔

”عارض...... “ وہ بڑبڑائی۔

فون مسلسل بج رہا تھا‘ مجبوراً اسے گاڑی سائیڈ پر لگا کر فون اٹینڈ کرنا پڑا۔

”فرمایئے۔“

”اپنے چہیتے بوبی صاحب کے ساتھ ہی چلی جاتیں۔“

”تم سے مطلب......تم نے یہ کہنے کے لیے فون کیا۔“

”کوئی مطلب نہیں ہے...... تمہیں تمہاری دنیا مبارک آدھا گھنٹہ بعد میری فلائٹ ہے۔“ وہ جل کر بولا۔

”اچھا......“ اس نے بڑے سکون سے کہا۔

”تم مسکرا کر سی آف کر رہی تھیں‘ وہ تمہارے عشق میں......“ وہ کہتے کہتے رکا۔

”جسٹ شٹ اپ۔“

”مجھے معلوم ہے تمہارے مقاصد کیا ہیں۔“

”تمہارا مسئلہ کیا ہے؟ جا چکے ہو میری زندگی سے‘ تو کیوں رابطہ کرتے ہو؟“

”مجھے یاد ہی کرو گی‘ جا رہا ہوں بے فکر رہو۔“

”پلیز......کیا مسئلہ ہے تمہیں؟“ وہ چڑی۔

”مسئلہ تمہیں ہے شرمین بیگ......کیونکہ تم مجھے مس کرو گی۔“ وہ ڈھٹائی سے بولا۔

”وہم ہے تمہارا‘ تم نے سب کچھ مجھ سے چھین لیا ہے‘ اب تو سکون لو۔“ وہ جھلائی۔

”کیا چھینا ہے......کوئی ثبوت ہے؟“ وہ بڑے دھڑلے سے بولا۔

”فار گاڈ سیک‘ میرا پیچھا چھوڑ دو۔“

”میں نے تو چھوڑ دیا‘ مگر تم......تم مجھے پکارو گی۔“

”احمقوں کی جنت سے نکل آئیں۔“ اس نے غصے سے کہا اور فون آف کرکے رکھ دیا......مگر پتا نہیں کیوں اس لمحے دو موٹے موٹے آنسو آنکھوں سے ٹوٹ کر اس کے سفید آنچل میں جذب ہو گئے...... ہاتھ اسٹیئرنگ پر بڑی دیر لرزاں رہے......اندر کسی عمارت کے گرنے کا شور بپا ہوا اور اس ملبے سے نکلنے کے لیے بہت سا وقت لاحاصل کوشش میں سڑک پر ہی گزر گیا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

لے آئی ہے یہ مفلسی کس راہ پر مجھے
میں نے ابھی اسکول کا بستہ اتارا تھا
پھر اس کے بعد گر گیا سونے کا بھاؤ بھی
اک شام اس نے کان سے جھمکا اتارا تھا

وہ جب بھی آتیں میرے صبر وضبط کا کڑا امتحان لے کر ہی جاتیں۔ اگرچہ ان کی باتوں میں گھمنڈ وشو بازی کی بھرپور آمیزش ہوا کرتی۔ ان جیسے لوگ کبھی بھی میرے پسندیدہ نہ رہے تھے۔ مرعوب ہونا تو درکنار' میں دور سے سات سلام کی بھی روادار نہ تھی۔ مگر ایک تو میرے شوہر عبدالمعیز' حقوق العباد' خصوصاً ہمسایوں کے حقوق سے چشم پوشی کے ذرہ بھر بھی قائل نہ تھے۔ ہمسایوں کی خبر گیری وفرائض سے انجام دہی سے وہ ماضی میں بھی لاتعلق نہ رہے تھے اور مجھے بھی کسی قسم کی رعایت نہ دیا کرتے تھے مگر میرے ان احساسات کا تعلق آج سے تھا۔

عبدالمعیز کی جاب ختم ہونے کے بعد سے ہمارا گھرانہ جن حالات سے گزر رہا تھا انہوں نے مجھے بلا کا زودرنج وحساس بنا ڈالا تھا۔ ان کی پُرغرور باتوں سے ڈھیر ساری محرومیاں کوڑیا کے ناگوں کی مانند میرے اندر سر اٹھاتے اور پھر کئی روز تک مجھے ڈستے رہتے۔ یوں تو نہ تھا کہ میں عام سطحی ذہنیت رکھنے والی کوئی لالچی یا حریص عورت تھی۔ صبر' شکر' قناعت ووفا کا درس میری گھٹی میں شامل تھا۔ عبدالمعیز کے سامنے قصداً میں تمام تر حوصلے مجتمع کر کے رکھتی۔ گھر کے دگرگوں حالات کے سبب پیدا ہونے والی کٹھنائیاں بھی ان سے مخفی رکھ کر قدرے تحمل کا مظاہرہ کیا کرتی۔

ہر روز علی الصبح عبدالمعیز کے تلاش معاش کو نکل جانے کے بعد ایک کٹھن دن میرا منتظر ہوتا۔ بچوں کو بہلاتے' صبر کی تلقین کرتے میرا اپنا بھی حوصلہ جواب دینے لگتا۔ گزشتہ چار ماہ سے تینوں بچوں کی فیس جمع نہ کروانے کے باعث اسکول سے فارغ کر دیا گیا تھا۔ بچوں کے فائنل ایگزیمز سر پر آگئے تو پرنسپل میرے کسی نئے وعدے پر بھروسہ نہ کرسکیں' نہ ہی میری لاکھ خوشامدیں انہیں آمادہ کرسکیں اور گزشتہ چھ ماہ سے اس قسم کے حالات چل رہے تھے۔ دودھ والے' راشن والے کو شروعات ہی میں فارغ کر دیا گیا تھا۔ جس کے سبب ہر روز ایک نیا اور کڑا امتحان منتظر ملتا۔ ہر روز میری امیدوں کا چمکتا دمکتا سورج طلوع ہوا کرتا اور واپسی میں عبدالمعیز کے بجھے چہرے پر

بچی ناکامی و مایوسی کی تحریر پڑھ کر میری آنکھوں میں امیدوں کی جلتی جوت ماند پڑ جایا کرتی۔

عبدالمعیز لیدر گارمنٹس کے خاصے مشاق کاری گر تھے۔ ناسازگار حالات اور چند دیگر وجوہات کی بناء پر فیکٹری سیل کردی گئی اور عبدالمعیز جیسے دیگر کاریگر بھی بے روزگار ہوگئے۔ بچے ہم دونوں سے زیادہ دگرگوں حالات کا شکار تھے۔ وہ اس عمر میں تھے جن میں صبر کا وصف مفقود ہوا کرتا ہے۔ جام اور مکھن سے من پسند ناشتا کرنے والے بچے بمشکل ناشتے میں باسی روٹی حلق سے اتار پاتے۔

چھ سالہ حماد تو بری طرح بکھر کر رہ جاتا۔ فروا اور معاذ پھر بھی کچھ سمجھ دار تھے۔ میرے دلاسوں، تسلیوں پر بالآخر صبر کی ڈور تھام کر بیٹھ جاتے۔ مگر حماد کا کسی معمولی کھلونے حسب مرضی ناشتا یا کھانا نہ ملنے پر ایڑیاں رگڑ کر رونا خصوصاً عبدالمعیز کے لیے ناقابل برداشت ہوا کرتا۔ وہ سرخ چہرہ لیے گھر سے نکل کھڑے ہوتے اور میں بچوں کو سنبھالنے کی سعی میں بکھر کر رہ جاتی۔ حماد کو سنبھالنا دشوار ترین عمل ثابت ہوتا۔ مگر بالآخر وہ بہل ہی جاتا۔ ضد کرتے کرتے میری گود میں لڑھک جاتا۔ عبدالمعیز لوٹتے تو وہ میری گود میں سویا ہوتا۔ اس کے گلابی رخساروں پر آنسوؤں کے نشانات جم کر رہ جاتے۔ وقفہ وقفہ سے ایک ناآسودہ سی سسکی اس کے پتی جیسے لبوں سے خارج ہوتی تو عبدالمعیز ٹوٹ کر بکھر جاتے۔ ان کی آنکھوں میں ضبط گریہ کی سرخی ابھر آتی۔

"یوں لگتا ہے کہ زندگی ٹھہر کر رہ گئی ہے۔ مشکلات اتنی طویل کیوں ہوتی ہیں فائزہ؟" وہ میرے تسلی بھرے جملے کے جواب میں اکثر کہتے تھے۔

"عبدالمعیز...... آپ حوصلہ کیوں ہارتے ہیں۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا ان شاءاللہ۔"

"تمہارا یہ جملہ کتنا کھوکھلا سا محسوس ہونے لگا ہے۔ پچھلے چھ ماہ سے بدستور تم یہی کہے جا رہی ہو۔ مگر کچھ بھی ٹھیک نہیں ہوا اور بگڑ گیا ہے۔ تمہارا زیور بک گیا۔ جمع پونجی بھی ختم ہوگئی مگر مسائل کا انبار جوں کا توں ہے۔ قارون کا خزانہ ہوتا تو وہ بھی ختم ہو جاتا۔"

"عبدالمعیز جب اچھے دن نہیں رہے تو برے دن بھی آخر ختم ہو جائیں گے۔ آپ حوصلہ نہ ہاریئے۔"

"حوصلے کی ڈور ٹوٹ جاتی ہے فائزہ...... گیس، بجلی کے بل، بچوں کی فیسیں، خالی منہ چڑاتے راشن کے ڈبے کس کس مسئلے کا حل کروں؟"

"سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ پروردگار انسان کو کبھی لے کر اور کبھی دے کر آزماتا ہے۔"

"تو اس کی آزمائش کا یہ کون سا در ہے فائزہ...... تم بتاؤ دس سالہ ازدواجی زندگی میں کبھی تم نے میری معمولی سی بے ایمانی پکڑی؟ حقوق العباد سے ذرا برابر کوتاہی کی ہو تم سے یا رشتہ داروں سے معمولی سی ناانصافی کا بھی مرتکب ہوا ہوں تو مجھے بتاؤ؟" اور عبدالمعیز کے ان تمام اعلیٰ اوصاف کی میں تہہ دل سے قائل تھی۔

"اللہ اپنے نیک بندوں کو ہی آزمائش میں مبتلا کیا کرتا ہے اور کسی کو اس کے ضبط سے زیادہ دکھ بھی نہیں دیا کرتا۔"

"میرا ضبط جواب دینے لگا ہے فائزہ...... جی چاہتا ہے......"

"پلیز عبدالمعیز، کوئی مایوس کن جملہ نہ ادا کرنا۔ مایوسی کفر ہے۔"

"ایسے حالات میں دل خوش کن احساسات کہاں سے لائے؟ صرف حسب قابلیت نوکری کا حصول کتنا کٹھن ہو گیا ہے۔"

"اللہ بڑا کارساز ہے عبدالمعیز۔"

"تمہاری حوصلہ دیتی باتیں مجھے جینے کا حوصلہ عطا کرتی ہیں۔ مجھے ٹوٹنے سے بچاتی ہیں۔ مگر تمہاری ان سونی کلائیوں، خشک ہونٹوں اور بے رونق چہرے پر جو شکوے مچل رہے ہیں۔ مجھ سے مخفی نہیں ہیں۔ تمہاری حسین کلائیاں، چوڑیوں سے محروم ہو گئیں۔ ان کا سونا پن میری برداشت سے باہر ہے۔ تمہاری کشادہ

آنکھوں میں مچلتی حسرتیں، مجھے چین نہیں لینے دیتیں۔ میں کچھ کم قصوروار تو نہیں۔

''میرا کل تم ہو اور مجھے کچھ بھی نہیں چاہیے۔''

''فائزہ...... جانے کس نیکی کے طفیل خدا نے تمہیں مجھے سونپا۔ اگر تم جیسی صابر اور حوصلہ مند عورت زندگی کے سفر میں میری ہم قدم نہ ہوتی تو میری یہ دشوار زندگی دشوار ترین بن جاتی۔ مجھے یاد نہیں کہ اچھے دنوں میں بھی کبھی تم نے لالچ و حرص سے کام لیا ہو۔ معمولی باتوں پر نہ مجھ سے جھگڑیں۔ ہر کڑے وقت میں اپنی جمع پونجی سے میری مدد کی۔ میں کتنا خوش بخت ہوں فائزہ۔''

اور عبدالمعیز سے لاکھ درجہ خوش بخت میں اپنے آپ کو قرار دیتی۔ عورت کے خلوص اور کھرے پن کو جانچنے کے لیے ایسا ہی وقت تو کسوٹی ہوا کرتا ہے اور میرے نزدیک ایک مکمل مرد کی خاطر ان چھوٹی چھوٹی قربانیوں کی کوئی حیثیت نہ تھی۔

❁......❁......❁......❁

''بس بیٹی...... خیر سے ایک بار پھر چھو چھک کی تیاریاں ہیں۔ تمہاری کپڑوں کی سلائی میری زاہدہ بہت پسند کرتی ہے۔ بڑے سے بڑے درزی کو مات کر دیتی ہو۔ زاہدہ نے بڑی دکانوں کی مہنگی سلائیاں بھی ایک طرف رکھ دیں۔'' وہ حسب عادت سونے کی چوڑیوں بھرے ہاتھ لہرا کر بات کر رہی تھیں۔ تیز میک اپ زرتار کپڑوں میں ملبوس زاہدہ، تقریباً سونے سے لدی ہوئی تھی اور والدہ صاحبہ کے بیان سے اتفاق میں بدستور مسکرا رہی تھی۔

''ذرہ نوازی ہے آپ کی ورنہ......'' مگر انہوں نے میری کمزور سی دلیل سنی ہی نہیں۔

''پہلے بچے کی پیدائش پر پورے پچیس ہزار کا چھو چھک دیا تھا اور اللہ کمانے والوں کو زندگی دے۔ کوئی کمی تو نہیں ہے۔ پہلے سے بڑھ کر دوں گی۔ اس بار میں نے اپنے کنگن بھاری بنوائے تو ساتھ ہی زاہدہ کی ساس کے لیے چھ چوڑیاں بھی بنوالیں۔ شادی پر ساس کو بھاری موٹی چین اور بالیاں دی تھیں۔''

''تو کیا ہوا۔ انسان آخر کماتا کس لیے ہے اور بیٹیوں کا تو سب سے پہلا حق ہوتا ہے۔ زیادہ دینے سے سسرال میں رعب رہتا ہے۔'' دختر صاحبہ نے چمک کر فی الفور ماں کو ٹوکا۔

''تو اور کیا۔ چھ پرچون کی دکانیں چلتی ہیں ہماری۔ کرائے پر جانے کتنے گھر اور فلیٹ چڑھا رکھے ہیں۔ ماہانہ آمدنی کا تو کوئی حساب ہی نہیں ہے۔ خدا بری نظر سے بچائے۔ محلہ کیا' کالونی بھر میں سب سے بڑا اونچا اور شاندار گھر ہے ہمارا۔ پوتے پوتیاں سب سے مہنگے اسکولوں میں پڑھنے جاتے ہیں۔ یہ بڑی گاڑی آتی ہے بچوں کو لینے۔ جس میں کمرا ٹھنڈا کرنے والی مشین بھی لگی ہے۔ بہن...... تمہارے بچے آج کل کیوں فارغ نظر آتے ہیں؟'' اسے اچانک یاد آیا تھا۔

''اسکول کا معیار خراب ہو گیا ہے خالہ جان...... اور گھر سے دور بھی پڑتا ہے۔ اپریل سے ایڈمیشن ہوں گے تو دوسرے اسکول میں داخلہ دلوائیں گے۔'' میں نے اپنا بھرم رکھنے کی خاطر جھوٹ کا سہارا لیا مگر وہ بھی خاصی گھاگ تھیں۔

''اے ہاں...... بہن تمہارے میاں کو نوکری ملی کہ نہیں۔ ہزار بار کہا ہے کہ محلہ پڑوس کا بڑا حق ہوتا ہے۔ میرے افتخار سے بات تو کریں عبدالمعیز میاں...... بڑے تعلقات ہیں ہمارے۔ وہ ضرور کہہ سن کر کہیں کام دلوادے گا۔''

''شکریہ خالہ جان...... عنایت ہے آپ کی۔ دو چار جگہ سے امید ہے۔ اللہ نے چاہا تو جلد ہی کام بن جائے گا۔'' میں نے مصلحتاً ایک بار پھر مبالغہ آرائی سے کام لیا۔ ان جیسے شیخی خوروں کا احسان لینا عبدالمعیز کی خودداری کہاں گوارا کر سکتی تھی۔ محلہ کا حق جتا کر کام کروا دیتے تو جگہ جگہ اشتہار لگائے پھرتے۔

''خیر بہن' مرضی ہے تمہاری۔ سچ مجھ سے تو تمہاری بدحالی نہیں دیکھی جاتی۔ کتنی مرتبہ تم سے کہا۔ کسی بھی چیز

کی ضرورت ہو تو جھجکنے کی ضرورت نہیں۔ ہو تو مہینے کا [illegible] کرلینے دیں گے۔"

راشن بھی بھروا دیں؟ ہوتا رہے گا حساب کتاب۔ مگر عبدالمعیز میاں تو ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتے۔ ہر مہینے جانے کتنے مستحق گھروں میں ہماری دکانوں سے مفت راشن جاتا ہے اور تم تو پڑوسی ہو۔ پہلا حق تمہارا ہے۔ زکوۃ خیرات الگ دیتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ حقوق العباد کی ادائیگی آخرت میں کام آئے گی۔" میرا ضبط انتہا کو پہنچ رہا تھا۔ اس لیے موضوع تبدیل کیا۔

"تم سناؤ زاہدہ...... سسرال میں سب خیریت ہے نا؟" مگر زاہدہ کی لب کشائی سے پہلے انہیں پھر بڑائیاں ہانکنے کا موقع مل گیا۔

"اے بی بی! کیا سنائیں بس ناقدرے لوگ ہیں۔ فقطے ہیں ذات کے۔ جہیز کے سامان سے ان کو ناک تک بھر دیا۔ مگر بدبختوں کی سیری نہیں ہوتی۔ ایسی اسکوٹر دی تھی سلامی میں کہ ان کے اگلے پچھلوں تک نے نہ دیکھی ہوگی۔ ساس تک کو سونے سے پیلا کردیا۔ مگر موقع بے موقع منہ پھاڑنا تو کوئی ان سے سیکھے۔ زچگی کا سارا خرچا میں خود اٹھاتی ہوں۔ اس بار بھی بڑے اسپتال میں نام لکھوایا ہے۔ مگر کم بختوں کے منہ ہی نہیں سیدھے ہوتے۔ جب بھی ساس صاحبہ ملتی ہیں۔ ہزار دکھڑے سناتی ہیں۔ میری بچی کوئی نوکرانی تھوڑی ہے جو ہر وقت کام کاج میں جتی رہے۔ میری نازوں پلی پھولوں جیسی بچی ہے بھلا کہاں سیکھے ہیں گھر کے کام کاج۔ پھوڑپن کے طعنے دیتی ہیں۔ سمدھن صاحبہ۔" میں نے "پھولوں جیسی" کی اصطلاح پر ایک نظر بھاری بھر کم زاہدہ پر ڈالی مگر وہ شرمندہ ہوئے بغیر شروع رہیں۔

"اتنا سا منہ نکل آیا تھا میری بچی کا۔ پنجاب سے خالص گھی منگوا کر لاگت لگا کر مرتبان بھر میووں والی گوند تیار کی۔ باڑے کا دودھ منگوایا تب کہیں جاکر شکل نظر آنے لگی ہے۔ میں بھی اس بار کہہ کر آئی تھی کہ اب فارغ کرکے ہی بھیجوں گی۔ وہ بھی تب جب داماد میاں ناک

اور ہم جیسی بیٹیوں کو ماں کے سکھائے گئے صبر شکر قناعت اور ہر حال میں گزارا کرنے کے سبق کتنے مہنگے پڑتے ہیں یہ کوئی ہمارے دل سے پوچھے۔ میں چائے بنانے کے بہانے اٹھی تو چند لمحات کو سکون نصیب ہوا اور جب وہ ان سلے کپڑوں کا ڈھیر سلائی کے لیے مجھے تھما گئی تھیں اور چند روپوں کی امید نے مجھے تقویت بخشی تھی۔

میں نے اسی وقت زمین پر چادر بچھا کر دو جوڑے قطع کرلیے۔ سلائی مشین کو صفائی ستھرائی کی غرض سے صحن کے تخت پر رکھ آئی اور کٹے ہوئے کپڑوں کی کترنیں سمیٹنے کی غرض سے جھاڑو پھیرنے لگی تھی۔ چادر جھاڑ کر ایک جانب رکھی اور صوفے کے نیچے جھاڑو کا لمبا سا ہاتھ مارا تو "چھن" کی آواز کے ساتھ کوئی شے اچھل کر گری۔ میں نے ہاتھ بڑھایا اور اگلے ہی پل ایک ٹھوس سی شے میری انگلیوں میں لہرا کر آنکھیں خیرہ کر رہی تھی۔ سونے کی بھاری بھرکم پائیل لمحے بھر میں میری ڈھیروں ستائش سمیٹ لے گئی۔ نہ جانے کیوں اور کیسے پل بھر کو میری نیت میں فتور آیا اور ساری ایمان داری کہیں پس پشت جا سوئی۔ لمحہ بھر میں ایک احساس عود کر آیا اور مجھے سرشار کر گیا۔ ایک چھوٹی سی بے ایمانی میرے ڈھیروں مسائل نگل سکتی تھی۔ میرے اندازے کے مطابق واحد پائیل بھی پندرہ بیس ہزار سے کم نہ ہوگی۔ پل بھر میں سارے گھریلو مسائل میری نظروں میں گھومنے لگے۔ جن سے مکمل نجات نہیں تو وقتی فراغت تو نصیب ہوسکتی تھی۔

گیس، بجلی کے رولاتے سہاتے بل، ناکافی راشن، بچوں کی فیسیں۔ سب سے بڑھ کر حماد کا ایڑیاں رگڑ رگڑ کر رونا۔ ہر روز بن، جام اور سلائس کی فرمائش اور بھلا انہیں کیا فرق پڑے گا۔ ہزاروں لاکھوں کے مالکوں کے لیے آٹھ، دس ہزار کا نقصان کیا حیثیت رکھتا ہے۔ سمندر سے ایک قطرہ کم کرلینے سے سمندر کی کشادگی کم تو نہیں پڑ جاتی۔

"شاید یہ میرے لیے قدرت کا عطا کردہ تحفہ ہی ہو۔" میں کسمساتے ضمیر کو مسلسل تاویلوں سے بہلا رہی تھی مگر

آخر عبدالصبور کو کیا بتاؤں گی۔ نہیں..... ان کی غیر موجودگی میں ہی صرافہ بازار جا کر اس کا سودا کرنا ہوگا اور پھر کوئی بھی بہانہ..... وہ تو مجھ پر اندھا بھروسہ کرتے ہیں اور انہیں عادت بھی کہاں ہے زیادہ کریدنے کی۔ جو وہ میری چوری پکڑ سکیں۔

شیطانی خیالات کی بوچھاڑ سے گھبرا کر میں نے اپنے آپ کو کرسی پر ڈھیر کر دیا۔ پل بھر میں سارا جسم ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ ٹانگوں میں خفیف سی لرزش تھی۔ جسم سے لہو نچوڑ کر رہ گیا تھا گویا..... تمام گھریلو مسائل میرے سامنے گھومتے رہے اور میرے ارادے کو پختہ کرتے چلے گئے۔ میں اپنے ضمیر کو تاویلوں، دلیلوں کی تھپکیوں سے سلانے کی کوشش کرتی رہی۔

کیا دیا کرتی ہے یہ نام نہاد خودداری.....؟ تنگ دستی اور مفلوک الحالی..... ایک چھوٹی سی بے ایمانی میرے کتنے مسائل حل کر دے گی۔ میں حالات اچھے ہونے پر کفارہ ادا کر دوں گی اور اللہ سے معافی بھی مانگ لوں گی۔

میرا ایمان متزلزل تھا مگر دل بے سکون۔

اسی پل دھڑ سے دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور میں نے سرعت سے پائل چھپائی وہ بھاری تن و توش سنبھالے ہانپتی کانپتی چلی آ رہی تھیں۔

''غضب ہوگیا بہن..... زاہدہ کی پازیب کہیں گر گئی ہے۔ جگہ جگہ تلاش کر ڈالی مگر نہیں دیتی۔ کہیں یہاں تو نہیں رہ گئی؟''

''حد کرتی ہیں خالہ جان..... اگر یہاں ہوتی تو اب تک میں خود لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتی۔ تب بھی آپ کو شبہ ہے تو گھر آپ کے سامنے ہے شوق سے تلاش کر لیجیے۔'' میں نے ہمت کر کے خشک لہجے میں کہا تو وہ شرمندہ ہو گئیں۔

''نہیں بہن..... میرا ہرگز یہ مقصد نہ تھا۔ تم میاں بیوی پر شک کرنا تو گناہ سے بھی کم نہیں ہے۔ کون نہیں جانتا کہ شرافت اور ایمان داری تو تم پر ختم ہے۔ پریشانی میں میری تو مت ہی ماری گئی ہے۔''

کاش

کاش! میں کاغذ کا ٹکڑا ہوتی
کسی کے دل سے نکلتی آہ کی تصویر ہوتی
جب بھی کوئی اداس ہوتا اس کے ہاتھ کی تحریر ہوتی
تنہائی میں بہائے جانے والے آنسوؤں کی کشتی ہوتی

کاش! میں کاغذ کا ٹکڑا ہوتی
ہاتھوں سے بنا کر کوئی بہا دیتا مجھے
گہرے پانیوں کی لہروں میں سموئی ہوتی
کوئی لکھ کر مجھ پر پھر ٹکڑے کر دیتا
اسی نقش پا پہ ریزہ ریزہ ہوتی
کاش! میں کاغذ کا ٹکڑا ہوتی

تیز ہوا جھونکوں میں اور آندھیوں میں
نامِ الفت بن کر خاک ذرّاں اڑا کرتی
کوئی قدموں تلے بھی مسل دیتا مجھے
تو کسی کے گوشۂ دل کے قریب ہوتی
کاش میں کاغذ کا ٹکڑا ہوتی

کوئی محبت سے لب سے لگا لیتا مجھے
تو کسی کے گلے کا تعویز ہوتی
کسی کا چھپا راز بن کر میں
بند ڈائری کے حرفوں کو اٹھائے رکھتی
وقت آنے پر جلا دیتے لوگ مجھے
لیکن! کسی کی یادوں کا میں ماضی ہوتی
کاش میں کاغذ کا ٹکڑا ہوتی

عائشہ مدنی عاشی.....

''خالہ جان، گھر میں ہی ڈھونڈ لیجیے ناں..... اتنا بڑا گھر ہے۔ کہیں نہ کہیں ضرور مل جائے گی۔''

''سچ کہتی ہو۔ زاہدہ کے تلووں کو چین بھی تو نہیں ہے۔ بچہ الگ ستاتا ہے۔ کبھی اس کے پیچھے چھت پر دوڑ لگائی ہے اور کبھی ادھر ادھر۔ انگلیوں پر نچا رکھا ہے میری بچی کو..... سمجھایا بھی تھا کہ زیور کا دھیان رکھا کرو۔ کھٹکا

ڈھیلا تھا اس پازیب کا...... مگر یہ لڑکی پر سے دور ہے جی کی...... سہاگ کی نشانی منہ دکھائی کا پہلا تحفہ۔" میرے سر پر بم

ہے۔اب رو رو کر طوفان اٹھا رکھا ہے۔دو چار گھروں سے ہوتے ہوئے تمہارے گھر آئے تھے۔تم جیسی تو سچ مچ میرے ہاتھ پر لا کر رکھ دیتیں۔مگر ہر کوئی تمہاری طرح تھوڑی ہوتا ہے۔تم پر تو خیر آنکھیں بند کر کے بھروسہ ہے۔اب اور کہاں تلاشوں؟" مجھے جیسے کسی نے گہری کھائی میں دھکا دے دیا۔اپنا وجود پست تر محسوس ہوا۔

"ائے بہن...... برا نہ مانو تو آ کر تسلی دے دو زاہدہ کو۔ایسی حالت میں زیادہ رنج پالنا بھی اچھا نہیں ہوتا۔تم تو جانتی ہو ایسی دس پازیبیں وار کر پھینک دوں اس پر سے۔مگر جانے کیوں طوفان اٹھا رکھا ہے۔تم آ کر سمجھاؤ بلکہ کوئی دعا' سورۃ پتا ہو تو دینا۔کھوئی ہوئی سوئی کا بھی رنج ہوتا ہے۔"

"آپ بے فکر رہیں خالہ جان...... میں آتی ہوں۔" مجھے ان کو تسلی دینا بھی لازمی تھا۔یہ بھی خوب رہی کہ چناؤ بھی میرا ہی ہوا۔اب چاہے باطن میں آگ لگی ہو۔اپنے آپ کو پھول بنا کر پیش کرو۔یہ تو ثابت ہوا کہ بے ایمانی بھی جی داروں کا کام ہوتا ہے۔ہم جیسے کم ہمت تو پہلے ہی مرحلے پر ڈھے جاتے ہیں۔ان کے جانے کے بعد میں نے خاموشی سے ناگ کی مانند ڈستی پائل الماری کے خفیہ خانے میں رکھی اور فروا کو بتا کر چادر اوڑھ کر نکل آئی۔چند قدموں کے فاصلہ پر تو ان کا گھر تھا۔جہاں وہ سارا گھر الٹ پلٹ کیے زمین پر پالتی مارے اپنے اسی جاہلانہ انداز میں منہ پھاڑ کر رو رہی تھی۔اسے تسلی دینے کو میں اس کے نزدیک فرش پر ہی بیٹھ گئی۔

"روتی کیوں ہو زاہدہ' مل جائے گی پائیل۔ایک ذرا سی پائیل۔ایک ذرا سی پائیل کے لیے اتنا رنج نہ کرو۔"

"آئے ملنی ہوتی تو اب تک مل نہ جاتی۔ہائے باجی جی میں لٹ گئی۔" اس نے اپنا سر پیٹا۔

"تسلی رکھو۔اس پائیل کی کیا حیثیت۔تمہاری اماں اس جیسی دس بنوا دیں گی۔"

"نہ باجی جی' بڑی قیمتی ہے وہ میرے لیے میرے

گرا۔

"سہاگ کی نشانی۔منہ دکھائی کا تحفہ......!" میں نے زیر لب اس کا جملہ دہرایا اور بے ساختہ میری لرزتی نظریں اپنے داہنے ہاتھ کی دوسری انگلی پر ٹھہر کر رہ گئیں۔سونے کی نازک سی نفیس انگوٹھی اب بھی وہاں سج رہی تھی۔اتنا ہی تو قیمتی ہوا کرتا ہے یہ یادگار تحفہ۔بدترین حالات میں بھی جسے عورت پرایا نہیں کر سکتی۔

میرا سارا زیور بک گیا مگر اس انگوٹھی کو بیچنے کا کبھی خیال بھی میرے نزدیک نہ پھٹکا۔بڑی سے بڑی ضرورت بھی کبھی اس یادگار پر حاوی نہ ہو سکی۔میاں بیوی کے تعلق کی مضبوط کڑی۔اب بھی مجھے گھیرے ہوئے تھی۔جس کا ناتا میری روح سے جڑ چکا تھا۔سہاگ کا پہلا تحفہ۔جس کی کوئی قیمت ادا نہیں کر سکتا۔پل بھر میں تمام سفلی خیالات مٹی میں مل گئے۔میں نے دل ہی دل میں اپنے ارادوں پر نفرین بھیجی اور ایک فیصلہ کر کے کھڑی ہو گئی۔اب میرا ہر قدم مضبوط اور ٹھوس تھا۔بے ایمانی کے پکڑے جانے کے اندیشے سے ڈگمگا بھی کیسے سکتا تھا۔میں امانت اسے لوٹانے کے ارادے سے کھڑی ہوئی تھی۔

مکافاتِ عمل

شمسہ فیصل

تیرے اختیار میں کیا نہیں
مجھے اس طرح سے نواز دے
میری سب دعائیں قبول ہوں
میرے لب پہ کوئی دعا نہ ہو

یادِ ماضی عذاب ہے یارب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

کبھی حافظے کے چھن جانے سے بھی بھلا انسان اپنا ماضی بھولتا ہے...... بلکہ جنون میں بھی انسان اس لمحے میں جیتا ہے جس سے وہ چھٹکارہ پانا چاہتا ہے اور پھر ماضی بھی ایسا جس میں سوائے اذیت اور ملال کے کچھ نہ ہو۔ بھلا کیسے کوئی یادرکھنا چاہتا ہوگا...... لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ماضی جونک کی طرح چمٹ جاتا ہے اور ہر گزرتے لمحے انسان اس آگ میں جل جل جاتا ہے۔

''میں بھی ایک جلتا ہوا انسان ہوں...... بلکہ یوں کہیے کہ برسوں سے اپنی ہی لگائی آگ میں جل رہا ہوں۔ آگ بھی وہ جو نہ بجھتی ہے ناں بھسم ہونے دیتی ہے۔ مدت ہوئی میں نے آئینہ دیکھنا چھوڑ دیا۔ ہر بار دیکھنے پر میرا ماضی آئینہ بن کر میرے مدمقابل آ کھڑا ہوتا ہے۔ اس کے سوالوں کے جواب میں میرے پاس سوائے گھٹاٹوپ خاموشی کے کچھ نہیں۔

''سچ میں بولنا نہیں چاہتا اور جھوٹ آئینہ کو پسند نہیں۔'' اف یہ مکافاتِ عمل کا خوف کسی پھوڑے کی طرح مجھے تڑپاتا ہے۔ میرا اپنا آپ مجھے شکنجے میں جکڑا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ میں کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرکے پاس کھڑی بلی کے دھوکے سے بچنا چاہتا ہوں لیکن ہر بار پکڑا جاتا ہوں۔ سزا اور جزا کے مابین اٹکا کھل کے سانس لینے کو ترس گیا ہوں۔ آہ کہ دنیا گول ہے۔ مجھے اپنے سامنے ایک دن آنا ہی تھا۔'' اس نے کرب سے آنکھیں موندلیں۔

ماضی، حال بنا اس کے سامنے دوزانو بیٹھا رہا تھا اور اس کے پاس تسلی کے لیے ایک لفظ بھی نہیں تھا۔

تسلی آج بھی جھوٹی رہی
خدشے آج بھی سچے رہے

❀......❀......❀......❀

''مجھے شادی کرنی ہے تو بس شزا سے ورنہ......'' اس ورنہ میں زمانے بھر کی تلخی قید تھی۔

''کیا ورنہ......'' عاطف اس کے لب ولہجہ پر چڑ سا گیا۔

''ورنہ میں.....'' اس نے ضبط کی طنابوں پر گرفت سخت کی۔

''ورنہ میں آپ کے اور اپنے بیچ موجود رشتے کو بھول جاؤں گا۔'' طنابیں ٹوٹی تھیں۔ ساتھ ہی عاطف کی ساری رگیں کٹ کر رہ گئی۔ اس کا دل بھسم ہوگیا تھا۔ اسے حیرانگی اس کے لب ولہجے پر نہیں بلکہ قدرت کے انصاف پر تھی۔ جس نے اسے خود اپنے سامنے لاکھڑا کیا تھا۔

آج سے بائیس برس قبل وہ بھی اسی طرح اپنی ماں کے مدمقابل کھڑا ان کی ممتا کی دھجیاں اڑاتا اپنے موقف پر اڑ گیا تھا۔ سترہ سال کی عمر میں نوجوانی کی انگلی تھامتے ہی اسے محبت میں جمع تقسیم کرنی آ گئی تھی۔ ''ہے ناں اچھنبے کی بات۔''

''جب انسان نوجوانی کی چوٹی پر کھڑا ہوتا ہے تو وہ سرکش گھوڑے سے بھی زیادہ خطرناک ہوجاتا ہے۔ اس کی لگامیں جتنی زور سے کھینچو وہ اتنا ہی ضدی ہوتا ہے۔ میں بھی اس سرکش گھوڑے کی مانند تھا جو پاگل پن کی حد تک بے قابو تھا۔ نئی ابھرتی ہوئی جوانی کا نشہ.....'' اور چڑھتی جوانی میں جب نشہ مخالف جنس کا لگ جائے تو انسان چاروں شانے چت پہلے قدم پر ہی لڑکھڑا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔

نئی نویلی محبت، جنس مخالف کی دل لبھانے والی باتیں۔ یاروں کے درمیان اندر راجا بننا۔ کسی کے ہونے کے احساس کو پوری جی جان سے محسوس کرنا۔ کسی کے لیے اہم ہونا۔ کتنا مسحور کن ہوتا ہے۔ کتنا خواب ناک ہوتا ہے۔ کوئی مجھ سے پوچھے۔ ہر لمحہ دل کے تاروں کو چھو جانے والا احساس آسمان پیروں تلے اور دماغ کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ انجانے لمس، شریر جذبات، شرارت کرتے لفظ آہ.....'انسان خودی سے نکل کر ''تم'' ہوجاتا ہے۔ رشتوں کے ہر گراف میں بس محبوب ہوتا ہے۔''

ان بے لطف صبح وشام میں جس ہستی کو سب سے پہلے چھپائی کے اس کھیل سے شاید وہ بھی تنگ آنے لگی تھی۔ میں بھلا دیا گیا تھا۔'' وہ ماں تھی۔'' اور جس نے سب سے پہلے میرے لڑکھڑاتے قدموں کو محسوس کیا تھا۔ ''وہ بھی ماں ہی تھی۔''

''اف یہ ماں کا دل.....'' ایک وقت جوانی میں ایسا بھی آتا ہے کہ آزاد فضاؤں میں تن تنہا اڑتے جائیں اور بس۔

صندل وہ اپنے نام جیسی ہی تھی۔ جس پر پہلی نظر ڈالو تو ہٹانا بھول جاؤ.....وہ ایسا امرت تھی جس نے میرے انگ انگ کو صندل کردیا تھا۔ میں نے آنکھیں اس کے چہرے پر رکھ کر دل اس کے قدموں میں روند ڈالا۔ ہائے یہ کم بخت عشق کی آگ جو بجھائے نہ بجھتی' جلائے نہ جلتی۔ وہ میری جانب دیکھتی تو بس کائنات رک جاتی.....مجھے مخاطب کرتی تو دل اس کے قدموں میں نثار ہوجاتا۔ بولتی تو لگتا ایسا سریلا راگ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کی ہر آہٹ پر میرے دل کی لے بدلتی اور مجھے مدہوش کردیتی۔ محبت کی کتاب اس قدر دل جمعی سے پڑھنے لگا کہ باقی سب بھول گیا۔

ماں باپ اپنی پڑھائی' یار دوست' بہن بھائی حتیٰ کہ خود کو بھی۔ یاد تھا تو بس اتنا کہ میرا دل باغی ہے۔ بغاوت پر آمادہ۔ میرے اس باغی دل نے مجھے مجاور بنا کے اس کے رستوں کا ''کتا'' بنا دیا۔ میں دن بھر پروانہ بنا اس کے گرد گھومتا اور رات فقیر بن کر اس کی چوکھٹ پر گزار دیتا۔ ہم بے وقوف انسان اتنی محبت اللہ سے کریں تو وہ ہمیں دنیا اور آخرت دونوں عطا کردے.....لیکن اس کے بندے بڑے ظالم ہیں۔ نا دنیا کو چھوڑتے ہیں ناں آخرت کو۔ محبت کی اس یاترا میں' میں ان دو آنکھوں کو سب سے پہلے بھولا جو ہمہ وقت دہلیز سے لگیں میری آہٹ کی منتظر رہنے لگیں تھیں۔

حد سے تجاوز عشق انسان کو پامال کردیتا ہے۔ میں بھی پامال ہونے لگا۔ وہ مجھ سے کترانے لگی۔ میں اس سے بات کرنے کو ترسنے لگا۔ وہ دھتکارنے لگی۔ چھپن

تبھی اس نے مجھے شادی کے لیے کہا۔ میں تو بے حال ہوگیا۔ میری بات پر اماں تو سکتے میں آگئیں اور ابا ان کا بس چلتا تو مجھے سالم نگل لیتے' لیکن اولاد کی سرکشی ہمیشہ ماں باپ کو جھکا دیتی ہے۔ ان کا سمجھانا' بہلانا سب غارت گزرتا ہر لمحہ مجھے میرے فیصلے پر مضبوط کرتا گیا۔

مجھے ان کے التجا کرتے چہرے مکروہ اور ظالم دکھائی دینے لگے۔ وہ ہار گئے لیکن اپنے منہ سے ''بر'' مانگنے لگا۔ ان کی ہر دلیل مجھے ضد دلانے لگی۔ وہ ہار گئے میں ان کی ہار میں' میں اپنا سب کچھ ہار گیا۔ انہوں نے ہارنے میں دیر کی اور ''صندل'' نے منظر سے غائب ہونے میں جلدی۔ میں لٹ گیا۔ میرا عشق برباد ہوگیا۔

میرا پہلے پہل کا عشق رواج کی سولی چڑھ گیا۔ میں نے دیوانوں کی طرح اسے ڈھونڈا۔ سچائی سامنے تھی میرے عشق کی انتہا میں اس کے فریب کی حقیقت تھی۔ میرا دل پھر بھی ماننے کو تیار نہ تھا کہ جس محبت کو میں نے امرت کی طرح اپنے اندر اتارا تھا وہ امرت نہیں زہر تھا۔ میں جان بھی لیتا تو اس دل کا کیا کرتا جو کسی جواز و دلیل کسی فلسفے و منطق کو ماننے کو تیار نہ تھا۔ میں نے اپنی محبت کی بربادی کے سارے قصور اپنی ماں کے کھاتے میں ڈال دیئے۔

اس نے اف تک نہ کی۔ بغاوت کے پتھر بڑی زور سے لگتے ہیں ایک سے دوسرے پتھر کی ضرورت نہیں پڑتی۔ مجھے لگتا اب زندگی ختم۔ میری زندگی کے سارے جواز ختم۔ ان ٹوٹتی' ڈوبتی سانسوں کو میں نے نشہ آور گولیوں سے اور بھی بے دم کردیا۔ میں سارے رشتے ناطے بھول گیا۔ یہاں تک کہ گناہ ثواب بھی۔ ان سب کے باوجود جس نے مجھے یاد رکھا وہ میری ''ماں'' تھی۔ میرے معصوم بھائی دیوانوں کی طرح مجھے نشے میں دھت سڑک سے اٹھا کر لاتے اور ماں یوں میری سیوا کرتی جیسے میں جہاد کرکے آیا ہوں۔ وقت سے بڑا مرہم کوئی نہیں اور یہ مرہم تب ہی بھرتا ہے جب ان کو خلوص اور محبت سے مرہم لگایا جائے۔ میں محبت ہار کر

غزل

بچھڑے تو قربتوں کی دعا بھی نہ کرسکے
اب کے تجھے سپرد خدا بھی نہ کرسکے
تقسیم ہوکر رہ گئے خود کرچیوں میں ہم
نام وفا کا قرض ادا بھی نہ کرسکے
نازک مزاج لوگ تھے جیسے کہ آئینہ
ٹوٹے کچھ اس طرح کہ صدا بھی نہ کرسکے
ہم منتظر رہے کہ کوئی مشق ستم ہو
تم مصلحت شناس جفا بھی نہ کرسکے

ثانیہ جہاں...... ڈسکہ

ماں کے جوڑے ہاتھوں کے آگے بھی ہار گیا۔

اس نے پہلے سے زیادہ دہری تکلیف سہہ کر مجھے جنم دیا۔ کسی نوزائیدہ بچے کی طرح مجھے قدم قدم چلنا سکھایا۔ بہن بھائی شیر خوار بچے کی طرح میرے لاڈ اٹھاتے۔ تب تین سال نو مہینے بعد میں خودغرضی کے تعفن سے ابھر آیا۔ باپ کے جھکے کندھے میرے ملال میں اضافہ کردیتے۔ تب میں نے سارے دروازے بند کرکے نئے رشتوں کا تعین کیا۔ خود کو ایک تابعدار اور فرماں بردار بیٹا بن کر دکھایا۔ احساس کرنے والا بھائی' محبت کرنے والا شوہر۔ ان سب کے باوجود ایک ڈر ہمیشہ میرے اندر کنڈلی مارے بیٹھا رہا۔ ''مکافات عمل کا ڈر''

مجھے ہمیشہ یہ یاد رہا کہ دنیا گول ہے ایک دن آپ کی سزا و جزا آپ کے مدمقابل ضرور آئے گی۔ آخر کار میں اپنے مدمقابل آہی گیا۔ اتنے سالوں کا خوف آج اژدھے کی طرح میرے وجود سے لپٹ رہا ہے۔ حقیقت بن کر مجھ پر پھنکار رہا ہے اور میں کمزور دل انسان حال اور ماضی کی سزا اکٹھے بھگتنے سے ڈرتا ہوں۔ آپ یقین مانیے مجھ میں اپنے ماں باپ جتنا حوصلہ نہیں۔ میں آج بھی ایک کمزور دل' جذباتی انسان ہوں۔ جو ذرا سی تکلیف پر ہاتھ پیر چھوڑ دیتا ہے۔'' ایک درد کی تیز لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں اٹھی۔ اسے اپنا

آپ تنگ مٹھی میں بند ہوتا محسوس ہوا۔
آنکھ کھولتے ہی اس کی نظر اپنی ماں پر پڑی۔ دل پسلیوں کے درمیان اٹک کے رہ گیا۔ اسے آنکھیں کھولتا دیکھ کر حمیدہ بیگم (ماں) اس کی جانب لپکی۔ اس کے چہرے پر دم کیا اور ماتھے پر بوسہ دیا۔ اس نے شرمندگی سے آنکھیں موندلیں۔ اماں ابا بھی ایسے ہی تڑپے ہوں گے۔ اس نے سوچا۔ کمرے میں حبس بڑھا تھا۔ بے اختیار آنکھیں کھولیں۔ حمیدہ بیگم اس کا ہاتھ تھامے اس کی جانب دیکھ رہی تھیں۔ اس نے نظریں چرائی۔

''میرا بیٹا بہت بہادر ہے۔'' انہوں نے شرمندگی کو کم کرنے کے لیے مسکرا کر کہا۔

''میں ایک باپ بھی ہوں ماں...... بے بس باپ۔'' وہ بے بسی سے بولا۔

''پھر تو تمہارا دل بالکل بھی کمزور نہیں ہونا چاہیے کیونکہ باپ کا دل جتنا بڑا ہوگا۔ اولاد کی کوتاہیوں کو معاف کرنے کی گنجائش اتنی ہی زیادہ ہوگی۔'' انہوں نے طنز نہیں کیا تھا لیکن عاطف کو یہ لفظ انی کی طرح لگے۔

''ماں......'' اس نے مضبوطی سے ان کا ہاتھ تھاما۔

''رشتوں کو سلامت رکھنے کے لیے بہت سی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ ہم بندہ بشر ہم پر آزمائشیں نہ آئیں تو ہم خود کو فرشتہ سمجھنے لگیں۔''

''اگر تم سمجھ رہے ہو کہ یہ تمہارا مکافاتِ عمل ہے تو ہوسکتا ہے کہ تم ٹھیک ہو۔ لیکن میں نے تمہیں کب کا معاف کردیا۔ بونا کاشا اپنی جگہ......زندگی کی گاڑی میں اچھے برے اسٹیشن آتے رہتے ہیں اور ضروری نہیں کہ تم کسی اسٹیشن پر اپنا بسیرا ابھی کرو۔ رکو دیکھو اور چل پڑو۔ اسی کا نام زندگی ہے۔ یہی وقت کی میراث ہے۔'' انہوں نے اس کے ہاتھ تھپکتے ہوئے آنسو صاف کیے۔ عاطف نے بے بسی سے انہیں دیکھا۔

''پلٹ کر دیکھو گے تو کبھی آگے نہیں بڑھ پاؤ گے۔ آگے بڑھنے کے لیے گردن اور نگاہیں سیدھی رکھنی پڑتی تھیں۔ وہ آج بھی ایک بچے کی طرح اسے زندگی کی الف بے سکھا رہی تھیں اور عاطف ایک ایک لفظ کو مقدس صفحہ کی طرح اندر اتار رہا تھا۔

اس کے دو بچے تھے ایک بیٹا اور ایک بیٹی۔ بیٹی کی ایف اے کے بعد شادی کردی۔ بیٹا جو ابھی میٹرک میں تھا جس نے ابھی پوری طرح لڑکپن سے ہاتھ نہیں چھڑایا تھا۔ اس نے محبت کے نخلستان میں قدم رکھ دیئے۔ جسے ابھی محبت کا ٹھیک سے مفہوم بھی نہیں معلوم تھا وہ محبت کی شدتوں کو پہچاننے کا دعویٰ کرنے لگا تھا۔

عاطف جو ٹی وی لاؤنج میں ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ اسے دیکھتے ہی اس کی جانب متوجہ ہوئے۔ جینز کی نیرو پینٹ' بیلٹ سے اونچی شرٹ جس نے بمشکل پیٹ کو ڈھانپ رکھا تھا۔ گلے میں تین چار موٹی زنجیریں' ایک ہاتھ میں سرخ دھاگہ اور دوسرے میں عورتوں کی طرح آدھی کلائی تک فرینڈ شپ بینڈز۔ چہرے پر مجوسیوں کی طرح داڑھی (داڑھی کی بے حرمتی) رہی سہی کسر سر کے بالوں نے پوری کردی تھی۔ جسے جیل لگا کر کھڑا کیا گیا تھا۔

''اف...... وہ اپنے سامنے آن کھڑے ہوئے تھے۔ یہ کیسے سدھرے گا؟'' دل میں ایک ہوک اٹھی تھی انہوں نے بے اختیار سینے پر ہاتھ رکھا۔

''کہاں سے آرہے ہو؟'' وہ قریب سے گزر جانا چاہتا تھا۔ جب عاطف نے پکارا۔

''شزا سے مل کر......'' وہ سینے پر ہاتھ باندھے ان کے مدمقابل آن کھڑا ہوا۔ عاطف کا دل چاہا اس کی بے حیائی پر اس کا منہ نوچ لے۔

''تو تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤ گے۔'' وہ انتہائی ضبط سے بولے۔

''میں نے کب پہلے وعدہ کیا کہ میں باز آجاؤں گا۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ شزا کو مجھ سے منسوب کردیں۔'' وہ انتہائی بے شرمی کا مظاہرہ کررہا تھا۔

''بھول جاؤ، میں تمہاری فضول ضد کو پوری کروں گا۔'' ناچار وہ ضدی ہوئے۔

''ڈیڈ میں اس کے بنا مر جاؤں گا۔'' وہ بلبلاتا ہوا بولا۔

''ماں میں اس کے بنا زندہ نہیں رہ پاؤں گا۔'' برسوں پہلے اسی کرب سے انہوں نے بھی اپنی ماں کو کہا تھا۔ انہوں نے ایک نظر حدید کو دیکھا۔

''لاؤ دو ایڈریس۔'' پل بھر میں انہوں نے اسے حیران کیا تھا۔ حدید بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگا۔

''سچ بول رہا ہوں۔'' وہ بدوقت مسکرائے۔ حدید ان سے لپٹ گیا۔

''جاؤ اپنا حلیہ درست کرو۔'' انہوں نے نرمی سے اسے خود سے جدا کیا۔

''یہ کیا کیا......؟'' فاریہ حدید کے جانے کے بعد ان سے مخاطب ہوئی۔

''دل توڑنے کو من نہیں کیا۔ وہ اس قدر منت سے بولا تھا کہ میں ہار گیا۔ دعا کرو فاری۔ اللہ راستہ نکال دے۔'' وہ سر جھکا کر اندر کی جانب بڑھے۔

پھر سب کچھ بنا کسی حیل وحجت کے طے ہوتا گیا۔ ہر فیصلے پر ان کا دل سکڑتا' فاریہ بے چین' حمیدہ بیگم دعاگو' حدید کی خوشی دیکھنے کے لائق تھی۔ اس کا حال حلیہ کسی مینڑ ڈبیے کی طرح بدلا تھا۔ خوشی اور سرشاری انگ انگ سے پھوٹی تھی۔

قسمت میں جو لکھا ہے وہ تو ہو کے رہنا ہے
چند الجھی سی لکیریں ہیں ورنہ ہاتھوں میں کیا رکھا ہے

''آپ غلط کر رہے ہیں۔'' جس دن انہوں نے منگنی کی تاریخ رکھی فاریہ کے ضبط کی طنابیں ٹوٹ گئیں۔

''تمہیں نہیں لگتا فارو...... میں ایک بندر ہوں۔ جس کے ہاتھ میں ماچس ہے اور اس نے سوچے بنا جلتی تیلی جنگل میں پھینک دی ہو اور اب یہ اس بندر کی قسمت جل جائے یا بچ جائے۔''

فاریہ نے زندگی میں پہلی بار ان کو اتنا ٹوٹا بکھرا ہوا

نظم

آؤ چلیں دور افق کے اس پار
اس فریبی دنیا سے، بہت دور
جہاں نہ ہوں کوئی غم
جہاں نہ ہوں کوئی آنکھ نم
جہاں نہ ہوں کسی کے چھن جانے کا خوف
جہاں نہ ہوں محبت کے بچھڑ جانے کا ڈر
جہاں کلی کھلے تو آزادی سے کھلے
جہاں مسل دینے والے ہاتھ نہ ہوں
جہاں نہ گرتے ہوں روز لاشوں کے انبار
جہاں نہ ہو کسی بیوہ ماں کے آہوں سسکیوں کی فریاد
جہاں نہ ہو کسی، بہن کا پھٹا ہوا دوپٹہ
آؤ چلیں دور افق کے اس پار
جہاں ہوں چاہتیں......
جہاں ہوں راحتیں......
جہاں ہوں مسکراہٹیں......
جہاں ہر سو بہار ہی بہار ہو
جہاں خزاں کو بھی گزرنے کی مجال نہ ہو
آؤ چلیں دور افق کے اس پار
آؤ چلیں......
آؤ چلیں......

ملائکہ زاہد...... پشاور

دیکھا تھا۔ اس کے دل کو کچھ ہوا۔

''دعا کرو میری توبہ قبول ہو جائے...... ورنہ مکافات عمل کی سزا مجھے مار دے گی۔ اف یہ اولاد کا دکھ۔'' وہ سخت یاسیت کا شکار تھے اور فاریہ بے بس۔

حدید نے دل جمعی سے اپنی پڑھائی دوبارہ شروع کر دی تھی۔ عاطف اور فاریہ کا ہر حکم تابعداری سے بجا لانا وہ اپنا فرض سمجھنے لگا تھا۔ شطرنج کی بساط بچھی تھی ہر کوئی اپنی چال چل رہا تھا۔ کھلاڑی سبھی گھاگ' کوئی بھی چوکنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن قسمت کیا چال چل رہی ہے اس

سے سب ہی بے خبر تھے۔ عاطف کی دعاؤں میں طوالت آ گئی تھی۔ ہر گزرتے دن توبہ کے دروازے پر دستک تیز کر دیتا۔ وہ نہ کھائی میں گرنا چاہتے تھے اور نہ سمندر میں چھلانگ لگانا۔ وقت اپنے مہرے چل رہا تھا۔ گھڑی کی سوئیاں آگے پیچھے ہوتی گزرتی جا رہی تھیں۔ وعدے کے دن قریب آ رہے تھے۔ دونوں فریقین نے سب مہرے کھیلے اب اپنی اپنی آخری چال کے منتظر تھے۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب حدید کا بی اے کا رزلٹ آیا تھا۔ ان پانچ سالوں میں اس نے لڑکپن کی انگلی چھوڑ کر نوجوانی کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ بچپن کے روئیں اب چہرے کی خوب صورتی میں ڈھل گئے تھے۔ توانا جسم پر سنجیدہ سی مسکراہٹ اسے اپنے ہم عمروں میں ممتاز کرنے لگی تھی۔ لہجے میں ٹھہراؤ، جذبات میں دھیما پن، چال میں مضبوطی آ چکی تھی۔ تب عاطف نے تڑپ کا آخری پتہ پھینکا۔ ہار اور جیت کا آخری فیصلہ۔ اپنی اولاد کو سنبھالنے کا آخری راستہ۔ مکافاتِ عمل کی کڑی آزمائش سے بچنے کا آخری راستہ۔

❁......❁......❁......❁

وہی کمرہ...... وہی فریقین...... وہی ٹاپک۔ اگر بدلا تھا تو صرف جذباتی پن۔ وہ تینوں کھانے کی میز پر بیٹھے تھے۔

''کیا ارادہ ہے اب تمہارا؟'' عاطف نے چاول کا چمچ منہ میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''میں ہائر اسٹڈیز کے لیے باہر جانا چاہتا ہوں۔'' بے حد مطمئن جواب آیا۔ فاریہ نے گھبرا کر اسے دیکھا۔

''جب کہ ہم چاہتے ہیں تمہاری شادی کر دی جائے۔ کل بھی بیگ صاحب (شزا کے والد کا فون آیا تھا) وہ شادی پر زور دے رہے ہیں۔'' پزل باکس کا آخری حصہ لگا دیا گیا۔

فاریہ نے کن انکھیوں سے باپ بیٹے کو دیکھا۔ ایک سایہ حدید کے چہرے پر آ کر گزر گیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر پانی کا گلاس تھاما۔ منتظر نگاہوں کو نظر انداز کرتے گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔

''مجھے ابھی سوچنے کا وقت چاہیے۔'' اس نے گلاس پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ دونوں میاں بیوی نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کیا سوچنے کے لیے چار سال تھوڑے تھے؟'' انداز نہ چاہتے ہوئے بھی تلخی لیے ہوئے تھا۔

''بہت تھوڑے ایسے جیسے چار دن۔ ایسے جیسے میں ہر روز ایک نئی شزا سے ملتا ہوں۔ نئی عادات کے ساتھ، نئی سوچ کے ساتھ۔'' وہ تھکا تھکا سا بول رہا تھا۔ کمرے میں یک لخت خاموشی چھا گئی۔ عاطف کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے۔

''کتنے دن مزید؟'' عاطف کو فیصلے کی جلدی تھی۔

''شاید پاپا ساری عمر بھی اسے سمجھنے میں کم پڑ جائے۔ وہ زندگی کو ایڈونچر سمجھتی ہے۔ اسے محبت کے تجربوں کا شوق ہے۔ شاپنگ اس کی کمزوری ہے اور میری حیثیت ہیلپر سے زیادہ کچھ نہیں۔'' اس نے بولتے بولتے کہنیاں میز پر ٹکائیں اور ہاتھوں میں سر تھام لیا۔ عاطف کے دل کو کچھ ہوا۔ فاریہ نے بے چینی سے اسے ساتھ لگایا۔

''ڈیڈ وہ میرے لیے خود کو بدل نہیں سکتی اور میں اس کے لیے آپ سے......'' اس نے جملہ کو ادھورا چھوڑتے ہوئے آنکھوں کی نمی کو اندر اتارا۔ عاطف کا دل سکڑا تھا۔ اس کا انگ انگ خوشی سے اللہ کے حضور سر بسجود تھا۔ جس نے اس کو قریب ہو کے سنا تھا۔

جہاں مایوس ہو جاتا ہے انسان
وہی محسوس ہوتا ہے کہ خدا ہے

❁

ذرا مسکرا میرے گمشدہ
فاخرہ گل

وہ چاند چہرے وہ بہکیں باتیں سلگتے دن تھے مہکتی راتیں
وہ چھوٹے چھوٹے سے کاغذوں پر محبتوں کے پیام لکھنا
مرے نگر کی حسیں فضاؤ، کہیں جو ان کا نشان پاؤ
تو پوچھنا یہ کہاں سے ہو کہاں ہے ان کا قیام لکھنا

گزشتہ قسط کا خلاصہ

سکندر صاحب دنیا کے لیے ایک دیندار اور ہمدرد شخص کی حیثیت رکھتے ہیں جبکہ گھر میں وہ اپنی بیوی اور بڑی بیٹی اجیہ سے بہت ناروا سلوک رکھتے ہیں اور اپنی چھوٹی بیٹی حنین سے بے حد پیار کرتے ہیں اور اس کا خیال بھی بہت رکھتے ہیں۔ اجیہ باپ کا رویہ اور ماں کی طبیعت دیکھ کر نوکری کا فیصلہ کرتے ہیں جس کے باعث وہ ایک کال سینٹر میں رات کی جاب کرتی ہے اور یونیورسٹی میں شام کی کلاسسز بھی لیتی ہے تاکہ اس کی پڑھائی مکمل ہوجائے جاب کرنا اس کی مجبوری ہوتی اس لیے کہ باپ گھر کا خرچ نہیں دیتا اور نہ ہی اس کی ماں کی بیماری کے علاج کے لیے رقم دیتا ہے بلکہ ماں کی بیماری کو ڈرامہ بازی کہتا رہتا ہے۔ غزنی اجیہ کا چچازاد ہوتا ہے اور غزنی کے والدہ اجیہ کو اپنی بہو بنانے کی چاہ رکھتی ہیں اور غزنی بھی اجیہ کو بچپن سے چاہتا ہے اور اس کو بھی اجیہ کے رات کے کام کرنے کا شک ہوجاتا ہے جس کے لیے وہ ایک رات اجیہ کے گھر بھی پہنچ جاتا ہے۔ اجیہ کی نوکری اچھی چل رہی ہوتی ہے کہ اچانک شرمین کے آجانے سے اس کو مسلسل مشکل کا سامنا کرنا پڑجاتا اور ایک دن کال سینٹر کے مالک نے اجیہ کو بلا کر اس پر کال سینٹر کو نقصان پہنچانے کا الزام لگایا اور شرمین کی مداخلت کے باعث اس کو مزید پریشانی کا سامنا کرنا پڑجاتا ہے جس سے ان کی نوکری خطرہ میں پڑتی نظر آتی ہے۔ اجیہ ماں کی طبیعت کی وجہ سے بہت پریشان ہوتی اور ڈاکٹر سے رجوع کرکے ماں کا چیک اپ کرواتی ہے اور ڈاکٹر ان کو کچھ ٹیسٹ لکھ دیتا ہے جس کے لیے اجیہ ماں کو جاب سے واپسی آکر لیبارٹری لے جاتی ہے وہاں انتظار گاہ میں بیٹھ کر اجیہ کی آنکھ لگ جاتی ہے جہاں ابش اس کو سوتا دیکھ کر اپنا دل ہار بیٹھتا ہے

اب آگے پڑھیے

اماں نے گھر کے کام کاج سے فارغ ہوکر سبزی کاٹی اور پھر لنڈی الماری کے سامنے اسٹول رکھ کر بیٹھ گئیں، ایک طرف تہہ کیے گئے کپڑے رکھے تھے اور دوسری طرف تین چار استری شدہ جوڑے ہینگرز تھے الماری کی دوسری سائیڈ میں سردیوں کی شالیں، کپڑے اور جرسیاں وغیرہ رکھی تھیں، موسم بدلنے پر وہ صندوق یا اٹیچی میں کپڑے رکھنے کے بجائے الماری میں ایک طرف ہی سب کچھ سمیٹ کر رکھ دیتی تھیں، جس کی ایک خاص وجہ تو یہ تھی کہ پھر نکالتے ہوئے وقت صرف نہ ہوتا تھا اور دوسری وجہ یہ کہ ان کے پاس عام خواتین کی طرح کپڑوں کی بہتات نہیں تھی۔ وہ جب بھی موسم کی مناسبت سے دو جوڑے خریدتیں پہلے سے موجود کپڑوں میں سے دو جوڑے کسی کو دے دیتیں الماری میں رکھے یا ہینگر میں موجود کپڑے ان کی گھبراہٹ کا باعث بنتے تھے اسی لیے تو وہ ان کی تعداد کبھی بھی بڑھنے نہیں دیتی تھیں اور آج تو وہ اسٹول پر سکون سے بیٹھی کپڑوں کا جائزہ اس لیے لے رہی تھیں کہ انہیں اجیہ

کے گھر جاتا تھا سو اسی لیے کپڑوں کا انتخاب کرنا ضروری تھا۔ جس میں ان کا بہت زیادہ وقت نہیں لگا فیروزی رنگ کے سوٹ پر نظریں جمائے اسے دل ہی دل میں آج پہننے کے لیے منتخب کیا اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھ گئیں۔

اجیہ کا اس گھر میں بہو بن کر آنا ان کا بہت بڑا خواب اور دل کی پرانی حسرت تھی، تب جب وہ چھوٹی ہوا کرتی تھی سکندر اس کا بہت زیادہ باہر نکلنا پسند نہیں کرتے تھے اس لیے جب وہ غزنی کے ساتھ ان کے گھر جاتیں تو وہ تینوں مل کر بہت خوش ہوتے۔ پھر آہستہ آہستہ اجیہ کی شوخی اور چلبلا پن کم ہوتا گیا وہ جانتی تھیں کہ اجیہ کی نیچر ایسی نہیں بلکہ وہ بے حد خوش مزاج اور اچھے اطوار کی مالک ہے اور یہ سنجیدگی کی چادر اب اکثر و بیشتر اسے اس کے اصل مزاج میں لوٹنے نہیں دیتی تو اس کا ذمہ دار ان کے گھر کا وہ ماحول ہے جو ہوش سنبھالنے پر اجیہ نے دیکھا، محسوس کیا اور اپنے اندر ہی جذب کرگئی، وہ اس ہنستی کھیلتی لڑکی کو ایک بار پھر بچپن کی طرح خوش باش دیکھنا چاہتی تھیں اور یہی نہیں بلکہ وہ اسے اپنے گھر کی بہو اور اپنے اکلوتے بیٹے غزنی کی دلہن کے روپ میں وہ تمام تر خوشیاں سونپ دینا چاہتی تھیں جو ان کے اختیار میں تھیں۔

انہیں معلوم تھا کہ اجیہ پالک گوشت شوق سے کھاتی ہے اسی لیے انہوں نے آج پالک دھو کر کاٹ کر رکھی تھی ارادہ یہی تھا کہ ابھی پکائیں گی اور دوپہر کے کھانے کے بعد جاتے ہوئے اجیہ کے لیے ٹفن میں ڈال کر لے جائیں گی گرم بھاپ اڑاتا پالک کا سالن پلیٹ میں ڈال کر اس پر مکھن رکھ کر کھانا اجیہ کو شروع سے ہی مرغوب تھا اور وہ یوں بھی بازار کا مکھن پسند نہیں کرتی تھیں ہمیشہ گھر میں دودھ بلو کر مکھن نکالتیں ایک چھوٹے ٹفن میں انہوں نے اجیہ کے لیے مکھن ڈال کر رات کو ہی فریج میں رکھ دیا تھا اور اب بس جلدی سے کھانا پکایا اور ان دونوں کو کھلانا تھا۔

۞......۞......۞

اربش نے ایک نظر حسن کو دیکھا جو استقبالیہ پر موجود لڑکی نے اپنا اپوائنٹمنٹ کا وقت بتا کر اب وہاں موجودگی کے رجسٹر پر دستخط کررہا تھا۔ آنٹی اس سلیپنگ بیوٹی کے ساتھ بیٹھی خاتون کے ساتھ نہ صرف بیٹھی تھیں بلکہ سلام دعا کے مراحل سے گزر کر اب اپنی بیماری کے متعلق بتا بھی رہی تھیں حسن استقبالیہ سے کوئی پرچی ہاتھ میں تھامے واپس نشست پر آنے کے بجائے باہر چلا گیا اور وہ ہال کے بیچوں بیچ کھڑا رہا۔

"میاں ایک طرف ہوکر بیٹھ جاؤ، کیوں رستہ روکے کھڑے ہو؟" ایک بزرگ نے اسے یوں چاروں طرف نظریں دوڑاتے دیکھ کر شاید مائنڈ کیا تھا۔ ان کے لہجے کا رعب تھا کہ شخصیت کا جلال وہ معذرت خواہانہ انداز میں مسکرا کر فوراً اس خالی جگہ پر جا بیٹھا جہاں سے اس کے صوفے کی حد شروع ہوتی تھی۔ ساتھ ہی جڑے دوسرے صوفے کی پہلی ہی سیٹ پر وہ لڑکی بہت گہری نیند میں تھی کچھ دیر تو وہ یہاں وہاں دیکھتا رہا لیکن دل تھا کہ ساتھ بیٹھی سلیپنگ بیوٹی کو دیکھنا چاہتا تھا' اسے وہ لڑکی جسے ابھی اس نے مکمل دیکھا بھی نہیں تھا بہت دلچسپ لگی تھی۔ یہ منظر بہت مختلف اور وہ سب کے درمیان یوں چہرے کو بالوں سے ڈھانکے ہتھیلی کا تکیہ بنا کر صوفے پر کہنی ٹکائے انتہائی منفرد لگ رہی تھی۔

اربش نے اپنی زندگی میں پہلی دفعہ ایک نوجوان لڑکی کو یوں سرعام سوتے دیکھا تھا' وہ اسے دوبارہ دیکھنا چاہتا تھا لیکن ایک تو وہ اس کے بائیں طرف بالکل قریب بیٹھی تھی دوسرا اگر وہ اسے دیکھتا تو مکمل طور پر گردن بائیں طرف موڑنا پڑتی جو یقیناً معیوب لگتا اسی لیے خود پر جبر کرتا بددلی سے یہاں سے وہاں دیکھتا رہا، ایسا نہیں تھا کہ اسے پہلی دفعہ کوئی لڑکی نظر آئی تھی' یا پہلی مرتبہ کسی لڑکی کے قریب بیٹھنے کا موقع ملا تھا بلکہ وہ تو شروع سے پڑھا ہی کو ایجوکیشن میں تھا لیکن شاید اس لڑکی کے چہرے کا تقریباً چھپا ہونا اس کے تجسس کا باعث تھا۔ شاید وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ جس کی ذرا سی جھلک اتنی دلفریب ہے اس کے تمام نقوش میں کس قدر کشش ہوگی؟ جو

سوتے ہوئے اس کی کمل توجہ کھینچ چکی تھی وہ باتیں کرتے ہوئے کیسی لگتی ہوگی۔

حسن کی امی اب تک ان خاتون سے بات چیت کرکے اس حد تک فرینک نظر آرہی تھیں کہ لگتا پہلے سے کوئی جان پہچان ہے اور یہی ہماری خواتین کی اکثریت کا خاصہ ہے صرف دو گھنٹے میں اپنے میکے سسرال کی تمام اچھائیاں برائیاں بتا کر پکی سہیلیاں بن جاتی ہیں حسن اب تک واپس نہیں آیا اسی دوران استقبالیہ سے آواز آئی۔

''مسز سکندر...... پلیز اندر تشریف لے جائیے۔''

خاتون فوراً اپنی فائل تھامے اٹھیں اور سلیپنگ بیوٹی کی طرف رخ کرکے بولیں۔

''اجیہ......!''

''تو اس کا نام اجیہ ہے......!'' اربش نے سامنے استقبالیہ پر نظر جماتے ہوئے سوچا اور گو کہ مکمل دھیان اسی طرف تھا لیکن بظاہر انجان بننا بھی تو ضروری تھا اسی لیے گردن ہلکی سی موڑ کر دیکھا بھی نہیں کہ آنٹی کی آواز آئی۔

''اربش بیٹا حسن تو ہے نہیں تم ان کے ساتھ چلے جاؤ۔'' خاتون نے حیرانی سے اربش کو اور پھر آنٹی کو دیکھا اور قبل اس کے کہ نفی میں گردن ہلاتیں اور ساتھ ساتھ اسے منع کرتیں وہ پھر بولیں۔

''اجیہ اکیلی تھوڑی ہے میں بیٹھی تو ہوں یہاں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن......'' خاتون جز بز ہوئیں۔

''بھئی بچی سوگئی ہے تو سونے دوناں رات بھر جاگ کر پڑھتی رہی ہے اس لیے ورنہ اس عمر میں کوئی اتنی گہری نیند سوتا ہے بھلا۔'' اربش آنٹی کی بے تکلفی پر مسکرائے بغیر رہ نہیں سکا تھا کہ اجیہ کی نیند ٹوٹنے کا اس طرح خیال کررہی تھیں جیسے کوئی شیر خوار بچہ ہو جو کچی نیند میں جاگ جانے سے روئے وچلائے گا اور سارا گھر سر پر اٹھالے گا اور وہ بھی صرف پہلی ملاقات میں۔

''مسز سکندر، اندر تشریف لے جائیے ورنہ آپ کے بعد والے مریض کو بلالیا جائے گا۔'' استقبالیہ سے ایک بار پھر آواز ابھری۔ اربش اب تک خاموش کھڑا تھا۔

''ارے جاؤ بھی...... یہیں کھڑی ہو اور......''

''آیئے آنٹی میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں مجھے آپ ان کا بیٹا ہی سمجھیں۔'' امی نے ایک نظر اجیہ کو دیکھا اور مشکور نظروں سے آنٹی کو دیکھ کر اربش کے ساتھ ٹیسٹ کرانے چلی گئیں۔ اربش نے بھی ایک گہری نظر ڈال کر اجیہ کو دیکھا جو بلاشبہ بے حد معصوم لگ رہی تھی اندر جا کر اربش کو باہر بیٹھنے کا کہا گیا اور امی کے وہ تمام ٹیسٹ جو ڈاکٹر نے لکھ کر دیے تھے کیے گئے اب اربش لیبارٹری کے ویٹنگ روم میں بیٹھا رہا۔

''آپ اتنا گھبرا کیوں رہی ہیں؟ معمولی ٹیسٹس ہیں پلیز ریلیکس رہیے خوف زدہ ہونے کی کوئی بات نہیں۔'' لیب اسسٹنٹ نے امی کا زرد چہرہ دیکھا تو پانی کا گلاس پکڑاتے ہوئے تسلی دی اس کے نزدیک یہ ان ٹیسٹس کا خوف تھا جو امی کے چہرے کو زرد کیے دے رہا تھا۔ حالانکہ حقیقت تو یہ تھی کہ امی کو جو خوف لاحق تھا وہ ان ٹیسٹ کا نہیں بلکہ ان کی فیس کی ادائیگی کا تھا۔

پیسے دینے سے سکندر صاحب نے تو صاف انکار کردیا تھا اور اب یہ اجیہ کے پیسوں سے ہی ممکن ہوا تھا کہ ان کا علاج شروع کرانے کے لیے سب سے پہلے مرض کی تشخیص کرائی جاتی پیسے اجیہ کے پرس میں تھے اور وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اب یہاں لیبارٹری میں ٹیسٹ کے بعد ان سے پیسے مانگیں جائیں اور وہ خالی ہاتھ لے کر کہیں کہ پیسے تو میری بیٹی کے پاس ہیں اور اس صورت میں اگر اربش ان پیسوں کی ادائیگی کرتا تو یہ ان کے لیے انتہائی شرم کا مقام ہوتا بس یہی خوف ان کا چہرہ زرد کیے دے رہا تھا اور وہ دعائیں کررہی تھیں کہ یہاں کوئی ان سے پیسے نہ مانگے ایک ٹیسٹ تو بخیر وخوبی گزر گیا دوسرا بھی اور تیسرا اور آخری ٹیسٹ کرانے سے پہلے انہوں نے دیکھا کہ ویٹنگ روم میں اربش بڑے صبر وتحمل سے ان کا انتظار کررہا تھا اور عین اس کے سامنے موجود کاؤنٹر پر ٹیسٹ سے فارغ ہوجانے والا مریض فیس کی ادائیگی کرکے رسید وصول کررہا تھا یعنی یہاں پیسے تو دینے پڑیں گے۔ امی

نے سوچا۔

’’بی بی سیدھی ہو کر بیٹھیں اور مٹھی مضبوطی سے بند کرلیں صرف بلڈ لینا ہے آپ کا۔‘‘ نرس نے ان کا بازو پکڑ کر سیدھا کیا۔

’’لیکن بیٹا میرا تو شاید بی پی لو ہو رہا ہے میرا خیال ہے تھوڑی دیر رک جاؤ۔‘‘ وہ تھوڑی سی مہلت لینا چاہتی تھیں کہ اجیہ کے پاس جاسکیں لیکن ان کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی نرس نے ان کا بی پی بھی چیک کرلیا۔

’’رک نہیں سکتی ویسے ہی بڑا رش ہے اور بی پی تو آپ کا بالکل نارمل ہے۔‘‘ بات ختم کرکے اس نے ان کی اگر مگر اور لیکن کا انتظار کیے بغیر ہی دو تین سرنج بھر کر خون لیا اور مسکرائی۔

’’دیکھا اتنی سی بات تھی اور آپ خوامخواہ بچوں کی طرح ڈر رہی تھیں۔‘‘ فارم پر سائن کرنے کے ساتھ اس نے بات مکمل کی اور فارم ان کی طرف بڑھا دیا۔

’’یہ لیجیے کاؤنٹر پر پے منٹ کردیں۔‘‘ تو یعنی وہ لمحہ آ ہی گیا کہ جس کے نہ آنے کی وہ دعائیں کر رہی تھیں نرس نے ان کو فارم تھماتے ہوئے کاؤنٹر کی طرف اشارہ کیا بالکل اسی وقت اربش نے بھی گردن موڑ کر اس کمرے کی طرف دیکھا وہ سمجھ گیا تھا کہ ان کے ٹیسٹ مکمل ہوچکے ہیں لہٰذا اٹھ کر ان کی طرف قدم بڑھانے لگا نرس اب دوسرے مریض سے بات کرنے میں مصروف تھی امی نے ایک نظر نرس کو دیکھا اور پھر سامنے سے آتے اربش کو۔ انہیں یہ بات کسی طور گوارا نہیں تھی کہ اربش ان کے پیسے دیتا اپنی بے چارگی پر ان کا دل چاہا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں کہ ساری عمر سکندر صاحب نے انہیں ایک ایک آنے کے لیے ترسایا تھا۔ نزلہ، زکام، بخار، کمر درد جیسی معمولی بیماریوں میں تو ڈاکٹر کے پاس جانے کا ذکر ہی تضحیک کا باعث بنا کرتا اور اب بھی جب ان کی طبیعت بے حد نڈھال سی رہنے لگی اور انہوں نے ڈاکٹر کے پاس سے آنے کے بعد انہیں بتایا کہ ڈاکٹر نے چند ٹیسٹ کرانے کا مشورہ دیا ہے تو پھٹ پڑے کہ یہ ڈرامے بازیاں بند کرو

میرے پاس حرام کا پیسہ نہیں ہے کہ میں ڈاکٹروں کے پیٹ بھرتا رہوں۔‘‘ اور تب اجیہ نے اسٹینڈ لیا تھا۔

’’ارے بیٹا یہ تمہیں بخار کب سے ہو رہا ہے۔‘‘ وہ اجیہ کے اسکول میں اپنے والد سے ملنے آئیں تب ان کے والد نے کلائی تھام کر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے تشویش سے پوچھا تھا۔

’’ارے نہیں ابو جی، بخار کہاں یہ تو بس یونہی......‘‘ انہوں نے نظر انداز کرنا چاہا۔

’’بس یونہی۔ تمہیں پتا بھی ہے کہ کہنے کو تو گھر کا سربراہ مرد ہوتا ہے لیکن یہ کہنے کی حد تک ہی ہوتا ہے کیونکہ گھرانہ عورت کے سر پر چلتا ہے۔ جس گھر میں عورت خود صحت مند نہیں ہوگی وہ باقی افراد کا خیال کیسے رکھے گی میاں، بچوں اور سسرال والوں کی خدمت میں جان مارتی ہماری بچیوں کو سب سے پہلے اپنا خیال رکھنا چاہیے اس لیے تاکہ وہ دوسروں کا خیال رکھ سکیں۔‘‘

’’تمہارے پاس پیسے تو ہیں ناں؟‘‘ وہ بغور ان کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کرتے اور وہ مزید سر جھکا لیتیں۔

’’پیسے تو ہیں بلکہ ابو جی آپ کو پتا تو ہے کہ سکندر نے مجھے گھر کے ساتھ ساتھ تمام روپے پیسے کا مالک بھی بنا رکھا ہے، چابی میرے پاس ہی ہوتی ہے۔ جب ضرورت پڑی تو الماری سے نکال کر استعمال کرلیے پھر شام کو بتا دیتی ہوں کہ آج میں نے الماری سے اتنے روپے نکالے اور انہوں نے کبھی دوسرا سوال ہی نہیں کیا بس اتنا کہہ دیتے ہیں کہ مجھے پتا ہے تم کبھی پیسے خوامخواہ نہیں نکالتی۔ اس لیے مجھے بتانا ضروری نہیں بس جب لینے ہوں لے لیا کرو پیسے جتنے تمہارے ہیں اتنے ہی میرے ہیں۔‘‘ جھوٹ بولتے وقت بندہ خوامخواہ ہی زیادہ بولنے لگتا ہے سو وہ بھی مختصر جواب کو طویل کر دیا کرتیں کہ انہیں یقین آجائے۔

’’بس بیٹا خوشی تو اسی بات کی ہے کہ سکندر نے تمہیں خوش رکھا ہوا ہے کبھی کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی اور نہ تمہیں کبھی تکلیف دی۔ ہمارا کیا ہے ہم سے نفرت کرتا ہے تو بھی اسے دعا ہی دیتے ہیں کہ ہماری

بیٹی کے سر کا تاج ہے تمہاری ماں بھی یہی دعائیں کرتی دنیا سے چلی گئی۔"

"ابو جی میں اپنے گھر میں بہت خوش ہوں آپ میری بالکل بھی فکر نہ کیا کریں سکندر ایک داماد کے طور پر بے شک اپنا کردار نہیں نبھا رہے لیکن شوہر کے طور پر وہ ایک مثال ہیں۔" اور صرف یہی نہیں بیٹیوں کی اکثریت والدین کے سامنے اپنے مجازی خدا کی وہ وہ خوبیاں بھی بیان کرتی ہے جن کا سرے سے وجود ہی نہیں ہوتا اور جن خوبیوں کو اپنے شوہر میں دیکھنا ان کا خواب ہوتا ہے اور اس کا مقصد شیخیاں بگھارنا نہیں بلکہ اپنے والدین کو خوش اور مطمئن رکھنے کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ فون پر ماں باپ سے بات کرنے والی لڑکیوں کی آنکھیں شوہر یا سسرال والوں کے ناروا سلوک سے بھیگی ہوتی ہیں لیکن ماں باپ کو مطمئن اور خوش رکھنے کے لیے لب مسکرا رہے ہوتے ہیں۔

"ہاں بیٹا واقعی شوہر کے روپ میں سکندر ایک مثال ہے جس نے تمہیں پھولوں کی طرح رکھا ہے اللہ دنیا کی سب بیٹیوں کو سکندر جیسا شوہر دے۔" ان کی بات پر وہ تڑپ اٹھتی تھیں وہ کیسے بتاتیں کہ یہ دعا نہیں بددعا ہے اور وہ ہمیشہ یہی سوچتی کہ پروردگار شاید مجھے تو نے کسی آزمائش کے نتیجے میں سکندر جیسا شوہر دیا ہے لیکن یہ آزمائش کسی اور کے حصے میں نہ لکھنا۔

"اچھا یہ تھوڑے سے پیسے رکھ لو...... بس یونہی۔" انہوں نے والٹ سے سو سو کے پانچ نوٹ نکال کر دیے۔

"لیکن ابو جی میرے پاس پیسے ہیں ناں۔" وہ بمشکل مسکرائی تھیں کہ دو تین دن سے چڑھتے اترتے اس ہلکے بخار نے عجیب نقاہت سی جسم میں بھر رکھی تھی۔

"مجھے معلوم ہے کہ تمہارے پاس بہت پیسے ہیں لیکن بہنوں اور بیٹیوں کا میکے کے رزق پر ہمیشہ حق بھی ہوتا ہے اور اس میں ان کا حصہ بھی اب خود سوچو اگر میں تمہارے گھر تم سے ملنے آتا تو کیا خالی ہاتھ آتا۔" انہوں نے سامنے رکھے ان کے پرس پر پیسے رکھے جسے اٹھا کر اندر ڈالنے سے پہلے وہ اپنی آنکھیں چھلکنے سے نہیں روک پائی تھیں کہ پرس تو بالکل خالی تھا۔

صبح انہوں نے اجیہ کے اسکول جانے کے لیے کرایہ مانگا تو سکندر صاحب نے بمشکل اتنے ہی پیسے دیے تھے کہ وہ بس کا کرایہ دے پاتیں گو کہ بس اسٹاپ اجیہ اور حنین کے اسکول سے دور تھا لیکن وہ بس سے اتر کر پیدل ہی اسکول پہنچیں کہ سوزوکی میں بیٹھنے کی صورت میں بس کا واپسی کا کرایہ نہ بچتا۔

زندگی تو نے مجھے قبر سے کم دی ہے جگہ
پاؤں پھیلاؤں تو دیوار میں سر لگتا ہے

"آنٹی آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" اربش ان کی بھیگی آنکھیں دیکھ کر چونکا۔

"ہاں...... وہ...... میں تو ٹھیک ہوں...... بالکل۔" ماضی سے حال میں واپس آئیں تو خود اپنا آپ ہی بوکھلاہٹ کا شکار معلوم ہوا۔

"یہ پیمنٹ وہاں کاؤنٹر پر کرنی ہے آجایئے میرے ساتھ۔" وہ ان کے ہاتھ سے فیس کی ادائیگی کا بل لینا چاہتا تھا لیکن انہوں نے اپنا ہاتھ پیچھے کرلیا۔

"نن...... نہیں...... نہیں وہاں ابھی پیسے نہیں دینے بیٹا بلکہ جب ان ٹیسٹس کی رپورٹ آئے گی ناں تب فیس کی ادائیگی کرکے رپورٹ مل جائے گی۔" گو کہ وہ جانتی تھیں کہ ایسا نہیں ہے لیکن پھر بھی یہ سب اس لیے کہا کہ وہ اس کا احسان نہیں لینا چاہتی تھیں۔

"نہیں بی بی یہ آپ کا بیٹا ٹھیک کہہ رہا ہے پیمنٹ تو ابھی ہی کرنی ہے کاؤنٹر پر جاکر، البتہ رپورٹس بعد میں مل جائے گی۔" نرس نے رہنمائی کی اور ان کے ہاتھ سے ادائیگی بل کا پرچہ لے کر ٹوٹل فیس پر چمک دار روشنائی سے دائرہ بنایا اور اربش کے ہاتھ میں تھما دیا جو انہیں ساتھ لے کر اب کاؤنٹر کی طرف بڑھ رہا تھا اور وہ یوں سست روی سے قدم بڑھا رہی تھیں جیسے انہیں کوئی قتل گاہ کی طرف لے جا رہا ہو، اربش نے یونہی تھوڑا سا گردن موڑ کر انہیں دیکھا تو ان کے چہرے پر پھیلی سراسیمگی سے

پریشان ہوگیا۔
"آنٹی...... آپ پلیز ایک منٹ یہاں بیٹھیں۔"
دیوار کے ساتھ قطار سے لگی آرام دہ سیٹوں پر انہیں بٹھا کر جوس کاؤنٹر سے ان کے لیے جوس لے آیا۔
"ارے بیٹا میں ٹھیک ہوں اس کی کیا ضرورت تھی؟"
"ضرورت تو تھی ناں آپ یقیناً گھر سے نہار منہ آئی ہوں گی اور یہاں پر انہوں نے آپ کا بلڈ ٹیسٹ کرنے کے لیے خون کے سیمپلو لیے ہوں گے تو کمزوری تو محسوس ہو ہی رہی ہوگی ناں۔" مسکراتے ہوئے اس نے گلاس انہیں تھما دیا۔ ویسے بھی لیب میں جوس کاؤنٹر بنایا بھی اسی لیے گیا تھا کہ فوری طور پر کسی کو طلب ہو تو یہاں سے استفادہ حاصل کیا جاسکے۔
"جیتے رہو بیٹا خوش رہو۔" انہوں نے دل سے دعا کی دی۔
"اچھا آپ یہ جوس ختم کریں میں ذرا یہ پیمنٹ کر آؤں۔" وہی ہوا جس کا ڈر تھا اور اربش کی بات سے ان کے ہونٹوں تک جاتا جوس کا گلاس وہیں رک گیا۔
"نہیں...... نہیں پیسے ہیں میرے پاس میں خود دوں گی۔" روانی سے ان کے منہ سے نکلے اس جملے نے اربش کو کاؤنٹر کی طرف بڑھتے بڑھتے روک دیا۔

*...... *...... *

سکندر صاحب ہول سیلر سے ہفتہ وار سامان منگوایا کرتے تھے فون کر کے تمام مطلوبہ اشیا لکھواتے اور ہول سیلر باقی تمام دکان داروں کی طرح انہیں بھی ڈرائیور کے ذریعے سامان بھجوا دیا کرتا اس وقت بھی وہ فون پر لکھوائے جانے والے سامان کی فہرست تیار کررہے تھے جب قریبی مسجد کے امام صاحب اپنے چند رفقائے کار کے ساتھ دکان میں داخل ہوئے۔ سکندر صاحب انہیں دیکھتے ہی اپنا کام چھوڑ کر اٹھے چھوٹے کو ٹھنڈی بوتلیں پیش کرنے کے لیے کہا اور خود ان کی طرف متوجہ ہوئے۔
"سکندر صاحب مخلوق خدا اور انسانیت کی بھلائی کے لیے آپ کے کیے گئے اقدامات سے کون واقف نہیں اور یہ تو ہم بھی جانتے ہیں کہ خانہ خدا کے لیے آپ چوبیس گھنٹے تیار رہتے ہیں۔"
"بس جی، اس میں میرا تو کوئی کمال نہیں بس میں سوچتا ہوں کہ اللہ کے دیئے گئے رزق میں سے اگر اللہ ہی کے گھر پر یا اللہ کے بندوں پر خرچ نہ کیا تو پھر کیا فائدہ ایسے رزق کا۔" وہ انتہائی عاجزی سے چھوٹے کے ہاتھ سے بوتلیں لے کر انہیں پیش کررہے تھے۔
"سبحان اللہ...... سبحان اللہ کیا کہنے میں تو کہتا ہوں کہ اگر تمام صاحب ثروت افراد کی سوچ آپ جیسی ہوجائے تو معاشرے میں امیری وغریبی کا بگڑا ہوا توازن درست ہوجائے۔"
"بس دعا کیا کیجیے کہ جس کے نام پر دیتے ہیں وہ راضی رہے وہ خوش ہوجائے۔"
"بات تو آپ کی قابل رشک ہے اللہ آپ کی نیت کو قبول فرمائے دراصل آج جو مسئلہ ہمیں آپ تک لے کر آیا ہے وہ کچھ مالی امداد کا ہے۔"
"جناب میں حاضر ہوں لیکن آخر یہ مالی امداد کن امور میں درکار ہے۔" سکندر صاحب خوش اخلاقی میں اپنی مثال آپ معلوم ہورہے تھے سو امام صاحب کے ساتھ موجود دوسرے صاحب بولے۔
"دراصل یہ تو آپ بھی جانتے ہیں ناں کہ پچھلے سال ہم چند دوستوں نے مل کر فری ڈسپنسری بنائی تھی نیت یہ تھی کہ وہاں تمام مستحق مریضوں کا مفت علاج کیا جاسکے۔"
"جی...... جی مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"
"بس تو پھر آج دوبارہ آپ کی مدد کی ضرورت آن پڑی ہے۔" امام صاحب نے بوتل خالی کر کے نیچے رکھی۔
"ڈسپنسری کے اخراجات، مریضوں کے علاج اور ادویات سب ملا کر اس دفعہ بجٹ کچھ آؤٹ سا ہورہا ہے جس کے لیے آپ جیسے خوف خدا رکھنے والے دوستوں سے رابطہ کرنے کا سوچا کہ اگر چند دوست اس دفعہ مدد کریں تو یقیناً کتنے ہی لوگوں کو علاج معالجے کی سہولت بغیر تعطل کے دی جاسکے گی۔"

"امام صاحب یہ تو میری خوش نصیبی ہے کہ آپ کے طفیل مجھے بھی کچھ نیکیاں سمیٹنے کا موقع ملا اور ویسے بھی دین ہو یا دنیا دونوں کے ساتھ نباہ کرنا ہو تو صحت مند ہونا بنیادی شرط ہے۔" سکندر صاحب نے کیش کاؤنٹر سے چند بڑے نوٹ نکال کر خاکی لفافے میں رکھے اور لے جا کر ان کے سامنے پیش کردیے۔

"فی الحال آپ یہ رکھیں میں ان شاء اللہ ایک دو دن تک خود حاضر ہوکر کوشش کروں گا کہ مزید بھی کچھ کرسکوں۔"

"واہ سبحان اللہ...... جزاک اللہ پیسہ تو اللہ نے بہت سے لوگوں کو دیا ہے لیکن یقین مانیں اللہ کا دیا ہوا روپیہ پیسہ اللہ ہی کے راستے میں اس کی رضا کے لیے خرچ کرنے والا دل ہر کسی کے پاس نہیں ہوتا۔" امام صاحب نے پیسے لے کر ہاتھ میں پکڑے چمڑے کے ہینڈ بیگ کو کھولا اور اس کی اندرونی جیب سے رسید بنانے کے لیے پین اور کاپی نکالی دی جانے والی رقم لکھ کر سکندر صاحب کے دستخط کرائے اور وصول کنندہ کے طور پر اپنے دستخط کرکے پیسے اس ہینڈ بیگ کی اندرونی جیب میں رکھ دیے۔

"ویسے اگر آپ چاہیں تو اسپتال کا تمام ریکارڈ دیکھ سکتے ہیں کہ کتنے مریضوں کا علاج ہوا، کتنی لاگت کی ادویات استعمال کی گئیں وغیرہ وغیرہ۔" انہوں نے کاغذات کا فوٹو کاپی شدہ پلندہ بیگ سے نکالا۔

"دراصل ہم اگر آپ سے مدد کی درخواست کرتے ہیں تو ہر کام اس قدر شفاف رکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کسی بھی بندے کو ہم پر انگلی اٹھانے یا کوئی بات کرنے کا موقع نہ ملے۔"

"آپ میرے سامنے یہ کاغذات نکال کر خود مجھے گناہ گار کررہے ہیں بھلا میں نے کبھی بھی مسجد یا اس اسپتال کے انتظامی امور پر کوئی سوال کیا، نکتہ چینی کی یا شک کا اظہار کیا۔ بھلا کیا میں آپ کو شکی لگتا ہوں۔" سکندر صاحب ان کی باتوں کا برا مان گئے تبھی فوراً سے کاغذات واپس رکھ کر زپ بند کرلی گئی۔

"سکندر صاحب بات آپ کی نہیں بلکہ ایک مجموعی تاثر کی ہے اس لیے میں چاہ رہا تھا کہ کوئی ابہام نہ رہے ورنہ تو ایسی کوئی بات نہیں۔"

"جناب میں خوف خدا رکھنے والا ایک گناہ گار انسان ہوں اور میری کوشش رہتی ہے کہ کسی طرح اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کے سامنے سرخرو ہوجاؤں، اسی لیے مستحق افراد کی امداد کی دھن میں لگا رہتا ہوں آپ بس قبولیت کی دعا کیا کریں۔" ان کے فی سبیل اللہ دینے کو لوگ سراہتے تو پہلے بھی تھے لیکن ان کی باتوں سے اہمیت مزید بڑھ گئی تھی تبھی ان کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کرتے رہے۔

❁......❁......❁

"ارے آنٹی، مجھے بھی اپنا بیٹا ہی سمجھیں اور ویسے بھی پیسے کچھ اتنے زیادہ بھی نہیں ہیں۔" اربش نے والٹ سے پیسے نکالتے ہوئے مسکرا کر کہا تو آنٹی جزبزی ہوگئیں۔

"بات کم زیادہ کی نہیں ہے اور ویسے بھی اگر......" ابھی ان کی بات ادھوری تھی کہ انہیں اجیہ آتی دکھائی دی وہ ان کی تلاش میں دائیں بائیں دیکھ رہی تھی انہوں نے فوراً ہاتھ ہلا کر اسے اپنی طرف بلایا لیکن اربش نے اجیہ کو دیکھتے ہی ان کے چہرے پر جو خوشی اور چمک محسوس کی تھی وہ اس کے لیے حیرت انگیز تھی ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ اب تک کسی قید میں تھیں اور اجیہ ان کے پاس نجات دہندہ بن کر آئی ہو۔

"السلام علیکم۔" اجیہ کے قریب آتے ہی اربش نے پہل کی تو اسے معلوم ہوا کہ وہ امی کے ساتھ ہے۔ لمبا چوڑا، دراز قد اور جاذب نظر آنے والے اربش کے چہرے پر ایک منفرد سی اپنائیت نظر آئی تھی ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ پہلے بھی اسے کہیں دیکھ چکی ہے۔

"وعلیکم السلام۔ آپ کو شاید کہیں دیکھا ہے میں نے۔" اجیہ نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"سوری تمہیں ناں تو شاید خواب میں دیکھا ہو۔" وہ جواب میں کہنا چاہتا تھا لیکن پہلی بات تو یہ کہ وہ اس وقت

اپنی امی کے ساتھ تھی اور دوسری بات یہ کہ وہ اسے خواہ مخواہ فلرٹ نہ سمجھ لیتی اسی لیے جواب میں دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ بس کندھے اچکا دیے۔

”بیٹا یہ پیمنٹ کردو۔“ امی کے ہاتھ بڑھانے پر اربش نے پیمنٹ سلپ ان کے ہاتھ میں دی جو انہوں نے اجیہ کو تھما دی۔

”میں بھی آپ کے بیٹوں جیسا ہوں ناں اگر میں پے کردیتا پھر بھی کوئی مسئلہ تو نہیں تھا۔“ اس کے شکوے پر اجیہ اور امی نے چونک کر پہلے اسے اور پھر ایک دوسرے کو دیکھا۔

”ہاں...... ہاں...... کیوں نہیں تم بھی میرے بیٹے ہی ہو اور بھلا کوئی فرق تھوڑی ہے ہمارے اور تمہارے پیسوں میں۔“ امی نے مسکرا کر جواب دیا اجیہ کے ساتھ ساتھ وہ بھی اس کے یوں ایک دم اپنائیت ظاہر کرنے پر حیران ہوئیں لیکن انہیں اچھا بھی لگا کہ بے شک رسمی طور پر ہی سہی لیکن کسی نے خود کو ان کا بیٹا تو کہا کہ بیٹے کی ماں بننا ان کی دلی خواہش تھی جو پوری نہ ہوسکی وہ سوچا کرتی تھیں کہ اگر ان کا کوئی بیٹا ہوتا تو یقیناً سکندر صاحب کا رویہ کچھ مختلف ہوتا لیکن ان سب باتوں کے درمیان اگر مگر اور لیکن کے ساتھ ساتھ ماضی حائل تھا وقت گزر چکا تھا اور اب یہ سب سوچنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

”تمہیں پتا ہے بیٹی کی ماں بننا کس قدر خوش قسمتی اور سعادت کی بات ہے۔“ بابا اجیہ کی پیدائش کا سنتے ہی مٹھائی اور تحائف سے لدے پھندے اسپتال پہنچے تو وہ سکندر کی امیدوں اور توقعات کے برعکس بیٹی پیدا ہونے پر انتہائی دل گرفتہ تھیں بابا کو دیکھا تو چاہنے کے باوجود آنسو نہ روک پائیں۔

”پہلی اولاد اور وہ بھی بیٹی جانتی ہو ایسی عورت کا مقام کتنا بلند بتایا گیا ہے ہمارے مذہب میں۔“ بابا نے تولیے میں لپٹی اجیہ گود میں لی اور اس دوران ذرا سا تولیہ ہٹا تو اس کے پہنے گئے نیلے رنگ کے کپڑے نظر آگئے یعنی کہ مکمل طور پر بیٹے کی ہی امید تھی۔

”بابا مذہب کو ہمارے معاشرے میں کون سمجھتا ہے، آپ یہ سوچیں ناں کہ پہلی اولاد اور بھی بیٹا ہو تو ایسی عورت کا مقام نہ صرف شوہر کے دل میں بلند ہوتا ہے بلکہ سسرال میں بھی اس کی عزت بڑھ جاتی ہے۔“

”یہ سب صرف جہالت کی وجہ سے۔“ بابا نے جھک کر اجیہ کو بوسہ دیا۔ ”ورنہ جس گھر میں بیٹیوں جیسی رحمت آجائے اسے کسی اور چیز کی طلب نہیں ہونی چاہیے اپنے گھر کی مثال تمہارے سامنے ہے۔“

بابا نے ٹھیک کہا تھا ان کی بھی تو دو ہی بیٹیاں تھیں لیکن انہوں نے بیٹے کی خواہش لے کر کبھی بھی نہ ان کی امی کو کچھ کہا نہ خود سوچا بلکہ اگر خاندان میں سے کسی نے کچھ کہا بھی تو احسن طریقے سے انہیں خاموش کرا دیا۔ لیکن اب ہر مرد بابا جیسا تو نہیں ہوتا ناں کچھ مرد سکندر صاحب جیسے بھی تو ہوتے ہیں جو بیویوں کو تنگ کرنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تبھی جب انہوں نے اجیہ کے ساتھ سرد رویہ رکھا تو ان کا خیال تھا کہ چونکہ وہ بیٹا چاہتے تھے اس لیے ان کا یہ انداز فطری ہے جو وقت کے ساتھ بہتر ہوتا جائے گا لیکن حقیقت میں ایسا نہیں تھا کیونکہ اجیہ کے بعد جب حنین اس گھر میں آئی تو ان کی خوشی دیدنی تھی ٹی وی دیکھتے یا اخبار پڑھتے اسے گود میں بٹھا لیتے کھانا کھاتے ہوئے چھوٹے چھوٹے لقمے اپنے ہاتھوں سے حنین کے منہ میں ڈالتے اور پاس کھڑی اجیہ منہ میں انگلی ڈالے بس کھڑی رہتی، اس انتظار میں کہ شاید اب اگلا نوالا اس کے منہ میں جائے گا لیکن ایسا نہ ہوتا اور آخر کار ان کا کھانا ختم ہو ہی جاتا امی برتن اٹھانے کے ساتھ ساتھ اسے بھی انگلی پکڑا تیں اور وہ بار بار پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے آخر نظر سے اوجھل ہو جاتی۔ امی اسے کھانا کھلانے کے دوران مختلف پوئمز سناتیں، کہانیاں سناتیں لیکن وہ پھر بھی بیچ بیچ میں انہیں روک کر پوچھتی کہ بابا حنین کو کھانا کھلاتے ہیں تو مجھے کیوں نہیں کھلاتے۔ اسی دوران حنین بھی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی کچن میں آکر ان کے پاس بیٹھ جاتی اور امی کے ہاتھوں سے دوبارہ کھانا کھانے لگتی۔

لیکن یہ سب باتیں بچپن کی ہیں جب وہ بہت چھوٹی تھی اور رویوں کو کوئی بھی نام دینے کے ہنر سے آگاہ نہیں تھی اسی لیے بار بار بھی سکندر صاحب سے سوال کرتی تو کبھی ان سے امی ہمیشہ اسے پیار سے سمجھاتیں اور بات ٹال دیتیں لیکن پھر اس نے کچھ بھی پوچھنا چھوڑ دیا وہ بہت کچھ بغیر بتائے جان گئی تھی وہ اپنی دانست میں سب کچھ سمجھ چکی تھی وہ اب ہر جذبے کے نام سے واقف ہوگئی تھی اور اسے لگتا تھا کہ ان باپ بیٹی کے درمیان یک طرفہ محبت اور یک طرفہ نفرت کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔ بابا کا خیال اور پھر ان کا رویہ یاد آتے ہی اس کا چہرہ شدتِ ضبط سے سرخ ہوگیا تھا۔

"میرا خیال ہے آپ کو برا لگا لیکن میں نے تو یہ بات بہت سچائی سے کہی تھی۔" اربش اس کے تاثرات کو اپنی کہی ہوئی بات کا ردِعمل سمجھ رہا تھا اس لیے فوراً وضاحت دی امی نے حیرت سے اجیہ کے تاثرات کو دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھا کہ تمہیں کیا ہوا خود اجیہ بھی اربش کے یوں وضاحت دینے پر شرمندہ ہوگئی تھی لیکن بغیر کچھ کہے کاؤنٹر کی طرف مڑ گئی۔

"معاف کرنا بیٹا شاید اسے کوئی اور بات یاد آ گئی ہو۔" امی نے بات سنبھالی۔

"کوئی اور بات...... مطلب؟" اربش نے حیرت سے انہیں اور پھر کاؤنٹر کے سامنے کھڑی اجیہ کی پشت کو دیکھا تو امی مزید گڑبڑا گئیں۔

"نہیں وہ میرا مطلب ہے رات سے اس کی طبیعت کچھ خراب تھی تو شاید اسی وجہ سے۔"

"اوہ......" امی نے سوچا کہ واقعی اجیہ تھکن کا شکار ہے رات بھر جاگ کر کام کرنے کے بعد وہ صبح بھی ان کی وجہ سے سو نہیں پائی تھی پھر یہاں آتے ہوئے تین بسیں بدلنے کی خواری اور اب شام کو پھر یونیورسٹی۔

اسی دوران حسن بھی اپنی والدہ کے ٹیسٹ کرانے کے بعد آ موجود ہوا اور اجیہ کے بعد چوتھے نمبر پر پیسوں کی ادائیگی کرنے کے لیے لائن میں لگا تو اربش دونوں خواتین کو لیے ایک بار پھر ویٹنگ ہال میں داخل ہوگیا۔ حسن کی والدہ کے لیے خاموش رہنا ایک نہایت مشکل کام تھا اور وہ بھی اس صورت میں جب سامنے اجیہ کی امی جیسی بااخلاق خاتون موجود ہوں لہٰذا وہ دونوں ایک بار پھر باتیں کرنے لگیں۔ دونوں کے باہمی مشورے سے طے یہ پایا تھا کہ اجیہ اور اس کی امی ان کے ساتھ ہی جائیں گی اسی لیے جیسے ہی اجیہ پیسے جمع کرا کر آئی آنٹی بولیں۔

"بہن تم خوش قسمت ہو کہ اجیہ جیسی پیاری بیٹی ملی اور اجیہ تم بھی خوش قسمت ہو کہ ان جیسی بہترین ماں کی اولاد ہو۔"

"جی آنٹی...... آپ کی دوسری بات بالکل ٹھیک ہے۔" وہ مسکرائی اور پرس میں رکھے فون کی طرف متوجہ ہوئی جہاں یقیناً حنین کال کر رہی تھی اسے اپنا سوٹ دیکھنے کی جلدی تھی جس کا رات کو اجیہ نے اس سے وعدہ کیا تھا۔

"بیٹا مجھے بھی اپنا فون نمبر دو کبھی فون کر کے تمہاری امی سے گپ شپ ہی کر لیا کروں گی۔" اجیہ نے امی کی طرف دیکھا جو مسکراتے ہوئے تائید میں گردن ہلا رہی تھیں اجیہ بھی مسکرائی اور جھٹ سے انہیں اپنا موبائل نمبر لکھوا دیا۔

"یہ نمبر تمہارا ہے ناں۔" آنٹی نے تصدیق کی تو وہ نمبر دہراتے ہوئے بڑے اعتماد سے گردن ہلا کر بولی۔

"جی آنٹی میرا ہی نمبر ہے آپ جب چاہیں اس پر کال کر سکتی ہیں۔" بات کرتے ہوئے اچانک اس کی نظر اربش پر پڑی جو بڑی حیرت اور بے یقینی سے کسی کو فون کرتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا لیکن اربش کے تاثرات اسے سمجھ نہیں آئے تھے وہ الجھ گئی تھی۔ اسے اربش کا یوں بے یقینی سے دیکھنا بے چین کر گیا تھا اسی دوران ایک مرتبہ پھر اس کا فون بجا لیکن اس سے پہلے کہ وہ پرس میں سے فون نکال کر سنتی وہ بند ہو چکا تھا عین اسی وقت حسن اپنی والدہ کی رپورٹ ہاتھ میں لیے آن پہنچا اجیہ کو البتہ پرسوں رپورٹ لینے کا کہا گیا تھا۔

"امی ہم لوگ چلیں؟" اجیہ نے پوچھا اور اس سے پہلے کہ امی کی طرف سے جواب آتا آنٹی بول پڑیں۔

"تم دونوں کو بیٹا ہم ڈراپ کردیں گے۔"

"لیکن......"

"ارے لیکن کیا ہم خود اربش سے لفٹ لے رہے ہیں اور تم دونوں کو بھی چھوڑ دیں گے ایک دفعہ کی تو بات ہے عمر بھر یاد رہے گی پھر جانے کب ملنا ہو۔" آنٹی خوامخواہ خود بھی جذباتی ہو رہی تھیں اور امی کو بھی جذباتی کر چکی تھیں جبھی وہ بولیں۔

"کوئی بات نہیں اجیہ ان کے ساتھ ہی چلتے ہیں۔" اس نے حیرت سے امی کو دیکھا جنہوں نے انتہائی غیر متوقع طور پر ان کے ساتھ جانے کی ہامی بھر لی تھی حالانکہ وہ جانتی تھیں کہ اگر سکندر صاحب نے انہیں ایک نہیں بلکہ دو جوان لڑکوں کے ساتھ گاڑی میں آتا دیکھ لیا تو وہ کیا قیامت برپا کردیں گے یہ سوچ کر ہی اس کا خون خشک ہوگیا تھا لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ سب وہ اس کے آرام کے لیے کر رہی تھیں تاکہ وہ جو آج نیند کی کمی اور تھکن کا شکار ہوگئی ہے تو کہیں بیمار ہی نہ ہوجائے البتہ امی کی طرف سے اقرار سنتے ہی حسن اس کی والدہ اور اربش باہر جانے کے لیے قدم بڑھا چکے تھے اربش نے مڑ کر ان دونوں کے آنے کی یقین دہانی کرنا چاہی لیکن اس کے چہرے پر بکھرے خوف کے سائے الجھا گئے تھے۔

❁......❁......❁

رات کے بعد صبح اور پھر صبح سے دوپہر ہوگئی تھی لیکن اب تک غزنی کے ذہن میں اجیہ اور اس کے متعلق طرح طرح کے خدشات و واہمات اسی طرح موجود تھے اور وہ تب تک ہی ان خیالات سے دور رہا جب تک سویا رہا ورنہ کوئی ایسا لمحہ نہ تھا جب اس کے علاوہ ذہن میں کوئی بھی سوچ اتری ہو۔ وہ لڑکیاں جو دن کی روشنی میں کالج یونیورسٹی کے علاوہ کہیں اور نہ جاسکتی ہوں وہ غروب آفتاب کے بعد گھر سے نکلیں یہ کیسے ہوسکتا ہے پھر ایسی کیا وجہ تھی اجیہ نے یہ جاننے کے باوجود کہ فون اس کا ہے اٹینڈ نہیں کیا اور حنین کی بوکھلاہٹ۔ حنین۔ جس کا ہمیشہ جی چاہتا کہ وہ ان کے گھر زیادہ دیر بیٹھے اس دن اسے جلدی گھر سے بھیجنا چاہتی تھی اور ایسا پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ وہ ان کے گھر گیا اور حنین کے گھر پر ہوتے ہوئے بھی کسی نے نہ ٹھنڈا پلایا نہ ہی چائے ورنہ تو اس کے داخل ہونے کی دیر ہوتی اور حنین جھٹ سے ٹھنڈی کولڈرنک لے آتی یہاں وہاں کی باتیں کرتی سب کا حال احوال پوچھتی اپنی اسٹڈیز کا بتاتی ساتھ ساتھ چائے تیار کرکے ٹرے میں سجا کر اس کے لیے لے آتی۔ سب باتیں ایسی تھیں جواب تک غزنی کو چبھ رہی تھیں اور اس قدر چبھتی جارہی تھیں کہ اسے لگتا اگر وہ بات کی تہہ تک نہ پہنچا تو شاید کوئی بھی کام ڈھنگ سے نہ کرپائے۔ اس وقت بھی وہ کسی کام سے یہاں سے گزرا تو یونہی لاشعوری طور پر شاپنگ سینٹر کے سامنے موٹر سائیکل پارک کرکے اندر بنی ٹی شاپ میں جا بیٹھا اور دیر تک اس گتھی کو سلجھانے کے طریقوں پر غور کرتا رہا اس دوران شرمین ہاتھ میں شاپرز لیے ٹی شاپ کے سامنے سے گزری تو کارنر میں اکیلے بیٹھ کر چائے کے خالی کپ کو گھورتے غزنی کو دیکھ کر خوش گوار حیرت سے ٹھٹکی، چند لمحے رک کر پہلے یہ یقین دہانی کی کہ کیا واقعی وہ غزنی ہے اور یقین کرلینے کے بعد مسکراتے ہوئے آگے بڑھی تب تک وہ بھی اسے دیکھ کر حیرت اور خوشی سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"غزنی یہ تم ہی ہوناں؟" وہ بڑی ایکسائیٹڈ لگ رہی تھی، یہی کیفیت غزنی کی بھی تھی۔

"شرمین، واٹ آ سرپرائز آؤ بیٹھو۔" اس نے آگے بڑھ کر خود اس کے لیے کرسی پیچھے کی اس کے ہاتھ سے شاپرز لے کر ساتھ رکھے اور اس کے بیٹھنے کے بعد خود بھی بیٹھ گیا۔

"تھینکس بائے داوے اکیلے بیٹھے ہوئے تھے کسی کا انتظار کررہے تھے کیا؟"

"ارے نہیں...... نہیں میں نے کس کا انتظار کرنا ہے بس چائے پی اور اب جانے ہی والا تھا کہ تم نظر آگئیں۔" ویٹر کو بلا کر غزنی نے شرمین کے لیے چائے اور اس کے ساتھ کچھ لانے کو کہا۔

"یونیورسٹی کیا ختم ہوئی تم تو کہیں غائب ہی ہوگئیں کوئی حساب وغیرہ چل رہے ہیں یا شادی ہوگئی۔" غزنی کی بات پر شرمین نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے قہقہہ لگایا۔

"ارے غائب کہاں ہونا تھا رات کو ایک کال سینٹر میں جاب کررہی ہوں اور دن میں یہی چھوٹے موٹے کام نبٹاتے اور نیند پوری کرتے وقت گزر جاتا ہے۔"

"کال سینٹر اور وہ بھی رات کے وقت؟" غزنی کو حیرت ہوئی کہ وہ تو دن کے اوقات میں بھی لڑکیوں کی نوکری کو بہتر نہیں سمجھتا تھا اور کہاں یہ لڑکی جو رات کو جاب کررہی ہے اور یہ کیسے گھر والے ہیں جو آنکھیں بند کیے اس کی رات کی جاب پر راضی ہیں۔

"ہاں دراصل رات کی شفٹ کے پیسے زیادہ ملتے ہیں تو سوچا اگر نوکری ہی کرنی ہے تو کیوں نا رات کی کی جائے تاکہ محنت کرنے کے مکمل پیسے تو ملیں ورنہ تو لوگ محنت زیادہ کراتے ہیں اور پیسے دیتے وقت ان کی جان نکلتی ہے۔"

"وہ سب تو ٹھیک ہے شرمین لیکن تمہارے گھر والے میرا مطلب ہے کسی کو بھی اعتراض نہیں ہوا تمہارے یوں رات بھر کام کرنے پر......!" وہ اب تک حیران تھا۔

"گھر والوں کو چھوڑو ان کے سامنے ہی جاتی ہوں کوئی دیوار نہیں پھلانگتی میں۔"

"ویسے ایک بات تو بتاؤ یونیورسٹی میں تو بڑا رعب رکھتی تھیں کلاس فیلوز پر اب وہاں کولیگز کا کیا حال کرتی ہو۔" ویٹر چائے رکھ کر گیا تو اس نے کپ اٹھا کر خود شرمین کے سامنے رکھا وہ خود چونکہ چائے پی چکا تھا اس لیے اپنے لیے گلاس میں پانی انڈیلا۔

"بدلی تو خیر میں بالکل بھی نہیں ہوں غزنی۔ یونیورسٹی کی طرح یہاں بھی اونچا اڑنے والوں کے پر کاٹ دیتی ہوں۔" چائے کی پہلی چسکی لیتے ہوئے اس کے ذہن میں اجیہ کا سراپا اترا تو خوامخواہ ہی چائے تلخ لگنے لگی۔

"واقعی؟" اس نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"تو اور کیا کبھی آ کر دیکھنا تو سہی میرے کال سینٹر میں کیسا رعب ہے میرا پچھلے کچھ دنوں سے ایک لڑکی بڑا مینجمنٹ کے آگے پیچھے ہورہی تھی لیکن میں نے بھی اس کا ہاتھ کھینچ کر ایسا پیچھے کیا کہ اب بے چاری ساری عمر ہاتھ ہی ملتی رہے گی۔"

"کون تھی وہ بے چاری جو تمہارے سامنے آنے کی ہمت کر بیٹھی؟"

"بس ہے ایک مجھ پر نازل شدہ مصیبت تم نہیں جانتے اسے لیکن کبھی چکر لگاؤ ناں تو سب سے پہلے اس سے ہی تعارف کراؤں گی خود کو عظیم بنانے کی کوشش میں شام کو یونیورسٹی جاتی ہے اور رات بھر کال سینٹر میں جاب کرتی ہے۔" غزنی نے اس کے لہجے میں اس لڑکی کے لیے حسد محسوس کرتو لیا تھا لیکن پھر بھی منہ میں آئے الفاظ کو روک نہیں پایا تو کہنے لگا۔

"ویسے شرمین ایک بات تو ماننی پڑے گی ناں کہ وہ لڑکی ہے بہت ہمت والی شام کی شفٹ میں یونیورسٹی جا کر پھر رات بھر نوکری کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں اور پھر اگر اس کی روٹین یہی ہے تو وہ یقینی طور پر کسی مجبوری کے باعث یہ معمولات رکھنے پر مجبور ہے ورنہ یہ تو ہم مردوں کے لیے بھی بہت مشکل ٹائمنگ ہے۔"

"غزنی تم بھی اسی لڑکی کے گن گارہے ہو؟" وہ حیران ہوئی کہ اجیہ کو وہ جانتا تک نہیں ہے لیکن پھر بھی اس کی حمایت کررہا ہے سراہ رہا ہے۔

"گن تو خیر نہیں گارہا لیکن ہاں اس کی محنت کا اعتراف ضرور کررہا ہوں کہ بمشکل اپنے ذاتی آرام کے لیے چوبیس گھنٹوں میں سے چار پانچ گھنٹے نکالنے والی لڑکی واقعی تعریف کے ہی لائق ہے۔"

"جو کچھ بھی ہے لیکن تم صرف ایک بار اس سے مل کر دیکھنا میں تو جب بھی اسے دیکھتی ہوں پتا نہیں کیوں میرے تو ذہن میں انگارے بھڑک اٹھتے ہیں۔ چہرہ جتنا پرکشش ہے اتنی ہی پرفریب تم بھی اسے دیکھتے ہی اپنی رائے نہ بدل لو تو کہنا۔" اجیہ کے متعلق بات کرتی وہ اس

قدر پُرجوش ہوگئی تھی کہ غزنی کو محسوس ہوا اگر وہ لڑکی اس وقت شرمین کے سامنے ہوتی تو یقیناً دونوں میں زوردار جھڑپ کا آغاز ہو چکا ہوتا اور شرمین لڑائی جھگڑے میں کتنی ماہر ہے اس بات کی گواہی کے لیے تو یونیورسٹی کے کئی واقعات اب تک غزنی کو یاد تھے۔

❁......❁......❁

پہلی محبت کے خوب صورت احساس کے نام
میں نے اس طور سے چاہا تجھے اکثر جاناں
جیسے مہتاب کو بےانت سمندر چاہے
جیسے سورج کی کرن سیپ کے دل میں اترے
جیسے خوش بُو کو ہوا رنگ سے ہٹ کر چاہے
جیسے پتھر کے کلیجے سے کرن پھوٹتی ہے
جیسے غنچے کھلے موسم سے حنا مانگتے ہیں
جیسے خوابوں میں خیالوں کی کمان ٹوٹتی ہے
جیسے بارش کی دعا آبلہ پا مانگتے ہیں
میرا ہر خواب میرے سچ کی گواہی دے گا
وسعت دید نے تجھ سے تیری چاہت کی ہے
میری سوچوں میں کبھی دیکھ سراپا اپنا
میں نے دنیا سے الگ تیری پرستش کی ہے

حنین آج کل میڈیکل میں داخلے کے ٹیسٹ کی تیاریوں میں مشغول تھی جب پڑھتے پڑھتے ذہن تھکا ہوا محسوس ہوتا تو اپنی ڈائری نکالتی اور محبت کو مخاطب کرکے باتیں کرنے لگتی۔ وہ سب باتیں جو زبان سے کہنا اس کے لیے ممکن نہ تھا وہ کاغذ قلم سے کہہ ڈالتی یوں تو اجیہ اس کی سب سے اچھی سہیلی تھی اور اس سے کوئی بھی بات چھپانے کا کوئی تصور اس کے ذہن میں نہ تھا لیکن پھر بھی اس کے باوجود وہ اپنی محبت اس پر بھی ظاہر نہیں کر پائی تھی۔ ہر وقت پٹر پٹر بولنے والی حنین کو سمجھ ہی نہ آتا کہ وہ کن الفاظ میں اجیہ کے ساتھ اپنی اب تک کی زندگی کا سب سے خوب صورت احساس شیئر کرے اسے بتائے کہ وہ کسی سے محبت کرنے لگی ہے اور زندگی کی آخری سانس تک بس اسی کا ساتھ چاہتی ہے۔

ویسے بھی اس عمر میں محبت کسی نشے سے بھر اور زیادہ ہوتی ہے جو اوپر ہی اوپر جانے کے سفر سے واقفیت رکھتا ہے واپسی کا سفر اس کے لیے اجنبی ہوتا ہے۔ اپنی ہی ترنگ میں دنیا بھر کو پیچھے چھوڑ کر دھچکا تب لگتا ہے جب باقی کچھ بھی نہیں بچتا، حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ بلندی کا یہ سفر صرف وقتی دھوکے کے سوا اور کچھ بھی نہیں تھا لیکن افسوس کی بات تو یہ ہے کہ واپسی کے اس سفر میں کوئی اس کا منتظر نہیں ہوتا کسی کے لیے اس کی اہمیت نہیں ہوتی اور کوئی بھی اسے بخوشی قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتا......لیکن محبت بھلا یہ سب کہاں دیکھتی ہے بعد میں کیا ہوگا کیسے ہوگا یہ سوالات محبت کرنے والوں کی طرح حنین کے لیے بھی پسندیدہ نہ تھا وہ بس محبت کے موجودہ لمحے میں جینا چاہتی تھی اس لطف کو انجوائے کر رہی تھی جو محبت نے دیا تھا باقی کے تمام سوالات، خدشات اور تفکرات اس نے آنے والے کل کے لیے سنبھال رکھے تھے لہٰذا بڑے مزے سے پہلے تو اپنی محبت کے نام ایک خوب صورت نظم ڈائری میں لکھی اور پھر مختلف رنگوں سے وہ صفحہ سجانے لگی وہ الفاظ جو اس کی محبت کے واحد گواہ تھے اس کے لیے بہت اہم اور معتبر تھے اس وقت بھی ہاتھوں سے تو وہ ان الفاظ کی سجاوٹ میں مصروف تھی لیکن دل ہی دل میں اس سے باتیں کرنے لگی جس کے لیے بطور خاص اس نے اپنے تمام جذبات و احساسات کسی امانت کی طرح سنبھال رکھے تھے۔

❁......❁......❁

"بس بیٹا ہمیں یہیں اتار دو۔" گاڑی ابھی ان کے گھر سے دو تین کلومیٹر کے فاصلے پر تھی جب امی نے ارتش سے گاڑی روکنے کا کہا تو وہ فوراً اسپیڈ کم کرکے گاڑی سائیڈ پر کرنے لگا۔

"آنٹی ان میں سے آپ کا گھر کون سا ہے؟" سامنے سڑک کے دونوں اطراف خوب صورت پھول پودے اور درخت موجود تھے اور قطار سے بنے ایک سے بڑھ کر ایک بنگلے اور کوٹھیاں وہاں کے رہائشیوں کی امارت اور رہن سہن

کے اعلیٰ معیار کا پتا دے رہی تھیں یوں بھی اب تک ان لوگوں میں اتنی تو بے تکلفی ہو ہی چکی تھی لہٰذا اربش کے سوال پر اجیہ نے گردن موڑ کر امی کو دیکھا اول تو وہ حیران تھی کہ انہوں نے اس ایریا میں گاڑی رکوائی کیوں ہے جبکہ ان کی کالونی تو ابھی بہت آگے ہے اور کیا اب وہ ان میں سے کسی بھی کوٹھی کو اپنی کہنے والی ہیں آخر کیوں آخر آج وہ یہ سب کیوں کر رہی ہیں لیکن اسے زیادہ سوچ بچار کا موقع نہ ملا اور امی الوداعی کلمات کے طور پر ان کا شکریہ ادا کرنے کے بعد بولیں۔
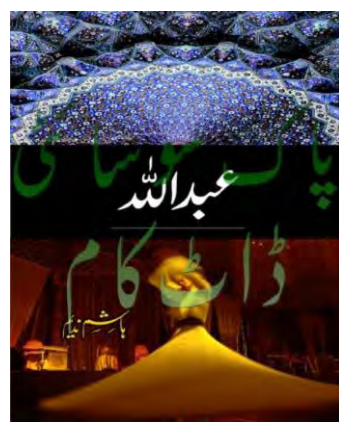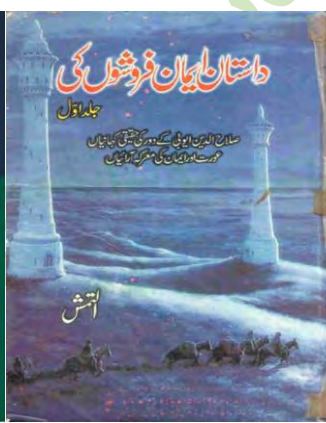
"ان میں سے کوئی بھی گھر ہمارا نہیں ہے لیکن دراصل یہاں کچھ کام تھا اس لیے سوچا آ گئی ہوں تو کرتی چلوں۔" امی کی وضاحت پر آنٹی مسکرا دیں۔

"میں بھی سوچ رہی تھی کہ اپنے گھر پر اترتے ہوئے رسماً بھی ہمیں چائے کا کیوں نہیں کہہ رہیں۔" ان کی بات پر سب ہنسنے لگے تھے البتہ امی جانتی تھیں کہ وہ انہیں چائے پلانا تو دور کی بات آفر بھی نہیں کر سکتیں اور اپنے گھر سے انتہائی فاصلے پر اترنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ سکندر صاحب انہیں دیکھ نہ لیں سکندر صاحب کا خوف اور اجیہ کی محبت جب بھی ان کے سامنے آئی تھیں انہوں نے ہمیشہ اپنی ہمت اور طاقت کے مطابق اجیہ کی محبت کا ہی ساتھ دے کر سکندر صاحب کے خوف کو ریسک پر چھوڑا تھا کہ ان کا خوف سہتے سہتے تو ایک عمر گزری تھی لیکن اب وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اجیہ بھی اسی خوف میں گھٹ گھٹ کر جیے جس کا بچپن سے لے کر اب تک اسے سامنا تھا۔

"چلو ٹھیک ہے اجیہ میں تمہارے نمبر پر ہی کال کروں گی میری بات کراتی رہنا امی سے۔" آنٹی نے کہا تو اس نے تائید میں سر ہلایا اربش اب تک بیک مرر سے اسے دیکھ رہا تھا آنٹی کی بات ختم ہوئی تو اس نے خود گاڑی سے باہر نکل کر امی کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولا اور اجیہ اور ان کے باہر نکلنے کے بعد دروازہ بند کرتے ہوئے بولا۔

"میں نے جب سے آپ کو دیکھا ہے یہی سوچ رہا تھا کہ کہاں دیکھا ہے لیکن اب آ کر مجھے لگتا ہے کہ ہم شاید ایک ہی یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں۔" اب جا کر اجیہ کی سمجھ میں آیا کہ وہ مسلسل اسے کیوں دیکھ رہا تھا اور اسے دیکھنے میں اربش کی آنکھوں میں الجھن اور بے چینی کا سبب کیا تھا۔

"لیکن میں تو ایوننگ کلاسز لے رہی ہوں اور آپ تو یقیناً صبح جاتے ہوں گے۔" اربش نے اسے یونیورسٹی کا نام بتایا تو بھی اسے اس کا چہرہ بالکل شناسا نہ لگا۔

"صبح جاتا تو تھا لیکن تین، چار دن ہوئے میں نے ایوننگ میں کرا لیا ہے کوشش کروں گا کہ وہاں آپ سے ملنے کی کوشش کروں تاکہ جو تعلق آج اتفاقاً بنا ہے یہ قائم رہے۔" اس نے بڑی گہری نظروں سے صاف شفاف چہرے والی اجیہ کو دیکھا اجیہ نے گڑبڑا کر امی کی طرف دیکھا۔

"آنٹی آپ کو میری بات بری تو نہیں لگی؟" اجیہ نے خاموشی سے جس طرح امی کی طرف گردن گھمائی تو وہ بھی سورج مکھی کے پھول کی طرح اسی سمت گھوم گیا۔

"پڑھائی کے سلسلے میں ایک دوسرے سے بات کرنا کوئی برائی نہیں میرے خیال میں۔" انہوں نے گویا مشروط اجازت دے ہی دی تھی۔

اسی وقت گاڑی میں بیٹھے حسن نے ہارن بجا کر اشارہ کیا کہ گاڑی میں بیٹھ کر بات چیت کر لیں جس پر تینوں مسکرا کر ایک دوسرے کو خدا حافظ کہنے کے بعد اربش گاڑی میں جا بیٹھا اور امی ہاتھ کے اشارے سے ان سب کو خدا حافظ کہنے لگیں۔

گاڑی نظروں سے اوجھل ہوتے ہی امی نے گردن موڑ کر خالی رکشے کو دیکھا اور ہاتھ کے اشارے سے روک کر اس میں بیٹھ گئیں۔ رکشہ روانہ ہوا تو اجیہ اور امی نے ایک دوسرے کو دیکھ کر خاموش لبوں سے گفتگو کی اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کا مدعا جان کر دانستہ طور پر باہر کے مناظر میں مصروف ہو گئیں۔

❀......❀......❀

غزنی معمول کے وقت سے کچھ تاخیر سے گھر پہنچا تو

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

اماں اس وقت دھلے ہوئے کپڑے تار سے اتار کر سامنے رکھے بیٹھی تھیں، اس کے آتے ہی سب چھوڑ چھاڑ کر فوراً اٹھیں فریج سے پانی کی بوتل اور کچن سے گلاس لے کر اسے ٹھنڈا پانی دیا۔

"خیر تو ہے بیٹا..... آج اتنی دیر کیوں ہوگئی؟ نہ تم نے صبح دیر سے آنے کا بتایا تھا اور نہ ہی کوئی فون کیا۔" وہ تفکر سے تہہ شدہ کپڑوں کو ایک طرف رکھ کر بولیں تو غزنی نے پانی پی کر گلاس میز پر رکھا۔

"اماں اب آفس میں کام بہت زیادہ ہوتا ہے آپ کی اور ابا کی دعاؤں سے ہماری ٹریول ایجنسیوں پر لوگوں کا اعتماد قائم ہو چکا ہے اور جن لوگوں کو ہم نے باہر بھیجا ہے وہ بحفاظت اور خیر و عافیت سے وہاں تک پہنچے ہیں تو ان کے رشتے دار ملنے والے یا باقی سننے والے لوگ ہم سے ہی رابطہ کرتے ہیں۔"

"یہ تو اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے تمہارے کام میں اتنی برکت ڈال دی ہے۔" وہ خوش ہوئیں۔ "اور جہاں تک کام زیادہ ہونے کی بات ہے تو ساتھ کوئی سیکرٹری رکھ لو تاکہ ذہنی ٹینشن بھی کم ہو جائے اور کام بھی چلتا رہے۔" اماں کی بات سے وہ بھی متفق ہوا اور جیسے ہی اس نے سیکرٹری رکھنے کے لیے متوقع امیدوار کے لیے سوچ دوڑائی تو سب سے پہلا خیال اسے شرمین کا ہی آیا اور اسے لگا کہ اگر وہ کسی کو سیکرٹری رکھے تو اس کے لیے شرمین سے بہتر اور کوئی نہیں ہوگا۔

"آئیڈیا تو آپ کا بہت زبردست ہے لیکن ظاہر ہے پہلے ابا سے مشورہ کرلوں اور اگر انہوں نے بھی اس بارے میں مثبت رائے دی تو سیکرٹری تو میری نظر میں ہے ہی۔"

"یعنی گاؤں بنا نہیں اور اچکے پہلے سے تیار کھڑے ہیں۔" اماں کپڑے تہہ کرتے ہوئے مسکرائیں۔

"ویسے ہے کون وہ کیا کسی دوست کو نوکری دلوانے کا وعدہ کر بیٹھے تھے۔"

"ارے نہیں اماں دراصل میرے ساتھ یونیورسٹی میں ایک لڑکی پڑھتی تھی آج ہی اس سے اتفاقاً ملاقات ہوئی تو وہ بتا رہی تھی کہ وہ آج کل کسی کال سینٹر میں جاب کرتی ہے اور وہ بھی رات کی شفٹ میں۔"

"لڑکی ذات ہو کر رات کی شفٹ میں نوکری کر رہی ہے؟" اماں نے حیرت سے کہا۔ "اور اس کے گھر والوں کو اس بات پر کوئی اعتراض نہیں؟"

"نہیں ہے ناں اماں اسی لیے تو کر رہی ہے۔" غزنی نے ریلیکس ہونے کے لیے انگڑائی لی۔

"پتا نہیں بے چارے کتنے مجبور و بے بس ہوں گے جو اس طرح اپنی جوان جہان بیٹی کو رات بھر باہر رہنے کی اجازت دے کر خود چین کی نیند سوتے ہیں یا پتا نہیں سوتے بھی ہیں کہ نہیں کیونکہ جوان بیٹی رات بھر گھر سے باہر ہو تو غیرت مند والدین تو ایک آنکھ بھی جھپکنے کا تصور نہیں کر سکتے۔" اماں کو کبھی ان پر ترس آتا تو کبھی غصہ..... یہ بات ان کی سوچ کے لیے کسی بھی طور قابلِ قبول نہیں تھی کہ ایک لڑکی پوری رات گھر سے باہر گزارے۔

"ارے اماں نہ کوئی مجبور ہے نہ ہی بے بس..... اور اگر کوئی غیرت مند ہو تو بھوکا مر جائے لیکن یوں بیٹی کو باہر نہ بھیجے اس کے گھر والے بھی بس جان بوجھ کر لگتا ہے کہ آنکھ بند کیے ہوئے ہیں۔ اسی لیے میرا خیال ہے کہ اگر ابا بھی آپ کے مشورے کی تائید کریں تو اسے کہوں کہ کال سینٹر میں رات کی نوکری چھوڑ کر میرے پاس جاب کرلے۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے تمہارا کام بھی بن جائے گا اور وہ بھی سکون سے دوپہر کو نوکری کرنے کے بعد آرام سے رات کو اپنے گھر سویا کرے گی نہ کوئی وہم نہ خدشہ۔" اپنے تئیں وہ دونوں مطمئن تھے اس لیے اب وہ اٹھ کر ہاتھ منہ دھونے کی غرض سے باتھ روم کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اماں کو یاد آیا۔

"آج تو میں نے اجیہ سے ملنے جانا تھا لیکن تم بھی دیر سے گھر آئے ہو اور تمہارے ابا بھی ابھی تک نہیں آئے۔"

"اوہو تو کیا ہوگیا آج نہیں تو کل چلی جایئے گا اجیہ نے آپ کے لیے چائے تھوڑی پکا کر رکھی ہوتی ہے جو

باسی یا ٹھنڈی ہوجائے گی۔“ اسے ایک بار پھر اجیہ کا کال اٹینڈ نہ کرنا یاد آیا اماں نے بھی اس کے لہجے کا کھردرا پن محسوس کیا تو سوچا ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے وہ آج نہیں تو کل اور اگر کل بھی ممکن نہ ہوا تو وہ پرسوں چلی جائیں تو بھی کوئی مضائقہ نہیں اس لیے خاموشی سے دھلے ہوئے تہہ شدہ کپڑے فارغ وقت میں استری کرنے کا سوچ کر الماری میں رکھ دیے۔ اسی دوران غزنی کے فون پر بیل ہوئی نمبر انجان تھا لیکن چونکہ اس کا کام اس طرح کا تھا کہ انجان لوگ بھی رابطہ کر کے معلومات لیتے اس لیے وہیں رک کر کال ریسیو کی۔ دوسری طرف شرمین تھی جس کی آواز سن کر اسے خوش گوار حیرت اس لیے بھی ہوئی کہ یونیورسٹی چھوڑنے کے بعد سے اس نے تمام یونیورسٹی فیلو لڑکیوں کے نمبرز ڈیلیٹ کردیے تھے اور انہی لڑکیوں میں شرمین بھی تھی لیکن حیرت اسے اس بات پر بھی کہ شرمین نے اب تک اس کا نمبر سنبھالا ہوا تھا اور یہی وجہ تھی کہ اس سے رابطہ ممکن ہوا۔

”میں نے کہا تھا ناں غزنی کہ اونچا اڑنے والوں کے پَر میں اب بھی کاٹ دیتی ہوں تو بس سمجھو کہ پَر کٹنے ہی والے ہیں ابھی ابھی خبر ملی ہے تو سوچا ثبوت تمہیں بھی دکھا دوں کہ میں اب بھی ویسی ہی ہوں۔“ غزنی کے ہیلو کہتے ہی وہ ایک دم یوں باتیں کرنے لگی جیسے ان کی ٹیلیفونک بات چیت میں کوئی وقفہ آیا ہی نہیں تھا اس کے بات کرنے کا انداز اتنا مسلسل تھا کہ لگتا بات کرتے کرتے اس کی فون کال کا رابطہ منقطع ہوگیا تھا اور اب وہ دوبارہ سے فون ملا کر باقی رہ جانے والی بات مکمل کر رہی ہو۔

”کیا ہوگیا، کس کے پَر کاٹ رہی ہو آج کل؟“ دوپہر کو ہونے والی ملاقات میں یہ بات بھی ہوئی تھی مگر غزنی کے لیے چونکہ یہ بات اہم نہیں تھی اس لیے یاد نہیں رہی تھی۔

”اجیہ کے اور کس کے؟“ وہ روانی میں کہہ گئی تھی ورنہ اس سے پہلے تک اس لڑکی کا نام سامنے نہیں آیا تھا اور نام بھی کیسا جسے سن کر وہ چونک ہی تو گیا اور ساتھ ہی اس کے متعلق ہونے والی تمام گفتگو لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کے ذہن میں گھوم گئی تھی۔

”اجیہ؟“ اس نے حیرت سے اجیہ کا نام لیا یہ وہی نام ہے جسے سن کر غزنی کے دل میں سکون اتر آتا تھا جسے دیکھنے کی چاہ میں وہ اکثر اوقات بہانے بہانے سے ان کے گھر کے چکر لگاتا تھا اور جو اس کے لیے، بہت خاص تھی بچپن سے ایک ساتھ کھیلتے کودتے وقت گزارتے پتا نہیں کب وہ اس کے بہت نزدیک اور اجیہ، بہت دور ہونے لگی وہ جتنا اس سے قریب ہونے کی کوشش کرتا بے تکلفی کا اپنائیت کا اظہار کرتا وہ اتنی ہی دور ہوجاتی اور اس کے رویے سے بے گانگی ظاہر ہونے لگتی جسے اماں بڑھتی عمر کے ساتھ پیدا ہونے والی جھجک کہتیں تو وہ بھی پھر سے مطمئن ہوجاتا۔

”کیا ہوا میری اجیہ کو؟“ الماری میں کپڑے رکھ کر روٹی پکانے کچن کی طرف مڑتی ہوئی اماں بھی اجیہ کا نام سن کر ایسا چونکیں کہ وہیں رک گئیں۔

”یہ اجیہ کون ہے شرمین؟“ غزنی نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

”جناب یہ ہی تو ہے وہ لڑکی جس کے تم آج ریسٹورنٹ میں قصیدے پڑھ رہے تھے، اس کی عظمت سے متاثر نظر آرہے تھے اور تمہارا بس چلتا تو شاید کوئی تمغہ وغیرہ بھی دے کر ہی اٹھتے۔“ شرمین نے قہقہہ لگایا طنز میں بھیگا ہوا قہقہہ۔

”ضروری تو نہیں کہ یہ اجیہ سکندر ہی ہو، ایک ہی نام کے کئی لوگ ہوتے ہیں دنیا میں۔“ وہ چونکا تھا لیکن پھر بھی خود کو تسلی دی اور سمجھایا کہ یہ کوئی اور لڑکی ہے کیونکہ نوکری کرنے کے معاملے میں آج تک خاندان کی کسی لڑکی نے بھی گھر سے باہر قدم نہیں نکالا تھا۔ چاہے کتنا ہی پڑھ لکھ جاتیں بڑوں کی طرف سے تعلیم حاصل کرنے کی آزادی ضرور دی گئی تھی لیکن نوکری کرنے کی ہرگز نہیں اور پھر یہ نوکری تو تھی بھی رات کی اس لیے کسی طور ممکن نہ تھا کہ یہ اجیہ اجیہ سکندر ہوتی اور اگر یہ اجیہ سکندر نہیں تھی تو پھر اس

رات وہ کہاں جا رہی تھی وہ بری طرح الجھ گیا تھا۔
"اور اگر اس عظمت کی پری سے مزید ہمدردی محسوس کرو تو بتانا ملوا بھی دوں گی۔"
"ارے میں نے تو اس وقت بس یونہی کہا تھا لیکن لگتا ہے کہ ہر لڑکی کی طرح تم بھی کسی دوسری لڑکی کی تعریف برداشت نہیں کر سکیں۔" بات بدل کر وہ ہنسا تو وہ چڑ گئی۔
"بھئی برداشت تو تب کرتی ناں اگر وہ میرے برابر کی ہوتی۔ اس طرح کی لڑکیوں سے تو میں بھی دوستی نہ کروں دشمنی تو دور کی بات ہے اور پھر کہاں تعریف کہاں تنقید۔" اماں اب تک اجیہ کا نام سننے کی وجہ سے وہیں کھڑی تھیں برداشت نہ ہوا تو خلاف عادت بیچ میں بول پڑیں۔
"کیا ہوا، کیا بات کر رہے ہو اجیہ کی کیا ہوا ہے اسے؟"
"اماں میں کسی اور اجیہ کی بات کر رہا ہوں۔ آپ خوامخواہ پریشان نہ ہوں پلیز۔" مڑ کر اس نے اماں کو سمجھایا شرمین نے سنا تو حیران ہوئی۔
"ہم چلو ٹھیک ہے پھر بات کریں گے بلکہ میرا خیال ہے کہ اب اگر قدرت نے ہمیں اتنے وقفے کے بعد پھر ملوایا ہے تو اب تو بات کرتے ہی رہیں گے، رائٹ ناں؟"
"ہاں...... ہاں کیوں نہیں بلکہ میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ اتنے عرصے بعد دوبارہ ملنے میں کوئی مصلحت تو ہوگی ہی ورنہ تم اب تک یوں میرا نمبر نہ سنبھالے ہوئے ہوتیں۔" اس کی بات کے جواب میں شرمین ایک بار پھر ہنسی لیکن کچھ کہا نہیں اور دوبارہ بات کرنے کا کہہ کر فون بند کر دیا لیکن غزنی گو کہ جانتا تھا کہ ایک نام کے کئی ہزار لوگ بھی ہو سکتے ہیں لیکن اگر وہی ایک نام دل میں بستا ہو تو یہ بھی سچ ہے کہ ان ہزار لوگوں کو پکارنے پر بھی دل میں وہی صورت ابھرتی ہے جو اس نام کے ساتھ ذہن و دل پر چھائی ہوئی ہو اور ایسے نام اور ایسی صورت کے ساتھ کوئی الجھن بھی وابستہ رہے یہ اس کے لیے قابل قبول نہ تھا۔

یونہی شاخ سے پتے گرا نہیں کرتے
بچھڑ کے لوگ زیادہ جیا نہیں کرتے
ملا دو خاک میں ہم کو مگر خیال رہے
کہ ہم سے لوگ دوبارہ ملا نہیں کرتے

اجیہ اور امی گھر پہنچیں تو حنین نے کھانا پکا کر میز پر لگا رکھا تھا ان کے داخل ہوتے ہی فوراً سے سالن گرم کر کے لائی تو امی اور حنین حیران رہ گئیں۔
"آج تو بریانی پکانی تھی ناں یہ تم تو سالن لے آئی ہو؟"
"پکانی تو تھی لیکن پہلے تم مجھے یہ بتاؤ ناں کہ رات کو جو سوٹ لانے کا وعدہ کیا تھا وہ سوٹ کہاں ہے؟" حنین نے یہاں وہاں دیکھا سوٹ کیا کوئی چھوٹا سا شاپر تک ان کے ہاتھ میں نہیں تھا وہی پرس جو جاتے ہوئے اجیہ کے ہاتھ میں تھا آتے ہوئے بھی وہی تھا اسی لیے حنین کو قدرے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔
"ہنی مجھے تمہارا سوٹ اچھی طرح یاد تھا لیکن یقین کرو اگر ہم بس میں آتے ناں تو اسی اسٹاپ سے دوسری بس بدلنا تھی سامنے ہی وہ شاپ ہوتی اور میں تمہارے لیے لے بھی آتی لیکن ہم لوگ آج گاڑی میں ڈائریکٹ آ گئے تو......" اجیہ بات کرتے کرتے چونکی اور امی کو دیکھا۔
"کس کی گاڑی؟" ہاٹ پاٹ سے روٹی نکالتی حنین حیران ہوئی کیونکہ ان کے لیے یہ ناممکنات میں سے تھا البتہ اب اجیہ کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ اسے گاڑی کی تفصیلات بتائے یا چھپائے کیونکہ حنین کوئی بھی نئی بات جب تک بابا کو نہ بتا لیتی اسے سکون نہ آتا اور اگر بھی وہ جان بوجھ کر نہ بھی بتاتی تو اس کے منہ سے پھسل جاتا۔ بابا کے سامنے وہ ہمیشہ سے اتنی ہی جذباتی ہو جایا کرتی تھی اسکول سے آ کر رات کو جب تک انہیں ہر بات نہ بتاتی اسے سکون نہ ملتا اسی لیے اس نے سوچا تھا کہ بات کو ٹال دیا جائے۔
"بھئی گاڑی مطلب وین میں آئے ناں تو وہ اس جگہ رکی ہی نہیں ورنہ تمہیں پتا تو ہے کہ میں جو بھی وعدہ کروں

اسے پورا کرتی ہوں لیکن ڈونٹ وری پرسوں میں نے
رپورٹ لینے جانا ہے تو ہر قیمت پر وہ سوٹ لے کر ہی آؤں گی۔" اس کی بات پر حنین نے پہلے تو منہ بسورا پھر فوراً مان گئی اور مسکرانے لگی تو اجیہ نے بھی سکون کا سانس لیا اور جلدی جلدی کھانا کھا کر یونیورسٹی کے لیے تیار ہونے سے پہلے شاور لینے باتھ روم میں گھس گئی۔

❁......❁......❁

پچھلے کئی دنوں سے وہ پروفیسر جمیل کا دیا ہوا اسائنمنٹ مکمل کرنے کی کوشش کررہی تھی۔ گھر میں ہوتے ہوئے جتنا ٹائم ملتا وہ اسی اسائنمنٹ پر لگا رہی تھی یہی نہیں بلکہ پچھلے تین چار دنوں سے تو وہ اپنے سونے کا ٹائم محدود کرکے بھی اس کوشش میں تھی کہ کسی طرح لاسٹ ڈیٹ سے پہلے پہلے وہ اس کام کو ختم کرے تاکہ عین وقت پر ہونے والی بوکھلاہٹ سے بچ سکے ویسے بھی جب سے اس نے یونیورسٹی جوائن کی تھی آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ وہ کسی بھی کام میں پیچھے رہی ہو یہی وجہ تھی کہ پروفیسرز کی آنکھ کا تارا بن جانے والی اجیہ سارے اسٹوڈنٹس کی بھی پسندیدہ بن چکی تھی۔

"نانا ابو کیا آپ میری خاطر مجھے خوش رکھنے کے لیے کچھ بھی کرسکتے ہیں۔" نانا ابو بریک ٹائم میں اسکول آئے تو اس نے پوچھا اور اس کے یوں معصومانہ انداز پر امی سمیت نانا ابو بھی بڑی حیرانی سے اس کا منہ دیکھنے لگے۔

"ہاں نانا کی جان میں اپنی گڑیا کی خوشی کے لیے کچھ بھی کرسکتا ہوں۔"

"تو پھر آپ پرنسپل کو کہیں ناں کہ ٹیچرز کو کم ہوم ورک دینے کا پابند کریں میری تو گردن تھک جاتی ہے کام کرکر کے۔" نانا ابو جو یہ سوچ رہے تھے کہ جانے وہ ایسا کیا کہنے والی ہے جس کی اس قدر تمہید باندھی جارہی ہے اور پھر پتا نہیں جو وہ کہے گی اس بات کو وہ پورا کرپائیں گے بھی یا نہیں اور پھر اس نے اگر اپنے بابا کے متعلق کسی خواہش کا اظہار کردیا تو وہ کیا کریں گے لیکن اللہ نے ان کا بھرم قائم رکھا اسی لیے اجیہ کی بات پر وہ بے حد محظوظ ہوئے امی بھی مسکرانے لگی تھیں۔

"اجیہ بیٹا ایک سمجھداری کی بات بتاؤں اور کیونکہ میری گڑیا تو ہے ہی بہت سمجھدار، اس لیے کہہ ہی دوں کہ یہ جو اساتذہ اتنا ہوم ورک دیتے ہیں کلاس میں پڑھاتے ہیں تو صرف اس لیے کہ وہ ہمارا مستقبل روشن دیکھنا چاہتے ہیں کیونکہ جو اٹھارہ بیس سال تک کی عمر میں گردن جھکا کر پڑھائی میں وقت صرف کرتے ہیں ناں جب یہ وقت کا پہیہ ذرا سرکتا ہے تو ساری دنیا ان کے سامنے گردن جھکا کر کھڑی نظر آتی ہے ان سے دوستی کی خواہش کرتی ہے ان کے ساتھ وقت گزارنے کو اپنے لیے فخر کا باعث سمجھتی ہے جبکہ دوسری صورت میں تو کوئی ہاتھ بھی نہیں ملاتا۔" اور تب ہی سے اس نے نانا ابو کی یہ بات اپنے ذہن میں بٹھا رکھی تھی ہمیشہ خوب دل لگا کر پڑھتی ہر کلاس میں پوزیشن لیتی اور جس کلاس میں جاتی اپنے ٹیچرز کی منظورِ نظر کہلاتی اور یہی معمول اس کا یونیورسٹی میں تھا اسی لیے بے شک رات بھر جاب کرتی تھی لیکن کبھی اپنے تعلیمی معمولات کو زیرِ زبر نہ ہونے دیا اس وقت بھی وہ اسی دھن میں لائبریری میں موجود تھی کہ کسی طرح آخری تاریخ سے پہلے اس کا کام مکمل ہوجائے کہ وہ اطمینان سے اپنا اسائنمنٹ جمع کراکر ریلیکس ہوجائے انتہائی رفتار سے اس کا چلتا پین کسی غیر معمولی احساس کے تحت لحہ بھر کے لیے تھما اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو دیکھتی ہی رہ گئی۔ میز کے دوسری طرف عین اس کے سامنے اربش موجود تھا۔

میز پر رکھے دونوں ہاتھوں کو آپس میں جوڑے ہلکے سبز رنگ کی شرٹ میں وہ مسکراتے ہوئے انتہائی پرکشش لگ رہا تھا اس کی مسکراہٹ میں اپنائیت تھی ایک فاتحانہ انداز تھا جیسے کہہ رہا ہو کہ دیکھا میں نے تمہیں ڈھونڈ لیا ناں اجیہ نے اسے یوں اچانک اپنے سامنے بیٹھے دیکھا تو حیرت سے آنکھیں پھیلا لیں جواباً اربش کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی اور اس نے ہونٹ سکیڑتے ہوئے مسکراہٹ چھپانے کی ناکام کوشش کی۔

"میں نے کہا تھا ناں کہ ہم دونوں ایک ہی یونیورسٹی

میں پڑھتے ہیں اور آج جب [illegible] سکتا ہوں [illegible] تمہیں ڈھونڈ رہا تھا اور دیکھ لو لگن سچی ہو تو ہر چیز خود بخود چل کر سامنے آجاتی ہے۔" باقی تمام لڑکوں کی طرح اس نے بھی آپ سے تم کا سفر آسانی سے طے کیا تھا۔

"اور مجھے تو آج پتا چلا کہ تم اپنی کلاس کی سب سے ایکٹو اور ذہین لڑکی کہلاتی ہو اور مجھے دیکھ لو ایک اسکول پرنسپل کا بیٹا ہو کر بھی ایوریج سا اسٹوڈنٹ ہوں۔" اس نے اجیہ کی تعریف کی اس کے سامنے اپنے آپ کو فوراً ہی ڈاؤن کردیا اسے بتایا کہ تم مجھ سے تعلیمی معیار میں بڑھ کر اعلیٰ ہو اور میں تم سے پیچھے ہوں ذہانت میں تم سے کم ہوں جبکہ تم مجھ سے بہتر ہو۔" یہ بات اجیہ کے لیے حیرت کا باعث تھی کیونکہ وہ اس کا کلاس فیلو نہیں تھا اسے جانتا نہیں تھا ایک انجان انسان کی حیثیت رکھتا لیکن اس کے باوجود اس کی تعریف کررہا تھا اس کی قابلیت کا اعتراف کررہا تھا حالانکہ اسے تو کبھی خود اس کے بابا نے نہیں سراہا تھا امی اور حنین اکثر ہی اس کا حوصلہ بڑھاتیں تعریف کرتیں لیکن اس کے کلاس فیلوز نے بھی کبھی اس کے سامنے یہ بات نہیں کی تھی کہ وہ اسے کلاس کی سب سے ایکٹیو اور ذہین اسٹوڈنٹ سمجھتے ہیں جبکہ اربش اتنے کھلے دل سے بڑے نارمل انداز میں اسے خود سے اونچی جگہ دے رہا تھا کہ وہ دیکھے گئی اپنی تعریف سننا اسے اچھا لگا تھا۔

"لیکن آخر مجھے ڈھونڈنے کا مقصد؟" اجیہ نے دائیں ہتھیلی پر چہرہ ٹکایا۔

"میں نے کہا تھا ناں کہ مجھے لگ رہا ہے کہ تمہیں کہیں دیکھا ہے اور یہ کہ شاید ہم ایک ہی یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں آج کی ہی تو بات ہے کیا تم بھول بھی گئیں۔" اجیہ نے دیکھا کہ بات کرتے وقت اس کے چہرے پر موجود شرارت کی جگہ حیرت نے لے لی تھی شاید وہ یہ امید نہیں کررہا تھا کہ وہ اسے بھول جائے گی اور کیا اتنی جلدی بھول جائے گی۔

"یعنی کیا مطلب ہے کہ میں بھی آپ کو یونہی دیوانہ وار ڈھونڈتی رہتی؟"

"میں نے یہ سب کہا اور ویسے بھی تمہیں تو میں ہی یاد نہیں رہا تو پھر ڈھونڈنے کا کیا سوال۔" اجیہ اس کی بات کے جواب میں کچھ بھی کہنے کے بجائے خاموش رہی۔

"آنٹی کیسی ہیں اور آج ٹسیٹ ڈاکٹر نے کیوں لکھ کردیے تھے۔" وہ خوامخواہ وہاں کچھ دیر مزید بیٹھنے کے لیے نیا موضوع چھیڑنے کی کوشش کررہا تھا۔

"امی بالکل ویسی ہی ہیں جیسی دوپہر کو دیکھی تھیں اور ظاہر ہے ڈاکٹرز کسی بھی مرض کی تشخیص کرنے کے لیے ہی ٹیسٹ کراتے ہیں۔"

"اوہ لیکن ہوا کیا ہے انہیں؟" وہ ایک دم اتنا سنجیدہ ہوا تھا جیسے واقعی اسے بہت پریشانی ہوئی ہو اجیہ کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی کہ بھئی "نہ جان نہ پہچان میں تیرے لیے پریشان۔"

"حیرت ہے میں آنٹی کے لیے پریشان ہورہا ہوں اور تمہارا ہنسنے کو جی چاہ رہا ہے۔" وہ واقعی حیران ہوا تھا۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ آپ کی امی سے نہ کوئی جان پہچان ہے نہ واقفیت اور نہ ہی رشتہ داری اس کے باوجود آپ ان کے لیے اتنا پریشان کیوں ہورہے ہیں؟"

"جان پہچان اور واقفیت نہیں ہے تو کیا ہوا ہو تو سکتی ہے ناں، ہم دونوں ایک ساتھ پڑھتے ہیں تمہاری امی بھی مجھ سے مل ہیں اور میں کوئی اوباش، آوارہ یا غلط قسم کا لڑکا بھی نہیں ہوں تو کیا ہم ایک دوسرے کی اسٹڈیز میں ہیلپ نہیں کرسکتے جبکہ خود آنٹی بھی پڑھائی کے سلسلے میں ایک دوسرے سے ملنے کی اجازت دے چکی ہیں۔" اس دفعہ پھر وہ مسکرائی کیونکہ اربش کا انداز بہت ہی سادہ اور معصوم تھا اپنے بارے میں صفائی دیتا وہ اسے ہر کھوٹ سے پاک بڑا دوستانہ مزاج لگ رہا تھا۔

"اور پتا ہے یہ جو والدین ہوتے ہیں ناں انہیں انسان کی بڑی پہچان ہوتی ہے اگر انہیں مجھ میں کوئی غلط بات محسوس ہوتی تو فوراً تمہیں مجھ سے ملنے سے منع کردیتیں وہاں میرے سامنے نہ سہی گھر جا کر سہی۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" اجیہ نے مسکراہٹ قائم رکھتے

ہوئے گردن ہلائی۔

"تو کیا پڑھ رہی تھیں تم اسائنمنٹ بنانا ہے تو بتاؤ حل کر کر لیتے ہیں۔" بات کرتے کرتے وہ اپنی کرسی سے اٹھ کر میز سے گھومتا ہوا اب اس کے ساتھ رکھی کرسی کو قدرے فاصلے پر رکھ کر بیٹھ گیا اجیہ کو اس کا یہ انداز بہت اچھا لگا تھا ورنہ عام طور پر لڑکے بیٹھتے ہوئے جہاں کرسی ہوتی وہیں جم کر بیٹھ جاتے اور اکثر لڑکیاں خود اپنی کرسی پیچھے کھسکایا کرتیں۔ ویسے بھی انسان کی روزمرہ زندگی میں یہی چھوٹی چھوٹی عادات اور حرکات ہی اس کی اصلیت ظاہر کرتی ہیں اس کے افعال و اقوال میں تضاد کا پتا دیتی ہیں۔

"کانسیپٹ تو کلیئر ہے ناں تمہارا صرف لکھنے کا پرابلم ہے۔" اس کے انداز میں اتنی بے تکلفی تھی کہ لگتا جانے کب سے دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔

"ہاں وہ تو اللہ کا شکر ہے کوئی پرابلم نہیں ہے لیکن بہت دیر سے لکھ رہی تھی تو بس ذرا تھک گئی ہوں۔" اجیہ کے بس اتنا کہنے کی دیر تھی کہ اربش نے اس کے سامنے رکھی کتابیں اپنی طرف سرکائیں پین کے اوپر ڈھکن لگایا اور بولا۔

"اگر تھک گئی ہو تو کیا ضروری ہے ابھی ہی اسے ختم کرنا؟ میں تمہارا ٹاپک تھوڑا سا اسٹڈی کر کے بک مارک رکھ دوں گا کل تم آ کر لکھ لینا اور آج رات بھر بغیر کسی ٹینشن کے ریلیکس ہو کر سو جانا اور اس بندے کو یاد کر کے دعا دے دینا۔" تینوں کتابیں اوپر نیچے رکھ کر وہ اپنے نام سے ایشو کرانے کے لیے اٹھا اور رات کا ذکر آتے ہی اجیہ کے ذہن میں کال سینٹر بابا اور شرمین کی شکلیں گڈمڈ ہونے لگیں۔

❁......❁......❁

سکندر صاحب دکان کو ملازم کے حوالے کر کے خود کاؤنٹر سے قدرے فاصلے پر بیٹھے مختلف گاہکوں کے ادھار والے کھاتے لکھنے میں معروف تھے ہر آنے والے گاہک کو وہ خود ہی بخوبی نمٹا رہا تھا ویسے بھی ملازم کافی پرانا بھی تھا اور بااعتماد بھی۔ ضرورت پڑنے پر وہ اس کے حوالے اپنی دکان کر کے اطمینان سے کہیں بھی چلے جاتے تھے ہاتھ کا کھرا تو تھا ہی نیت کا بھی مخلص تھا سو وہ مکمل اطمینان سے ایک گوشے میں بیٹھے اپنا حساب کتاب نمٹا رہے تھے کہ غزنی اپنی موٹر بائیک دکان کے باہر درخت کے سائے میں کھڑی کر کے اندر داخل ہوا اور کاؤنٹر پر ملازم کو موجود پا کر سیدھا آگے بڑھ گیا۔

"سلام چچا۔" سکندر صاحب نے لکھتے لکھتے ایک دم سر اوپر اٹھایا اور یوں اچانک غزنی کو سامنے دیکھ کر چونکے۔

"وعلیکم السلام......واہ بھئی آج تو غزنی آیا ہے آؤ آؤ ادھر بیٹھو، میرے پاس۔" بھتیجے کو سامنے دیکھ کر وہ ہمیشہ کی طرح بہت خوش ہوئے تھے اسی لیے اسی وقت پین رجسٹر رکھ کر اسے بند کر کے شیلف پر رکھا اور فوراً سرک کر اس کے لیے جگہ خالی کی۔

"رات کو ایک کلائنٹ کے گھر جانا تھا تو آپ کی طرف بھی گیا لیکن ملاقات نہیں ہو سکی تو ابھی یہاں سے گزر رہا تھا سوچا سلام کرتا چلوں۔" اس نے بے تکلفی سے فریج میں رکھا جوس کا ڈبہ نکالا اور پینے لگا۔

"جیتے رہو بیٹا خوش رہو، اللہ تمہیں اسی طرح فرماں بردار بنائے رکھے بہت اچھا لگتا ہے جب تم اتنی عزت دیتے ہو ورنہ تو اب دنیا اتنی بدل گئی ہے کہ چھوٹوں کا بڑوں کو عزت دینا تو ایک طرف اولاد بھی والدین کو نہیں پوچھتی۔"

"آپ بھی تو بہت بدل گئے ہیں ناں چچا۔" غزنی نے معنی خیز انداز میں بات کرتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا جوس کا ڈبہ ہلایا تو سکندر صاحب اس کی بات نہیں سمجھے اس لیے استفہامیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"میں سمجھا نہیں کہ تم نے یہ بات کس سلسلے میں کہی ہے کیونکہ نہ تو میں بدلا ہوں اور نہ تمہارے لیے میری محبت میں کسی بھی قسم کی کوئی کمی یا بدلاؤ آیا ہے، پھر تمہارا یوں کہنا میری تو سمجھ سے باہر ہے۔"

"دراصل میرا کہنے کا مطلب صرف یہ تھا کہ پہلے تو

آپ کبھی دن میں بھی اجیہ اور حنین کو کسی کے گھر بھیجنا پسند نہیں کرتے تھے اور اب......'' اس نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ کر ان کے تاثرات جانچنا چاہا تو وہاں حیرت کے سوا کچھ نہ ملا۔

''اور اب؟''

''رات کو جب میں آپ کے گھر گیا تو اندر نہیں گیا تھا اور نہ ہی کسی نے کہا صحن میں ہی کھڑا رہا اور وہیں سے واپس آگیا اور وہیں سے پتا چلا تھا اجیہ کے گھر پر نہ ہونے کا۔'' اس کی بات نے سکندر صاحب کو بری طرح چونکنے پر مجبور کیا تھا۔ ''اسی لیے میں سوچ رہا تھا کہ یار یہ چچا بھی زمانے کے رنگ میں رنگ کر کتنے بدل گئے ہیں کہ پہلے گھر سے باہر قدم رکھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے اور اب اجیہ ساری ساری رات اپنی دوستوں کے ساتھ ان کے گھر پڑھائی کرنے جاتی ہے اور پھر دوستیں اکٹھی ہوں تو کیا پتا کہ پڑھائی کی جارہی ہے یا ہنسی مذاق۔'' اس نے دیکھا کہ اجیہ کے ذکر پر سکندر صاحب کے چہرے کی رگیں تن گئی تھیں اپنا غصہ ضبط کرنے کی کوشش میں وہ دانت پیس رہے تھے اور ان کا چہرہ شدت جذبات سے سرخ ہورہا تھا۔

''غزنی بیٹا تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے ورنہ وہ رات تو کیا آج تک کسی دوست کے گھر دن میں بھی نہیں گئی۔''

''ہوسکتا ہے ایسا ہی ہو لیکن کل چچی نے تو مجھے یہی بتایا تھا اور آج کسی سے سنا تھا کہ وہ رات کو نوکری کرتی ہے۔ بس چچا جتنے منہ اتنی باتیں اور آپ کو تو پتا ہے کہ بات منہ سے نکلی تو کوٹھوں چڑھی اور پھر مارنے والے کا ہاتھ پکڑا جاسکتا ہے لیکن اب بولنے والے کی زبان کون پکڑے۔''

''تم جو بھی کہو لیکن مجھے افسوس ہے کہ لوگ بکواس کررہے ہیں اور تم ان کی وہی گھٹیا باتیں مجھے سنا رہے ہو۔'' سکندر صاحب کے لیے یہ وقت انتہائی مشکل ثابت ہورہا تھا کہ انہیں ایک ایسی بات کو جھٹلانا تھا جو وہ جانتے تھے کہ سچ ہے۔ اور ان کے تاثرات غزنی کے شک کو تقویت دے رہے تھے وہ ان کا انداز نوٹ کر رہا تھا لیکن ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے بے پروائی سے جوس کا ڈبہ ڈسٹ بن میں پھینک کر اٹھ گیا۔

''تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے بیٹا ورنہ یقین کرو کہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے اس لیے مجھے امید ہے کہ اگر اب تمہارے سامنے کسی نے ایسی بات کی تو تم اس پر یقین نہیں کرو گے۔'' سکندر صاحب کا انداز التجائیہ نہیں بلکہ بات سنوارنے والا تھا وہ ہر حالت میں اسے یقین دلانا چاہتے تھے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ سچ نہیں ہے اور گو کہ غزنی ان کی بات سے متفق نہیں تھا اور اس کا شک اگلی منزل کو روانہ تھا لیکن اس کے باوجود اس نے ظاہری طور پر ان کی تائید کی۔

''ہوسکتا ہے چچا کوئی غلط فہمی ہی ہو بلکہ میری تو دعا ہے کہ یہ غلط فہمی ہی ہو لیکن بس لوگ بغیر تصدیق کے ہر بات اگلے کے کانوں میں ڈالنا فرض سمجھتے ہیں۔''

''بالکل یہی...... یہی بات تو خود میں کہنا چاہتا ہوں۔''

''بس دنیا ہے ناں اور دنیا میں یہ دنیا والے آخر کیا نہیں کرتے، چلیں کوئی بات نہیں ہم بھلا کسی کی پروا کیوں کریں۔'' جانے کی اجازت لے کر اس نے مصافحے کے بجائے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر سلام جھاڑا اور دکان سے نکل کر بائیک اسٹارٹ کی اس کی باتوں نے سکندر صاحب کو انتہائی طیش میں مبتلا کردیا تھا۔

❁......❁......❁

اماں فرش پر کپڑا بچھائے اسے کاٹنے میں مصروف تھیں حنین بھی نیچے ہی سلائی مشین کے پاس بیٹھی ان سے موجودہ فیشن اور رسم و رواج کے بارے میں زور و شور سے باتیں کرتے ہوئے یونہی کسی کترن پر سلائیاں لگا رہی تھی کہ سکندر صاحب نے بیل دی اور دروازہ کھلتے ہی کسی آندھی طوفان کی طرح اندر آتے ہوئے امی کو آوازیں دینے لگے تو وہ ان کی آوازوں اور مسلسل پکارنے پر بوکھلاہٹ کا شکار ہوکر قینچی پھینکتے فوراً ان تک پہنچنے کے

لیے لپکیں لیکن تب تک وہ اندر داخل ہو چکے تھے۔

"کیا ہوا، سب خیریت تو ہے ناں؟" اماں کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے ایک تو ان کا یوں اس قدر زور سے چلانا اور پھر وقت سے پہلے دکان سے لوٹنا یہ دونوں باتیں اماں کے ساتھ ساتھ خود حنین کے لیے بھی تشویش اور اچنبھے کا باعث تھا۔

"یہ پوچھو کہ کیا نہیں ہوا ارے وہی ہوا ناں جس کا ڈر تھا اسی دن کے خوف سے میں ہاتھ باندھتا تھا تم دونوں کے آگے منتیں کرتا تھا تم ماں بیٹی کی لیکن میری تو اس کے آگے کوئی اہمیت ہے اور نہ ہی تمہارے سامنے میری کوئی وقعت اور یہی وجہ ہے کہ وہ مجھے کچھ سمجھتی ہی نہیں۔" ان کی آواز اس قدر بلند تھی کہ حنین نے فوراً سے کھڑکیاں دروازے بند کیے تاکہ محلے یا ارد گرد کے گھروں میں جو عزت بنی ہوئی ہے کم از کم وہ تو قائم رہے۔

"کچھ بتائیں گے بھی مجھے یا نہیں اس بے چاری کو کوستے ہی رہیں گے۔"

"بے چاری۔" وہ مزید گرجے۔

"بس ساری دنیا میں ایک تم بے چاری ہو اور ایک وہ تمہاری بے چاری...... ہونہہ۔" سکندر صاحب کی بات اور انداز نے امی کو مزید پریشان کر دیا تھا مگر اب وہ خاموش تھیں وہ پوچھنا چاہتی تھیں کہ آخر اس بات کا پس منظر کیا ہے لیکن اب وہ مزید کوئی سوال کر کے بے عزت نہیں ہونا چاہتی تھیں اسی لیے حنین لپک کر ٹھنڈا پانی لے کر آئی اور زبردستی ان کے ہاتھ میں پکڑایا تو انہوں نے پینے کے بجائے اسے میز پر پٹخ دیا۔

"بابا جانی آخر ہوا کیا ہے آپ کچھ ہمیں بھی بتائیں گے یا بس اس طرح باتیں کریں گے؟" حنین کی ان کے ساتھ چونکہ بے تکلفی تھی اس لیے اس نے انہیں درمیان میں روک کر بات پوچھی۔ اس گھر میں صرف حنین کو یہ اختیار اور اعتماد حاصل تھا کہ ان سے کوئی بھی بات پوچھ سکے ورنہ اجیہ تو اجیہ امی کو بھی یہ حق حاصل نہیں تھا۔

"کیا بتاؤں، بلکہ اب بتانے لائق رہ ہی کیا گیا ہے میری بچی ارے منہ کالا کر دیا ہے اس نے میرا خاندان بھر کے سامنے سر اٹھا کر چلنے کے حق سے محروم کر دیا ہے اس نے۔"

"یا اللہ خیر کہاں ہے اجیہ اور ایسا کیا کر دیا ہے اس نے؟" ان کے انداز سے امی رہ رہ کر دہل رہی تھیں اس لیے پھر سے پوچھ بیٹھیں۔

"جہنم میں ہے تمہاری اجیہ اور میری زندگی بھی ایک جہنم بنا کر رکھ دی ہے اس نے سمجھ میں بات آ گئی ہے یا مزید گہرائی میں جا کر سمجھاؤں۔"

"پلیز بابا جانی آپ غصہ نہ کریں پریشان نہ ہوں پلیز۔" حنین نے ان کو دلاسہ دینے اور ان کا مزاج ٹھنڈا کرنے کی غرض سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور ان کے عقب میں جا کھڑی ہوئی۔

"پتا نہیں کس نیکی کے صلے میں تم جیسی بیٹی اللہ نے عطا کر دی اور مجھے بھی سکون کی دو گھڑیاں مل جاتی ہیں ورنہ میں تو حلفایہ بات کہہ سکتا ہوں کہ اگر تم نہ ہوتیں تو یہ دونوں ماں بیٹی مل کر اب تک تو میری قبر بھی کھود چکی ہوتیں۔"
انہوں نے سرخ آنکھوں سے امی کو دیکھا جو دل پر ہاتھ رکھے انتہائی دکھ اور کرب سے سکندر صاحب کو دیکھ رہی تھیں اور اس وقت حنین کو بالکل بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس کی سائیڈ لے ان دونوں میں سے کسی کو جذباتی طور پر سہارا دے یا کسی کے بارے میں کہے کہ وہ سچ پر ہے۔ ایک طرف باپ تھا تو دوسری طرف ماں۔

"آپ کو میری قسم ہے بابا جانی ایسے مت کہیں اور پلیز مجھے بتائیں تو سہی ناں کہ آخر ایسا ہوا کیا ہے۔ جس کی وجہ سے آپ کو اس قدر دکھ پہنچا اور آپ اتنے اشتعال میں ہیں؟" اپنی عقل کے مطابق اس نے بہترین کام یہ کیا تھا کہ ان کو خاموش کرانے کے لیے ان سے اس سارے معاملے کو پیدا کرنے کی وجہ دریافت کی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ جب تک وہ اصل بات بتا نہیں لیں گے اسی طرح گھر کے در و دیوار ان کی اونچی آواز سے خوف کھاتے رہیں گے۔

’’عزیز آیا تھا آج دکان پر اور مجھے لگتا ہے کہ اسے وہ سب کچھ پتا چل چکا ہے جو چھپانے کی ہم لوگ کوشش کررہے تھے۔‘‘ بائیں ہتھیلی پر بے بسی سے مکا مارتے ہوئے بولے۔

’’کیا مطلب بابا جانی۔‘‘

’’مطلب یہ کہ اسے بخوبی معلوم ہوچکا ہے کہ اجیہ ساری ساری رات کہاں ہوتی ہے اور کیا کیا رنگ رلیاں مناتی رہتی ہے۔‘‘ انہوں نے کھا جانے والے انداز سے امی کو دیکھا جن کی آنکھیں سکندر صاحب کی بات سن کر پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں اور دل پر ہاتھ رکھے انتہائی صدمے میں جہاں کھڑی تھیں اسی جگہ بیٹھ گئیں ان کی آنکھوں کی ویرانی دیکھ کر لگتا تھا جیسے اب ان میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں رہی حنین بھی حیران اور دکھی تو تھی ہی ان کی یہ حالت دیکھ کر فوراً ان کی طرف بھاگی جبکہ سکندر صاحب نے بڑی بے زاریت سے ایک اچٹتی سی نظر ان پر ڈال کر سامنے رکھا پانی پیا اور حنین کو دیکھا جو کبھی امی کے گال تھپتھپاتی اور کبھی ان کا منہ چومتی جبکہ امی اسی طرح بے سدھ فرش پر بیٹھی تھیں۔

’’ہونہہ......ڈرامے باز۔‘‘ سکندر صاحب نے امی کو دیکھا اور پھر سلائی مشین کو ٹھوکر مار کر باہر نکل گئے۔

❁......❁......❁

یہ چبھن اکیلے پن کی، یہ لگن اداس شب سے
میں ہوا سے لڑ رہا ہوں تجھے کیا بتاؤں کب سے
یہ سحر کی سازشیں تھیں کہ یہ انتقام شب تھا
مجھے زندگی کا سورج نہ بچا سکا غضب سے

یونیورسٹی کی بس سے اپنے پوائنٹ پر اترنے کے بعد اب وہ دوسری بس میں سوار تھی یہ بس صرف دس منٹ میں اسے گھر کے قریب اتار دیا کرتی تھی اور وہاں سے بمشکل تین سے چار منٹ کے اندر اندر وہ گھر پہنچ جاتی۔ آج اس کے ہاتھ میں کوئی کتاب نہیں تھی ورنہ چند دنوں سے اپنا اسائمنٹ مکمل کرنے کی غرض سے وہ روزانہ لائبریری کی کتابیں گھر لے آیا کرتی تھی۔ صبح اپنی جاب سے واپسی پر ناشتہ وغیرہ کرنے کے بعد وہ کچھ دیر اپنے اسائمنٹ پر کام کرتی اور پھر اس کے بعد سو جاتی لیکن آج اربش نے اس کا بوجھ ہلکا کرنے کی خاطر اسے سکون سے سونے کا کہا تھا اور کتابیں وہ لے گیا تھا جن کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کے ٹاپک سے ریلیٹڈ پیراگرافس پر اس نے بک مارکس رکھنے تھے تاکہ اجیہ کا وقت بچ جائے۔ اور اس کے پورے تعلیمی کیریئر میں پہلا واقعہ تھا جب وہ اپنا کام کسی اور سے کروا رہی تھی اور اربش وہ پہلا شخص تھا جو اس کی مدد کررہا تھا ورنہ آج تک امی کے علاوہ نہ تو اس نے کسی سے کبھی مدد لی اور نہ ہی کسی پر انحصار کیا وہ اب تک کسی بھی قسم کی ٹیوشن کے بغیر یہاں تک پہنچی تھی لیکن آج وہ ذہنی طور پر بہت تھکی ہوئی تھی اور کچھ اربش کا انداز اتنا دوستانہ اور اپنائیت لیے ہوئے تھا کہ وہ منع نہیں کرسکی۔

اسکول سے لے کر اب یونیورسٹی تک اس کی بہت سی لڑکیوں سے ہیلو ہائے تھی وہ تقریباً سارے ہی کلاس فیلوز کے ساتھ اچھے طریقے سے ملتی اگر کبھی کسی کو مدد کی ضرورت ہوتی تو بھی کبھی منع نہ کرتی لیکن یہ سارے تعلقات ایک حد تک تھے۔ اس کے ساتھ کسی کی بھی اس طرح کی بے تکلفی نہیں تھی جو گہری دوستی میں بدلتی یا پھر کوئی بھی اس کو ذاتی طور پر جان سکتا۔ اکثریت کے ذہن میں اس کا تصور ایک کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھنے والی ذہین لڑکی کا تھا جبکہ وہ لوگ جنہوں نے اس کی ذاتیات کے بارے میں جاننا چاہا ان کے نزدیک وہ اسے ایک سرد مزاج اور مغرور لڑکی تصور کرتے تھے جو بند کتاب کی طرح کسی پر بھی کھلنے کو تیار نہ تھی جو اپنی ذات سے آگے کسی کا سوال کا جواب دینے پر تیار نہیں تھی اور جو نہیں چاہتی تھی کہ اس سے اس کے والد یا گھر والوں کے متعلق کوئی بھی بات کی جائے لیکن ایسے لوگوں کی تعداد کم تھی۔

گھر نزدیک آرہا تھا اور اسی دوران اس کا دھیان اپنے بیگ میں رکھے ان پیپرز کی طرف گیا جو لائبریرین نے اسے بطور خاص دیے تھے یہ پیپرز ایک بہت بڑی اسکالر شپ کے بارے میں معلومات پر مبنی تھے کہ اس اسکالر

شپ کو دینے کا معیار کیا ہے اس کے لیے اپلائی کرتے ہوئے کون کون سے کاغذات درکار ہوں گے اور پھر اسکالر شپ کے لیے طالب علموں کو منتخب کرنے کا کون سا پینل مجاز ہوگا اس کے علاوہ اس ادارے کا بھی تعارف موجود تھا جس کی طرف سے ذہین طالب علموں کو اسکالر شپ دے کران کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے۔ ان پیپرز کی طرف دھیان جاتے ہی وہ بے حد پُرجوش ہوگئی تھی اور ویسے بھی یہ وقت بابا کے گھر پر ہونے کا نہیں تھا اس لیے چلتے چلتے بیگ کی زپ کھولی اور اس میں سے وہ پیپرز نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیے ارادہ تھا کہ حنین کے گیٹ کھولتے ہی وہ یہ کاغذات فوراً سے امی کو دکھائے گی اور کیونکہ وہ اور امی جانتی ہوں گی کہ وہ اس اسکالر شپ کے لیے کس قدر مضبوط امیدوار اور اہل ہے اس لیے ان کی آنکھوں کی چمک اور چہرے کی خوشی دیکھنے کے قابل ہوگی۔ اور وہ کس قدر خوش ہوں گی جب ان کی عمر بھر کی محنت کا صلہ یوں ان کے سامنے انہیں نظر آئے گا اور اسکالر شپ سے ملنے والی رقم سے نہ صرف امی کا علاج کرانے میں درپیش مشکلات دور ہوں گی بلکہ حنین کو اس کی خواہش اور خوابوں کے مطابق ڈاکٹر بنانے کا جو عزم اس نے کر رکھا تھا وہ بھی آسان ہوگا۔

”کاش مجھے پہلے ان کاغذات کا خیال آجاتا تو کم از کم حنین کے لیے کچھ کھانے کو ہی لے جاتی۔“ کیونکہ حنین نے سب سے پہلے منہ میٹھا کرانے کا ہی کہنا ہوتا ہے اور یہ بات اجیہ جانتی تھی۔

”چلو خیر ہے میں اسے کہہ دوں گی کہ ابھی تو صرف معلومات ملی ہیں اسکالر شپ تھوڑی مل گئی ہے جو تمہیں چیزیں کھلاتا واجب ہوتیں ابھی تو صرف اپلائی کرنا ہے پھر دیکھو کس کا نصیب۔“ حنین کو دیے جانے والا جواب سوچ کے وہ مطمئن ہوگئی تھی جیسے اس کے پاس صرف یہ معمولی کاغذات نہیں بلکہ واقعی اسکالر شپ موجود ہے ایک عجیب طرح کی خوشی تھی اور وہ بس اب جلد از جلد امی کے سامنے بیٹھ کر یہ اسکالر شپ اپلائی کرنے کی تیاری کرنا چاہتی تھی۔

۞......۞......۞

امی جو کچھ دیر پہلے صدمے اور سکندر صاحب کے طعنے وتشنوں کی گھن گرج سے ایک دم ساکت ہوگئی تھیں، ان کا پورا جسم ٹھنڈا اور پسینے سے بھیگ چکا تھا ایسے میں حنین کو اور تو کچھ نہ سوجھا لیکن کبھی ان کا ناک بند کرتی اور کبھی منہ میں پانی ڈالنے کی کوشش کرتی اسی دوران ان کے ساکت وجود میں حرکت ہوئی تو فوراً انہیں پانی کا گلاس پکڑایا اور ان کے گلے لگ کر خوب روئی امی نے پانی کے چند گھونٹ لے کر گلاس وہیں نیچے فرش پر رکھا اور اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا۔

”ناں میری بچی...... رونے کی بھلا کیا بات ہے یہ دیکھو ذرا میں تمہارے سامنے زندہ موجود بیٹھی ہوں کچھ بھی نہیں ہوا مجھے ویسی کی ویسی تو ہوں بھلی چنگی۔“

”امی اللہ کرے آپ کو کبھی بھی کچھ نہ ہو اگر آپ کو یا بابا جانی کو کچھ ہوا تو میں بھی زندہ نہیں رہوں گی۔“

”کمال ہے بھئی آخر کسی کو بھی کچھ بھی کیوں ہو تم اپنے آنسو پونچھو اور میری فکر نہ کرو میں تو بالکل ٹھیک ہوں بس یہ دعا کرو کہ غزنی کو کچھ بھی پتا نہ چلا ہو اور یہ سب صرف اور صرف تمہارے بابا کا وہم ثابت ہو۔“

”اللہ کرے امی ایسا ہی ہو۔“ حنین نے فرش پر بیٹھے بیٹھے تھوڑا سا رخ موڑ کر دروازے کی اوٹ سے ڈرائنگ روم میں بیٹھے بابا کو دیکھا جو کسی ایک نقطے پر نظریں جمائے انتہائی اضطراب میں مسلسل پاؤں ہلا رہے تھے کمرے میں کپڑے کی کٹی ہوئی کترنیں بکھری ہوئی تھیں اور ان کے درمیان ہی امی بیٹھی بغیر آواز کے لب ہلاتے ہوئے یقیناً اجیہ کے لیے دعائیں مانگ رہی تھیں اسی دوران باہر سے گیٹ کھلنے اور بند ہونے کی آواز پر حنین اور امی نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا پھر ساری توجہ باہر سے آتی آوازوں پر مرکوز ہوگئی لگتا تھا اس لمحے پورے کا پورا جسم ہی کان ہونے کے فرائض نبھا رہا تھا۔

”حنین...... امی...... ہنی......؟“ گیٹ بند کرتے ہی اجیہ نے پُرجوش انداز میں انہیں پکارا اور بڑی جلدی میں

اندر آتے غیر متوقع طور پر اس وقت بابا کو گھر میں موجود پایا
تو ہکا بکا رہ گئی۔

”اچھی خاصی خوش باش گھر میں داخل ہوئی تھیں تم لیکن مجھے دیکھتے ہی جو سراسیمگی تمہارے منہ پر اتری ہے کیا اچھی بیٹیوں کے اسی طرح کے تاثرات ہوتے ہیں اپنے باپ کو دیکھ کر یا تم یہی چاہتی ہو کہ میں چوبیس گھنٹے گھر سے باہر ہی دفع رہوں اور تمہیں کبھی نظر ہی نہ آؤں تاکہ جو جی میں آتا ہے کرو جہاں جی چاہتا ہے جاؤ۔“ بابا ایک دم ہی اس پر برس پڑے اور وہ جو یہ تصور کیے ہوئے تھی کہ جاتے ہی حنین اور امی کو اسکالرشپ کی تفصیلات بتائے گی ان کی اس وقت آمد اور اتنے غصے میں ہونے کا مقصد سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی لہٰذا بوکھلاہٹ سے بولی۔

”السلام علیکم بابا۔“

”سلام ارے سلام تو میں تمہیں کرتا ہوں اور سلامتی تو مجھے چاہیے کہ تم پر بھیجوں کیونکہ تم جیسی اولاد تو سلامت رہتی ہے مرتی بھی نہیں زندہ و تابندہ رہتی ہے اپنے ماں باپ کو ذلیل و رسوا کرنے کے لیے۔“

”لیکن بابا میں نے تو ایسا کچھ بھی نہیں کیا جس سے آپ کی عزت پر کوئی حرف آئے کوئی آپ کے یا میرے نام پر انگلی اٹھائے۔“ اسی دوران امی اور حنین بھی اپنے کمرے سے نکل آئیں۔

اجیہ کا چہرہ دھواں دھواں تھا تو سکندر صاحب کا انتہائی سرخ، انہیں دیکھ کر یہی محسوس ہوتا تھا جیسے کہ ان کا بس نہیں چل رہا ورنہ وہ ابھی اجیہ کے ٹکڑے کردیں۔

”ابھی کچھ کرنا باقی ہے ناں تمہارے لیے، ہاں ہاں کیوں نہیں جاؤ جا کر چوراہے پر کھڑی ہو جاؤ تاکہ ہر آتا جاتا تمہیں دیکھ کر کہے کہ یہ ہے سکندر کی بیٹی، جسے اس نے پیسے کمانے کے لیے لوگوں کے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔“ حنین آگے بڑھ کر اجیہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر سہلاتے ہوئے بولی۔

”بابا جانی یہ بھی تو ہوسکتا ہے ناں کہ غزنی کو اجیہ کی جاب کا معلوم نہ ہو اور اس نے آپ سے ساری بات یونہی

کی ہو اندھیرے میں تیر چلایا ہو۔“

اجیہ جو آج خلاف معمول بڑے پُرجوش انداز میں گھر آئی تھی اور سوچ رہی تھی کہ اس کی باتیں اور متوقع اسکالر شپ کا سن کر امی کس قدر خوش ہوں گی اور ان کی آنکھیں کیسے خوشی سے چمکنے لگیں گی اب انتہائی کرب میں تھی کیونکہ امی کی آنکھیں تو اب بھی چمک رہی تھیں لیکن خوشی سے نہیں بلکہ آنسوؤں سے اور اس لمحے اسے سکندر صاحب بالکل بھی اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ اپنے ساتھ ہمیشہ کیے جانے والے ناروا سلوک کی وجہ سے نہیں بلکہ امی کی آنکھوں میں آئے آنسوؤں کی وجہ بننے کی وجہ سے۔ وہ اپنے ساتھ کیے گئے ان کے ہر سلوک کو ہمیشہ سے معاف کرتی آئی تھی لیکن جب بھی وہ ان کی وجہ سے امی کو رنجیدہ دیکھتی تو دل میں گرہ سی لگ جاتی۔

”ہے ناں بابا جانی ایسا ہوسکتا ہے ناں؟“

”اور یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ اسے معلوم ہوگیا ہو پھر؟“ سوال کے جواب میں ایک اور سوال پرلا جواب ہوتے ہوئے حنین نے سر جھکا لیا۔ ”اور یہ بھی ہوسکتا ہے ناں کہ وہ گھر جا کر یہ سب بھائی صاحب اور بھابی کو بتادے یا ہوسکتا ہے کہ اب تک بتا بھی چکا ہو اور اگر ایسا ہوا تو پھر ہوسکتا ہے کہ بھائی صاحب یا بھابی خاندان کے دوسرے لوگوں کو بھی بتادیں تو پھر سوچو کہ کیا قیامت نہیں آجائے گی۔ خاندان والے مجھ بے غیرت کے منہ پر کیا تھوکیں گے نہیں جس کی بیٹی نوکری کا لالی پاپ ماں باپ کو تھما کر ساری رات زندگی کا جانے کون سا رخ دیکھ کر آتی ہے کیا مجھ کو مر نہیں جانا چاہیے کہ جس کی بیٹی کے لیے اس کی اجازت کوئی بھی اہمیت نہیں رکھتی۔“ ان کی باتوں پر اجیہ نے تڑپ کر انہیں دیکھا جن کا چہرہ باپ کے تاثر یا محبت سے بالکل ہی عاری تھا۔ اس نے سوچا کہ کاش وہ ان سے پوچھے۔

”بابا اس وقت کیا خاندان والے آپ کو یاد نہیں ہوتے جب وہ آپ کی بیٹی کی تعریفیں کرتے ہیں یا اس وقت آپ کو غیرت نہیں آئی تھی جب آپ دوپہر کی سبزی کے لیے

پیسے دے کر جانا بھول جاتے تھے گھر میں پیسوں کی دراز کو لگے تالے کی چابی آپ کی جیب میں ہوتی تھی اور آپ کی بیوی اور بیٹیوں کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ سالن نہ سہی دہی منگوا کر روٹی کھالیں؟ کیا اس وقت آپ کو اپنے خاندان والوں کا خیال نہیں آتا تھا جب آپ نے میرے لاکھ منت سماجت کرنے کے باوجود مجھے سمسٹر کی فیس دینے سے انکار کردیا تھا اور تب میں نے مجبوراً اپنی فیس جمع کرنے کے لیے پہلی مرتبہ نوکری شروع کی تھی۔ کیا آپ کو اپنے حقوق کے علاوہ کبھی ہمارے حقوق کا بھی خیال آیا، کیا آپ کی بیوی اور ہماری امی کا آپ پر اتنا بھی حق نہیں تھا کہ اگر وہ بیمار ہوتیں تو آپ ان کی دوادارو کے لیے پیسے دیتے؟ ہمیشہ امی کی بیماری کو ڈرامہ اور بہانہ قرار دے کر انہیں دوائی کے لیے ایک ایک پیسے کو ترساتے ہوئے آپ کو خاندان میں موجود تمام دوسرے مردوں کا خیال نہیں آتا تھا جو بیوی کو ہونے والے ذرا سے زکام پر ڈاکٹر کے پاس لے جاتے۔ کیا میں اپنی ماں کو آپ کے انوکھے اصولوں کی بھینٹ چڑھ کر مرنے دیتی تب آپ غیرت مند قرار پاتے؟ اپنا آرام وسکون قربان کرکے اپنی بہن کے مستقبل کے خوابوں کو پورا کرنے اور اپنی ماں کو اللہ کے حکم سے مکمل صحت دینے کی نیت سے اگر میں نے صبح کی نوکری چھوٹنے اور دوبارہ نہ ملنے کے باعث رات کی نوکری کرلی تو کسی کو کیا مسئلہ ہے اور میں ہمیشہ سے آپ کی تابعدار اور فرماں بردار ہوں اور آپ کے کہنے پر آج رات ہی نوکری چھوڑنے کو تیار ہوں لیکن آپ میری ماں کو اپنے ہوتے ہوئے بے سہارا مت کریں ان کے مکمل علاج اور حنین کی پڑھائی کا بیڑہ اٹھائیں اور میں اگر گھر سے باہر قدم بھی نکالوں تو میرے پاؤں کاٹ دیں۔"

ادب کی بات ہے ورنہ منیر سوچو تو
جو شخص سنتا ہے وہ بول بھی تو سکتا ہے

وہ ان کو بہت کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن ادب اور لحاظ کی دیوار جو اس نے اب تک تھام رکھی تھی اس کے باعث وہ صرف دل ہی دل میں یہ سب کہہ سکی کہ جو بھی تھا اور وہ جیسے بھی تھے آخر اس کے والد تھے جن کا احترام اس پر لازم تھا باوجود اس کے کہ وہ ان کی باتوں سے ہمیشہ ہرٹ ہوتی تھی ان کا انداز ان کا لہجہ اسے دکھ دیتا تھا لیکن پھر بھی وہ آج تک نہ تو ان کے سامنے اونچی آواز میں بات کرتی اور نہ ہی کبھی ان کے ساتھ زبان درازی کرپائی تھی بہت زیادہ دل گرفتہ ہوتی تو واش روم میں آئینے کے سامنے جا کر رو لیتی دل ہلکا ہوجاتا تو منہ دھو کر باہر آجاتی۔

"ایسا کچھ بھی نہیں ہوا ہوگا آپ پریشان نہ ہوں اور صرف اچھی امید رکھیں۔" اجیہ، امی کی آواز پر چونکی اسی دوران بابا ہونہہ کرکے اس کے قریب سے گزرے اس کے ہاتھ میں موجود پیپر زلے کر غصے میں دور اچھال دیے تھے۔

❁.......❁.......❁

اربش نے جب سے آنکھ کھولی تھی اپنے اردگرد ہمیشہ سے محبتوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہی محسوس کیا تھا ممی پاپا کی محبت تو یقینی طور پر اس کے حصے آنا ہی تھی لیکن نانا، نانی اور ددھیال کے تمام افراد نے بھی جی بھر کر اس کے لاڈ اٹھائے تھے سب اسے محبت والی روح کہا کرتے تھے یعنی کوئی ایسا شخص نہ تھا جو اس کی طرف محبت سے نہ بڑھنا چاہے کوئی ایسا رشتہ دار ہوتا جس سے ممی پاپا کے تعلقات بہتر نہ ہوتے لیکن وہ اسے دیکھ کر گود میں لیے پاس بلائے یا بات کیے بغیر نہ رہتے، تھا بھی ایسا ہی گل گوتھنا اور گورا چٹا بولتی آنکھوں سے ٹپکتی شرارت اور ہر وقت ہی مسکراہٹ کا تاثر دیتی اس کی آنکھیں اس کے چہرے کا خاصہ تھیں۔ جیسے جیسے بڑا ہوتا گیا گل گوتھنے بچے کی جگہ ایک مضبوط جسم کے حامل لڑکے نے لے لی اس پر ہلکی ہلکی سی بڑھی ہوئی داڑھی بڑے سلیقے سے چہرے کی کشش میں اضافہ کرتے ہوئے اسے مزید خوب صورت بناتی اور پھر وہی مسکراتی آنکھیں اور ان میں تیرتا وہی شرارت کا عکس، پاپا تو اس کے بچپن میں ہی اس دنیا سے چلے گئے تھے لیکن ان کی محبتوں کا کوئی کوئی دھندلا عکس اب بھی اس کے ذہن میں موجود تھا اور ان کے بعد پھر ممی نے

تو جیسے اپنی زندگی کا واحد محور مرکز اسے ہی بنالیا تھا اس کی ضروریات کو احسن طریقے سے پورا کرنا اور اسے خوش رکھنا ہی ان کی زندگی کی واحد ترجیح اور مقصد بن گیا تھا۔

یتیمی ساتھ لاتی ہے زمانے بھر کے دکھ عابی
سنا ہے باپ زندہ ہو تو کانٹے بھی نہیں چبھتے

سنا تو اس نے بھی بڑے ہو کر یہی کچھ تھا لیکن جب اپنے بچپن اور پھر لڑکپن پر نظر ڈالتا تو اسے ایسا کوئی موقع یاد نہ آتا جہاں اس نے پاپا کی کمی کو کسی محرومی کی طرح محسوس کیا ہو یا اسے اپنی کسی خوشی یا خواہش کو پورا کرنے کے لیے پاپا کے ہونے کی حسرت کو زندہ کرنا پڑا ہو ممی نے اس کی خوشیاں اور خواہشات کس طرح پوری کیں انہیں حسرت بن کر دل میں رہ جانے سے کیسے بچایا وہ یہ سب نہیں جانتا تھا اور نہ ہی کبھی ممی نے اس کے سامنے اپنی مجبوریوں کا رونا رویا تھا کہ اسے پتا چلتا کہ اس کے ہونٹوں پر بکھری اس مسکراہٹ کے پیچھے ان کے کتنے آنسو ہیں وہ دن رات اپنے اسکول کی بہتری اور اس کے اعلیٰ مقام کے لیے تگ و دو کرتی رہی تھیں جس کا نتیجہ اب ان کے سامنے تھا لیکن اس سب کے باوجود ان ماں بیٹے نے اپنی ہر چھوٹی سے چھوٹی خوشی منائی تھی ایک دوسرے کو حوصلہ دینا ہی ان کا حوصلہ بڑھاتا رہتا تھا۔ ویسے بھی خوشی کے محسوس کرنے کا انداز بعض اوقات بہت چھوٹی سی بات کو بھی بہت بڑی خوش خبری بنا دیتا ہے اور اگر خوشی کو دل سے محسوس ہی نہ کیا جائے تو بڑی سے بڑی خوشی بھی ماند پڑ کر اپنی وقعت کھو دیتی ہے اور وہ دونوں ہی خوشیاں منانے کا ہنر جانتے تھے اور آج بھی اربش کو اچھی طرح یاد تھا کہ ممی کی سالگرہ ہے پہلے تو اس کا ارادہ تھا کہ یہ سالگرہ سرپرائز کے طور پر گھر پر منائی جائے لیکن اس طرح ممی کے سامنے اس بات کو سرپرائز رکھنا بہت ہی مشکل ہوتا اسی لیے اس نے ممی کی سالگرہ کے لیے ایک ریسٹورنٹ کا انتخاب کیا اور اب ان کے لیے گفٹ خریدنے کے لیے گھر سے نکلا تھا۔ ریسٹورنٹ پر چونکہ پری بکنگ کرا کر انہیں کیک وغیرہ کے انتظامات کرنے کو بھی کہہ چکا تھا اس لیے سوچا یہی تھا کہ گفٹ لینے کے بعد گھر سے ممی اور بوا کو لے آئے گا یہیں پر ہی کیک کاٹا جائے گا اور پھر رات کا کھانا کھا کر وہ تینوں مل کر شاپنگ کریں گے اور پھر گھر آجائیں گے۔ گاڑی میں بیٹھ کر ابھی گاڑی اسٹارٹ کی ہی تھی کہ سامنے ڈیش بورڈ پر رکھی وہ کتابیں نظر آئیں جو اس نے اجیہ کے اسائنمنٹ کے لیے لی تھیں اور ان پر رات کو سکون سے بیٹھ کر کام کرنے کا سوچا تھا اجیہ کی کتابوں کے ساتھ ہی اس کا تر و تازہ چہرہ بھی اربش کے ذہن میں اترا تو عجیب سا سکون دل میں اترتا محسوس ہوا وہ خود بخود بغیر کسی ارادے کے مسکرانے لگا ایک ہی دن میں ہونے والی دو ملاقاتوں میں اسے کبھی لگتا کہ وہ ہوا کی طرح ایک معمولی لڑکی ہے جیسی سب ہوتی ہیں لیکن دوسرے ہی لمحے اسے وہ کسی اونچی چٹان کی مانند محسوس ہوتی جسے سر کرنا کوئی آسان کام نہ تھا ایسی بند کتاب جو کھلنے پر تیار نہ ہو یا کوئی ایسا معمہ جو حل کیے جانے کا منتظر ہو اسے یاد آیا کہ اجیہ نے آنٹی کو اپنا فون نمبر لکھوایا تھا اور نمبر بھی ایسا جو کسی کا نہیں تھا حالانکہ آنٹی نے نمبر دہرایا بھی لیکن اس کے باوجود اس نے تصحیح نہیں کی تھی بلکہ اسی نمبر کو اپنا کہا۔ اس کے برعکس اربش نے اجیہ کی امی کی پیمنٹ سلپ پر سے نوٹ کیا ہوا فون نمبر ملایا تو فوراً اجیہ کے پرس میں رکھے موبائل پر بیل ہوئی۔

یہ بات اربش کو ذرا سا الجھا رہی تھی لیکن پھر سوچا کہ ظاہر ہے حسن اس کی امی یا وہ خود بھی اس کے لیے انجان تھا اور کوئی بھی لڑکی اگر یوں ہر کسی کو اپنا نمبر دینے لگے تو یہ بات بھی معیوب معلوم ہوتی ہے اس لیے اجیہ کے اس عمل کو اگر محتاط رہنا سمجھ لیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا اور بس سوچ کا زاویہ بدلنے کی دیر تھی اجیہ کی یہ احتیاط اسے اربش کی نظر میں معتبر کر گئی تھی معصوم چہرے والی اجیہ پہلی ملاقات کے وقت جتنی خاموش طبع لگ رہی تھی یونیورسٹی میں اس کے متضاد تھی انتہائی پُر اعتماد اور سر اٹھا کر چلنے والی ایسی لڑکی جس کا انداز کسی کو بھی خوامخواہ اس کے قریب آنے سے روکتا۔ ورنہ یونیورسٹی میں لڑکے اور لڑکیوں کی گروپنگ، پیریڈز گول

کرنا کینٹین میں موج مستی کرنا ان میں شامل ہے یہ سب
معمول کی باتیں تھیں لیکن ان سب کے باوجود اجیہ خوش
مزاج اور خوش اخلاق تو تھی ہی لیکن اس طرح کی ایکٹویٹیز
میں کہیں نظر نہ آئی اور آج بھی اربش اجیہ کو ڈھونڈ رہا تھا تو
جس سے بھی پوچھا اس نے اجیہ کا نام عزت سے لیا ورنہ
لڑکے تو کسی بھی لڑکی کو عزت دینے سے پہلے دوستی کا ہاتھ
بڑھاتے ہیں یہ طرز عمل عام طور پر نئے نئے یونیورسٹی آنے
والوں میں نمایاں ہوتا ہے جن کے نزدیک یونیورسٹی کی
واحد کشش اور رنگین لڑکیوں کے ساتھ گھومنے اور دوستی میں
ہوتی ہے ان میں کچھ لڑکیاں وقتی دوستی کے بعد بھول بھال
جاتی ہیں جبکہ اجیہ جیسی لڑکیاں جو اپنا مضبوط امیج سب کے
سامنے بنانے میں کامیاب ہوجاتی ہیں وہ نہ صرف
یونیورسٹی میں بلکہ یونیورسٹی کے باہر بھی ملیں تو یا ان کا نام لیا
جائے تو ہمیشہ عزت سے ہی لیا جاتا ہے...... اور جس طرح
سب نے اجیہ کے نام پر اس کے لیے عزت کا اظہار کیا تھا
وہ انداز اربش کو خوش کرگیا تھا اسی طرح تمام راستہ اجیہ کے
متعلق سوچتے سوچتے سامنے مشہور زمانہ بوتیک نظر آیا تو
گاڑی روکی اور ممی کے لیے ان کی پسندیدہ ساڑھی لے کر
گفٹ کے طور پر پیش کرنے کا سوچا وہ پہلے بھی اس بوتیک
سے شاپنگ کرتی تھیں اس لیے اربش یہاں آیا تھا کہ اسے
ان کی پسند ناپسند میں کوئی شک گزرتا تو سیلز گرل ہیلپ
کردیتی جو کہ ممی کی پسند سے بخوبی واقف تھی لیکن اجیہ کو
سوچتے ہوئے وہ یہ بھول گیا تھا کہ جس جگہ وہ گاڑی کھڑی
کررہا ہے وہ فی الحال تو ٹھیک ہے لیکن اگر ٹریفک کا بہاؤ
زیادہ ہوا تو پیچھے سے آنے والی گاڑیوں کے لیے اس کی
گاڑی تکلیف کا باعث بن سکتی ہے۔

❁......❁......❁

بابا تو اس وقت گھر میں حشر بپا کرنے کے بعد دوبارہ
دکان جارہے تھے کہ رستے میں ملنے والے شکیل صاحب
نے روک لیا اور سلام دعا کرنے کے بعد بولے۔

"اچھا ہوا سکندر صاحب آپ سے ملاقات ہوگئی ورنہ
میں تو ابھی آپ کے ہی گھر سے آرہا تھا۔"

"میرے گھر وہاں آپ کو کس سے کام تھا؟" سکندر
صاحب کے دماغ میں ابھی تک وہی غصہ بھرا ہوا تھا اسی
لیے فوری طور پر ان کی بات سمجھ نہیں سکے اور بڑا عجیب سا
سوال کرڈالا۔

"جی کام تو ظاہر ہے آپ سے ہی تھا اسی لیے بیٹی
نے بتایا کہ آپ ابھی ابھی گھر سے نکلے ہیں تو میں بھی
تقریباً موٹر سائیکل بھگاتا آپ تک پہنچا۔" انہوں نے
تفصیل بتائی۔

وہ دونوں اس وقت اپنی اپنی موٹر سائیکلیں روک کر
درخت تلے کھڑے تھے اور تب تک سکندر صاحب بھی خود
کو ذہنی طور پر نارمل کرچکے تھے اس لیے اپنے معمول کے
متوازن لہجے میں بولے۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے شکیل صاحب لیکن اتنا ایمرجنسی
کون سا کام تھا جس نے آپ کو یوں بھاگ دوڑ پر مجبور
کیا۔" اردگرد کی دکانوں اور گلیوں میں مغرب کے بعد سے
بلب روشن کردیے گئے تھے اسی لیے اندھیرا محسوس نہیں
ہورہا تھا کچھ لوگ اپنے اپنے کام روزگار سے گھروں کی
طرف پلٹ رہے تھے۔

"وہ دراصل اپنا جمال ہے ناں ورکشاپ والا اس کے
گھر ساتھ چلنے کے لیے آپ کو زحمت دینا تھی۔" شکیل
صاحب نے موٹر سائیکل واپس موڑی اور اسٹارٹ کرنے
کے بجائے اسے ساتھ لے کر چلنے لگے تو سکندر صاحب
نے بھی ان کی تقلید کی۔

"کیوں خیر تو ہے ناں، میرا مطلب ہے جمال ٹھیک تو
ہے ناں؟"

"جی...... جی وہ تو ٹھیک ہے لیکن اس کے اپنے بیوی
بچوں کے معاملات کچھ ٹھیک نہیں ہیں گھر پر ان بے
چاروں کو خرچے پانی کے لیے تنگ رکھتا ہے کل اس کی
بیوی آئی تھی ہمارے گھر بہت پریشان تھی اور کہہ رہی تھی کہ
اسے محلے کے چند معززین کے ذریعے سمجھایا جائے
کیونکہ اس کے بیٹے اب جوان ہورہے ہیں اور وہ نہیں
چاہتی کہ باپ بیٹا آمنے سامنے ہوکر اس بات پر لڑیں

جھگڑ ئیں۔'' سکندر صاحب مکمل بات سن کر بڑے حیران ہوئے کہ جمال کا تو کام بھی ٹھیک ٹھاک چلتا ہے اور وہ جانتے تھے کہ اسے روپے پیسے کی کوئی تنگی نہیں ہے پھر اس کا ایسا کرنا ان کی سمجھ سے باہر تھا۔

''یار شکیل صاحب ویسے حیرت ہے کیونکہ جمال اچھی طرح جانتا ہے کہ اللہ نے اہل وعیال پر خرچ کرنے کو صدقے کے برابر اجر دینے کا اعلان کر رکھا ہے اور وہ ہے کہ پھر بھی بخل سے کام لیتا ہے اور پھر وہ یہ کیوں نہیں سوچتا کہ اگر آج اس وقت اسے موت آجائے اور وہ اس دنیا سے چلا جائے تو وہ روپیہ پیسہ جس کے لیے وہ آج اپنے بیوی بچوں کو ترسا کر گناہ گار ہو رہا ہے وہ کل کو تمام کا تمام ان کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ کچھ بھی نہیں کر پائے گا۔''

''بس آپ کی یہی باتیں تو ہیں جو دل پر اثر کرتی ہیں ورنہ وہ ڈاکٹر ظہور کی مثال بھی تو ہم سب کے سامنے ہے ناں۔''

''ڈاکٹر ظہور، وہ اسٹار اسپتال والا ناں۔'' سکندر صاحب نے تصدیق چاہی۔

''بالکل وہی خود ساری عمر موٹر سائیکل پر دبی ہوئی ایڑی والی جوتی پہن کر زندگی گزار دی اپنی ذات پر دھیلا خرچ نہ کیا اور اب اس کے بیوی بچوں کے عیش وعشرت دیکھ کر دل دکھتا ہے کہ یہ سب کمایا تو اس نے ہی تھا لیکن مر گیا اور کھل کر اپنی یا اپنی بیوی بچوں کی ذات پر خرچ نہ کیا اور اب......!''

''بس کم عقلی نہیں تو اور کیا ہے۔'' باتیں کرتے کرتے وہ دونوں جمال کے گھر کے قریب پہنچ چکے تھے جہاں سامنے ہی پہلے سے بلائے گئے دو معززین موجود تھے۔

......

اجیہ امی کی گود میں سر رکھے لیٹی ہوئی تھی وہ دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھیں اس کی آنکھیں بند تھیں پھر اس نے آہستگی سے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا۔

''آپ میری وجہ سے پریشان نہ ہوا کریں۔ یہ سب بابا کا وقتی غصہ ہے اتر جائے گا لیکن اگر میں نے جاب چھوڑ دی تو آپ کی بیماری کی تشخیص اگر ہو بھی گئی تو علاج نہیں ہو پائے گا۔''

''واؤ اجیہ......تم تو اس اسکالرشپ کے لیے بالکل پرفیکٹ ہو اور دیکھنا یہ تمہیں ہی ملے گی لیکن تم نے تو بتایا ہی نہیں۔'' اس کے پُرجوش انداز کے جواب میں اجیہ اٹھ بیٹھی اور بجھی بجھی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

''گھر میں سکون نہ ہو تو باہر سے ملنے والی خوشیاں بھی گھر کی دہلیز کے باہر دم توڑ دیتی ہیں۔'' حنین نے کاغذات امی کو پکڑاتے ہوئے اس کی بات نظر انداز کی۔

''اس پر تو تمہیں بابا جانی کے بھی سائن کرانا ہوں گے ناں اور لاسٹ ڈیٹ بھی صرف دو دن بعد ہے۔''

''میں خود ان سے سائن کرالوں گی اجیہ تم فکر نہ کرنا۔'' امی نے کاغذات دیکھتے ہوئے بڑے ہی پُرجوش انداز میں کہا تو وہ بیڈ سے اترتے ہوئے یوں مسکرائی جیسے انہوں نے کوئی بچکانہ بات کی ہو۔

''بابا ہیں کیا ابھی؟''

''وہ جمال انکل کے گھر گئے ہیں شاید، شکیل انکل بلانے آئے تھے۔''

''ہم......میں ہاتھ منہ دھولوں ٹائم ہو رہا ہے جانے کا۔'' اجیہ کمرے میں موجود اٹیچ باتھ کے لیے اٹھی تو امی مزید تفصیل سے ان پیپرز کو پڑھنے لگیں تھیں۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

امید صبح بہار

سیدہ فرحین جعفری

دوست بن کر بھی نہیں ساتھ نبھانے والا
وہی انداز ہے ظالم کا زمانے والا
تیرے ہوتے ہوئے آجاتی تھی ساری دنیا
آج تنہا ہوں تو کوئی بھی نہیں آنے والا

''میرے ساتھ تو بہت ناانصافی ہوئی ہے۔ پہلے شادی میں اتنی رکاوٹیں اور اب چھ سال سے اولاد کے لیے ترس رہی ہوں۔ میرے ہر کام میں رکاوٹ زندگی کے ہر موڑ پر ناکامی......'' وہ بہت دکھ سے بول رہی تھی' ارج حیرت سے اسے دیکھتی خوف خدا سے کانپ رہی تھی وہ......اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کی بڑی بہن اتنی سمجھ دار ہو کر بھی ایسی باتیں کرتے ہے۔

''پاگل ہوگئی ہو تم؟'' ارج سے مزید ضبط نہ ہوا۔ ''اللہ کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کرتا۔ تم نے پڑھا نہیں کیا کہ اللہ کی ایک صفت عادل بھی ہے یعنی عدل قائم کرنے والا۔ اس سے بڑا منصف تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کے انصاف میں جھول ہو ہی نہیں سکتا۔'' وہ بولی تو لہجہ بہت سخت اور مضبوط تھا۔

''کیا پاگل؟ تمہارے سامنے ہے سب...... شروع سے لے کر اب تک کی زندگی میں قدم قدم پر رکاوٹیں' ناکامیاں' ہر چیز ترس ترس کر ملی' یہ کیسا انصاف ہے اللہ کا۔'' انشال ایک بار پھر بولی۔

''خدا کے لیے چپ ہو جاؤ انشال مت کرو ایسی کفر کی باتیں' اللہ سے ڈرو' اس کے عذاب سے ڈرو اس کی ذات سے ایسا عیب منسوب کرنا کفر ہے' نعوذ باللہ وہ ناانصافی کر ہی نہیں سکتا...... وہ ناانصافی نہیں کرتا...... ہمارے اپنے اعمال خراب ہوتے ہیں اور کرموں کا صلہ کچھ یہیں ملتا ہے اور کچھ آخرت میں ملے گا۔ جتنا اس نے تمہیں نوازا ہے اس کا شمار کیا ہے کبھی؟ اگر وہ یہ سب بھی نہ دیتا تو کیسے حاصل کرتی یہ سب تم؟ ذرا سوچو تو کہ اگر وہ نہ دینا چاہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت تمہیں کچھ نہیں دے سکتی اور وہ نواز دے تو دنیا کی کوئی طاقت محروم نہیں رکھ سکتی۔ عطا کرنے والی ذات بس اس کی ہے' جو کچھ ہمارے پاس تھا' جو ہے اور جو آگے بھی ملے گا سب اس کی رحمت ہے۔ سب اسی کی عطا ہے......ضرورت صرف سچے عقیدے اور مضبوط ایمان کی ہے۔ اس کی رحمت سے مایوس ہونا بھی کفر ہے۔'' ارج بولتی رہی اور انشال خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"نماز پڑھا کرو پابندی سے۔ اللہ سے دعا کیا کرو لیکن اس عقیدے کے ساتھ کہ وہ ضرور نوازے گا۔"

"تمہیں کیا لگتا ہے نماز نہیں پڑھتی میں؟" انشال تلخی سے بولی۔ "نماز بھی پڑھتی ہوں، دعا بھی کرتی ہوں کوئی درگاہ ایسی نہیں جہاں منت نہ مانی ہو، کوئی لمحہ ایسا نہیں جب دل سے دعا نہ مانگی ہو۔ کوئی ساعت ایسی نہیں جب اللہ کو پکارا ہو، لیکن وہ میری پکار نہیں سنتا۔ میری صدائیں مجھ تک واپس لوٹ آتی ہیں اور بے مراد ہوں میں۔" انشال کی آنکھوں میں نمی واضح تھی۔

"اگر دعا قبول نہیں ہو رہی تو اس کا مطلب ہے مایوس ہو جاؤ؟ اس ذات سے جس کی مرضی کے بغیر ایک ذرہ حرکت نہیں کرسکتا۔" ارج نرمی سے گویا ہوئی۔ "اس کی بارگاہ میں دعا کبھی رد نہیں ہوتی انشال، وہ ہماری قسمت لکھنے والا سب جانتا ہے کہ ہمارے لیے کب کیا بہتر ہے تو جب دعا اس کی بارگاہ میں پہنچتی ہے تو وہ ستر ماؤں سے زیادہ اپنے بندوں سے پیار کرنے والا دعا اور بندے کی محبت کو ترازو میں تولتا ہے۔ بندے کی محبت کا پلڑا ہمیشہ بھاری رہتا ہے، وہ اپنے بندے کو سچی خوشیاں دینے کے لیے، دعا کو وقتی طور پر روک لیتا ہے، تاکہ صحیح وقت آنے پر اپنے بندے کی خواہش کو پورا کرے۔ اور جو دعا قبول نہیں ہوتی جیسا تمہیں لگتا ہے تو وہ آخرت کے لیے رکھ لی جاتی ہے۔ جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ جب انسان اپنی شدید خواہش اللہ کو سونپ کر اس عقیدے کے ساتھ صبر کرتا ہے کہ وہ نوازنے والا ضرور نوازے گا تو اللہ کا فرمان ہے کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ تو جو لوگ ہر تکلیف، ہر ناکامی، ہر دکھ کے بعد بھی صبر اور شکر سے اللہ کی رحمت کا انتظار کرتے ہیں وہ کامیابی پالیتے ہیں۔ وہ مقبولیت کے درجے پر فائز ہو جاتے ہیں۔"

وہ مقرر نہیں تھی لیکن آج اپنی بہن کی اس کافرانہ سوچ پر وہ کانپ گئی تھی اور بولے بنا نہیں رہ سکی۔

"ہر کام اپنے وقت مقرر پر ہی ہوتا ہے، دعا اور صبر سے اس کا انتظار کرنا چاہیے۔ لیکن میرے کاموں کا کوئی وقت نہیں آتا، ہر کام میں رکاوٹیں آجاتی ہیں۔ پہلے شادی میں اتنی رکاوٹ رہی اور اب میں چھ سال سے اولاد کے لیے ترس رہی ہوں۔ میری ازدواجی زندگی میں مسئلہ ایک اولاد نہ ہونے کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اگر اللہ میری گود بھر دے تو میری زندگی میں بھی سکون اور خوشیاں آجائیں۔" اس کا لہجہ ٹوٹا بکھرا ہوا تھا۔

ارج اپنی بہن کو دکھ سے دیکھنے لگی۔ عمر میں وہ انشال سے چھوٹی تھی مگر کم عمری میں ہی زندگی کے اتنے سرد و گرم حالات دیکھے تھے کہ وقت نے بہت کچھ سمجھا دکھا دیا تھا۔ خاص طور پر یہ کہ سب سے مضبوط رشتہ بندے کا اپنے رب سے ہوتا ہے۔ وہ انشال کا دکھ دل سے محسوس کررہی تھی لیکن اس کی غلط سوچ پر اس کا ساتھ نہیں دے سکتی تھی۔

"انشال کیا تمہیں لگتا ہے کہ اولاد ہونے سے سب مسئلے حل ہو جائیں گے، تمہاری ساس مکمل پیرالائز ہیں اور تمہارے رحم و کرم پر ہیں، ان کی کوئی دوسری اولاد ان کی خدمت کرنے پر آمادہ نہیں۔ تم اور وقاص بھائی بالکل چھوٹے بچے کی طرح ان کا خیال رکھ رہے ہو، وہ کیا کسی بچے سے کم نہیں؟ دوسرا وقاص بھائی کے موڈ کا کچھ پتا نہیں ہوتا، انہیں شروع سے ہی ایک کے بعد دوسری شکایت رہتی ہے۔ کیا گارنٹی ہے کہ اولاد کے بعد وہ کوئی نیا شوشہ نہیں اٹھائیں گے۔ چلو ہم یہ منفی سوچیں بھی جھٹک دیتے ہیں۔ امید کرتے ہیں کہ وقاص بھائی واقعی بدل جائیں گے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تم یا ہم اپنا مستقبل یا ہم اپنے آنے والے کل کے بارے میں اللہ سے زیادہ جان سکتے ہیں؟ ہمیں لگتا ہے کہ جو چیز ہمیں چاہیے وہ ہمارے لیے بہتر ہے اور رہے گی۔ لیکن جب وہ صحیح وقت پر ہمیں ملتی ہے تو پھر ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ شکر اللہ نے اس وقت یہ نہ دیا۔

سوچو اگر اللہ تمہیں نہ دینا چاہے تو تم کیسے اور کس سے اپنی مراد پاؤ گی؟ صبر سے اللہ کی رحمت کا انتظار کرو اور ایسی باتیں کرکے خود کو گناہ گار مت کرو۔" ارج دکھ سے بول رہی تھی۔ وہ سانس لینے کے لیے رکی اور پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔

"جہاں تک بات ہے رکاوٹوں اور مسائل کی تو میری بہن وہ ہمارے اپنے پیدا کردہ ہوتے ہیں۔ دوران تعلیم آئے ہوئے رشتوں کو امی نے اور خود تم نے بھی یہ کہہ کر ٹھکرا دیا تھا کہ ابھی شادی کی عمر نہیں اور ابھی پڑھ رہی ہے' جب کہ تم نے میٹرک کرلیا تھا اور اس کے بعد کتنا پڑھ پائیں تم......بس انٹر تک......کیا ہوتا جو ان میں سے کسی بہتر رشتے کی چھان بین کرکے ہاں کردی جاتی۔ صحیح عمر میں شادی ہوجاتی ہے تو آگے کے مسائل بھی کم ہوجاتے ہیں۔ لڑکیوں کے معاملات میں ویسے بھی سمجھ داری سے کام لینا چاہیے۔ ہمارے یہاں تو حکم بھی ہے کہ گھر آئے پہلے رشتے کو بغیر کسی ٹھوس وجہ کے ٹھکرانا نہیں چاہیے۔" وہ سانس لینے کو رکی۔

"پھر ہم اپنی غلطیوں کو ایسے اگنور کرتے ہیں کہ وہ ہمارے نصیب میں نہیں تھا۔ اگر نصیب کو اتنا ہی مانتے ہیں تو اب یہ نصیب ہی ہے' اب اپنے نصیب پہ تو شاکر رہو۔ پھر ولی کی شادی کے بعد تمہارا رویہ کیسا ہوگیا تھا۔ کچھ یاد ہے؟ چھوٹے بہن بھائیوں کی شادی ہوجانے اور اپنی شادی نہ ہونے پر لوگوں کی باتوں کو تم نے اتنا دل پر لگالیا کہ اس وقت اپنی زندگی کو جی بھی نہ سکیں۔ گھر والوں سے بے زار' لڑنے مرنے پر ہر وقت تیار حالانکہ جاب کررہی تھیں۔ تم چاہتی تو اپنا دھیان بٹا سکتی تھیں۔ سب کچھ تمہارے ہاتھ میں تھا۔ لیکن تم نے شادی نہ ہونے کو ہوا بنالیا۔ نتیجہ کیا نکلا اپنی صحت خراب کرلی' گھر والوں کو الگ پریشان کیا کہ جب وقاص بھائی کا رشتہ آیا تو پہلی فرصت میں ہاں کردی تاکہ تم خوش ہوجاؤ۔ ہزار موقع ملے تھے وقاص

بھائی کے رشتے کو منع کرنے کے لیے بہت سی باتیں دل کو نہ بھائی تھیں ان کی فیملی کی لیکن تمہارا رویہ ناقابلِ برداشت ہوگیا تھا۔ اگر تم اس وقت سمجھ داری سے کام لیتیں تو اللہ اس صبر کا اس سے بہتر اجر دیتا تمہیں لیکن تمہاری وہی مایوسی اور کفریہ باتیں کہ اللہ میرے ہر کام میں رکاوٹ ڈالتا ہے۔ ارے وہ رکاوٹ نہیں ڈالتا وہ تو راستے دکھاتا ہے راستے بناتا ہے ہمارے لیے ہم عقل کے اندھے سمجھتے نہیں ہم اپنے راستے اپنی جلد بازی اور بے صبری سے خود کھوٹے کرلیتے ہیں۔ اس رب تعالیٰ کے اشارے سمجھ نہیں پاتے اور بعد میں اپنے نصیب کو کوستے ہیں۔ اللہ سے بدگمان ہوجاتے ہیں جیسے کہ تم اب سوچتی ہوں گی کہ ان مصیبتوں سے تو بہتر تھا کہ میری شادی ہوتی ہی نہیں...... انسان ہو نال...... کسی طرح مطمئن ہوتے ہیں نہ شکر ادا کرتے ہیں۔ بس ہر وقت شکوہ اور شکایت۔ میں نے یہ سیکھا ہے کہ شکر ادا کرنا نعمتوں میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔'' انشال لاجواب ہوچکی تھی۔

''نماز پڑھا کرو دعا کیا کرو اس یقین کے ساتھ کہ ایک وہی ہے جو سننے اور نوازنے والا بھی......'' ارج مدھم لہجے میں اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

''میں پڑھتی ہوں نماز لیکن دل کو سکون نہیں ملتا آس نہیں ملتی کوئی امید کا جگنو نہیں چمکتا۔'' انشال کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔

''کیونکہ تم نماز پڑھتی ہو لیکن دل میں اللہ کی رحمت کا یقین نہیں۔ یہ کیسی نماز ہے جس نے تمہیں اللہ پر بھروسہ کرنا نہیں سکھایا۔ پرائمری کلاس میں پڑھا تھا کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ اس وقت سمجھ کم تھی تو یہ بات ٹھیک سے سمجھ نہ آئی۔ آج سمجھ آیا ہے کہ صلہ و اجر ہمیشہ نیت پر ملتا ہے۔ نیت جتنی خالص ہوگی عمل کا اجر بھی اتنا ہی خالص ملے گا۔ نیت میں ہی کھوٹ ہو تو نماز صرف سر ٹیکنے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔'' ارج اب مستحکم لہجے میں اسے سمجھا رہی تھی۔

''نماز پڑھنے والا شخص اللہ سے تعلق جوڑ کر اپنی ہر مشکل ہر مسئلہ اللہ کے سپرد کرکے مطمئن ہوجاتا ہے۔ لیکن تم دل میں ڈھیر ساری بدگمانیاں شکوے اور شکایات رکھ کر بیٹھی ہو کہ اس نے ناانصافی کی ہے تمہارے ساتھ تو بتاؤ سکون کیسے ملے گا۔ اپنے مسائل خود حل کرنے کی کوشش مت کرو اس کے اسباب کرو اور باقی اللہ پر چھوڑ دو...... اور یقین کامل رکھو کہ وہ رب تعالیٰ ضرور نوازے گا۔ جلدی یا تاخیر کی فکر کرنا چھوڑ دو کیونکہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ تمہارے لیے کیا بہتر ہے۔ اس لیے اللہ سے اولاد مانگو نہ وہ جو تم چاہتی ہو اللہ سے اس کا کرم اس کی عطا مانگو وہ مانگو جو اسے تمہارے لیے پسند ہو۔ جس میں اس کی رضا شامل ہو۔'' ارج مسکراتے ہوئے بول رہی تھی۔ انشال کے پاس اب مزید کوئی سوال نہ تھا وہ بس چھوٹی بہن کا چہرہ تک رہی تھی۔ جو زندگی کی سبھی تلخیوں کو سہہ کر بھی اتنی مثبت سوچ کی مالک بہت پُرامید بھی۔

''اللہ سے اپنی اس غلط سوچ کی معافی مانگنا انشال میں بھی تمہارے لیے معافی مانگوں گی۔ مجھے بہت ڈر لگتا ہے اللہ کے عذاب سے۔ سوچو اگر اس کا عذاب نازل ہوگیا تو کون بچانے والا ہے۔'' پھر ارج جھرجھری لے کر بولی تو انشال بھی خوف سے کانپ گئی۔

ارج اور انشال دو بہنیں دونوں میں ایک سال کا فرق تھا۔ انشال ارج سے ایک سال بڑی تھی۔ سمجھ دار بھی تھی لیکن ساتھ ہی کافی حساس تھی۔ شروع سے ایک احساس محرومی نے اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو سلب کردیا تھا۔ ارج اور اس کے بعد ولی کی شادی پر لوگوں کی چہ مگوئیوں کو اس نے دل سے لگالیا تھا۔ اس کا رویہ عجیب ہوگیا تھا۔ ہر رویہ انتہائی نہج پر پہنچ گیا تھا۔ غصہ آتا تو غصہ کرتی رہتی۔ چپ ہوتی تو دو دو دن کسی سے بات نہ کرتی۔ رونے پر آتی تو چپ کرانا مشکل ہوجاتا۔ اس نے سب خوشیاں خود پر حرام کرلیں

تھیں۔ سب گھر والوں کو اس بات کا ادراک تھا کہ یہ سب رویہ شادی نہ ہونے کی وجہ سے ہے تو جب ایک رشتہ والی آنٹی کے توسط سے وقاص بھائی کا رشتہ آیا تو غنیمت جانتے ہوئے فوراً ہاں کردی گئی۔

وقاص الگ ایک نفسیاتی انسان ثابت ہوا' شادی کے بعد گھر والوں سے ملنے پر پابندی لگادی' مہینے گزر جاتے نہ گھر والے انشال کو دیکھ پاتے اور نہ آواز سن پاتے' نہ وہ گھر کی کسی دعوت میں یا تقریب میں شریک ہوتی' شادی کے چھ سال بعد بھی دونوں اولاد کی نعمت سے محروم تھے۔ انشال کو لگتا تھا کہ وقاص کے اس طرز عمل کی وجہ سے اولاد سے محرومی ہے' وہ خود بھی تو مایوسی کی اس انتہا پر تھی کہ کفر بکنے لگی تھی۔ بہت دنوں بعد وہ ملنے آئی اور اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ تب ارج کو پتا چلا کہ انشال مایوسی کی انتہا پر پہنچ کر اللہ سے بدگمان ہورہی تھی اور اس کی اس سوچ کو بدلنا ضروری تھا۔

❁ ❁ ❁ ❁

''اقصیٰ کہتی ہے ارج بجو کی زندگی کتنی اچھی ہے' اچھا کھاتی پہنتی ہے کوئی ٹینشن نہیں ہے انہیں' جو چاہتی ہیں خرید لیتی ہیں' جہاں چاہتی ہیں چلی جاتی ہیں۔ منتہیٰ کو بھی ہر سہولت دے رہی ہیں۔ اس کے سب شوق پورے کررہی ہیں۔ یہ دلی تھا اس کا چھوٹا بھائی جو اپنی بیوی اقصیٰ کی خواہشات اور ضروریات زندگی پوری کرنے میں ہلکان رہتا تھا۔'' بہت دکھ سے بول رہا تھا۔

''ہم کسی کے لیے اپنی جان تک دیں اور اسے احساس تک نہ ہو تو دکھ ہوتا ہی ہے۔'' ارج ساتھ بیٹھی اقصیٰ کو دیکھ کر دکھ سے مسکرائی جو اپنی تین سالہ بیٹی رابعہ کی پونی بنارہی تھی۔

''اقصیٰ...... تمہاری اس سوچ اور خیالات پر مجھے حیرت نہیں ہوئی۔ ہم انسان ہیں ہی ایسے۔ جو ہمارے پاس ہے ہم اس سے کبھی خوش نہیں ہوتے۔ ہمیشہ سامنے والے کو خود سے بہتر خیال کرتے ہیں۔'' ارج

دکھ سے بولی۔

"ایسا نہیں کہ میں اپنی زندگی سے نالاں ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے وہ مقام دیا جس کی بہت سے لوگ آرزو کرتے ہیں۔ جسے دیکھ کر لوگ مجھ پر رشک کرتے ہیں...... پھر بھی میں دعا کرتی ہوں کہ کسی کی ایسی زندگی نہ ہو...... شادی کے بعد اجڑ کر واپس لوٹ آنے والی لڑکی کو لوگ بدنصیب کہتے ہیں کیونکہ عورت کا اصل گھر اس کے شوہر کا گھر ہوتا ہے' جہاں اس نے پوری زندگی گزارنی ہوتی ہے' لیکن میری قسمت نے مجھے بدنصیب بھی کہلوایا اور ایک ناکام عورت بھی۔ پچھلے پانچ سال سے امی ابو کے ساتھ رہتے ہوئے کئی بار میرا دل کیا کہ میں اپنا دکھ کسی کو سناؤں' کئی بار صبح جاب پر جاتے وقت سوچا کہ میں بھی ایک ہاؤس وائف کی طرح زندگی گزارتی۔ کوئی لڑکی اپنا گھر خود سے خراب نہیں کرتی۔ یہ نصیب اور کچھ ہمارے اپنے اعمال ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔" ارج بہت مدھم اور مضبوط لہجے میں اقصیٰ کی طرف دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔

"منتہٰی کے مستقبل کا سوچتی ہوں تو الگ ٹینشن میں مبتلا ہوجاتی ہوں کہ اس کے لیے سب کچھ سوچنا ہے' میں ایک بے سائبان عورت' کبھی کسی عورت کو ہمیشہ ماں باپ یا بھائیوں کی در پر خوش ہوتے دیکھا ہے۔" ارج کی آواز بولتے بولتے رندھ گئی تھی۔

قسمت نے ارج کو بھی کم آزمائش میں نہیں ڈالا تھا۔ کم عمری میں شادی ہوئی لیکن شوہر انتہائی غیر ذمہ دار ثابت ہوا۔ اکیلی کب تک اس رشتے کو نبھاتی رہتی۔ اس وقت بالکل ٹوٹ گئی جب اس کے شوہر نے اس کو بتائے بغیر دوسری شادی کرلی' وہ اپنی دو سالہ بیٹی منتہٰی کو لے کر امی کے گھر آگئی۔ شوہر کی اس بے وفائی پر زندگی ہارنے چلی تھی لیکن بیٹی کے لیے ایک بار پھر کمر کس کر موت کو پچھاڑ دیا۔ قسمت ہر بار تو دغا نہیں دیتی ناں۔ اللہ برداشت سے زیادہ آزمائش نہیں ڈالتا بندوں کا۔ اللہ کے سہارے کھڑی ہوئی تو راستے آسان ہوتے چلے گئے۔ جاب اچھی مل گئی تو زندگی تھم کر دوبارہ چلنے لگی۔ اپنی تعلیم کا سلسلہ دوبارہ سے جوڑا' ساتھ بوڑھے والدین کا سہارا بھی بنی۔ آج اس نے ماسٹرز کرلیا تھا۔ اچھی کمپنی میں اچھے عہدے پر کام کررہی تھی۔ وہی لوگ جو اس کے لوٹ آنے پر باتیں بناتے تھے اب اس کے حوصلے اور ہمت کی داد دیتے تھے۔ کم عمری میں اتنا کچھ سہہ لیا تھا کہ اب وہ واقعتاً ہمت وحوصلہ کی چٹان بن گئی تھی۔ اتنی دشوار زندگی جینے کے بعد وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں تھی اور اس کی کامیابی کی اصل وجہ بھی اللہ کی رحمت پر پختہ یقین تھا۔ اپنی اندھیر زندگی میں روشنی کی ننھی کرنوں کی وجہ سے اس کا رجحان اور مضبوط ہوگیا تھا اور آج اپنی چھوٹی بھاوج کے نادر خیالات جان کر اسے بالکل حیرت نہیں ہوئی تھی۔ بہت سارے لوگ تھے جو اس کی زندگی جینا چاہتے تھے۔

"الحمدللہ میری زندگی بہت اچھی گزر رہی ہے' اللہ جس حال میں بھی رکھے اس کا شکر ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں کسی کی محتاج نہیں ہوں اور نہ ہی میری بیٹی کسی پر بوجھ ہے لیکن عورت کسی بھی اچھی پوزیشن پر ہو' کتنا بھی زیادہ کمائی ہو' وہ مرد کے ساتھ کے بغیر نامکمل ہے۔ ایک ساتھی وسائبان کی اسے ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔ وہ سائبان باپ اور بھائی نہیں بن سکتے۔ وہ سائبان صرف ایک مخلص شوہر ہی بن سکتا ہے۔ جس کی چھاؤں میں ایک عورت کو تحفظ کا احساس ہوتا ہے۔ تو میری زندگی پر رشک کرنے کے بجائے اپنی مکمل زندگی کا شکر ادا کیا کرو کیونکہ عورت کی اصل زندگی وہ ہے جو تم جی رہی ہو۔" ارج نے اپنی بات مکمل کرکے اک گہری سانس لی۔ "دل کے درد کو چھپانا بہت مشکل ہے۔" اقصیٰ اور ولی خاموشی سے سنتے رہے کیونکہ اس کی کسی بات سے انہیں اختلاف نہیں تھا۔

شمائلہ عباس بانو

السلام علیکم! مجھے آپ ویسے تو جانتے ہی ہیں میرا نام شمائلہ عباس ہے۔ 1 اپریل 1999 کو اس دنیا میں تشریف لائی۔ پیار سے سب مانو کہتے ہیں اسٹار کا پتہ نہیں۔ آنچل 5 سال پہلے پڑھنا شروع کیا۔ ہم چار بہن بھائی ہیں پہلے نمبر پر مابدولت خود ہیں پھر بھائی اطہر عباس' اظہر عباس اور آخر عمر عباس ہیں۔ بہن کی کمی بہت محسوس کرتی ہوں۔ جس پر اعتبار آ جائے اسے کبھی نہیں چھوڑتی۔ خامیاں بہت ہیں جیولری پسند نہیں سوائے سمپل نیکلس کے۔ مہندی اور چوڑیاں تو جان ہیں کھانے میں بریانی میری فیورٹ ہے ڈریسنگ میں لانگ شرٹ اور پینٹ پسند ہے ود دوپٹہ۔ تنہائی پسند ہوں فیورٹ سنگر عاطف اسلم ہے۔ فیورٹ رائٹرز نازیہ کنول نازی عمیرہ احمد' نمرہ احمد' رفعت سراج' سمیرا شریف طور اور سباس گل ہیں۔ فیورٹ بکس زاویہ اور شہاب نامہ ہیں فیورٹ ناول مجھے ہے حکم اذاں' ٹوٹا ہوا تارا اور شب ہجر کی پہلی بارش ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام رائٹرز اور قارئین کو خوش رکھے۔ فرینڈ صرف دو نائلہ اور فروا ہیں اور آنچل کو بہت زیادہ ترقی عطا فرمائے۔ (آمین)

''یہ تصویر کب کی ہے انشال؟'' ارج نے اس کے موبائل کی اسکرین پر سجی انشال اور وقاص کی مسکراتی تصویر دیکھی تو پوچھ بیٹھی۔

''یہ ریسٹورنٹ کی ہے لاسٹ ویک ڈنر پر لے کر گئے تھے نہ وقاص۔'' انشال مسکراتے ہوئے بتانے لگی۔

''ماشاء اللہ دونوں بہت اچھے لگ رہے ہو۔'' مسکراتے ہوئے ارج نے خوش دلی سے تعریف کی۔

انشال باقی تصویریں دکھانے لگی۔ وقاص کی ہنستی مسکراتی تصویریں دیکھ کر اس نے انشال کے مطمئن چہرے کی جانب نگاہ کی۔ کسی ملال کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہیں آئی' بہن کی خوشیوں کے لیے دل ہی دل میں شکر خداوندی کرتے اس کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ انشال سے بھی اس کی آنکھوں کی نمی چھپی نہ رہ سکی تھی۔

''تم ٹھیک کہتی تھی ارج۔ سب کام اپنے مقررہ وقت پر پایہ تکمیل تک پہنچتے ہیں۔ ہم کمزور انسان ہمت ہار دیتے ہیں۔ اس دن تمہاری باتوں سے میں بہت شرمندہ ہوگئی تھی۔ اللہ سے رو رو کر اپنی بدگمانیوں کی معافی مانگی اور پھر کبھی مایوس نہیں ہوئی۔ بس اللہ سے تعلق جوڑ لیا۔ دعا کرتی رہی اور مسلسل پکارنے سے دروازے کھل ہی جاتے ہیں۔'' انشال مسکراتے ہوئے بول رہی تھی۔

''اب وقاص بھی کہتے ہیں کہ اچھا ہوا اللہ نے اولاد اب دی ہمیں' پہلے تو ہم امی (ساس) کی خدمت میں مصروف رہتے تھے۔ بچوں کی ذمہ داری کیسے اٹھا پاتے یا شاید ماں کے حق میں کوئی کمی رہ جاتی۔ اب ماں کی طرف سے بھی سرخرو ہیں کہ ان کے آخری وقت میں ہم دونوں نے بہت خدمت کی۔ امی (ساس) کے انتقال کے بعد آیان کی آمد اس دکھ بھرے ماحول میں خوشیوں کی برسات ثابت ہوئی۔ وقاص کے دل سے تمام گلے' شکوے اور کدورتیں ڈھل گئیں۔ ہم تو آیان کے لیے ہی اللہ کے حضور شکر گزار رہتے تھے کہ ایک سال بعد ایمل کی آمد نے ہماری زندگی مکمل کردی۔''

انشال کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔

''ارج تمہاری باتوں نے مجھے زندگی کا نیا چلن سکھایا جسے میں مایوسی کے اندھیرے میں گنوا بیٹھی تھی۔ آج میں اللہ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔ تم نے سچ کہا تھا۔ دل میں بدگمانی رکھ کر کس طرح مرادیں پائی جاسکتیں ہیں۔ اس کے لیے تو سچے عقیدے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب کسی بھی تکلیف پر میں اللہ سے ناراض نہیں ہوتی۔ کوشش کرتی ہوں اور دعا اور شکر کی طاقت کو آزماتی ہوں اور وہ ستر ماؤں سے زیادہ

پیار کرنے والا اپنی رحمت سے مایوس نہیں کرتا۔'' اس کی نو سالہ بیٹی کو گلے لگاتے باپ سے بڑھ کر پیار دیا۔ انشال کی آنکھوں میں نمی تھی۔ ارج نے پیار سے بہن کا ہاتھ تھام لیا۔

''دیر سے ہی سہی لیکن سیدھا اور خوشیوں کا راستہ تمہیں ملنا ہی تھا۔ اللہ کی طرف سے میں وسیلہ بن گئی' دھندلائی ہوئی آنکھوں سے ہر منظر دھندلا ہی دکھتا ہے۔ بدگمانی اور دکھ کے بادل چھٹتے ہی دیکھو منظر کتنا شفاف کتنا پیارا ہے۔'' دونوں بہنیں ساتھ چلتی لاؤنج میں آ گئیں۔ جہاں زندگی اپنی پوری آب و تاب سے جگمگا رہی تھی۔ امی ابو اپنے دونوں بیٹوں اور دونوں دامادوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ دونوں چھوٹی بھاوجیں بھی اپنے بچوں کو سنبھالتی آپس میں محو گفتگو تھیں۔

انفر کی نظر اس پر پڑی تو عارش کو سنبھالتے اس کی طرف ہی آ گئے۔

''ارج کتنا وقت ہے ابھی ڈنر میں؟'' اپنے مخصوص مدھم لہجے میں مسکراتے ہوئے پوچھنے لگے۔

''جی بس میں دستر خوان لگا رہی ہوں۔'' ارج بھی مسکراتے ہوئے بولی۔

انشال اپنی بھاوجوں اقصیٰ اور عنایا کے پاس چل دی۔ اس کی دو سالہ بیٹی ایمل وہیں سو رہی تھی۔ ارج مسکراتی ہوئی کچن کی طرف چل دی۔ جہاں دس سالہ منتہیٰ دستر خوان لگانے کی تیاری کر رہی تھی۔ وہ بھی مسکراتے ہوئے کھانا نکالنے لگی۔

شکر گزار تو وہ پہلے سے ہی تھی کہ اللہ نے ہمیشہ اسے اس کی اوقات سے بڑھ کر نوازا اور اب انفر کا ساتھ پانے کے بعد اس کی زندگی کی خوب صورتی مزید بڑھ گئی۔ انفر کاظم اس کے گھر والوں کی پسند تھے۔ ان کی پہلی بیوی کے انتقال کے بعد انہیں اپنی خاموش اور ویران زندگی کے لیے ایک مخلص ساتھی کی ضرورت تھی اور ارج حسین کو پا کے ان کی یہ تلاش ختم ہو گئی۔ پڑھے لکھے سلجھے ہوئے سمجھ دار انفر کاظم نے

ارج کے دل میں جو بھی خدشات تھے وہ تھوڑے ہی عرصے میں ختم ہو گئے اور شادی کے ایک سال بعد عارش کی آمد نے ان کی فیملی کو مکمل کر دیا۔

''بجو کھانا بہت ٹیسٹی ہے......'' اقصیٰ بریانی کی پلیٹ ہاتھ میں لیے بول رہی تھی۔ وہ مسکراتی ہوئی عارش کو آلو میش کر کے کھلا رہی تھی۔

''ہماری بیگم کے ہاتھ میں جادو ہے جناب۔'' یہ انفر تھے جو محبت سے بیوی کی تعریف کر رہے تھے۔ ارج نے تشکر سے ان کی طرف دیکھا۔ وہ ہمیشہ ہی محفل میں اس کا مان بڑھاتے تھے۔ اسے لگتا تھا کہ جتنی محبت اور عزت وہ ان کی کرتی ہے۔ انفر اس سے کہیں زیادہ اس کی عزت کرتے ہیں۔

''جادو تو ہماری بیگم کے ہاتھ میں بھی بہت ہے۔ جب بھی کھانا چولہے پر چڑھاتی ہیں۔ جادو چل جاتا ہے۔'' ولی ارج کو آنکھ مارتے ہوئے بولا۔ تو سب قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ اقصیٰ بھی ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔ ارج کے لبوں پر بہت جان دار مسکراہٹ تھی۔

دکھوں اور تکلیفوں کی رات کتنی ہی گہری اور طویل کیوں نہ ہو ایک روشن اور چمکیلی صبح طلوع ہوتی ہے۔ ناممکن کا لفظ انسان کی ڈکشنری میں ہوتا ہے لیکن رب تعالیٰ کے ہاں ناممکنات میں سے کچھ بھی نہیں۔ بس اس کے لیے ایک اشارہ ہی کافی ہے اور وہ جو بھی ناممکن نظر آتا ہے وہ ممکن ہو جاتا ہے...... مایوس اور بدگمان ہو جانے والا انسان اپنی خواہش تو دور حال کے لطف سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ ضرورت صرف سچے عقیدے اور اللہ پر بھروسے کی ہے۔

سرفروشی ہے ایمان تمہارا
جرأتوں کے پرستار ہو تم
جو حفاظت کرے سرحدوں کی
وہ فلک بوس دیوار ہو تم

میری زندگی کی جب بھی کوئی داستان لکھنا
میرے دشمنوں میں فقط 'ہندوستان' لکھنا
نا لکھنا کچھ بھی اور جب میں مروں تو نذیر
میرے کفن پہ اک لفظ "پاکستان" لکھنا

"مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آتی۔" کیپٹن عبدالواحد نے جیپ اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا؟" لیفٹیننٹ علی شیر نے اچک کراس کے برابر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"یہی کہ امریکہ ہم سے چاہتا کیا ہے؟"

"مجھے بھی ایک بات کی سمجھ نہیں آتی۔"

"کیا؟" عبدالواحد نے جیپ کی رفتار بڑھائی۔

"تمہیں فوج میں کمیشن کس نے دیا؟ نا صرف کمیشن دیا بلکہ پروموٹ کر کے لیفٹیننٹ سے کیپٹن بھی بنا دیا۔" علی شیر کے جواب پر عبدالواحد نے گردن موڑ کر اسے گھورا۔

"بس کرو کیا نظروں سے ہی کھا جاؤ گے۔" علی شیر

نے دہائی دی۔
"جوان...... اب کے کیپٹن عبدالواحد نے خالص فوجی لہجے میں کہا۔
"یس سر۔" لیفٹیننٹ علی شیر مؤدب ہوا۔
"اسٹینڈ اپ اینڈ ہینڈز اپ۔"
"سر حکم کریں، بکواس نہ کریں، چلتی گاڑی میں سزا دینے کی کوئی تک نہیں بنتی۔" لیفٹیننٹ علی شیر کی زبان پر پھر کھجلی ہوئی۔
"یو......!" کیپٹن عبدالواحد نے بات ادھوری چھوڑ دی۔
"انوسینٹ گائے۔" علی شیر نے زبردستی چہرے پر معصومیت طاری کی۔
"ہاں گائے...... مائی ڈیئر کاؤ۔" کیپٹن عبدالواحد نے کہا اور دونوں نے مشترکہ قہقہہ لگایا۔ ان کی ایسی نوک جھونک جاری تھی کہ جیپ جو کہ سنگلاخ زمین پر اونچی نیچی جنگلی جھاڑیوں کے درمیان بھاگی جا رہی تھی، رائٹ سائڈ پر ٹرن لیا تو ایک جنگی طیارہ ان کے اوپر منڈلانے لگا۔ دونوں نے چونک کر اوپر دیکھا۔
"یہ پاک فضائیہ کا جہاز نہیں ہے علی شیر۔" کیپٹن عبدالواحد نے پیشہ ورانہ سنجیدگی سے کہا۔ "میں سمجھ گیا، یہ کیا چکر ہے۔ تم پیچھے وائرلیس پر پیغام بھیجو فوراً امن جرگہ کے کمانڈر اپنا روٹ چینج کریں۔" لیفٹیننٹ علی شیر نے فوراً سے پیشتر پیغام کوڈ ورڈز میں پیچھے بھیج دیا۔
علی شیر اور عبدالواحد آپس میں فرسٹ کزنز اور بیسٹ فرینڈز تھے۔ عبدالواحد نے فوج میں کمیشن حاصل کیا تو یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ علی شیر پیچھے رہتا۔ وہ بھی اس کے پیچھے چلا آیا۔ عبدالواحد کی تعیناتی آج کل وزیرستان جیسے حساس علاقے میں تھی اور حسن اتفاق ایسا کہ علی شیر کو بھی وزیرستان بھیج دیا گیا بلکہ اکثر اوقات مختلف مشنز پر وہ اکٹھے ہوتے۔ وزیرستان اور دیگر سرحدی علاقوں کے حالات ایسے ہیں کہ ہماری فوج وہاں حالت جنگ میں ہے۔ پاک فوج کی آنکھیں کھلی تھیں تو دشمن بھی چوکس تھا۔ اس وقت بھی وہ جس علاقے سے ہو کر آ رہے تھے وہاں حال ہی میں پاکستان کا پرچم لہرایا گیا تھا۔ یہ کہنے میں بڑی آسان بات معلوم ہوتی ہے مگر پاک فوج نے ان علاقوں میں حکومت قائم کرنے کے لیے دن رات اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے۔ دشمن اگر آمنے سامنے ہو تو لڑنا کوئی مشکل بات نہیں مگر یہ پیٹھ پیچھے سے وار کرتے ہیں۔ ان کی ایڈوانسڈ ٹیکنالوجی کا مقابلہ اپنے جسموں اور ان ہی کی طرح جدید ترین ہتھیاروں سے کرتے ہیں۔ وہ خطرات کو سرحد پر ہی روکنے کے لیے جان کی بازی لگا جاتے ہیں۔ ہمارے حکمرانوں کی نااہلی، امریکہ کی جی حضوری اور اسلحے کے معاملے میں کافروں پر بھروسہ کر کے حکومتی رویے اور اپنی صفوں میں چھپے میر جعفر، میر صادق کی غداری کا ازالہ وہ جان لڑا کر کرتے ہیں۔
امن جرگہ کے کمانڈر کو اس روٹ سے بحفاظت گزارنے کی ذمہ داری ان دونوں نے اپنے سر لی تھی۔ دشمن کو دھوکا دینے کے لیے دو راستے منتخب کیے گئے تھے۔ ان کی زندگی جتنی انہیں عزیز تھی، دشمن اتنا ہی انہیں راستے سے ہٹانا ضروری سمجھتا تھا۔
"دشمن اپنے ٹارگٹ کو ہٹ کیے بغیر نہیں جائے گا علی۔ کمانڈر کو ہم نے روک دیا ہے، ان کا شکار اب ہم ہیں کلمہ پڑھ لو۔" عبدالواحد کے چہرے پر جذبات کی سرخی چھا گئی۔
"اور دشمن کی جو خفیہ ویڈیو ریکارڈنگ ہمارے آئی ٹی ماہر نے کتنے خطرات عبور کر کے حاصل کی تھی وہ ہمارے پاس ہے، وہ قوم کی امانت کیا ہم اپنے ساتھ ختم کروا دیں گے۔" لیفٹیننٹ علی شیر کے جواب نے عبدالواحد کے سر میں دھماکہ کیا تھا۔ طیارہ زناٹے دار آواز سے ان کے سروں کے اوپر سے گزرا۔
"گاڑی روک دو، اس کو اڑانے کے لیے یقیناً اب تک دشمن ڈائنامیٹ لگا چکا ہوگا۔" علی شیر کے کہنے پر عبدالواحد نے ایک جھٹکے سے گاڑی روکی اور بے بس سی نگاہ اوپر دوڑائی۔ "مگر آج ہمارے حکمران ان کے پیسے پر نہ پل

رہے ہوتے تو وہ اس دشمن کو کتنی آسانی سے مار گراتے۔“ اس نے سوچا۔

”علی شیر تم وہ ڈسک لے کر نکل جاؤ‘ کیسے نکلنا ہے یہ تم جانتے ہو‘ ان سے میں نمٹ لوں گا۔“

”تمہیں مرنے کے لیے اکیلا چھوڑ جاؤں۔“ علی شیر چیخا۔

”مرنے کے لیے نہیں شہید ہونے کے لیے۔“ عبدالواحد نے تصحیح کی۔

”میں ایسا نہیں کرسکتا‘ تم جان سے جاؤ گے اور ہمارے حکمرانوں کو احساس تک نہیں ہوگا۔“ علی شیر نے بحث کی۔

”دفع کرو انہیں‘ ان کو فرق نہیں پڑے گا مگر ڈسک دشمن کے ہاتھ لگ گئی تو پوری وزیرستان ایجنسی کی ماؤں بہنوں کی مانگ اجڑ جائے گی۔ وہ پرچم جو یہاں لہرا رہا ہے اس کی آبیاری ہمیں اپنے خون سے کرنی ہے۔“ کیپٹن عبدالواحد نے اسے قائل کرنے کی کوشش کی۔

”لیکن میں تمہیں چھوڑ کے کسی صورت نہیں جاسکتا۔“ علی کا لہجہ ضدی ہوا۔

”بحث مت کرو۔ یہ میرا حکم ہے۔ جلدی......“

”مگر......“

”اتنا وقت نہیں ہے علی‘ ہری اپ......“ طیارے پر نگاہ ٹکا کر عبدالواحد گرج کر بولا۔

”او کے اپنا خیال رکھنا۔“ علی شیر کی آنکھیں نم ہوئیں۔

”ڈسک دشمن کے ہاتھ نہ لگے‘ جب تک منزل پر نہ پہنچ جاؤ تمہیں زندہ رہنا ہے۔“

”اللہ حافظ۔“ علی شیر نے کہا اور جیپ سے جست لگا کر جھاڑیوں میں غائب ہوگیا۔

”خیال رکھنا علی‘ کوئی یہ نہ کہے کہ ہم اپنے وطن کا دفاع کرنے کے قابل نہیں۔“ پیچھے سے عبدالواحد چلایا۔ وہ موت کے دہانے پر کھڑا تھا مگر اسے اپنی پروا نہیں تھی۔ وہ ہر صورت دشمن کو ناکام دیکھنا چاہتا تھا۔ علی شیر کے جانے کے بعد اس نے جیپ اسٹارٹ کی اور خود باہر نکل کر جیپ کو سیدھ میں چلتا چھوڑ دیا۔ اترنے سے پہلے وہ لائٹ مشین گن اٹھا چکا تھا۔ علی کا کہا درست نکلا کچھ آگے جاکر جیپ دھماکے سے اڑ گئی۔ دشمن کے طیارے نے اسے Detect کرلیا تھا۔ جہاز نے بم گرایا مگر اونچے نیچے پہاڑ عبدالواحد کے لیے مددگار ثابت ہورہے تھے۔ اس نے ایک چٹان کی اوٹ لی اور وائرلیس پر بیس کیمپ سے رابطہ کیا۔

”دشمن کا جہاز بمباری کررہا ہے۔ علی شیر کے پاس ایک اہم راز ہے‘ اسے سیکیور کریں۔ وہ بہت ضروری ہے۔“

پیغام دے کر اس نے دیکھا جہاز ابھی تک اوپر ہی منڈلائے جارہا تھا۔ اس کے پاس لائٹ مشین گن تھی جہاز گرانے کے لیے طیارہ شکن توپ یا کم از کم ہیوی مشین گن چاہیے تھی۔

”سنگریزوں سے‘ خالی ہاتھوں سے‘ ناخنوں سے لڑو لیکن اپنے وطن کا ایک انچ بھی دشمن کے قبضے میں نہ جانے دو۔“ اسے ستمبر 1965ء کی جنگ میں لاہور ڈویژن کے کمانڈر کا ”آرڈر آف دی ڈے“ یاد آیا۔

”اور آج دشمن کی یہ مجال کہ ہماری فضاؤں میں آکر آزادانہ اڑتا پھرے اور کوئی پوچھنے والا نہیں۔“ کیپٹن عبدالواحد کے خون نے جوش مارا۔ ”جب بیدیاں سائفن کا دفاع ایسٹ بنگال رجمنٹ کے صرف تین ٹائیگرز کرسکتے ہیں تو میں اکیلا یہ جہاز کیوں نہیں گرا سکتا۔“ اس نے خود کلامی کی خود رو جھاڑیوں کی آڑ میں رینگتا وہ اوپر جارہا تھا۔ جہاز کافی قریب تھا اور اس کا دل جیسے کانوں میں دھڑک رہا تھا۔ ”صرف ایک شخص سے کیا خطرہ ہوسکتا ہے۔“ یہی سوچ دشمن کے طیارے کو کافی قریب لے آئی تھی۔ اس نے مشین گن کا رخ اوپر کی جانب کیا اور زندگی جیسے آنکھوں میں سمٹ آئی تھی۔

”نعرہ تکبیر“ اس نے نعرہ بلند کیا مگر اس کا جواب دینے والا سوائے اس کے اپنے وہاں کوئی نہ تھا۔ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر وہ کھڑا ہوا اور صرف بیس فٹ کے فاصلے پر مشین گن

کا برسٹ مارا اور جہاز میں آگ لگ گئی۔ یہ سب پلک جھپکنے میں ہوا اور کیپٹن عبدالواحد نے پوری طاقت سے قلابازی لگائی۔ اس کے پیچھے جہاز گرا وہ زیادہ دور نہیں جاسکا تھا اس لیے دھماکے کی وجہ سے مٹی اور پتھر اڑ کر اس کے اوپر گرے اور پتھر کا ایک ٹکڑا اس کے سر میں لگا' اس نے سر میں درد کی ایک لہر اٹھتی ہوئی محسوس کی اور اپنا جسم ڈھلوان کی طرف رول کرنا شروع کردیا۔ خطرہ وقتی طور پر ٹل چکا تھا۔ اس نے اپنے سر پر ہاتھ رکھا اور جب سامنے کیا تو وہ خون سے بھرا ہوا تھا۔

''میرے وطن بس اتنا سا لہو تجھے چاہیے تھا۔'' درد کی شدت میں وہ مسکرایا اور اپنا سر زمین پر رکھ دیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ تو ابھی آغاز ہے' وطن کی مٹی کا قرض چکانے کے لیے اسے اپنے لہو کا آخری قطرہ بھی بہادینا ہے۔

❁......❁......❁

''کوئی حال رہ گیا ہے اس ملک کا۔'' مشعل نے دائیں ہاتھ سے ماتھا سہلاتے ہوئے اپنا سر صوفے کی پشت کے ساتھ ٹکایا۔

''نہ...... نہ یوں کہو کہ ہم نے کوئی حال چھوڑا ہے اس ملک کا۔'' محسن نے اس کا فقرہ درست کیا۔

''ہم نے کیوں' ہم نے کب برا چاہا یا برا کیا ہے اپنے ملک کے ساتھ۔'' مشعل نے تڑپ کر الزام کی تردید کی۔

''اس سے کیا ہوتا ہے کہ میں نے یا تم نے برا نہیں کیا لیکن یہ سب لوگ ہماری قوم کا حصہ ہیں۔ ہم میں سے ہیں' انفرادی غلطیاں تو معاف ہوجاتی ہیں' قدرت کسی قوم کی اجتماعی غلطیاں معاف نہیں کرتی۔'' محسن کے لہجے میں سنجیدگی در آئی۔ وہ لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے جس پر پولیس اور عوام کے گتھم گتھا ہونے کا منظر چل رہا تھا۔ اس پر دونوں تبصرہ کررہے تھے اور بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھی۔

''یاری......'' مشعل نے محسن کو اس کے نک نیم سے بلایا۔ ''عبدالواحد سے رابطہ ہوا؟''

''شرم کرو بڑا ہے تم سے کیسے منہ پھاڑ کے عبدالواحد بار رہی ہو۔ بھائی کہو۔'' محسن نے بڑی بوڑھیوں کی طرح ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔

''بھائی ہوگا تمہارا میں ایویں بھائی بنالوں۔'' اصل بات چھوڑ کر اب دونوں جھگڑنے لگے۔

''اور وہ جو ساتھ ہے اس کے علی شیر' اس کی کوئی فکر نہیں اور عبدالواحد کی فکر میں ہلکان ہورہی ہیں محترمہ۔'' محسن نے اسے چڑایا۔

''ہاں تو اس کا بھی پوچھنا ہی تھا' تم تو بات کا ہوا بنالیتے ہو۔''

''پوچھا تو نہیں نا بی بی۔''

''شٹ اپ...... تم ہوگے بی بی۔'' محسن نے اس کی بات پر قہقہہ لگایا وہ اسے اپنی دانست میں موضوع سے ہٹا چکا تھا۔

''میں جارہا ہوں ذرا کام ہے آٹھ بجے تک آجاؤں گا۔'' وہ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔

''تمہاری سرگرمیاں کچھ مشکوک ہوتی جارہی ہیں یاری...... بڑے پاپا سے شکایت کردوں گی۔'' مشعل نے اسے دھمکایا۔

''ہاں ہاں تم تو ہو ہی سدا کی چغل خور' کٹ کھنی بلی۔'' وہ جاتے جاتے پلٹا اور اس کے بال کھینچ کر دوڑ لگادی۔

''ٹھہر جاؤ یاری...... بتاکے جاؤ جو میں نے پوچھا ہے۔'' مشعل چیخی مگر تب تک وہ باہر نکل چکا تھا۔ اس نے جان بوجھ کر ٹاپک چینج کرنے کی کوشش کی تھی۔ عبدالواحد کے زخمی ہونے کی اور اس کے مشن کی خبر اس تک پہنچ چکی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ مشعل کو پتہ چلے اور وہ پریشان ہو۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ عبدالواحد کے لیے وہ بہت حساس ہے۔ زخمی ہونے کی خبر تو ہیڈ کوارٹر نے گھر پہنچادی تھی لیکن مشن کا پتہ محسن کو خفیہ ذرائع سے چلا تھا۔ ایسی باتیں یا مشنز کے متعلق تفصیلات آئی ایس پی آر عام پبلک کو نہیں بتایا کرتی مگر محسن کے لیے یہ سب پتہ کرنا مشکل نہیں تھا۔ عبدالواحد اور علی شیر کے علاوہ گھر میں کوئی بھی یہ نہیں جانتا تھا کہ کافی عرصے سے وہ خفیہ ایجنسی کے لیے کام

کررہا ہے لوگوں کے لیے وہ ایک الھڑ سا نوجوان تھا جس میں مستقل مزاجی نہ تھی' کبھی ایک کالج میں ایڈمیشن لے لیتا کبھی دوسرے میں۔ نمازیں پڑھنے کا خیال آتا تو محلے کی مسجد کے علاوہ وہ سارے شہر کی مسجدیں بھی گھوم آتا' کبھی کسی پارک میں بظاہر ہینڈ فری لگا کر ادھر سے ادھر گھومتا نظر آتا' کبھی کسی پل پر' کبھی بس اسٹیشن پر تو کبھی ریلوے اسٹیشن پر ہوتا' کبھی سینما کے باہر تو کبھی کسی عالم کے ساتھ دوستی گانٹھ رہا ہوتا تو کبھی کسی پروفیسر کے ساتھ' اس میں کیا اسرار ہے' گھر والے غور کر رہ جاتے کہ یہ کیا کرتا پھرتا ہے' پاپا سے اکثر ڈانٹ کھالیتا کہ پڑھائی مکمل بھی کرو گے یا بس ہجرت ہی کرتے رہو گے۔ وہ حیران ہوتے کہ دو تین سال پہلے تو سب کچھ ٹھیک تھا' کہتا تھا کہ ایف ایس سی کرنے کے بعد فوج میں "سیکنڈ لیفٹیننٹ" کے طور پر کمیشن حاصل کروں گا' اسی سلسلے میں راولپنڈی اسلام آباد کے کئی چکر بھی لگائے مگر اس کے بعد جانے کن چکروں میں پڑ گیا۔ ان کو کیا معلوم تھا کہ وہ اب بھی "سیکنڈ لیفٹیننٹ" ہی عہدے پر ہے۔ اس کے جذبۂ اس کی حب الوطنی اور سب سے بڑھ کر اس کی غیر معمولی ذہانت کے پیش نظر اسے آئی ایس آئی نے اپنی طرف سے پیش کش کی تھی جسے اس نے بلا تامل قبول کرلیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس نے اپنے قدم کانٹوں کی راہ گزر پر رکھ دیے ہیں۔ وہ ایسے لوگوں کی صف میں شامل ہوگیا تھا جو اس ملک کی آنکھیں کہلاتے ہیں۔ اسے معلوم تھا کہ وہ جو کررہا ہے اس کا کریڈٹ اسے کبھی نہیں جائے گا' وہ گھر یا ملک سے باہر مارا گیا تو اس کی لاش پرچم میں لپٹے تابوت میں نہیں آئے گی' نہ اس کی قبر پر پرچم لہرائے گا بلکہ اس کی فائل "ٹاپ سیکرٹ" لگا کر ہمیشہ کے لیے بند کردی جائے گی۔ اسے یہ سودا بھی منظور تھا اس کا خیال تھا کہ اس کی جان کے بدلے ملک بچ سکتا تھا تو اس کے لیے یہ ہی کافی تھا۔

❁......❁......❁

فرحان علی' ظفر احمد اور ظہیر عباس تین بھائی تھے ان کا تعلق ایک اپر مڈل کلاس فیملی سے تھا۔ فرحان علی ایک

ریٹائرڈ آرمی آفیسر تھے ان کے دو بیٹے تھے عبدالواحد اور محسن ظفر احمد بھی ریٹائرڈ گورنمنٹ ملازم تھے۔ ان کے دو بیٹے علی شیر اور احرام ایک بیٹی حجاب تھی۔ احرام اور حجاب دونوں بہن بھائی بی ایس آرنرز کے اسٹوڈنٹ تھے۔ ظہیر عباس کی ایک بیٹی مشعل جو جرنلزم میں ماسٹرز کر رہی تھی اور ایک بیٹا احسن جو کہ مظفر گڑھ کریڈٹ کالج میں زیرِ تعلیم تھا۔ ظہیر عباس جرنلسٹ تھے اور ٹارگٹ کلنگ کے دوران شہادت پا چکے تھے۔ ظہیر عباس کی فیملی کی ذمہ داری ان کی شہادت کے بعد فرحان علی نے اٹھائی تھی۔ چنانچہ اب وہ ایک ہی گھر میں رہتے تھے۔ فرحان علی مستقبل میں عبدالواحد اور مشعل کی شادی کرنا چاہتے تھے۔ سب ان کے فیصلے پر خوش تھے اور دونوں میں کافی انڈرسٹینڈنگ بھی تھی۔ ظفر احمد کا گھر بھی کچھ زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ تینوں بھائیوں نے اپنے بچوں کی تربیت ایسی کی تھی کہ وطن سے محبت ان کو گھٹی میں دے دی تھی۔ عبدالواحد اور علی شیر اگر سرحدوں کے دفاع میں اپنی جان لڑا رہے تھے تو محسن خفیہ ایجنسی سے منسلک تھا اور احرام نے عوام کی سوچ کو بدلنے کا بیڑہ اٹھایا ہوا تھا۔ اس کا زیادہ وقت اپنے ٹیچر انس کی ہمراہی میں گزرتا' وہ خود اٹھائیس سال کے جوان تھے اور ایک نیشنل این جی او کے ساتھ منسلک تھے۔ وہ این جی او بظاہر فلاحی کام کرتی تھی مگر ایک مخصوص مقصد کے تحت وقتاً فوقتاً کانفرنسز اور پبلک میٹنگز کرواتی رہتی تھی۔ وہ دراصل لوگوں میں اتحاد کی اہمیت کو اجاگر کرنا چاہتے تھے اور غیر محسوس طریقے سے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈالتے تھے کہ ان کے لیے یہ ملک کتنا ضروری ہے' اس ملک کو درحقیقت کون برباد کرتا ہے اور وہ اس ملک کے لیے اپنی اپنی جگہ کیسے کام کرسکتے ہیں اس طرح وہ فلاحی تنظیم کم اور سیاسی تنظیم زیادہ لگنے لگی تھی مگر ان کو پروا نہیں تھی۔ لوگوں کو متحد کرنے کا ''جہاد'' انہیں کرنا ہی تھا۔

❁.........❁.........❁

''احرام آج ریسٹ کرلیتے بیٹا۔'' احرام کی مما نے اسے ٹوکا' صبح سے وہ بخار کا شکار تھا مگر آج ایک اہم میٹنگ تھی جس میں احرام کی شرکت لازمی تھی۔ وہ اپنے استاد کا منظورِ نظر شاگرد تھا۔ پورے شہر میں احرام کی ٹکر کا کوئی مقرر نہیں تھا اور نہ ذہانت اور حاضر جوابی میں اس کا کوئی ثانی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اکثر اوقات ہوسٹنگ کے فرائض احرام کے سپرد کیے جاتے اور اس کی جلسے میں شرکت' جلسے کی کامیابی کی ضمانت سمجھی جاتی۔

''سر کا حکم میں کیسے ٹال سکتا ہوں۔ تھوڑی دیر کی بات ہے۔'' اس نے لاڈ سے اپنی مما کے گرد بازو پھیلائے۔

''بہت ضدی ہو' اچھا ٹھیک ہے جاؤ اور ہاتھ ذرا ہولا رکھا کرو' بولتے ہوئے کچھ زیادہ ہی تلخ ہوجاتے ہو۔''

''سچائی تلخ ہی ہوتی ہے مما۔'' وہ مسکرایا۔

''مگر یہ سیاست ہے بیٹا' سب اپنا کام نکلوا کے چلتے بنتے ہیں اور آپ سچ جھوٹ ہی الگ کرتے رہ جاتے ہو۔''

''کوئی بات نہیں مما' ہر کسی نے اپنے اعمال کا حساب خود دینا ہے۔ ہم اپنے حصے کا فرض نبھاتے رہیں گے۔'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''فرض نبھانے کے لیے ایک عمر پڑی ہے۔'' ان کی بات پر احرام نے قہقہہ لگایا۔

''میں نے کوئی لطیفہ سنایا ہے۔'' وہ برامان گئیں۔

''سترہ سال کی عمر میں محمد بن قاسم سندھ فتح کرچکا تھا اور صرف پچیس سال کی عمر میں وہ اس دنیا سے جاچکا تھا۔ وقت کے انتظار میں وقت ضائع کرنا عقل مندی نہیں ہے مما۔''

''اوکے...... جاؤ' ہر جگہ تقریر ہی شروع کردیتے ہو۔''

''مائی سویٹ مما۔'' احرام نے زور سے انہیں خود میں بھینچ کر پیار کیا اور کھڑا ہوگیا۔

''اللہ نظرِ بد سے بچائے' آمین۔'' پیچھے سے انہوں نے اپنے خوبرو بیٹے کو چپکے سے دعا دی۔ جب وہ پہنچا تو میٹنگ شروع ہونے والی تھی۔

''کہاں رہ گئے تھے احرام؟'' سر انس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

''سوری سر' بس گھر میں ہی کچھ لیٹ ہوگیا۔'' احرام

نے طبیعت کی خرابی کا ذکر نہیں کیا۔
"تمہاری طبیعت خراب ہے۔" سر انس حیران ہوئے۔ جو اس کی رگ رگ سے واقف تھے اور اس کے مزاج کے سب موسموں کو پہچانتے تھے۔
"جی...... بس بخار ہے ہلکا سا۔ کوئی ایسی خاص طبیعت خراب نہیں ہے سر' آیئے اندر چلتے ہیں۔" احرام نے سر انس کا ہاتھ تھاما اور اندر چلا آیا۔ احرام نے دیکھا چند ایک نئے چہرے بھی موجود تھے۔ اس نے چیئر سنبھالی اور بات کا آغاز کیا۔
"جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ آج 17 فروری ہے' آج کا دن ایک خاص تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔" احرام کی بات پر سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا مگر کسی کے ذہن میں 17 فروری کی تاریخی حیثیت نہ آئی۔
"17 فروری 1951ء راشد منہاس کا یوم ولادت ہے۔ 1951ء میں وہ پیدا ہوئے اور صرف 20 سال کی عمر میں 1971ء میں وہ شہید ہوگئے۔ بیس سال کی عمر کوئی اتنی زیادہ نہیں ہوتی کہ کوئی آسانی سے اس دنیا سے منہ موڑنے کے لیے تیار ہوجائے بلکہ یہی تو وہ عمر ہے' جس میں اس دنیا کی رعنائیاں اپنی طرف کھینچتی ہیں لیکن وہ کون سی بات' کون سا جذبہ تھا جو نوجوان ہواباز سے جان کی بازی لگوا گیا۔ وہ جذبہ حب الوطنی تھا۔ اسلام سے محبت' اس ملک سے محبت' نہیں "محبت" چھوٹا لفظ ہے۔ "عشق" کہا جاسکتا ہے اسے۔ یہ جذبہ نہ ہوتا تو وہ اپنی جان سہولت سے بچاسکتا تھا۔ وہ چپ چاپ اغواء ہوجاتا پھر جنگی قیدیوں کے ساتھ اسے بھی رہائی مل جاتی اور اس بات پر اس پر کوئی الزام بھی نہیں آسکتا تھا کیونکہ ابھی تو وہ زیر تربیت تھا مگر وہ غیرت مند پاکستانی تھا' اس کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ وہ دشمن کے ناپاک ارادوں کو پورا ہونے دے چنانچہ دشمن کو اس کے مقصد میں ناکام کرنے کے لیے اس نے اپنی جان کی قربانی دے دی۔" اتنا کہہ کر وہ رکا اور حاضرین پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ سب خاموشی سے اسے سن رہے تھے' اس نے آواز میں خوامخواہ کا جوش پیدا کرنے کی کوشش نہ کی بلکہ ہموار لہجے میں اعتماد کے ساتھ بولتا رہا۔ "ہم سب کو اپنی اپنی جگہ وطن سے محبت کا دعویٰ ہے' حب الوطنی محض ایک نعرہ نہیں' اس کے تقاضے نہایت کڑے ہیں۔ ہمیں راشد منہاس کی طرح اپنی نیت کو خالص کرنا ہے۔ باقی کام خود بخود ہوتے جائیں گے۔ اس ملک کو فی الوقت کسی چیز کی ضرورت ہے تو وہ ہے' دیانت داری' ویسی ہی دیانت داری جس کی وجہ سے راشد منہاس نے بخوشی اپنی جان ملت کے ناموس پر وار دی۔" اتنا کہہ کر اس نے شعر پڑھا

"زمین پر رہنا شاہیں کو کہاں راس آتا ہے
یہ فضا سے جب بھی آئے اداس آتا ہے
جب بھی بات ہو جاں سے گزر جانے کی نذیر
میرے ذہن میں فقط راشد منہاس آتا ہے"

اس کے لہجے کا فسوں تھا کہ سب ٹرانس کی کیفیت میں تھے' اس نے بات ختم کی تو کمرہ تالیوں سے گونج اٹھا۔
"تم نے بالکل ٹھیک کہا تھا انس۔" سر انس کے ساتھ بیٹھے میجر مسعود بولے تو سر انس نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔
"کہ احرام کی ٹکر کا بندہ پورے شہر میں نہیں۔" میجر مسعود کی بات پر فخریہ انداز میں سر انس نے احرام کی طرف دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔
"معزز مہمانِ گرامی اور کوئی اظہار رائے کرنا چاہے تو ضرور کرے۔"
"آپ نے تو دریا کو کوزے میں بند کردیا ینگ مین' پوری میٹنگ کا لب لباب ایک نقطے میں بیان کردیا۔ راشد منہاس کی دیانت داری' ہمیں اسی ایجنڈے پر چلنا ہے پھر ہی دشمن پر فتح حاصل کرسکتے ہیں۔" میجر مسعود بولے۔
"آپ کا حسنِ نظر ہے سر ورنہ میں کس قابل۔" احرام کا لہجہ عاجزانہ ہوا پھر چند ضروری امور ڈسکس ہوئے اور میٹنگ برخاست ہوگئی تھی۔

❀......❀......❀

"مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی یاری۔" محسن ابھی باہر سے لوٹا ہی تھا کہ مشعل نے گھیر لیا۔

"کیا ہوا؟" اس نے انجان بن کر پوچھا۔ مشعل جواب دینے کی بجائے رخ موڑ گئی۔ محسن گھوم کر اس کے سامنے آیا اور اس کے آنسو دیکھ کر بوکھلا گیا۔

"کیا ہوا مشعل کیا بات ہے؟"

"عبدالواحد کے زخمی ہونے کا کیوں چھپایا تم لوگوں نے۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

"اوہ......" اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "وہ ٹھیک ہے اب۔"

"اب ٹھیک ہے مگر وہ زخمی ہوا۔ سی ایم ایچ میں ایڈمٹ رہا۔ مجھے کیوں نہیں بتایا۔"

"تم پریشان ہوتیں نا۔"

"اب تو مجھے بڑی خوشی ہو رہی ہے ناں۔" وہ چڑ کر بولی۔

"چلو اب تو وہ ٹھیک ہے اب کیوں رو رہی ہو۔"

"میری کوئی اوقات ہی نہیں ہے تم لوگوں کی نظر میں۔ مجھے اس گھر کا حصہ ہی نہیں سمجھتے تم لوگ ورنہ ضرور بتاتے۔"

"ایسے نہیں سوچتے" تمہاری اتنی اہمیت ہے کہ تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتے تھے اس لیے نہیں بتایا ورنہ تو کوئی بات نہیں۔" محسن نے وضاحت دی۔

"بس لگ گیا مجھے پتہ۔ اب تم جو مرضی کہو۔" پاؤں پٹختی یہ جا وہ جا۔

"اف......" ماتھے پر ہاتھ مارتا وہ گرنے کے سے انداز میں صوفے پر بیٹھا اور بالوں میں ہاتھ پھنساتا وہ اپنے اگلے پراجیکٹ کے بارے میں سوچنے لگا۔ خفیہ ایجنسی کو ایک فرم کے مالک پر شک تھا کہ وہ ناجائز اسلحے کا کاروبار کرتا ہے فرم کی آڑ میں۔ محسن کو ان تک پہنچنا تھا۔ مشعل کی ناراضگی سے متعلق اگلے دن دوپہر تک جب وہ کمرے سے باہر نہ آئی تو مما نے اسے کان سے پکڑ لیا۔

"تمہارا مشورہ تھا اسے نہ بتانے کا۔ جاؤ خود ہی مناؤ اسے۔"

"اف مما جی کان تو چھوڑ دیں۔ لمبا ہو جائے گا۔" اس نے دہائی دی۔

"محسن......تم کب سنجیدہ ہو گے۔ چھوڑ دو اب یہ آوارہ گردیاں۔"

میں جو کبھی گھر سے نکلا نہ تھا
اک تیری محبت نے مجھے آوارہ بنا دیا"

محسن نے شرارت سے شعر پڑھا تو خفگی سے اس کا کان چھوڑ کر وہ ہٹ گئیں اور وہ ہنستا ہوا مشعل کے کمرے کی طرف آ گیا۔ اس کا روم ناک کیا۔ مشعل نے کوئی رسپانس نہیں دیا۔ محسن نے دروازے پر تھوڑا سا دباؤ ڈالا تو وہ کھل گیا۔ اس نے قدم اندر رکھا ہی تھا کہ کشن سیدھا اس کے منہ پر لگا۔

"بس بھی کرو مشعل جنگ وہاں تمہارا عبدالواحد دشمن سے لڑ رہا ہے اور یہاں تم نے مجھ غریب پر گولہ باری شروع کر دی ہے۔" وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

"ہاں وہ وہاں جنگ لڑ رہا ہے تاکہ یہاں میں سکون سے سو سکوں۔ وہ میرے ملک کی حفاظت کے لیے لڑ رہا ہے اور خود کو دیکھا ہے تم نے کبھی؟ سوائے پھرنے پھرانے اور وقت ضائع کرنے کے کوئی کام ہی نہیں ہے۔" مشعل کی بات پر محسن نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

"تمہیں کچھ بھی نہیں پتہ مشعل۔ میں نہ غازی ہوں اور نہ شہید۔ مگر بڑا بہت ہوں اور لڑ رہا ہوں اور قدم قدم پر مر بھی رہا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" اس کے دلگیر انداز پر وہ چونکی۔

"کچھ نہیں وقت شاید ثابت کر دے یا شاید اس الزام کے ساتھ ہی مر جاؤں کہ میرے بھائی سرحدوں پر شہید ہوتے ہیں اور میں اپنی ہی سرمستیوں میں رہا۔" مشعل نے ذرا غور سے اس کے سراپے پر نظر ڈالی۔ بڑی ہوئی شیو ہلکی سرخ آنکھیں رت جگے کا پتہ دیتی آنکھیں۔ نیلی جینز کے اوپر بلیک شرٹ کہنیوں تک شرٹ کے بازو موڑے اور بکھرے بکھرے سے بال۔ اس کا وجیہہ چہرہ اندرونی کشمکش کی غمازی کر رہا تھا۔

"یار......مجھے بتاؤ کیا بات ہے۔" اس نے بازو

سے پکڑ کر اسے بیڈ پر بٹھایا اور خود چیئر پر بیٹھ گئی۔
"کچھ نہیں...... میں فرنٹیئر جارہا ہوں بھائی کا پتہ کرنے، چلوگی؟" اس نے بات بدلی۔
"واقعی...... کب؟" عبدالواحد کے پاس جانے کے خیال سے اس کی آنکھوں میں روشنی اتر آئی تھی۔
"آج شام کو جانا ہے ڈائیو سے۔"
"مگر مجھے جانے کون دے گا یاری؟" اگلے پل اس کا جوش ماند پڑا۔
"سب جانے دیں گے۔ یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔" محسن نے تسلی دی۔
اور شام کو وہ دونوں خیبر پختونخواہ جارہے تھے۔ محسن نے اپنی طرف سے سب کو مشعل کی دھمکی سنائی کہ مجھے جانے دیں ورنہ روم سے باہر نہیں آؤں گی۔ وہ ان سب کی لاڈلی تھی اور کچھ خود منت ترلہ کیا یوں جانے کی اجازت مل گئی۔

❁......❁......❁

کیپٹن عبدالواحد کو کچھ عرصہ کے لیے ریسٹ لیف دے دی گئی تھی اور لیفٹیننٹ علی شیر کو بھی منظر عام سے وقتی طور پر ہٹا دیا گیا تھا۔ دونوں کی نشان دہی دشمن کو ہوگئی تھی۔ اس لیے پاک فوج نہیں چاہتی تھی ان کے دو ونڈر اور ذہین جوان دھوکے سے بھی دشمن کے ہاتھ آجائیں۔ محسن اور مشعل جب خیبر پختونخواہ پہنچے تو کیپٹن عبدالواحد کو سی ایم ایچ سے ایک بنگلے پر شفٹ کردیا گیا تھا۔ سر پر ابھی تک بینڈیج موجود تھی۔
"آپ کو اتنی چوٹ لگی اور مجھے بتایا تک نہیں۔" محسن اٹھ کر کمرے سے باہر گیا تو مشعل نے شکوہ کیا۔
"اب تم آگئی ہونا، اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔" کیپٹن عبدالواحد نے محبت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔
"بہت درد ہوا ہوگا ہے نا؟" عبدالواحد لیٹا ہوا تھا۔ مشعل نے چیئر گھسیٹ کر قریب کی اور اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔
"ہاں ہوا تھا مگر جب دشمن کے طیارے کو گرا ہوا دیکھا تھا نا تو یقین کرو کسی درد کا احساس نہیں رہا تھا۔" کیپٹن عبدالواحد کے لہجے میں وطن کی محبت بول رہی تھی۔
"ایک بات بتاؤں۔" مشعل نے کیپٹن عبدالواحد کے ہاتھ کو دونوں ہاتھوں میں لے لیا وہ اسے دیکھنے لگا۔
"بتاؤ۔"
"آپ کو پتہ ہے میں آپ سے اتنا پیار کیوں کرتی ہوں؟" اتنا واضح اقرار وہ حیران ہوا۔
"کیوں؟"
"کیونکہ آپ پاکستان سے پیار کرتے ہیں۔"
"اگر میں پاکستان سے پیار نہ کرتا تو......؟"
"ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔" وہ یقین سے بولی۔
"اچھا اب تم ایک بات بتاؤ۔" مشعل نے اس کا ہاتھ چھوڑا تو وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ وہ ہمہ تن گوش ہوئی۔
"فرض کرو، تمہارے سامنے دو آپشن ہوتے کہ تم مکہ مکرمہ میں پیدا ہوتی یعنی سعودی عرب میں، یا مکہ مکرمہ ہی پاکستان میں ہوتا۔ تم دونوں میں سے کیا سلیکٹ کرتی۔ اپنا مکہ مکرمہ میں ہونا یا مکہ مکرمہ کا پاکستان میں ہونا۔" وہ شاید اسے پرکھنا چاہتا تھا۔
"میں چاہتی کہ مکہ مکرمہ پاکستان میں ہوتا۔" اس نے سوچنے کے لیے ایک پل بھی نہ لیا۔
"اتنا پیار کرتی ہو پاکستان سے۔" کیپٹن عبدالواحد کی آنکھوں میں ستائش ابھری۔
"آپ کیا سمجھتے ہیں کہ مذہب اور حب الوطنی کا تقابل کروائیں گے تو جواب مشکل ہوجائے گا؟ نہیں، بلکہ زیادہ آسان ہوجائے گا۔ یہ ملک اسلام کے نام پر لیا گیا تھا۔ آپ کو قائداعظم کی سوانح حیات کا وہ واقعہ یاد ہوگا جس میں ہمارے پیارے نبی پاک ﷺ نے انہیں حکم دیا تھا کہ ہندوستان جاؤ، میری امت پر مشکل وقت ہے اور حدیث کے مطابق آخری غزوہ ہندوستان میں لڑا جائے گا، غزوہ کا مطلب سمجھتے ہیں نا آپ۔" وہ ایک پل کو رکی۔ "تو پھر ہم مذہب اور پاکستان دونوں کی محبت کو ایک دوسرے پر فوقیت نہیں دے سکتے۔ ہمارے لیے دونوں برابر ہیں اور لازم

دلزدم۔" [illegible] مکمل جواب دیا اور [illegible] عبدالواحد نے جواب دیا۔

بائیں ہاتھ کی مٹھی بنا کر لبوں پر رکھ کر مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتا رہا اور ساتھ ساتھ اثبات میں سر بھی ہلاتا رہا تھا۔

"اگر میں شہید ہو جاؤں......؟" اس کے سوال پر مشعل چپ کی چپ رہ گئی، کچھ پل ٹھہر کر وہ بولی۔

"آپ چھٹی پر ہیں نا' ہمارے ساتھ گھر چلیں۔"

"ہاں کچھ کرتے ہیں، مکمل ٹھیک ہونے تک تو میں چھٹی پر ہی ہوں۔" گہری سانس لے کر وہ گویا ہوا۔ اسی پل محسن اندر آیا۔

"بھائی آپ نے مشعل کو بتایا۔"

"نہیں یار...... تم بیٹھو تمہارے سامنے بتاتا ہوں۔" ان کے آپس کے مکالمے پر ناسمجھی سے اس نے دونوں کو دیکھا۔

"تم سے ایک بہت ضروری اور راز کی بات ڈسکس کرنی ہے مشعل' ایک تم ہو جس پر ہم اعتماد کر سکتے ہیں اور تمہاری وطن سے محبت اتنی اسٹرانگ ہے کہ تم کسی مرحلے پر کمزور نہیں پڑ سکتی۔"

"جی بتائیں۔" پھر اس نے محسن کے خفیہ ایجنسی سے تعلق کی ساری داستان اس کے گوش گزار کر دی۔

"او مائی گاڈ یار، تم اتنا کچھ کرتے رہے اور خبر تک نہیں ہونے دی۔"

"معاملہ ہی کچھ ایسا ہے چندا۔ ابھی بھی شاید تمہیں پتہ نہ چلتا اگر اس بار تمہاری مدد کی ضرورت نہ پڑتی۔"

"کیسی مدد؟" اس نے پوچھا۔

انہوں نے اس کو سمجھایا کہ کیسے اس فرم کے مالک کی بیوی سے اسے دوستی گانٹھنی ہے اور کیسے اسے گھر سے باہر لانا ہے' اس کو کڈنیپ کر کے کیسے اس فیکٹری کے مالک سے سب اگلوانا ہے اور یہ سب کس طرح راز داری سے کرنا ہے۔

"ٹھیک ہے یار...... میں تیار ہوں کرنے کے لیے۔"

"گڈ...... تم سے یہی امید تھی۔" محسن کی بجائے کیپٹن

❀......❀......❀

"پتہ ہے لوگ کس قدر مادہ پرست' معروف اور لاتعلق ہو گئے ہیں۔ یہ سچ ہے ہر طرف نفسا نفسی ہے اگر میں آپ سے کہوں کہ میں نے آج مرجانا ہے تو پتہ ہے آپ کیا کہو گے پلیز احرام سوری...... آج ہم بزی ہیں' ہم آپ کے قل شریف یا چالیسویں پر ضرور آئیں گے اور مرتے وقت کلمہ ضرور پڑھ لینا۔ خدا آپ کو جنت نصیب کرے۔" احرام کی بات پر ہال میں دبی دبی ہنسی ابھری۔

"یہ حقیقت ہے' میں نے صرف ایک مثال دی ہے۔ اپنے ملک وقوم سے لاتعلقی کا عالم تو اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ 'جب تمہارے ہمسائے میں ظلم بڑھ جائے تو تم پر جہاد فرض ہو جاتا ہے'، مگر ہم اپنے مظلوم بہن بھائیوں کی کیا مدد کریں گے' ہم تو اپنی گردنیں کاٹ رہے ہیں۔ یہاں صورت حال یہ ہو چکی ہے کہ جس کی جتنی چونچ ہے' جس کا جتنا پنجہ ہے وہ اسی قدر دوسرے کا ماس اتار رہا ہے۔ ہر دوسرے شخص کا ہاتھ تیسرے کی گردن پر یا اس کی جیب میں ہے پھر زلزلے' سیلاب' دہشت گردی کا عذاب ہمارے اوپر کیوں مسلط نہ ہو' یہ ہمارے اعمال کی سزا ہے' ہماری نیتوں کا پھل ہے۔

جب گھر کی آگ بجھی تو کچھ سامان بچا تھا جلنے سے
وہ سب بھی ان کی نذر ہوا جو آگ بجھانے آئے تھے

اس کے شعر پڑھنے پر کسی نے تالی نہیں بجائی۔ وہ سب رنجیدہ ہو گئے بات ہی ایسی تھی۔

"یاد رکھیے برائی اچھے لوگوں کی کمی سے نہیں' اچھے لوگوں کے خاموش رہنے سے بڑھتی ہے۔ ہمیں خاموش تماشائی نہیں بننا۔ ہمیں اپنے حصے کا فرض نبھانا ہے۔ کل کو آئندہ آنے والی نسلیں یہ نہ کہیں کہ ہمارے ہاتھ بھی مظلوموں کے خون سے رنگے تھے۔ ہمیں محافظ بننا ہے اپنی ملک وقوم کا' اللہ سے کیے عہد کا اور ان شاء اللہ وقت بھی ثابت کرے گا۔

جبر کی رات چراغوں کی حفاظت میں کٹی

تیرگی! ہم نے ترے ہاتھ پہ بیعت نہیں کی ... وہ تھا ہوے۔

اب کی بار اس کی بات پر تمام ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ اسٹوڈنٹ فیڈریشن کے تحت آج ایک مشترکہ کانفرس تھی جسے اٹینڈ کرنے کے لیے محسن، حجاب، مشعل، احرام سب آئے ہوئے تھے اور فیڈریشن سے تعلق رکھنے والے کافی اسٹوڈنٹس بھی موجود تھے۔ احرام کی باتیں لوگوں پر جادو کی طرح اثر کر رہی تھیں وہ سب بہت دھیان سے اسے سن رہے تھے۔ احرام کے بعد سر انس نے مائیک تھاما۔ نجانے کس سمت سے گولی آئی اور سر انس کے شانے کو ہلکا سا چھوتے ہوئے گزر گئی۔ احرام جو پاس ہی کھڑا تھا فوراً سر انس کے آگے ہو گیا اور یکے بعد دیگرے دو گولیاں احرام کو لگیں۔ سب کے دل دہل اٹھے۔ حملہ آور کون ہو سکتا تھا، سب سمجھ گئے تھے۔ ملکی مفاد کی بات کرنے والے کچھ لوگوں کی آنکھوں میں کھٹکتے تھے۔ حملہ آور کو پکڑ لیا گیا تھا۔ احرام کو فوراً اسپتال منتقل کر دیا گیا۔ طلباء تو اس حملہ آور کو مار دینے کے درپے تھے لیکن سر انس کی مداخلت نے اسے بچا لیا۔ تھوڑی دیر بعد پولیس آ گئی تو اسے پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ احرام کے زخمی ہونے پر سب طلباء کی جان پر بن آئی تھی۔ ہسپتال کے باہر پورا شہر اکٹھا ہو گیا تھا۔ طلباء اس کے لیے رو رو کر دعائیں کر رہے تھے۔ وہ جو کہہ رہا تھا کہ اگر میں کہوں کہ آج میں نے مر جانا ہے تو تم میں سے کسی کے پاس فرصت نہیں ہوگی، وہ دیکھتا، اس کی محبت میں سارا زمانہ گھروں سے نکل آیا تھا۔

"احرام یہ میرے حصے کی گولیاں تھیں جو تمہیں گھائل کر گئیں، تم کیوں میرے سامنے آئے۔ جان عزیز نہیں تھی کیا؟" احرام ہسپتال کے بستر پر لیٹا تھا، سر انس اس سے مخاطب ہوئے۔

"جان تو ہے ہی ملک و قوم پر وارنے کے لیے سر...... میری تو خیر ہے خدانخواستہ آپ کو کچھ ہو جاتا تو کتنا نقصان ہوتا۔" احرام چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ لاتے ہوئے بولا۔

"کیوں تم کسی کے بھائی، کسی کے بیٹے نہیں ہو کیا؟"

"میں تو ایک فرد ہوں، آپ کے ہاتھ میں قوم کا مستقبل ہے۔ کتنے معمار دے رہے ہیں اس ملک کو۔ میں نہ رہتا تو میری جگہ اور کوئی لے لیتا مگر آپ کی جگہ تو کوئی نہیں لے سکتا نا۔" اس نے ذرا توقف کیا۔ "پہلا فائر آپ کو لگا، میں پاس کھڑا تھا اور دوسرا فائر آپ کو لگ جاتا یہ کیسے ممکن تھا سر۔" اس کی بات پر سر انس کچھ نہ کہہ سکے بس فرطِ محبت سے اسے دیکھتے رہے۔

❀......❀......❀

"یار...... مشعل کا خیال رکھنا، میرا دل کہتا ہے اب میں زندہ نہیں لوٹ سکوں گا۔ تم میرے اور اس کے تعلق کو جانتے ہو اور یہ سب جانتے ہوئے ایک تم ہو جو اس کا خیال رکھ سکتے ہو۔" کیپٹن عبدالواحد جو کہہ رہا تھا محسن اسے اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔

"ایسی باتیں مت کریں بھائی، آپ کو زندہ رہنا ہے۔ اپنے ملک کے لیے ابھی آپ کو بہت لڑنا ہے۔"

"یہ زمین ہمیشہ شہیدوں کے لہو سے سیراب ہوئی ہے۔ اس کی حفاظت کے لیے اب مجھے اپنا لہو پیش کرنا ہے۔ اب میری باری ہے۔" کیپٹن عبدالواحد نے رسانیت سے اسے سمجھایا۔ "بس تم اپنا مشن ہمیشہ مدِنظر رکھنا اور مشعل کا خیال بھی رکھنا۔"

"اللہ آپ کو کامیاب کرے بھائی۔" محسن نے دعا دی۔ کیپٹن عبدالواحد اب مکمل طور پر صحت یاب ہو چکا تھا اور سروس میں واپس جا رہا تھا بلکہ خاص طور پر بلایا گیا تھا۔ لیفٹیننٹ علی شیر وہ کیسے پیچھے رہ سکتا تھا، اس نے درخواست کر کے اپنے افسران کی ناک میں دم کر رکھا تھا وہ بھی یہ سب خلاف ڈسپلن اس لیے برداشت کر لیتے تھے کہ لیفٹیننٹ علی شیر مشکل سے مشکل ٹاسک کے لیے خود کو پیش کر دیتا تھا اور دشمن کی جدید ٹیکنالوجی کو فیل کرنے کے لیے ایسے ایسے حل نکالتا کہ وہ دنگ رہ جاتے۔ چنانچہ علی شیر کو بھی اس کے ساتھ ہی واپس بلا لیا گیا تھا۔

"او کے ماما جان...... اجازت دیجیے اور اپنے مجاہد بیٹے

کے لیے اچھی سی دعا کیجیے آپ جانتی ہیں نا ایک مجاہد کے لیے سب سے اچھی دعا کون سی ہوتی ہے؟" وہ ماں کے سامنے سر جھکا کر بولا۔

"فکر نہ کرو بیٹا' جب مجاہدوں کی مائیں رب کے حضور پیش ہوں گی تو ان میں تمہاری ماں بھی ہوگی۔" ماں کے جواب نے عبدالواحد کو خوش کردیا تھا۔ وہ آج کے زمانے کی ماں ہی تھیں مگر قرون اولیٰ کی بہادر ماؤں کی تمنائیں اور آرزوئیں ان کے لیے عجیب نہیں تھیں۔ وہ ان ماؤں میں سے نہیں تھیں جو اپنے بچوں کو بلی کا خوف دلا کر سلاتی ہیں بلکہ وہ ان میں سے تھیں جو اپنے بچوں کو شیروں کے مقابلے میں کھڑا کرنے کے خواب دیکھتی ہیں۔ آج کے زمانے کے لوگوں کو یہ باتیں عجیب لگتی ہوں گی مگر ایسی مائیں موجود ہیں جو بخوشی اپنے بیٹوں کو اللہ کی راہ میں وقف کردیتی ہیں۔ ایسا ہے تو جہاد جاری ہے۔ نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے کہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا اور یہ حق ہے...... جہاد جاری ہے کہیں یہ مظلوموں کی داد رسی کی صورت میں۔

علی شیر شام کو ہی اپنے تایا فرحان علی کے گھر آ گیا تھا۔ کیونکہ علی الصبح عبدالواحد اور اسے روانہ ہونا تھا۔ سب لوگوں سے مل کر عبدالواحد لاؤنج سے نکلا تو مشعل اسے گیٹ تک سی آف کرنے آئی۔

"آپ ایک دن اور رک جاتے عبدالواحد......" مشعل کا چہرہ ضبط سے سرخ ہو رہا تھا۔

"ہمارے لوگ بے موت مر رہے ہیں۔ فرض بلا رہا ہے' مشعل جانا تو ہے۔" عبدالواحد کے کہنے پر مشعل خاموش رہی۔

"میں مر جاؤں تو میری موت پر آنسو نہ بہانا۔ یہ خیال نہ کرنا کہ میں تم سے دور چلا گیا ہوں۔ ہم کسی دن ایسے مقام پر اکٹھے ہوں گے جہاں دائمی خوشیاں ہوں گی۔ میں جس مقصد کے لیے جا رہا ہوں وہ چاند ستاروں سے کہیں بلند ہے۔ میرے بعد تمہیں باقی رہ جانے والوں کو اس مقام کا راستہ دکھانا ہے۔ کروگی نا ایسا......؟" وہ اس سے کیا پوچھ رہا تھا اس کے حوصلے کو آزمانا چاہتا تھا شاید۔ مشعل نے آنکھیں بند کر کے اثبات میں سر ہلایا اور اس کا ہاتھ تھام لیا' جانے کیا ہوا تھا کہ اس کی باتوں سے مشعل کا دل ٹھہر سا گیا تھا۔ بے قراری میں کمی آ رہی تھی۔ عبدالواحد نے اپنے ہاتھ پر نگاہ کی۔ وہ اس کی کلائی سے گھڑی کھول رہی تھی۔ وہ خاموش رہا۔ مشعل نے گھڑی اپنی مٹھی میں دبالی۔

عبدالواحد نے جانے کو قدم بڑھائے۔

"مجھے مزید آپ کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں' فرض یاد رکھیے' میری فکر نہ کیجیے گا۔ اب نہیں روؤں گی۔" مشعل کی بات پر اس کے قدم رکے۔

"تم ایک فوجی' ایک مجاہد کی محبت ہو۔ حوصلہ رکھنا۔" وہ مسکرایا اور وہ بھی مسکرادی پھر وہ تیز قدم اٹھاتا گھر سے باہر نکل گیا۔ جہاں گاڑی میں احرام محسن اور علی شیر اس کے منتظر تھے۔ محسن اور احرام انہیں ایئرپورٹ تک چھوڑنے جا رہے تھے۔

❁......❁......❁

"تیار ہو جوان۔" میجر مراتب بولے۔

"یس سر۔" وہ یک زبان بولے۔

"اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ یاد رکھنا وہ پل اڑانا تم لوگوں کے زندہ رہ جانے سے زیادہ ضروری ہے۔ ہمارے بہن بھائی دن رات مر رہے ہیں۔ ایسے میں تمہاری زندگیاں تمہارے ملک کے کس کام کی۔ شہادت نصیب والوں کو ملتی ہے مگر ایک بات یاد رکھنا' دشمن کو مارنے سے پہلے ہرگز نہ مرنا۔"

"ان شاءاللہ سر۔" وہ پھر بولے۔

کیپٹن عبدالواحد کو آزاد کشمیر بھیجا جا رہا تھا جہاں پر سیاچن کے جس حصے پر انڈین آرمی کا قبضہ تھا' ان کو پہنچائی جانے والی رسد کے راستے میں ایک دریا آتا تھا' اس کے پل کو اڑانے کی مہم اب ان لوگوں کے سپرد کردی گئی تھی۔ اس ٹیم میں چار افراد تھے۔ کیپٹن عبدالواحد' لیفٹیننٹ علی شیر' لیفٹیننٹ احمر' لیفٹیننٹ عادل' پاک آرمی نے اپنے چنے ہوئے چار جوان اس مہم کے لیے دیے تھے۔ ان کی کمانڈ

کیپٹن عبدالواحد کے ہاتھ میں تھی۔ اللہ کے بھروسے پر وہ چل رہے تھے۔ اس علاقے میں بغیر دشمن کی نظروں میں آئے پہنچنا ہی جان جوکھوں کا کام تھا مگر وہ پہنچ چکے تھے کیونکہ ان کا اللہ تعالیٰ پر یقین مستحکم تھا۔ وہ دریاؤں اور سمندروں میں کودنے تپتے ہوئے صحراؤں کو عبور کرنے اور فلک بوس پہاڑوں کو روندنے کی قوت رکھتے تھے......

کیونکہ ان کے دلوں میں وہی جذبہ تھا جس نے تین سو تیرہ کو ایک ہزار کے مقابلے میں لاکھڑا کیا تھا۔ وہ زمین پر الٹے لیٹ کر رینگتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ دریا سے کچھ فاصلے پر چاروں رک گئے۔

"اب یہاں سے ہمارے راستے جدا ہو رہے ہیں۔ زندہ رہے تو یونٹ میں واپس جاکر ملیں گے ورنہ جنت میں تو اکٹھے ہونا ہی ہے۔ علی شیر اور عادل تم دونوں داہنے طرف سے جاؤ گے اور پل کے نیچے ڈائنا مائیٹ لگاؤ گے۔ احمد تم ستونوں کے اندرونی طرف بم لگاؤ گے اور پل کے درمیان میں میں ڈائنا مائیٹ لگاؤں گا۔ پل لازمی اڑنا چاہیے۔ لوگوں کو جو امیدیں دلا کے آئے ہیں ان کو پورا کرنا ہمارے زندہ رہنے یا گرفتار ہونے سے زیادہ ضروری ہے۔"

دشمن وقفے وقفے سے پل پر روشنی راؤنڈ فائر کررہا تھا اور دو دو سنتری دونوں کناروں پر ادھر سے ادھر چکر لگا رہے تھے۔ چاروں نے دریا میں چھلانگ لگادی۔ انہوں نے فل بلیک لباس پہنا ہوا تھا اور چہروں پر بھی کالک مل رکھی تھی کہ روشنی میں دشمن کو شک نہ ہو۔ پانی کے اندر ہی اندر وہ آگے بڑھتے جارہے تھے۔ کبھی کبھار سر باہر نکال کر سانس لے لیتے پل کے بالکل قریب پہنچ کر وہ اپنی اپنی مقرر کردہ سمت کی طرف بڑھے کچھ دیر کے بعد وہ پل کے نیچے بم اور ڈائنا مائیٹ لگا چکے تھے۔ ان کا کام تقریباً مکمل ہونے کو تھا کہ لیفٹیننٹ احمر پر ایک سنتری کی نظر پڑ گئی۔ وہ موت کو سامنے دیکھ کر چلایا۔

ساتھ ہی دریا کے اندر بھی انہوں نے روشنی راؤنڈ فائر کرنا شروع کردیے جن میں ہر چیز روشن ہوجاتی تھی۔ ساتھ ہی مشین گن کا فائر کھل گیا۔ ایک گولی لیفٹیننٹ احمر کے بازو میں پیوست ہوئی۔ کیپٹن عبدالواحد نے اپنے ساتھیوں کو کور دینا شروع کیا۔ دشمن کی فورسز نے پلک جھپکتے میں دریا کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ تینوں لیفٹیننٹ دریا میں کودے اور کیپٹن عبدالواحد ان کے حصار میں آ گیا۔ اس نے جان بوجھ کر دشمن کو اپنی جانب متوجہ کیا تاکہ پل پر سے ان کی توجہ ہٹ جائے اور ان کا سیٹ کیا گیا ٹائم پورا ہوجائے۔ وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہورہا تھا۔ ستونوں کے اندر لگائے بم اور ڈائنا مائیٹ ان کی نظروں سے اوجھل رہے۔ کیپٹن عبدالواحد کو گرفتار کرنے والا بھارتی افسر خوشی سے پھولے نہ سمارہا تھا کہ اس نے نا صرف دشمن کو پکڑ لیا بلکہ پل بھی تباہ ہونے سے بچ گیا۔

"تمہارے ساتھ اور کتنے لوگ ہیں۔ سچ بتادو گے تو جان بخشی ہوجائے گی۔" بھارتی افسر مونچھوں کو بل دیتے ہوئے بولا۔

"کیا گارنٹی ہے کہ مجھے نہیں مارو گے۔" کیپٹن عبدالواحد کی بات پر بھارتی آفیسر کی آنکھیں چمکیں۔

"یہ سالا تو واقعی آ گیا دام میں۔" اس نے دل ہی دل میں کہا اور اس سے بولا۔

"آؤ تمہیں چائے شائے بھی پلاؤں آرام سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" چلتے چلتے کیپٹن عبدالواحد نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ ٹائم پورا ہونے میں صرف ایک منٹ رہ گیا تھا۔ اس کے قدم رک گئے۔

"یا اللہ وہ تینوں خیریت سے واپس پہنچ جائیں۔" اس نے دل میں دعا مانگی۔

آسمان خوشی سے سینہ پھیلائے ہوئے تھا۔

فرشتے دنگ تھے۔

ہوائیں لہک لہک کر اس کا طواف کررہی تھیں۔

کائنات کی ہر چیز حیرت زدہ تھی۔

زمین فخر سے آسمان سے مخاطب تھی۔

"دیکھو میرے سینے پر ایسا ایمان رکھنے والے بستے ہیں کہ آخری وقت میں بھی اپنی نہیں بلکہ اپنے ساتھیوں اور مشن کی تکمیل کی فکر ہے۔" وقت پورا ہوچکا تھا وہ

فکر مند ہوا۔ ہم کیوں نہیں پہنچ پا رہے۔ وہ پل کے اوپر چل رہے تھے۔

"کہیں......" وہ اتنا ہی سوچ سکا تھا کہ پل ایک زوردار دھماکے سے اڑ گیا۔ جتنے بھارتی فوجی وہاں موجود تھے سب جہنم واصل ہوئے اور کیپٹن عبدالواحد کا جسم نوری ذات بن کر فضا میں تحلیل ہو گیا۔

"آؤ جھک کر سلام کریں انہیں
جن کے حصے میں یہ مقام آتا ہے
بہت ہی خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ
جن کا لہو وطن کے کام آتا ہے"

یونٹ میں واپس پہنچنے والے صرف لیفٹیننٹ علی شیر اور لیفٹیننٹ عادل تھے۔ لیفٹیننٹ احمر لاپتہ تھا۔ انہیں یقین تھا کہ اگر وہ زندہ ہوا تو ضرور واپس پہنچنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ کیپٹن عبدالواحد ارض وطن کو اپنے خون کا نذرانہ پیش کر چکا تھا۔

❀....❀....❀

"وہ شہید ہو چکا ہے۔ مجھے افسوس ہے میں زندہ واپس آیا ہوں۔" لیفٹیننٹ علی شیر کا چہرہ غیر معمولی حزن وملال کا اظہار کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک رہے تھے۔ وہ اپنے خاندان کے سامنے سر جھکائے کھڑا تھا۔ فرحان علی نے آگے بڑھ کر بازو پھیلائے' وہ ان کے بازوؤں میں سما گیا۔

"رونا نہیں علی شیر' میرے بیٹے کی روح کو تکلیف ہوگی۔" مشعل جو ایک طرف کھڑی تھی' یک دم تیورا کر گرنے کو تھی کہ ساتھ کھڑی حجاب نے بمشکل اسے سہارا دیا' پھر اسے جلدی سے بیڈ پر لٹا دیا گیا۔ کچھ دیر بعد اسے ہوش تو آ گیا مگر وہ بالکل گم صم ہو گئی تھی۔ بس خالی خالی نظروں سے سب کو دیکھے جاتی۔ علی شیر اس کے پاس بیڈ پر بیٹھ گیا اور پیار سے اس کا سر سہلایا۔

"تمہارا بھائی غازی بن کر لوٹا ہے' بات نہیں کرو گی اپنے بھائی سے۔"

"عبدالواحد آپ کے ساتھ گیا تھا بھیا اسے کیوں نہیں لائے؟" مشعل کے سوال نے اسے لاجواب کر دیا۔ اس کے آنسو ایک بار پھر چھلک پڑے۔

"وہ شہید ہو چکا ہے بیٹا' اللہ تعالیٰ کو بہت پیارا تھا نا' اس لیے اللہ نے اسے اپنے پاس بلا لیا۔" عبدالواحد کی والدہ کا چہرہ ضبط سے سرخ ہو رہا تھا۔

"یاری کدھر ہے؟" علی شیر نے سب پر ایک نگاہ کی۔

"وہ سکھر گیا ہوا ہے بتایا نہیں اس نے کہتا تھا کام ہے۔" فرحان علی بولے۔ ان کے سکھر کہنے سے وہ سمجھ گیا کہ وہ آئی ایس آئی کے آفس گیا ہوگا۔ اس نے جیب سے دو تہہ شدہ کاغذ نکالے ایک مشعل کو پکڑا دیا۔

"گڑیا...... یہ عبدالواحد کا مہم پر جانے سے پہلے یونٹ میں چھوڑا جانے والا آخری پیغام تمہارے لیے ہے۔" مشعل نے وہ صفحہ کسی متاع حیات کی طرح تھاما اور دوسرا صفحہ اس نے بڑی ماما یعنی عبدالواحد کی والدہ کو تھما دیا۔ "بڑی ماما یہ یاری کے لیے ہے' وہ آئے تو اسے دے دیجیے گا۔" پھر وہ اٹھ کر ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"مجھے معاف کر دیجیے گا بڑی ماما' میں عبدالواحد کو ساتھ نہیں لا سکا۔"

"ایسے مت کہو بیٹا' میں شہید کی ماں ہوں' مجھے فخر ہے اپنے بیٹے کی شہادت پر۔" انہوں نے اسے گلے لگا لیا۔

سب ایک ایک کر کے کمرے سے نکل گئے تو مشعل نے کاغذ کھولا۔ خوبصورت ہینڈ رائٹنگ میں غزل لکھی ہوئی تھی۔

"کب یاد میں تیرا ساتھ نہیں کب ہاتھ میں تیرا ہاتھ نہیں
صد شکر کہ اپنی راتوں میں اب ہجر کی کوئی رات نہیں
جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی تو کوئی بات نہیں
گر بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنا ہارے بھی تو بازی مات نہیں"

"مشعل رونا نہیں' میں مرا نہیں ہوں۔ ابدی حیات ملی ہے مجھے۔ روز ازل ہم ضرور ملیں گے۔ تمہارا عبدالواحد۔"

دو دن اور گزرے محسن لوٹ آیا' گھر میں ایک سرپرائز

اس کا منتظر تھا۔ "عبدالواحد کی شہادت" وہ گھر کے گارہ گیا۔ اپنے بھائی کی نڈر طبیعت سے وہ واقف تھا مگر اب وہ اسے کبھی دیکھ نہیں سکے گا۔ اس خیال سے اس کا دل ڈوب رہا تھا۔ دفعتاً اسے مشعل کا خیال آیا۔

"مشعل کہاں ہے؟" ماں اور چچی سے مخاطب ہوا۔

"اپنے کمرے میں ہے۔ بالکل چپ ہو کر رہ گئی ہے۔ تم دیکھو اسے شاید تم سے کوئی بات کرے۔" بڑی ماما نے جواب دیا اور ساتھ ہی ایک کاغذ اسے پکڑا دیا۔

"یاری...... یہ عبدالواحد کا آخری پیغام ہے تمہارے لیے۔" محسن نے کاغذ تھاما اور کھولا اس پر لکھا تھا۔

وضو ہم اپنے لہو سے کر کے خدا کے ہاں سرخرو ٹھہرے
ہم اپنا فرض نبھا چلے تم اپنا فرض نبھا دینا!!

"یاری...... مت سمجھنا کہ میں چلا گیا ہوں۔ محسوس کرنا تمہارے دل میں تمہارے آس پاس موجود ہوں میری جگہ تمہیں لینی ہے۔ دشمن کو یہ سمجھا دینا ہے کہ مسلمان آج بھی اسلام کے تحفظ کے لیے اپنا خون ارزاں سمجھتا ہے جب تک ایک بھی مسلمان زندہ ہے ہمارے دشمن کو ہم سے ڈر کر رہنا چاہیے۔ سب گھر والوں کا اور مشعل کا خیال رکھنا۔ تمہارا بھائی۔ عبدالواحد!" پیغام پڑھ کر اس نے اپنے آنسو صاف کیے اور مشعل کے کمرے کی طرف بڑھا۔

"یاری...... تم آ گئے۔" مشعل دیوانہ وار اس کی جانب بڑھی۔

"کیا حال بنا لیا ہے تم نے اپنا مشعل۔" وہ اس کے کندھے سے لگی سسک رہی تھی اور وہ اس کا سر سہلا رہا تھا۔

"رو نہیں مشعل، وہ شہید ہوا ہے اور شہید زندہ رہتا ہے، محسوس کرو وہ زندہ ہے ہمارے دلوں میں، ہماری یادوں میں، تم خوش نصیب ہو کہ شہید کی محبت ہو۔ تمہاری طرح کتنی مشعل تھیں جن کے بھائی جن کے سہاگ بچا لیے اس نے۔ دل وسیع کرو مشعل، وہ صرف میرا یا تمہارا نہیں تھا وہ پورے ملک کا تھا۔" دھیرے دھیرے وہ اسے تسلی دے رہا تھا۔

محسن نے اپنی خفیہ ایجنسی میں درخواست دے دی کہ وہ اپنے بھائی کی جگہ لینا چاہتا ہے۔ اسے جانے دیا جائے وہاں رہ کر بھی وہ ان کے لیے کام کرتا رہے گا۔ اس کی گزشتہ خدمات کو دیکھتے ہوئے اجازت دے دی گئی۔ مشعل نے گھر میں اس کے آئی ایس آئی سے تعلق کے بارے میں بتا دیا تھا۔ کوئی اس سے شرمندگی سے نظریں چرا رہا تھا تو کوئی فخر سے دیکھ رہا تھا۔ کیسے وہ اسے غلط سمجھ کر ڈانٹتے تھے۔

"جاب کا تقاضا تھا بابا جان کہ کسی کو جاب کے حوالے سے نہیں بتایا جائے۔" وہ آہستگی سے فرحان علی سے مخاطب ہوا۔ انہوں نے اسے اپنے بازو کے گھیرے میں لے لیا۔

"مشعل تم جاؤ ذرا ہم سب کے لیے چائے بنا کر لاؤ۔" محسن مشعل سے مخاطب ہوا تو سب نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ مشعل اٹھ گئی تو اس نے اپنا مدعا گھر والوں کے سامنے رکھ دیا۔

"لیکن بیٹا اتنی جلدی کیسے ممکن ہے، مشعل شاید نہ مانے۔" مشعل کی والدہ نے نقطہ اٹھایا۔

"مجھے جانا ہے، زیادہ وقت نہیں ہے جانے سے پہلے میں یہ فرض ادا کر کے جانا چاہتا ہوں۔" محسن نے رسانیت سے جواب دیا۔

"ویسے یاری تم چھپے رستم نکلے...... ہمیں پتہ ہی نہیں چلا ہمارے درمیان ہماری قوم کا ایک ہیرو بستا ہے۔" ظفر احمد بولے۔

"چاچو ہمارے ملک کے جو حالات ہیں یہ صاحب نظر پاکستانی اتنا ہی ذمہ دار اور اتنا ہی محب وطن ہے۔ تبھی تو یہ ملک قائم ہے۔" اس نے کہا۔ "جہاں تک بات ہے مشعل کی مرضی کی میں خود اس سے ابھی بات کرتا ہوں۔" وہ کسی کے روکنے یا کچھ کہنے سے قبل اٹھ کر مشعل کے پیچھے چلا آیا۔ بغیر لگی لپٹی رکھے اپنا مقصد بیان کیا مشعل بولی۔

"اس کی محبت زندہ ہے میرے دل میں یاری...... جو کسی محافظ کی طرح محبوب کو اپنے حصار میں لیے رکھتی

ہے۔اس سے زیادہ میں کیا کہوں۔"

"تم قابل فخر ہو کہ ایک شہید کی محبت ہو مگر کیا ایک غازی کی شریک حیات بننا تمہارے لیے قابل قبول نہیں؟" اس نے سوال کیا تو وہ خاموش رہی وہ مزید بولا۔

"بھائی کی جو جگہ تمہارے دل میں ہے وہ ہمیشہ رہے گی نہ مجھے کبھی اس کی خواہش ہوگی نہ اس پر اعتراض' ہمیں ایک نہ ایک دن تمہاری شادی کرنی ہی ہے پھر کیا یہ بہتر نہیں کہ بھائی کی خواہش پوری کی جائے۔ انہیں یقین تھا کہ میں تمہارا خیال رکھ سکتا ہوں' تمہیں خوش رکھ سکتا ہوں تبھی تو انہوں نے مجھ سے یہ بات کی تھی۔" اس کی بات پر دزدیدہ نگاہوں سے مشعل نے اس کی جانب دیکھا۔ وہ پھر بولا۔ "اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ بھائی کی سوچ بالکل سچ ثابت ہوگی اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ تم......" اتنا کہہ کر وہ رکا پھر گویا ہوا۔ "میرے ساتھ رہوگی تو ایک دن ضرور تم میری محبت میں مبتلا ہو جاؤ گی۔" مشعل نے پورا پلٹ کر اس کی جانب دیکھا' محسن کی آنکھوں میں جیسے چاند ستارے بھرے ہوئے تھے۔ اس نے فوراً رخ موڑ لیا۔

"مجھے کچھ وقت چاہیے۔" وہ بولی۔

"ٹھیک ہے تمہارے پاس سوچنے کے لیے آج کی رات ہے۔" وہ دو قدم آگے بڑھا اور ٹرے میں کپ سیٹ کرنے لگا۔

"صرف آج کی رات۔" وہ حیرت سے بولی۔

"ہاں' ایک ہفتے بعد مجھے ہیڈ کوارٹر رپورٹ کرنی ہے۔ اس لیے میں جانے سے پہلے تمہیں اپنے نام کرنا چاہتا ہوں۔" محسن نے اس کی جانب نگاہ کی اور سٹپٹا گیا۔

"تم رو رہی ہو مشعل...... پلیز ایسے نہیں۔"

"یار...... عبدالواحد......" وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر روتے ہوئے بس اتنا ہی کہہ سکی۔

"میں جانتا ہوں مشعل بھائی نے اور تم نے ایک دوسرے کو بہت چاہا ہے۔ اکٹھے زندگی گزارنے کے خواب دیکھے ہیں مگر قدرت کو یہی منظور تھا۔ تمہارا عبدالواحد اس وطن کی حرمت پر قربان ہو گیا ہے۔ اس کی قربانی رائیگاں نہیں گئی۔" کہہ کر وہ چند لمحے رکا پھر کچن سے باہر نکل آیا۔

❀......❀......❀

میران شاہ کی تحصیل شوال کے مضافات میں کچھ علاقے پر دہشت گرد قبضہ جما چکے تھے۔ وہ پاک آرمی پر گاہے بگاہے کبھی راکٹ لانچروں سے اور کبھی دستی بموں سے حملے کرتے آرہے تھے۔ پاک آرمی کے لیے ان سے نمٹنا دشوار ہوتا جا رہا تھا اور دہشت گردوں سے اپنا علاقہ چھڑانا بھی ضروری تھا۔ میران شاہ کے ساتھ میر علی میں کوئی قابل ذکر سرگرمی نہ تھی مگر وہاں بھی پاک فوج کے مورچے موجود تھے دائیں بائیں کا خاصہ علاقہ خالی تھا۔ شام کے وقت سیکنڈ لیفٹیننٹ محمد محسن کے بٹالین کمانڈر نے تمام افسروں کی کانفرنس بلائی۔

"آپ لوگ دیکھ رہے ہیں۔ دہشت گرد خاموش ہوگئے ہیں۔ اس لیے یہ مت سمجھیں کہ دشمن ڈھیلا پڑ گیا ہے۔ اس خاموشی کا مطلب یہ ہے کہ اب وہ دہشت گردی کی کوئی بڑی پلاننگ کر رہے ہیں۔" کمانڈنگ آفیسر اچانک خاموش ہوگیا۔ اس کی نگاہیں تمام افسروں پر مرکوز ہوگئیں۔ سب خاموش تھے۔

"میرے ساتھیو!" کمانڈنگ آفیسر نے غیر فوجی انداز میں کہا۔ "ہم سیاستدان نہیں' ہم اس ملک کے محافظ ہیں' ہم تلوار بھی ہیں اور ڈھال بھی۔ ہمیں حکم ماننا پڑتا ہے۔ سوال کرنے کی اتھارٹی ہمارے پاس نہیں' لیکن افسوس ہوتا ہے یہ دیکھ کر کہ اپنے علاقے میں موجود دشمن کے عزائم دیکھ کر بھی ہمارے حکمرانوں کی آنکھیں نہیں کھلیں۔ دشمن کے پاس جدید ٹیکنالوجی ہے' ہمارے پاس اس کا نصف بھی ہو تو بھی ان سے مار نہ کھائیں۔ یہ آج تک وہی گھسے پٹے طیاروں اور ریڈار سسٹم پر بھروسہ کیے بیٹھے ہیں۔ دشمن ڈرون اٹیک کرتا ہے۔ ہمیں اپنا دفاع کا حکم نہیں' اگر حکم دیں تو انہی ہتھیاروں کے ساتھ گرا دیں گے ڈرون۔ اگر یہ ہمیں اجازت دیں تو کم از کم نصف صدی تک ہم انہیں پاکستان کی طرف دیکھنے کے قابل بھی نہ رہنے دیں۔"

کمانڈنگ آفیسر پھر خاموش ہوگیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی جس میں شگفتگی کم اور تھکن زیادہ تھی۔
"بہر حال......" اس نے آہ بھری۔ "ہمیں اپنا فرض ادا کرنا ہے۔"
"سر!" سیکنڈ لیفٹیننٹ محمد محسن نے پکارا۔ "گستاخی معاف میرے پاس ایک مشورہ ہے۔ سب سے جونیئر ہوں اگر غلط کہوں تو معاف کر دیجیے گا۔"
"کہو......کہو محسن۔" کمانڈنگ آفیسر نے کہا۔
"سر......میں دشمن کی پوزیشنز کے عقب میں کمانڈو ایکشن کا مشورہ دیتا ہوں۔"
تمام افسروں میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ دشمن کے عقب میں جا کر کمانڈو آپریشن انتہائی دلیرانہ اور خطرناک کارروائی ہوتی ہے اور تجویز بھی سیکنڈ لیفٹیننٹ محمد محسن کی طرف سے آئی تھی جو آفیسر کم اور اسٹوڈنٹ زیادہ لگتا تھا۔
"ہاں محسن۔" کمانڈنگ آفیسر نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہوسکتا ہے ہمیں کمانڈو ایکشن کی ضرورت بھی پڑ جائے۔"
"سر ہمیں ضرورت ہے۔" محسن نے زور دے کر کہا۔ "اس کمانڈو پارٹی کے ساتھ میں خود جاؤں گا۔"
"تمہارا جذبہ قابل تعریف ہے محسن، تم صرف یہ بتاؤ کہ یہ کمانڈو ایکشن کیسے کرو گے؟" محسن نے اپنے کمانڈنگ آفیسر کو تفصیل سے بتایا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔
"کتنی نفری چاہیے تمہیں اس کے لیے؟"
"صرف آٹھ افراد۔" محسن نے جواب دیا۔
"تمہیں معلوم ہے کمانڈو ایکشن کتنی نازک اور کس قدر خطرناک کارروائی ہے۔" کمانڈنگ آفیسر بس اتنا کہہ سکا۔
"یہ وہاں جا کر ہی معلوم ہوگا کہ کتنی نازک اور کتنی خطرناک ہے۔" فوج میں ایسے لہجے میں بات نہیں کی جاتی، مگر شمالی وزیرستان میں صورت حال ایسی بن چکی تھی کہ اس کا دفاع ہر شخص اپنا ذاتی مسئلہ سمجھ رہا تھا۔ کمانڈنگ آفیسر نے محسن کو اجازت دے دی۔

٭......٭......٭

"اوئے یاری......" محسن کے ایک ساتھی سیکنڈ لیفٹیننٹ نے اسے کہا۔ "کمانڈو ایکشن پر جانے سے پہلے گھر سے ہو آؤ۔ ان سے کہنا قبر تیار رکھیں۔" آرمی میں بھی وہ اپنے نک نیم یاری سے مشہور تھا۔
"نہیں......نہیں قبر کیا کرنی، لاش تو اس کی ملنی نہیں۔ غائبانہ نماز جنازہ ہوگی۔" کیپٹن کوارٹر ماسٹر نے اسے کہا۔ "بلکہ کہہ آنا کہ رشتہ داروں کو جنازے کا ٹائم دے دیں۔"
"اوئے یہ دعا کیوں نہیں کرتے کہ میں زندہ واپس آؤں۔"
"میرا خیال ہے کہ تم زندہ ہی واپس آؤ گے۔ شہادت کا رتبہ تم جیسے لفنٹروں کو نہیں ملا کرتا۔" اس کا ساتھی بولا۔ محسن ہنس رہا تھا اسے یہ ہنسی مذاق اچھا لگ رہا تھا۔
"واپسی پہ بات کرتا ہوں، ابھی مجھے کمانڈو پارٹی تیار کرنی ہے۔" اور وہ چل دیا۔
"یاری......جا اللہ پاک تجھے کامیاب کرے، قوم کے مقروض ہیں ہم۔ اس عرض پاک کے، اس کے شہیدوں کے مقروض ہیں۔ یہ قرض ہم ادا نہیں کریں گے تو کون کرے گا۔ تم نہ رہے تو میں تمہارے پیچھے آؤں گا۔ ہمیں اپنی پاک دھرتی پر دشمنوں کا ناپاک وجود قطعاً گوارا نہیں۔" محسن پر جذباتی سی رقت طاری ہوگئی۔ اس کی آنکھیں لال انگارہ بن گئیں وہ بولا۔
"ضرور......یہ پاکستان ان حرام خوروں کا نہیں، یہ میرا اور آپ کا پاکستان ہے، ان سے چھین لینا ہے جیسے پہلے چھینا تھا۔ اب فتح مکہ ہو کر رہے گا۔" اس نے سیلوٹ کیا اور اپنے مورچے کی طرف چل دیا۔
محسن نے نقشہ سامنے رکھا اور کمانڈر کی دی ہوئی معلومات کے مطابق راستے ذہن نشین کرنے لگا۔
"تم سب جانتے ہو ہمیں کیا کرنا ہے اور کہاں جانا ہے۔ جانا ہے صرف آنا نہیں۔ تم اللہ کے حکم سے جا رہے ہو اس کا صلہ تمہیں وہاں سے ملے گا۔ ہمیں آج وہ کام کرنا ہے جو دہشت گردوں کی کمر توڑ دے گا۔ ہمیں ثابت کرنا

ہے کہ ہم اللہ کے سپاہی ہیں۔“ محسن اپنے جوانوں کو ہدایات دے رہا تھا۔ آخر کار وہ کمانڈو کارروائی کے لیے چل پڑے۔

رات کے تقریباً ساڑھے دس کا وقت تھا۔ کمانڈنگ آفیسر نے انہیں دعائیں دے کر رخصت کیا۔ نہایت احتیاط سے وہ دہشت گردوں کے مقبوضہ علاقے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ چند قدم چل کر محسن کوئی ہنسانے والی بات کردیتا جس سے جوان ہیجانی کیفیت سے نکل آتے۔ جنگلی جھاڑیوں کے ساتھ تقریباً ایک میل وہ چلتے گئے۔ رپورٹ کے مطابق یہاں دشمن نے پوزیشن نہیں لی ہوئی تھی لیکن آگے خاصی سرگرمی تھی۔ محسن اپنی پارٹی کو سرکنڈوں کی طرف لے گیا جو یہاں سے کچھ فاصلے پر تھی۔ اب وہ بالکل خاموشی سے جارہے تھے۔ محسن نے پارٹی کا رخ تبدیل کردیا اور ایک لمبا چکر کاٹ کر پہاڑوں کی سمت چلے گئے۔ دہشت گرد سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ادھر سے ان پر حملہ ہوسکتا ہے۔ لہٰذا ادھر سے وہ کچھ بے فکر تھے۔ وہ سب کے سب بلندی پر پہنچ گئے تھے۔ اب انہیں اترائی اترنا تھی اور دشمن کے قریب پہنچ جانا تھا۔ نہایت احتیاط برتتے ہوئے وہ نیچے پہنچ چکے تھے اور اب کچھ پتھریلی زمین عبور کرکے ایک خستہ حال عمارت کے پچھواڑے میں کھڑے تھے جو کسی زمانے میں درس گاہ کا درجہ رکھتی تھی مگر اس ملک کے دشمنوں نے اب وہاں اپنے ٹھکانے بنا رکھے تھے۔

”کون ہے؟“ ایک کرخت آواز آئی اور سب جوان محسن کے اشارے پر فوراً گر کر زمین کے ساتھ چپک گئے۔ پکارنے والا اکیلا نہیں تھا اس کے ساتھ ایک اور دہشت گرد تھا۔ دونوں نے رائفلیں آگے کر رکھی تھیں۔ وہ شاید اس طرف گشت لگا رہے تھے اور کھٹکا سن کر ادھر آگئے تھے۔ اچانک پیچھے سے ان کی گردنیں بازوؤں کے شکنجے میں آگئیں۔

”ان میں سے ایک کو زندہ رکھنا ہے۔“ محسن نے سرگوشی کی ایک کو جہنم واصل کرکے ادھر ہی پھینک دیا اور دوسرے کو گھسیٹ کر درختوں کے جھنڈ میں لے آئے۔

”مجھے جان سے نہ مارنا۔“

”بالکل ٹھیک بتاؤ گے تو نہیں ماریں گے۔“ محسن نے کہا۔ ”ورنہ تمہارے ساتھی کے پاس بھیجنے میں دیر نہیں لگائیں گے۔“ اس سے ساری معلومات اگلوا کر اس کے پاؤں اور منہ باندھ کر ایک گڑھے میں چھوڑ دیا۔

❀......❀......❀

سیکنڈ لیفٹیننٹ محمد محسن کا بٹالین کمانڈر اپنے سیکنڈ ان کمانڈ کے ساتھ ایک بڑے سے کنٹینر کے اوپر چڑھ کر کھڑا دوربین سے دہشت گردوں کے مقبوضہ علاقے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”کہیں اس لڑکے کو بھیج کر غلطی تو نہیں کی۔ ابھی کم عمر اور ناتجربہ کار ہے۔“ بٹالین کمانڈر بولا۔

”اب تک اسے ٹارگٹ پر پہنچ جانا چاہیے تھا۔ ہے تو جذباتی سا لڑکا۔“ سیکنڈ ان کمانڈر نے بھی ریمارکس دیے۔

”مارا جائے گا یا پکڑا جائے گا۔ آپ کا کیا خیال ہے نائب صاحب۔“ نائب صوبیدار فیضان الحق سے کمانڈر نے پوچھا۔

”ایسا نہیں ہوگا سر۔ وہ ضرور کچھ نہ کچھ کرے گا۔“ فیضان نے جوش سے کہا۔

اس وقت محسن کی پارٹی عمارت کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ یہ ایک وسیع وعریض عمارت تھی۔ کمرے بس ایک طرف ہی بنے ہوئے تھے۔ چھوٹی چھوٹی چار دیواری' احاطے میں گڑھا کھود کر اسلحہ رکھا گیا تھا۔ جانے کس کس قسم کا اسلحہ تھا۔ اس پہرے دار سے جو معلومات ملی تھیں ان کے مطابق یہ سارا احاطہ اسلحے بارود سے بھرا ہوا تھا۔ وہاں پر روشنی نہیں تھی بس چاند کی دھندلی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ان کو صحن میں بڑے ڈھیر نظر آرہے تھے۔ جن کو سیاہ کپڑا ڈال کر کیموفلاج کیا گیا تھا۔

”یہاں سے گرنیڈ احاطے میں پہنچ جائے گا۔“ محسن نے اپنے ساتھی جوان سے آہستہ آواز میں پوچھا۔

”یس سر...... پوری طاقت سے پھینکیں گے تو پہنچ

جائیں گے۔ اسلحہ پھٹتا تو اس کی زد میں آنے کا خطرہ تھا مگر محسن نے پروا نہ کی۔ وہ سب دیوار پر چڑھے اپنے ہاتھوں میں گرنیڈ پکڑے پن نکالے محسن نے ذرا بلند آواز میں بسم اللہ شریف پڑھی اور پوری قوت سے گرنیڈ احاطے میں اچھال دیے اور ساتھ ہی دیوار کے دوسری طرف چھلانگ لگادی۔ دو تین سیکنڈ گزرے پہلے گرنیڈوں کے دھماکے ہوئے پھر اتنا زوردار دھماکہ ہوا کہ کانوں میں انگلیاں ٹھونس لینے کے باوجود اور اس کے ساتھ گڑھے میں لیٹے نوجوان کو کانوں کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہوئے۔

''وہ مارا۔'' کنٹینر پر کھڑے کمانڈر نے نعرہ بلند کیا۔

''مائی گاڈ کیا پھٹا وہاں۔''

''ایمونیشن ہوگا۔'' سیکنڈ ان کمانڈر نے کہا۔ ''اللہ کرے سب خیریت سے آجائیں۔''

''ہمارا یاری شیر ہے شیر۔'' فیضان نے جوشیلے لہجے میں کہا۔ دھماکوں پر دھماکے ہورہے تھے۔ جن کی وجہ سے سارا علاقہ لرز اٹھا تھا۔ میر علی میں تعینات فوج یہ نظارہ دیکھنے ایک جگہ اکٹھی ہوگئی۔

''نعرہ تکبیر'' فیضان الحق نے نعرہ بلند کیا۔

''اللہ اکبر۔'' بٹالین کمانڈر کی آواز سب سے اونچی تھی۔ دہشت گردوں کے مقبوضہ علاقے میں بھگدڑ مچ گئی تھی۔ انہیں اندازہ ہوگیا تھا کہ کمانڈو ایکشن ہوا ہے، جس میں ان کا جمع شدہ سارا اسلحہ، جو انہوں نے دہشت گردی کی کارروائیوں میں استعمال کرنا تھا اور جس کے زور پر وہ پاک فوج کو زچ کررہے تھے، سب تباہ ہوگیا تھا۔

محسن نے نوجوانوں کو ٹارگٹ بتایا اور خود راکٹ لانچر سنبھال کر درخت کی اوٹ میں ہوگیا۔ اندھیرے میں کھڑے آئل ٹینکر انہیں نظر آگئے تھے۔ انہوں نے نشانہ باندھا اور راکٹ فائر کردیے۔ اب محسن کی پارٹی کے لیے کڑا وقت آگیا تھا۔ ہر طرف آگ ہی آگ تھی۔ دہشت گرد روشنی راؤنڈ اور گولیاں ایک ساتھ فائر کررہے تھے۔ محسن کی پارٹی بکھر گئی تھی اور اب انہیں اپنے طور پر واپس آنا تھا مگر واپسی کی راہیں مسدود ہوتی جارہی تھیں۔

صبح ہونے میں کچھ دیر باقی تھی۔ دو نوجوان واپس پہنچے۔ ایک نوجوان کی ٹانگ میں گولی لگی تھی۔ انہوں نے مختصراً بتایا کہ ان کی کارروائی توقع سے زیادہ کامیاب رہی۔ محسن کا کچھ اتا پتا نہیں اور باقی نوجوان وطن کی آن پر قربان ہوچکے ہیں۔

دو گھنٹے اور گزر گئے۔ محسن کے متعلق سب مایوس ہوگئے مگر تھوڑی دیر اور گزری، محسن بھی لوٹ آیا مگر اس کا بایاں بازو اڑ چکا تھا اور خون زیادہ بہہ جانے کے باعث حالت مخدوش تھی۔ ہوش وخرد سے بیگانہ محسن کو اس کے کمانڈر نے سلیوٹ کیا۔ دشمن جو نقصان اور تباہی پھیلانے جارہے تھے، محسن نے ان کا منصوبہ خاک میں ملادیا تھا۔

❀......❀......❀

ابھی مشعل تھکی ہاری یونیورسٹی سے لوٹی تھی کہ فون کی تیز بیل نے متوجہ کرلیا۔

''مشعل بیٹا دیکھنا کس کا فون ہے۔'' مشعل کی ساس یعنی محسن کی والدہ نے کچن سے آواز لگائی۔ مشعل نے ریسیور کان سے لگایا۔

''السلام علیکم!'' دوسری جانب کوئی اجنبی مردانہ آواز تھی۔

''وعلیکم السلام۔'' مشعل نے بھی جواباً سلامتی بھیجی۔

''سیکنڈ لیفٹیننٹ محمد محسن کے والد صاحب سے بات ہوسکتی ہے۔''

''جی نہیں، وہ گھر پر موجود نہیں ہیں۔'' مشعل نے بتایا۔

''تو پھر ان کی والدہ یا مسز سے بات کروادیں پلیز۔''

ایئر پیس سے آنے والی آواز میں اسے کچھ غیر معمولی پن لگا اس کا دل دھڑک اٹھا۔

''جی میں بات کررہی ہوں...... مسز محسن......'' اس نے کہا۔

''مسز محسن، آپ کو آرمی ہیڈ کوارٹر کی جانب سے مطلع کیا جاتا ہے کہ سیکنڈ لیفٹیننٹ محمد محسن شمالی وزیرستان کے علاقے میر علی میں ایک کمانڈو کارروائی کے دوران زخمی

ہوگئے ہیں۔ فون کرنے والا شخص بول رہا تھا اور مشعل ساکت رہ گئی۔

"ہیلو...... مسز محسن آپ سن رہی ہیں۔" دوسری طرف سے پوچھا گیا تو مشعل نے سر کو دائیں بائیں جھٹک کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

"جی...... ان کی حالت زیادہ خراب تو نہیں۔ وہ ٹھیک تو ہیں نا۔"

"حالت تو کچھ بہتر ہے مگر......"

"مگر کیا؟" مشعل نے بے تابی سے پوچھا۔

"وہ ایک بازو سے معذور ہو چکے ہیں مگر آپ کے شوہر نے خود معذور ہو کر اس ملک کو معذور ہونے سے بچالیا ہے۔" دھما کہ کر کے وہ ساتھ ہی تسلی دے رہا تھا۔ مشعل ریسیور رکھ کر صوفے پر بیٹھتی چلی گئی۔

"کس کا فون تھا بیٹا۔" محسن کی والدہ نے کچن سے نکلتے ہوئے پوچھا اور اسے گم صم بیٹھے دیکھ کر تشویش سے اس کی جانب بڑھیں۔

"ہم خون کی قسطیں تو بہت دے چکے ہیں
اے خاکِ وطن! قرض تیرا ادا کیوں نہیں ہوتا
لرزتی آواز میں مشعل نے شعر پڑھا تو ان کا دل ڈوب کر ابھرا۔

❁......❁......❁

"6 ستمبر یوم دفاع کے موقع پر قومی سطح پر فوج کے شعبہ تعلقات عامہ (آئی ایس پی آر) نے قومی سطح پر اسلام آباد جنرل ہیڈ کوارٹرز میں ایک تقریب کا اہتمام کیا۔ جس میں شہیدوں کے لواحقین' غازی' غازیوں کے اہل خانہ کے علاوہ ان سویلینز کو بھی مدعو کیا گیا تھا جنہوں نے اپنے ملک کے لیے غیر معمولی کارنامے سرانجام دیئے تھے۔ کیپٹن عبدالواحد شہید کو ستارہ جرأت سے نوازا گیا جو ان کے والد فرحان علی نے ریسیو کیا۔ لیفٹیننٹ علی شیر اور سیکنڈ لیفٹیننٹ محمد محسن کو تمغہ بسالت دیا گیا۔ محمد محسن کو بڑے اعزاز کے ساتھ فوج نے رخصت کیا تھا۔ اس کا ایک بازو راہِ خدا میں کام آ گیا تھا۔ لہٰذا اسے اب دوبارہ فوج کی بجائے آئی ایس آئی کے لیے ہی خدمات سرانجام دینا تھیں۔ جہاں اور سویلین کو انعامات دیئے گئے وہیں احرام کو بھی بی ایس آرنرز میں پورے صوبے میں ٹاپ کرنے اور پاک بھارت اسٹوڈنٹ ڈیبیٹ کمپٹیشن میں' مخالفین کو اپنے دلائل سے لاجواب کر دینے پر "پرائڈ آف پرفارمنس" پاک فوج کے سپہ سالار کے ہاتھوں دیا گیا۔ جب وہ اسٹیج پر آیا تو ہر آنکھ میں اس کے لیے رشک تھا۔ وہ بولا۔

"میں اپنے ملک کا اور مقروض ہو گیا ہوں۔ میرے لیے یہ بات قابل فخر ہے کہ شہید اور غازی میرے بھائی ہیں۔ انہوں نے اس ملک کے محافظ ہونے کا حق ادا کر دیا ہے۔ ہماری ساری فوج قابلِ فخر ہے۔ ان کے مجاہدانہ دل پہاڑوں کی بلندی اور سمندروں کی گہرائی کو خاطر میں نہیں لاتے۔ یہ رباب کی تاروں کی جنبش کے ساتھ لرز جانے والے نازک مزاج انسان نہیں یہ اللہ کے شیر ہیں۔" اس کی بات پر تالیاں گونج اٹھیں۔ محسن جو محویت سے احرام کو دیکھ رہا تھا' مشعل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک اٹھا۔

"آپ نے سچ کہا تھا۔" مشعل دھیمی آواز میں بولی۔

"کیا......؟" محسن اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"کہ ایک دن میں آپ کی محبت میں مبتلا ہو جاؤں گی' میں نہیں جانتی تھی کہ اس سال کا یوم دفاع ہی وہ دن ہوگا۔" وہ ایک جذب سے بولی۔

"نہیں......" محسن نے اس کی بات کی نفی کی۔ "تمہیں اس دن ہی مجھ سے محبت ہو گئی تھی جس دن میرے زخمی ہونے کی خبر ملی تھی۔" وہ شرارت سے بولا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی اور طمانیت سے اس کے کندھے پر سر ٹکا دیا۔ پس منظر میں نغمہ چل رہا تھا۔

جراتوں کے ہیں امین یہ حوصلوں کا نام ہیں
ایک ہی لڑی کے پھول فوج اور عوام ہیں

اچھے گھرانے

کوثر ناز

> یہ الگ بات ہے کہ خاموش کھڑے رہتے ہیں
> پھر بھی جو لوگ بڑے ہیں بڑے رہتے ہیں
> ایسے درویشوں سے ملتا ہے ہمارا شجرہ
> جن کے قدموں میں کئی تاج پڑے رہتے ہیں

''میں ایسی محبت نہیں چاہتی جس سے میرے علاوہ بھی سب فیض یاب ہوتے رہیں۔'' راحیلہ عدنان سے مخاطب تھی۔ عدنان اس سے محبت کا دعویدار تھا دونوں ایک اسکول میں پڑھاتے تھے اور عدنان کے کسی نہ کسی ٹیچر سے تعلقات کے سب دعویدار تھے مگر راحیلہ پر وہ کچھ زیادہ ہی فدا تھا کہ وہ مشکل ٹاسک تھی اور مرد چیلنجز پسند کرتا ہے۔

''آپ کو شرم آنی چاہیے کہ آپ اتنے مہذب پیشے سے تعلق رکھتے ہوئے ایسے کردار کے حامل ہیں آپ کردار کے اتنے کچے کیسے ہو سکتے ہیں آپ یوں برملا کسی سے بھی محبت کا اعتراف کیسے کر سکتے ہیں کم از کم آپ کو جگہ تو بدلنی چاہیے ناں۔ ہم ہمیشہ سے آپ کے محبت کے قصے سنتے آئے ہیں ابھی پچھلے ہفتے ہی تو آپ نے روزینہ کو پرپوز کیا تھا ناں۔'' وہ اسے سخت سست سنا کر باہر نکل آئی، اسے بولنے کا موقع دیئے بغیر اور وہ ''راحیلہ راحیلہ'' ہی کرتا رہ گیا تھا۔

❁......❁......❁

''لڑکی تو ٹھیک لگی ان لوگوں کو مگر انکار کر دیا۔'' محلے کی نورین آپا راحیلہ کی اماں کے ساتھ بیٹھی چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے بے حد آرام سے کہہ رہی تھیں اور راحیلہ کی امی سے اچھی امید رکھنے کا کہا تھا تو اب وہ یہ سب سن کر نڈھال سی ڈھے گئی تھی یہ تو اب آئے روز کا معمول بن گیا تھا۔ راحیلہ سے چھوٹی رضیہ نے وجہ پوچھی تو آپا نورین نے بسکٹ کا بائٹ لیتے ہوئے ہاتھ ہلا کر وہی سب دہرایا جو ہر بار دہرایا کرتی تھیں۔

''لوگ اچھے گھروں کی لڑکیاں مانگتے ہیں۔''

''یہ اچھے گھروں کے لوگ کیا لڑکیاں بیچتے ہیں جو سب انہی کی خواہش کرتے ہیں اور یہ اچھے گھروں کی لڑکیوں کے کیا پَر لگے ہوتے ہیں یا یہ آسمان سے ٹپکی ہوتی ہیں؟'' آپا نورین رضیہ کی بات سن کر پھٹ ہی تو پڑی تھیں۔ راحیلہ نے ایم اے انگلش کیا ہوا تھا مگر مناسب رشتہ نہ مل پا رہا تھا ان کے گھر کے اکھڑے پلستر کو دیکھ کر لوگ رشتے سے انکار کر دیتے تھے شاید

ان کی نظر میں خوش حال گھرانوں کی لڑکیاں زیادہ سلیقہ مند ہوتی ہیں لیکن اس کے خیال میں تو سلجھی ہوئی لڑکیاں وہاں کی ہوتی ہیں جس گھر میں فکر ہوتی ہے اور فکر خوش حال گھرانوں میں کہاں ہے وہاں کی لڑکیوں کو تو ماڈرن ازم سے ہی فرصت نہیں ملتی اور جو کچھ اچھے گھرانے ہوتے ہیں وہ اپنی بیٹیاں کسی گلفام کے حوالے کرنے سے پہلے ہزار بار سوچتے ہیں اور نتیجہ وہی نکلتا ہے پھر بھی نہ جانے کیوں ان کی مائیں بلیوں کی طرح خواب میں چھچھڑے ہی دیکھتی ہیں۔

''ارے لڑکی...... غریب کے گھر کی بیٹی زبان دراز اچھی نہیں لگتی' بہت بڑے مسئلے آجاتے ہیں رشتوں میں' دیکھ نہیں رہی ہو اپنی بہن کا حال' اچھی خاصی پڑھی لکھی ہے مگر پھر بھی لوگ انکار کر جاتے ہیں۔''

''انکار تو اس لیے کر جاتے ہیں کیونکہ وہ لڑکی کی تلاش میں نہیں جہیز کی تلاش میں نکلتے ہیں۔ چاندی بٹورنے کے لیے بڑے گھروں کا رخ کرتے ہیں اور اپنا گھر بھرنے کے عوض سانولی اور کردار یا تربیت سے محروم لڑکی کو لا کر اپنے ہونہار کے پہلو میں بٹھا کر اسے چاندی سی دلہن بنا دیتے ہیں اور پھر وہی چاندی سی دلہن نچاتی بھی اتنا ہی ہے ان لوگوں کو پھر ہمارے تمہارے سامنے آکر اسی بہو کے گنوں کا رونا بھی رویا جا رہا ہوتا ہے اور میری فکر آپ نہ کریں میرے گھر والے ہیں ابھی زندہ۔'' وہ کھری کھری سنا کر وہاں سے نکل گئی وہ ہر روز آکر یونہی اچھے گھر کا رونا رویا کرتی تھی اور امی کو مزید اذیت میں مبتلا کر جاتی تھیں۔

''ہائے اللہ...... توبہ' توبہ کیسی تیز زبان چلتی ہے اس لڑکی کی۔'' اماں نے اندر جاتی رضیہ کو دیکھ کر گہرا سانس لیا وہ غلط کب کہہ رہی تھی بس آپا نورین کے سامنے اس کی حمایت نہ لی تھی کیونکہ راحیلہ کا رشتہ کروانے کی ذمہ داری جو اُن پر ڈال رکھی تھی البتہ رضیہ کے لیے ایک اچھا رشتہ پہلے ہی آچکا تھا۔ رضیہ کا ہونے والا منگیتر بہت ہی سلجھا ہوا تھا لیکن اس کی فیملی تو خاموشی سے آکر بات طے کر گئے تھے سلجھے ہوئے لوگ تھے لیکن ابھی شور نہ کیا تھا کہ راحیلہ کا بھی رشتہ ہو جائے تو دونوں کی ساتھ منگنی کر دیں گی مگر یہ متوسط طبقے کی مائیں بہنیں بھی نہ جانے کیسے خواب دیکھتی ہیں لڑکی سے زیادہ جہیز کو فوقیت دیتے ہوئے اچھے گھروں کی لڑکیاں ڈھونڈتی ہیں۔

''باجی میری مانو تو اس گھر کو کرائے پہ چڑھا کر دوسری جگہ کرائے کا اچھا سا مکان لے لو۔''

''تو کیا ایسے وہ اچھا گھر ہو جائے گا یا ہم اچھے گھرانے کے ہو جائیں گے۔ معذرت آپا ہم جہیز افورڈ نہیں کر سکتے نہ اچھے گھرانوں کے بن سکتے ہیں اللہ کا شکر ہے کہ چھت اپنی ہے ہم ناشکری کرتے ہوئے زندگی نہیں گزار سکتے اور شادی جب ہونا ہوگی ہو جائے گی۔ براہِ مہربانی اب آپ کوئی رشتہ لے کر مت آیئے گا۔'' اماں کو بے بسی سے خود کی سمت دیکھتے ہوئے راحیلہ نے مصلحت سے بات کرنے کی کوشش کی کہیں کچھ تلخ وہ ضرور ہو گئی تھیں مگر لہجہ اور آواز دھیمی ہی رکھی تھی نورین آپا کے جانے کے بعد اماں نے راحیلہ کا ہاتھ تھام لیا۔

''مجھے معاف کر دو بیٹا...... میں تم لوگوں کو سکھ نہ دے پائی۔'' اماں اب آنکھوں میں آنسو لیے ندامت سے سر جھکائے راحیلہ سے مخاطب تھیں اور راحیلہ فوراً ان کی سمت متوجہ ہوئی۔

''کیسے سکھ اماں؟ آپ ہمیں کیسے سکھ دینے کی باتیں کر رہی ہیں تمام عمر تو ہمارے لیے جدوجہد کی اور اس عمر میں آکر بھی آپ کے ساتھ کی خواتین اچھی خاصی ہیں آپ کس درد سے گزر رہی ہیں ہم جانتے ہیں۔ بابا کے انتقال کے بعد ہمیں جو ممکن تھا سب دیا' اتنا پڑھا دیا کہ اب ہم بچوں کو پڑھاتے ہیں انہیں اچھے برے میں تمیز سکھاتے ہیں۔ سب کچھ تو دے دیا آپ نے اور کون سے سکھ دیں گی اب آپ؟ اور شادی ہی سب کچھ نہیں ہے نصیب نام بھی تو سنا ہوگا

ناں آپ [illegible] ہیں۔ وہ اماں کو دلاسہ تسلیاں دیتی رہی اور وہ سچ ہی تو کہہ رہی تھی سکھ میں تو وہ تب نہ ہوتیں جب تربیت ٹھیک نہ ہوئی ہوتی۔ ایسی تربیت تو خوش نصیب والدین اپنے لائق بچوں کی کرتے ہیں کہ جو سب غربت جھیل کر بھی ماں باپ کو ستائش و محبت سے دیکھتے ہیں ورنہ تو نوعمری میں ہی سب کو شکوے ہونے لگتے ہیں کہ ان کی دنیا تو محلوں کی دنیا ہونی چاہیے یہ کس غریب کی کوٹھڑی میں لا پٹخا جبکہ راحیلہ اور رضیہ دونوں بہت سمجھ دار تھیں نہ جوانی کے بہکاوے میں آئیں نہ شیطان کے ورغلانے میں کہ ماں نے غربت میں ہی اس قدر سینچ سینچ کر تربیت کی تھی دونوں کی سانسیں ماں کی سانسوں کے ساتھ چلتی تھیں۔ دونوں جانتی تھیں کہ ماں کے پاس عزت کے سوا کوئی جمع پونجی نہیں ہے اگر یہ پامال ہوئی تو سب بکھر جائے گا انہیں خون سے سینچ کر پالنے والی ماں بکھر جائے گی سو خود کی حفاظت دونوں نے جان سے بڑھ کر کی۔

❁......❁......❁

''بلال...... میں بہت غصے میں ہوں بخدا مت کریں مذاق اور فون کیوں کیا ہے' کہا نہیں تھا کہ فون مت کیا کریں۔'' رضیہ اب سارا غصہ حق سے بلال پر اتار رہی تھی۔

''اُف میری بلی کو اتنا غصہ کیوں ہے۔''

''بلال...... یہ لوگ اچھے گھر کسے کہتے ہیں آپ کو پتا ہے کہ آج......'' وہ بلال سے ساری بات کہہ گئی نارمل دن ہوتا تو وہ شاید کچھ نہ کہتی مگر آج بھری بیٹھی تھی سو ساری بھڑاس اس کے سامنے نکال دی اور جواباً جو بلال نے اسے کہا وہ تو سن کر خوشی سے اچھل ہی پڑی۔

''کیا واقعی آپ سچ کہہ رہے ہیں؟'' وہ چہکی۔

''تمہاری قسم......'' وہ بھی شوخی سے گویا ہوا تو وہ کھلکھلا اٹھی۔

''او کے بابا میں امی کو بتاتی ہوں۔''

''ارے سنو تو......'' وہ اس کی سنے بغیر ہی فون رکھ کر اماں کو آوازیں دینے لگی۔

❁......❁......❁

''راحیلہ پرسوں تم غصے میں چلی گئی تھیں پچھلے دو دن مجھے کسی پل سکون نہیں آیا یار...... تم ناراض کیوں ہوتی ہو' میں سچ کہہ رہا ہوں وہ سب چھوڑ دیا۔ تمہیں دیکھنے کے بعد کوئی میری نظر میں سماتا ہی نہیں۔'' وہ مجنوں بنا راحیلہ سے مخاطب تھا وہ جو ابھی کچھ دیر پہلے اسٹاف روم میں آئی تھی عدنان نے موقع ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا اور اس کے سامنے آن پہنچا۔

''کیا واقعی آپ مجھ سے سچ میں محبت کرتے ہیں؟'' راحیلہ نے کچھ سوچتے ہوئے اس سے بات کا آغاز کیا اور وہ شہہ پا کر کھل اٹھا۔

''قسم خدا کی' بہت محبت کرتا ہوں۔'' وہ ذرا سا جوش میں آگے بڑھا تو راحیلہ نے ہاتھ بڑھا کر فاصلہ برقرار رکھا۔

''وہیں رہیے۔'' اور وہ کالر درست کرتا بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگا۔

''آؤ بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' راحیلہ اس کی پیروی میں صوفے کی سمت بڑھی۔

''کیسے یقین دلواؤں کہ میرے خوابوں خیالوں میں صرف تم ہی ہو راحیلہ۔'' وہ اب راحیلہ کو یقین دلانا چاہتا تھا۔

''شادی کرو گے؟'' راحیلہ کا سوال اس کے لیے غیر متوقع تھا وہ گڑبڑا گیا۔

''شادی اتنی جلدی......'' عدنان نے ماتھے پر آئے پسینے کو صاف کیا۔ ایک تو اچانک سوال کا اثر تھا اوپر سے راحیلہ کی کاٹ دار نگاہوں کی تپش۔

''محبت کرتے ہو وہ بھی طوفانی تمہارے لیے تو یہی بات باعث مسرت ہونی چاہیے ناں عدنان۔'' وہ سوال کرتی بذات خود سوال بن رہی تھی۔ عدنان کو سوال کے شکنجے میں لے کر وہ اسے شرمندہ کرنا چاہ رہی

تھی مگر وہ عدنان تھا اپنے ہر فیل میں ماہر پھر راحیلہ کوئی پہلی لڑکی تو نہ تھی جو وہ ہتھیار پھینک دیتا۔

''راحیلہ...... تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن میں اتنی حیثیت نہیں رکھتا کہ اپنی شادی کر کے بہنوں کا بھی خرچ اٹھالوں۔ مجھے شادی کے لیے کچھ وقت چاہیے کہ بہنوں کو پہلے ان کے گھر کا کردوں۔ تم تو جانتی ہو نا کہ میری تین بہنیں ہیں۔'' وہ زمانے بھر کی معصومیت چہرے پر سجائے راحیلہ کو اموشنل کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

''ہاں جانتی ہوں مگر روزینہ سے تو تم کہہ رہے تھے کہ اگلے ہفتے ہی بارات لاسکتے ہو اگر وہ ہاں کردے تو۔''

''ہاں وہ تو اچھے گھر کی ہے ناں۔'' بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا اور ایک مسکان راحیلہ کے چہرے کو چھوگئی تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ جس طبقے کا مرد ہے اس طبقے کے مردوں سے اس کا تعلق پڑتا رہا ہے۔

''تو سیدھے سے کہو ناں کہ دل بہلانے کے لیے راحیلہ جیسی محبوبہ چاہیے اور گھر بسانے کے لیے روزینہ جیسی خوش حال گھرانے کی لڑکی۔'' راحیلہ کے لہجے میں طنز تھا عدنان بغلیں جھانکنے لگا مگر خفت مٹانے کو اسے کچھ نہ کچھ تو بولنا ہی تھا سو وہ کہنے لگا۔

''روزینہ میری بہنوں کی پسند ہے وہ چاہتی ہیں اگر کسی اچھے گھر کی لڑکی بیاہ کر ان کے گھر آجائے تو جہیز آدھے سے زیادہ بن جائے گا لیکن راحیلہ تم تو......'' وہ افسردہ ہونے کی کمال اداکاری کررہا تھا اور راحیلہ اس پر لعنت بھیجنے لگی۔

''تف ہے تم پر' کس قدر گھٹیا آدمی ہو' بہنوں کو یوں استعمال کرتے ہو اپنے جھوٹ کو سچ کرنے کے لیے اور تم کیوں نہیں جہیز بناتے ان کا اور کیا بہتر نہیں کہ کسی شریف اور سفید پوش گھر کی لڑکی کو بنا جہیز کے بیاہ لاؤ' دعائیں لو اپنی بہنوں کو بھی اچھے سے رخصت کرپاؤ گے کہ جو بوتے ہیں وہی کاٹتے ہیں اور یہ دن اچھے دن بہانے کرنے کے نہیں ہیں بلکہ بہنوں کی فکر میں گھلنے کے ہیں۔ نہ ہی اوروں کی بہنوں پر وقت برباد کرنے کے۔'' وہ اسے اچھی خاصی سنا کر باہر نکلنے کو تھی تبھی رکی۔

''اور ہاں میری بات پکی ہوگئی ہے کل' تمہیں بس دیکھ رہی تھی جو اتنے دن سے میرے پیچھے پڑے تھے۔ دیکھا تم نے تمہاری محبت کے غبارے سے ہوا کتنی جلدی نکل گئی کہ اب تم سوچ رہے ہوگے کہ میں جلدی سے دفع ہوجاؤں۔'' وہ اس کی سوچ پڑھتی اس سے مخاطب تھی اور عدنان نے اسے چونک کر دیکھا وہ طنزیہ ہنسی اس پر اچھالتی کمرے کا دروازہ اس کے منہ پر مارنے کے سے انداز میں بند کرتی وہاں سے نکلتی چلی گئی اور عدنان بیٹھا کانوں کو ہاتھ لگانے لگا اور باہر جاتی راحیلہ خاصی پُرسکون تھی کہ اب اس کے روز روز کے چکر سے تو جان چھوٹی۔

وہ شادی تک جاب جاری رکھنا چاہتی تھی جس کی اجازت اسے سسرال سے مل گئی تھی جو اسے بلال کے توسط سے ملا تھا۔ وہ بلال ہی کی فرم میں معتبر عہدے پر تھا اور ایک ماں کے علاوہ اس کی ایک بہن بھی تھی جو کسی لالچ سے مبرا صرف اچھی لڑکی کی تلاش میں تھا جو اچھا گھر بنا سکے اور اس کے لیے بلال کو راحیلہ سے بہتر کوئی نہ لگی۔ بلال نے طلحہ کو راحیلہ کے بارے میں بتایا یوں طلحہ کی بہن اور ماں راحیلہ کو پسند کر کے پانچ ہزار اس کے ہاتھ پر رکھ کر پسندیدگی کی سند بخش گئی تھیں۔

نیناں جادو کر جاتے ہیں
دل کے بوجھ اتر جاتے ہیں
تم کو راس جدائی لیکن
ہم سے لوگ تو مر جاتے ہیں

"آپی جی...... یہ محبت کیا ہے؟"

"اگر تم آج کل کی فیس بک والی محبت کی بات کر رہی ہو تو ایک خوب صورت دھوکا ہے۔"

میں نے فیس بک پر فائقہ حفیظ کے میسج کے ذریعے اس کے دل کا چور پکڑنے کی کوشش کی۔ ریپلائی کے فوراً بعد مجھے اپنے لفظوں کی سختی کا احساس ہو گیا تھا اس لیے میں پھر سے میسج ٹائپ کرنے لگی۔

"جاناں محبت ایک الوہی جذبہ ہے۔ جو کبھی بھی کسی کو بھی کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔" میری بات ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی کمنٹ کرتے ہی میں نے دوبارہ سے ٹائپ کرنا شروع کر دیا۔ "آج کل ہم نے محبت کا ایک ہی مطلب سمجھ رکھا ہے اور وہ ہے لڑکے لڑکی کی محبت۔ جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے محبت تو ہمیں کسی کے لکھنے سے ہو سکتی ہے، کسی کی آواز سے کسی کی آنکھوں سے ہو سکتی ہے، لاکھوں روپ ہیں محبت کے اور محبت میں اگر دکھاوا نہ ہو تو محبت کا ہر روپ خوب صورت ہے ہر روپ پرکشش اور نرالا ہے۔" اس کی عمر اور ذہن کے مطابق سوال کا جواب دے کر میں نے اپنی دانست میں اسے اس کی ذہنی سوچ کے مطابق جواب دیا تھا لیکن اس کا ریپلائی دیکھ کر اندازہ ہوا شاید نہیں یقیناً اس نے میری بات کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔

"آپی جی مجھے لگتا ہے مجھے محبت ہو گئی ہے۔ کسی کے چہرے سے، کسی کی آنکھوں سے، کسی کی باتوں سے، کسی کی پوری کی پوری ذات سے۔" ایک اور بنت حوا ابن آدم کے محبت نامہ پر محبت کی دھجیاں اڑاتے نام نہاد محبت کے جال میں پھنس چکی تھی۔ جہاں صرف پھڑپھڑانے کی اجازت تھی اڑان کی نہیں۔ اب اس جال سے پر کٹوائے بغیر نکلنا ممکن نہ تھا۔

یہ وہ آخری سوچ تھی جو سونے سے پہلے تک میری روح و دل کو بوجھل کیے ہوئے تھی۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

فائقہ سے میری دوستی کا آغاز فیس بک پر ہی ہوا تھا میں عادت اور مزاج کی وجہ سے بہت کم لوگوں سے فیس بک پر بات کرتی تھی۔ فائقہ کی فرینڈ ریکوئسٹ آنے پر جب میں نے اس کی پروفائل کو دیکھا تو فرینڈ لسٹ میں صرف سات

سے آئے فرینڈز شو ہو رہے تھے جو اس بات کی علامت تھے کہ وہ دوست بنانے میں کتنی محتاط ہے۔ فرینڈ لسٹ میں شامل ہونے کے فوراً بعد اس کا شکریہ کا میسج آیا۔ یہ بات چیت کا آغاز تھا وہ ایف اے کی اسٹوڈنٹ تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ ہم ایک دوسرے کے عادی ہو گئے۔ میں اکثر گھریلو مصروفیات کے سبب کافی دن بعد آن لائن ہو پاتی آن لائن ہونے پر ان باکس اس کے روزانہ کیے جانے والے شکووں سے بھرا ہوتا۔

"کہاں ہیں آپ؟ آئی مس یو۔"

"آپی جی کہاں ہیں آپ آج تو آجائیں۔"

"پتا ہے آج میں کتنی خوش ہوں دل چاہ رہا ہے ناچوں گاؤں۔"

"آئی مس یو آپی رئیلی۔"

"اف...... آج بھی نہیں آئیں نا آپ جائیں اب میں ناراض ہوں آپ سے کوئی میسج نہیں کرنا اب میں نے آپ کو۔"

اس کا میرے آن لائن نا ہونے کی صورت میں بھی بلاناغہ میسجز کرنا یقیناً مجھ سے وابستگی کا دلی اظہار تھا۔ جھنجلاہٹ بھرا دھمکی آمیز انداز مجھے بے اختیار مسکرانے پر مجبور کر دیتا۔

ناراض ہونے کے باوجود وہ مجھے اگلے دن بھی میسج ضرور کرتی۔

"میں اسلام آباد جا رہی ہوں، میں بہت خوش ہوں کیونکہ مجھے وہاں کسی سے ملنا بھی ہے آپ تو بزی ہوتی ہیں آپ کو سب کچھ بتانا ہے میں نے۔" اس دن بھی میں کافی دن بعد آن لائن ہوئی تھی ان باکس اس کے پیار بھرے میسج سے بھرا پڑا تھا اور آخر میں اسلام آباد جانے کا بتایا تھا۔

میں نے بتایا نا وہ بہت خالص لڑکی تھی جذبوں سے گندھی رشتے بنانا اور نبھانا خوب جانتی تھی۔ اسلام آباد سے واپس آنے کے بعد جب میری اس سے بات ہوئی وہ بہت خوش تھی پھر اچانک اسے جانے کیا ہو گیا میں نے اکثر اسے اداس پایا۔ اب اس کے میسجز میں پہلے والی شادابی مفقود تھی۔

"آپی جی...... کتنی مصروف رہتی ہیں آپ۔ کبھی تو مجھے بھی وقت دے دیا کریں مجھے بہت کچھ بتانا ہے آپ کو۔"

"میں آج بہت اداس ہوں دل کرتا ہے چیخ چیخ کر روؤں۔"

"ایسا لگتا ہے رگ رگ میں درد سا بھر گیا ہے۔ عجیب سی حالت ہے آپی میرا جینے کو دل نہیں کرتا۔"

"زندگی تو جیسے درد میں بدل گئی ہے۔ آپ بھی سوچتی ہوں گی میں کتنی ڈھیٹ ہوں روز آپ کے آن لائن نہ ہونے کے باوجود آپ سے باتیں کرتی ہوں آپ تو جانتی ہیں نا میری کوئی ایسی دوست نہیں آپ کے سوا جس سے میں دل کی بات شیئر کر سکوں۔ بس اس لیے آپ سے سب کچھ کہہ دیتی ہوں۔ مس یو اے لاٹ اپیا جانی۔"

اس دن جب میں آن لائن ہوئی تو پیارے پیارے شکووں بھرے میسجز کی بھرمار کی بجائے زندگی سے بیزار فائقہ کے اداس اور روتے میسجز میرے منتظر تھے۔ میں نے جواب میں معاملے کو سنجیدہ سمجھ کر اسے اپنا فون نمبر میسج کر دیا تھا۔ اگلے ہی دن اس کا فون آ گیا اس کی آواز بہت خوب صورت تھی اور دل اس سے بھی زیادہ خوب صورت۔ اس کی باتوں میں معصومیت اور سادگی بھری ہوئی تھی۔ میں نے اداسی کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ اسے کسی سے محبت ہو گئی ہے۔

"میں جی نہیں سکتی اس کے بنا اور وہ کہتا ہے مجھے تم سے محبت نہیں تھی۔" وہ تو جیسے سسک ہی پڑی۔

"روتے نہیں گڑیا وہ بھی ان لوگوں کے لیے جن کو ہماری پروا نہیں۔ ہم سب ہے ناں تمہارے پاس۔ آنٹی بابا کو دیکھو کتنا پیار کرتے ہیں تم سے اور پھر میں کتنی عادی ہو گئی ہوں تمہاری ایک دن بات نہ ہو پائے تو دن ادھورا سا لگتا ہے۔"

"آپ سب کا پیار انمول ہے آپی مگر میری محبت کا کیا آپی...... اگر اسے مجھ سے محبت نہیں تھی تو کیوں مجھے یہاں تک آنے دیا۔ اب جب میں پلٹ نہیں سکتی تو وہ کہتا ہے اسے مجھ سے محبت نہیں تھی۔" وہ تکلیف میں تھی شدید تکلیف میں۔ رات رات بھر اس شخص کی باتیں مجھ سے شیئر کرتی۔ دن میں کالج جانا ہوتا پھر جب جب وقت ملتا وہ مجھے میسجز اور کالز کرتی رہتی اور میں اسے پورا وقت دیتی یہ سوچ

کرکہ اسے میری ضرورت ہے۔ وہ اب اکثر خوش رہنے لگی تھی کبھی کبھی پہلے کی طرح روٹھ جاتی۔

"نہیں کرنی اب آپ سے بات۔"

"تم مجھ سے روٹھ ہی نہیں سکتی ہو۔"

"اسی لیے تو آپ مجھے اگنور کرتی ہیں۔" وہ مصنوعی غصہ دکھاتی اس کی خفگی میں بھی ناز ہوتا تھا۔ گویا جانتی ہو روٹھنے سے پہلے منالیا جائے گا۔

"اچھا سنو۔"

"جی بولیں۔"

"آئی لو یو نا۔"

"ہائے آپی جی...... نہیں، نہیں...... سویٹ اپیا جانی لو یو ٹو اتنا سارا۔" اس کی ناراضگی بس اتنی ہی ہوتی تھی ذرا پیار کا اظہار کیا اور وہ مان گئی۔ سوری اور تھینکس جیسے الفاظ تو اس نے کب کے اپنی اور میری ڈکشنری سے باہر نکال پھینکے تھے۔

کبھی کبھی مجھے ایسا لگتا ہے جیسے وہ پری تھی جو غلطی سے انجانی بستی میں چلی آئی تھی ایک ایسی پری جو انسانوں کے درمیان آتو گئی تھی مگر ان کی طرح جینا نا سیکھ سکی یا کوئی تتلی تھی جس کا ایک پَر ابن آدم نے مسل کر ختم کردیا تھا اور دوسرا پَر مٹھی میں قید...... وہ چاہ کر بھی اڑان نہیں بھر سکتی تھی بند مٹھی میں بے بس پھڑپھڑا رہی تھی۔ ان دنوں مجھے اپنے پیرنٹس کے پاس کراچی جانا تھا۔ جانے سے پہلے میں نے فائقہ کو بتادیا تھا کہ اب کچھ عرصہ مجھے مصروفیت کی وجہ سے اس سے بات کرنے کا زیادہ وقت نہیں ملے گا۔ فائقہ کی طرف سے اب میں مطمئن تھی کیونکہ اب وہ خوش رہنے لگی تھی اس لڑکے کے کمنٹس اب اکثر اس کی پوسٹ پر دکھائی دیتے میں نے بہت بار سوچا کہ اس سے بات کروں کہ اگر سیریس نہیں ہے تو فائقہ کو خواب نہ دکھائے لیکن وہی ازلی رونا وقت کی عدم دستیابی کی وجہ سے ہر بار بات کل پر چلے جاتی۔

کراچی آنے کے بعد فائقہ سے کم ہی بات ہو پاتی اس کی وجہ کراچی آنا نہیں بلکہ میرا ایک اور فیس بک اکاؤنٹ بنا لینا تھا۔ میں نے ایک فیک آئی ڈی بنائی تھی جس سے میں نے اس لڑکے (حمدان) کو فرینڈ ریکویسٹ بھیجی تھی اور بات چیت کا آغاز بھی کردیا تھا۔ ان ہی دنوں اس کے کالج ٹرپ کے ساتھ اسلام آباد جانے کا میسج پڑھا تو مجھے اطمینان ہوا کہ کچھ دن سہی طبیعت بہل جائے گی مگر کون جانتا تھا کہ یہ سفر ہمارے لیے کتنی اذیت ناک یادیں لانے والا ہے۔ اس کے بعد کافی دن تک میں اس اکاؤنٹ سے جس میں فیملی اور فائقہ ایڈ تھی آن لائن نہیں ہوئی۔ اتنی فرصت ہی نا ملتی تھی جو تھوڑا بہت وقت ملتا نئے اکاؤنٹ سے اس لڑکے سے بات کرتی جس نے فائقہ کو سنہری جال میں پھنسالیا۔ اس دن کچھ فرصت ملی تو پرانا فیس بک آن کیا۔ فائقہ آن لائن تھی۔

"آپی جی......!" اس نے فوراً سے میسج کیا۔

"جی میری گڑیا...... کیسی ہو؟" میں نے ریپلائی کیا۔

"میں مرنے لگی ہوں آپی۔"

"پاگل لڑکی ایسی باتیں نہیں کرتے، ہوا کیا ہے؟" میں نے ہمیشہ کی طرح آج بھی اس کی بات کو جذباتیت میں کہا گیا ایک جملہ سمجھا تھا۔

"آپی آپ حمدان سے ایک بات ضرور پوچھیے گا کہ اسے میں اچھی نہیں لگتی تھی تو اسلام آباد میں گاڑی میں مجھے آئی لو یو کیوں کہا تھا؟ آپی...... آپ پوچھیں گی ناں؟"

"میں ضرور پوچھوں گی میری جان...... رکو میں تمہیں کال کرتی ہوں۔" اس کے ڈسٹرب ہونے کے خیال نے مجھے افسردہ کردیا تھا۔ میں اس سے بات کرنا چاہتی تھی لیکن اسی وقت کچھ پرانی دوستیں آگئیں بات سے بات نکلی اور گھنٹوں باتیں چلتی رہیں۔ ان کے جانے کے بعد میں فائقہ کی بات کو یکسر فراموش کرچکی تھی۔ ایک دن، دو دن، تین دن گزر گئے ان تین دنوں میں فائقہ کا کوئی میسج آیا نہ ہی کال۔ مجھے پھر بھی کچھ یاد نا آیا چوتھے دن میں نے فیس بک آن کیا تو صرف ایک میسج تھا۔

"آپی جی...... نہیں کی نا آپ نے کال، اب کبھی تنگ نہیں کروں گی۔ کبھی کسی کو یاد نہیں آؤں گی۔" میں شاکڈ رہ گئی مجھے فوراً سے اپنی اور فائقہ کی آخری بات چیت یاد آئی تھی۔ اس کے بعد کہاں کہاں اور کس کس سے کیسے بات کی یہ میں ہی جانتی ہوں۔

انجانے رستے پر چلتی بھولی پری کے پرکاٹ دیئے گئے تھے۔ تتلیوں سی رنگین لڑکی کا ایک ایک رنگ مٹادیا گیا تھا۔ وہ خوشبوؤں سی پاکیزہ حسین خوبصورت اور کم سن اپسرا پیار کی وادی میں گم ہوکر مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے روتا چھوڑ کر اس دنیا کو خیرباد کہہ کر جاچکی تھی۔

خبر تھی یا پہاڑ جو سر پر گرا تھا پیروں تلے زمین کھسک گئی تھی۔ جانے کتنے دن میں گم صم رہی۔ کاش اس دن میں اسے ایک کال کرلیتی کاش میں اسے روک لیتی۔ محبتوں کی راہ پر چلتی وہ جذبوں سے پُر لڑکی پیار کرنے کے سارے ہنر جانتی تھی مگر ایک بات بھول گئی حمدان کو بے شک اس کی ضرورت ہونا ہو وہ مجھے اپنا عادی بنا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ادھورا کرگئی تھی۔ میری ایک ذرا سی بھول مجھے ہمیشہ کے لیے میری کلیوں سی معصوم دوست مجھ سے لے گئی لیکن میں نے سوچ لیا تھا اس بھول کا مداوا تو مجھے کرنا تھا۔ مجھے اس شخص سے گن گن کر بدلے لینے تھے جس نے مجھ سے میری زندگی کا پُرخلوص دوست چھین لیا تھا۔

دشتِ ہجراں میں نہ سایہ نہ صدا تیرے بعد
کتنے تنہا ہیں تیرے آبلہ پا تیرے بعد
کوئی پیغام نہ دلدارِ نوا تیرے بعد
خاک اڑاتی ہوئی گزری ہے صبا تیرے بعد
لب پہ اک حرفِ طلب تھا نہ رہا تیرے بعد
دل میں تاثیر کی خواہش نہ دعا تیرے بعد
دل نہ مہتاب سے الجھا نہ جلا تیرے بعد
ایک جگنو تھا کہ چپ چاپ بجھا تیرے بعد
کون رنگوں کے بھنور کیسی حنا تیرے بعد
اپنا خوں اپنی ہتھیلی پہ سجا تیرے بعد
درد سینے میں ہوا نوحہ سرا تیرے بعد
دل کی دھڑکن ہے کہ ماتم کی صدا تیرے بعد
ایک ہم ہیں کہ بے برگ و نوا تیرے بعد
ورنہ آباد ہے سب خلقِ خدا تیرے بعد
ایک قیامت کی خراشیں تیرے سر پہ سجیں
ایک محشر میرے اندر سے اٹھا تیرے بعد

وہ کیا گیا کہ رفاقت کے سارے لطف گئے
میں کس سے روٹھ سکوں گی، کسے مناؤں گی؟

اداسی و یاسیت میں کافی دن گزارنے کے بعد میں نے حمدان کا اکاؤنٹ چیک کرنے کے لیے اپنا وہ اکاؤنٹ کھولا جس میں وہ شامل تھا۔ میں دیکھنا چاہتی تھی کہ فائقہ کی جدائی پر اس کے پروفائل میں کتنی اداسی ملتی ہے۔ مجھے شدید حیرانی ہوئی جب میں نے ایسا کوئی اسٹیٹس تو نہیں دیکھا لیکن میرے میسج باکس میں میسجز کی بھرمار تھی۔

"صنوبر کہاں غائب ہیں آپ؟"

"آئی ریئلی مس یو۔"

"ایسے بھی کرتا ہے کوئی؟ مجھے اپنا عادی بنا کر آپ خود غائب ہوگئی ہیں۔"

"جیسے ہی آن لائن ہو کائنڈلی مجھے میسج کریں میں آپ کے لیے بہت پریشان ہوں۔" ایسے بے تحاشہ میسجز کی بھرمار نے مجھے حیران کردیا تھا اور میں جو پہلے اس شخص سے بدلہ لینے کے طریقے ڈھونڈ رہی تھی یہ سب دیکھ کر اندازہ ہوا کہ شکار خود میرے جال کی طرف کھنچا چلا آیا ہے۔

تجسس چیز ہی ایسی ہے اور ہماری کم بختی کہ یہ مادہ ہمارے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ شروع شروع میں جب انسان کسی پہچان نا رکھنے والے انسان سے ملتا ہے تو اس کی ذات کے ہر گوشے کے متعلق جاننا چاہتا ہے ہر اسرار سے پردہ اٹھانا چاہتا ہے اور جوں جوں ملاقاتیں شناسائی کے مراحل طے کرتی جاتی ہیں' اسرار کھلتے جاتے ہیں۔ بھید آشکار ہوتے چلے جاتے ہیں' ایک ذات کا معمہ حل کرنے کے بعد وہ دوسری کی طرف لپکتا ہے اور پھر تیسری کی طرف۔ اب مجھے اپنی ذات کے معمہ کو سمیٹ کر رکھنا تھا کہ جس دن حمدان جیسا کاری شخص میری ذات کی تہہ تک پہنچ جاتا اس کی مجھ میں دلچسپی ختم ہوجاتی۔

"السلام علیکم۔" میں نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"وعلیکم السلام۔"

"کیسی ہو...... کہاں گم تھیں تم اتنے دنوں سے؟"

"میں ٹھیک ہوں اور کچھ مصروف تھی تم سناؤ کیسے ہو اور

ہاں مس کرنے کا شکریہ۔
"کیا تم نے بھی مجھے مس کیا تھا؟" امید بھرا سوال مجھے جی بھر کر کوفت محسوس ہوئی تھی۔
"مصروفیت ہی اتنی تھی کہ خود کو بھی بھولی ہوئی تھی ایسے میں کوئی بھلا کیسے یاد آتا مجھے۔"
"ہمم......" میرا جواب شاید نہیں اس کی توقع کے برعکس تھا جب ہی اس نے مختصر جواب پر اکتفا کیا اور یہی تو میرا پلان تھا۔ انسانی فطرت ہے کہ جو چیز اس کی دسترس سے دور نظر آتی ہے وہ اتنی ہی شدت سے اس کا متمنی ہوتا ہے۔ مجھے دھیرے دھیرے حمدان کو اپنا اسیر بنانا تھا لیکن خود کو اس کی پہنچ سے دور رکھنا تھا۔
اب ایسا تھا کہ میں حمدان سے کچھ دن مسلسل بات کیا کرتی تھی اور پھر کچھ دن غائب ہو جاتی' ایسے میں اس کی کیفیت مجھے وہ سکون دیتی جو شاید خواب آور دوا بھی نا دے پاتی ہو۔
انہی دنوں حمدان نے مجھ سے تصویر کی فرمائش کر دی۔ مجھے غصہ تو بہت آیا لیکن میں نے ظاہر کیے بغیر باتوں باتوں میں انکار کر دیا۔
"تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے کیا؟" ہنہہ جذباتی میسج' شکر خدا کا میں تمہاری اصلیت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ دانت پیستے ہوئے میں نے سوچا۔
"بات تم پر اعتبار کی نہیں ہے' بات یہ ہے کہ ایسا کرنا غلط ہے۔"
"غلط کیسا......؟ میں تم سے پیار کرنے لگا ہوں' اچھی لگتی ہو تم مجھے۔ سارا سارا دن تمہارے آن لائن ہونے کا انتظار کرتا ہوں۔ تمہارے سنگ خواب سجانے لگا ہوں۔ تم نہیں جانتی صنوبیہ...... تم میرے لیے کیا بن گئی ہو۔ تم سے بات نا ہو پائے تو میری سانس رکنے لگتی ہے' میری زندگی بن گئی ہو تم...... اور تم کہتی ہو میں تمہیں دیکھنے کا حق نہیں رکھتا' غلط کہتی ہو تم بالکل غلط۔ یقین جانو صنوبیہ...... میری زندگی میں تمہارے علاوہ کوئی نہیں میں حمدان حیدر جس کی تمنا میں لوگ جان تک دے سکتے ہیں تم پر مرنے لگا ہوں آئی لو یو۔"

میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے عشق میں
ایک حسین لڑکی خودکشی کر لے

"آہ...... حمدان حیدر تو آج نا چاہتے ہوئے بھی اعتراف کر بیٹھے ہو کہ وہ معصوم ننھی سی کلی تمہاری وجہ سے ہم سب کو چھوڑ گئی۔"

تم بہت معصوم لڑکی ہو تمہیں
نظم بھیجوں گا دعا پہناؤں گا

تم انسان نہیں ہو سکتے۔ حمدان حیدر اتنی بے حسی' اتنا پر غرور لہجہ' اب بھی اس معصوم محبت کرنے والی لڑکی کا دکھ تمہارے لفظوں میں نظر نہیں آرہا اور یہ سہانے خواب دکھاتے' رجاتے' لبھاتے الفاظ اس کے تم عادی ہو مگر تم بھول رہے ہو اب کی بار تمہارے مقابل کوئی معصوم انجان سی لڑکی نہیں بلکہ بدلے کی خواہش دل میں لیے ایک تتلی جیسی دوست کی ہمراز ہے۔ اب باری ہے مکافاتِ عمل کی حمدان حیدر اب تم آنسو بہاؤ گے' تمہیں تڑپنا ہے' بلکنا ہے۔
"آر یو دیئر؟" میں اپنے ہی خیالات کی رو میں مگن تھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کیسے خود کو نارمل رکھ کر جواب دوں۔
"صنوبیہ آر یو دیئر؟"
"ہمم...... یہیں ہوں سمجھ نہیں آرہا کیا جواب دوں تمہاری باتوں کا۔"
"محبت کا جواب تو محبت ہی ہونا چاہیے ناں؟" جواب پڑھ کر میں سرتاپا سلگ گئی تھی لیکن صرف ایک لفظ ہی کہنے پر اکتفا کیا۔
"ہمم......"
"اچھا حمدان...... مجھے کچھ کام کرنے ہیں پھر بات ہوگی۔ اپنا خیال رکھنا...... اللہ حافظ۔" میسج بھیجتے ہی میں نے لیپ ٹاپ بند کر دیا تھا۔ مجھے وحشت ہونے لگی تھی اس گھٹیا شخص کی باتوں پر۔ میں جانتی تھی وہ پھر سے میرے ایسے اچانک غائب ہونے پر شدید تلملایا ہوگا اور یہی میں چاہتی تھی۔
محبت جیسا خوب صورت اور پاکیزہ رشتہ جس کا کوئی نعم البدل نہیں ہوتا' خلوص اور ریا سے پاک رشتے اللہ کی عطا ہیں مگر ان دو چار جماعتیں پڑھ کر خود کو پڑھے لکھے اور خوب

صورت سمجھنے والے چند لوگوں نے اس مقدس بندھن کو کاروبار سمجھ لیا ہے ایسے لوگوں کے ہر دوسری لڑکی سے اظہار محبت پر مجھے یقین ہے محبت بھی دھاڑیں مار مار کر روتی ہوگی۔

❁ .... ❁ .... ❁

دن پر دن گزرتے چلے جا رہے تھے۔ مجھے حمدان سے بات کرتے اب تقریباً چار ماہ ہونے کو تھے۔ حمدان کی طرف سے تصویر بھیجنے کا معاملہ طول پکڑ جانے پر میں نے گوگل سے ایک خوب صورت لڑکی کی تصویر لے کر اسے بھیج دی اور اس بات کا خاص خیال رکھا تھا جس کے بعد سے وہ میرے حسن کے قصیدے پڑھتا تھکتا نا تھا اور اب فون نمبر کے حصول کے لیے کافی دنوں سے تنگ و دو میں مصروف تھا۔ میں نے ایک دوست سے اس کے پاس رکھی ایک فالتو سم حاصل کی جو نجانے کس کے نام پر رجسٹرڈ تھی اور اس کا نمبر حمدان کو دے دیا تھا اور نمبر آن کرلیا۔ اگلے ہی دن اس کا فون آگیا۔ اس میں کوئی شک نہیں اس کی آواز بہت خوب صورت تھی اور وہ بات کرنے کے سارے طریقوں سے واقف تھا۔ میں نے اسے سمجھایا تھا کہ میں ہر روز فون پر بات نہیں کرسکتی سو اب کچھ دن بعد اس سے فون پر بات بھی ہوجاتی تھی۔ اس کی بے تابیاں اور بے چینیاں بڑھنے لگی تھیں۔ ان ہی دنوں میں نے اسے بتایا کہ اب میرے والدین میری شادی کرنا چاہتے ہیں اور جلد ہی کوئی رشتہ فائنل کرنے والے ہیں۔ میں اس وقت حیران رہ گئی جب اس نے کہا کہ میں تمہارے گھر رشتہ بھیجنا چاہتا ہوں۔ میں اسے اس نہج پر ضرور لانا چاہتی تھی لیکن مجھے لگتا تھا کہ وہ شادی کے نام سے شاید پیچھے ہٹ جائے کیوں کہ ایسے لڑکے شادی ماں باپ کی مرضی سے کرتے ہیں لیکن ایک کے بعد ایک فلرٹ اپنی مرضی سے کرتے چلے جاتے ہیں۔

میں نے اس سے چند دن سوچنے کے لیے وقت مانگا اور کہا کہ چند دن بعد ایڈریس دوں گی تم جب تک اپنے گھر والوں کو منالو۔ کچھ دن بعد اس نے بتایا کہ اس کے گھر والوں کو کوئی اعتراض نہیں۔ میں نے شام میں ایڈریس بھیجنے کا وعدہ کیا اور اس کے بعد وہ اکاؤنٹ جو صرف حمدان کے لئے بنایا تھا ڈیلیٹ کرکے لیپ ٹاپ آف کیا۔ موبائل فون میں سے سم کا لا ڈی نکال کر توڑ دی۔ آنکھوں سے جیسے سیلاب بند توڑ کر بہہ نکلا تھا۔

"لو حمدان حیدر...... آج تمہارا کیا تمہیں واپس لوٹا دیا ہے۔ اب ڈھونڈو مجھے۔ اب تمہیں احساس ہوگا کہ تم کیسے احساس اور جذبات کو پیروں تلے روندتے تھے۔"

دو دن بعد اپنا رئیل اکاؤنٹ کھولا۔ حمدان کے اکاؤنٹ کی وال چیک کی۔

تمہارے بعد جینے کا کہاں سے حوصلہ لاؤں
تمہیں پانے کی خواہش اب جواں ہونے کو آئی ہے
تمہی بے خبر ہو ورنہ میرے دریدہ تن من کی
ہر دکھ ہر تکلیف زباں ہونے کو آئی ہے

یہ شعر اور اس جیسے، بہت سے اداسی بھرے شعر اور غزلیں اس کی وال کا حصہ بنے ہوئے تھے۔ اس بات کو گزرے اب سال ہونے کو ہے لیکن آج بھی حمدان کی اس انجان لڑکی صنوبیہ کے لیے دیوانگی ختم نہیں ہوئی وہ روز اداسی بھری پوسٹس لگاتا ہے اس کی فرینڈ لسٹ میں موجود تقریباً ہر شخص محبت میں اس کی شدت اور ناکامی سے واقف ہوچکا ہے یہ سب دیکھ کر مجھے دلی سکون ملتا ہے۔

"میں نے کہاں کہاں نا تجھے ڈھونڈا۔"

یہ اس کی آج کی پوسٹ تھی اور میں سوچ رہی تھی کتنا اچھا ہو ہم لڑکیاں چار میٹھے بولوں کی خاطر کسی انجان شخص کے قدموں میں خود کو دان نا کریں۔ ہماری ذات اتنی ارزاں تو نہیں کہ ہم پیار کے کچھ بولوں کی خاطر زندگی داؤ پر لگا دیں۔ زندگی بہت خوب صورت ہے لیکن اسے خوب صورت بنانا ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ہمارا شعور، ہمارا فہم، ہماری زندگی خوب صورت بناتا ہے۔

گیلیلیو نے کہا تھا۔

مجھے یہ بات ہضم نہیں ہوتی کہ
جس خدا نے مجھے عقل عطا کی ہو وہی خدا
مجھے عقل کے استعمال سے کیسے روک سکتا ہے۔

❁

ہر راہ اُدھر کو جاتی ہے
نازیہ جمال

نیا موسم میری بینائی کو تسلیم نہیں
میری آنکھوں کو وہی خواب پرانے لا دے
جس کی آنکھیں مجھے اندر سے بھی پڑھ سکتی ہوں
کوئی چہرہ تو میرے شہر میں ایسا لا دے

گاڑی میں دھیمے سروں میں میوزک بج رہا تھا۔ وہ اسٹیئرنگ وہیل پہ انگلیاں بجاتے ہوئے بہت ریلیکس موڈ میں ڈرائیونگ کرنے کے ساتھ گنگنا بھی رہا تھا۔ رات کے سیاہ آنچل پہ ٹنگا ماہِ نیم اجلی دودھیا اور شفاف چاندنی کا دریا بہا رہا تھا۔ جنگلی پودوں کی بو لیے ٹھنڈی دھیمی ہوا اس کے بالوں کو منتشر کررہی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف سورج مکھی کے پھول سر نیہوڑائے کھڑے تھے۔ وہ ایک کاشت شدہ علاقہ تھا۔ کھالے میں بہتے شفاف پانی کے عکس میں چودھویں کا چاند اپنی ہی بلائیں لے رہا تھا۔ دور کہیں کتوں کے بھونکنے کی آواز میں مینڈک بھی اپنا سر ملا رہے تھے۔ اس نے کلائی موڑ کر گھڑی میں ٹائم دیکھا' منزل مقصود محض ایک گھنٹے کی مسافت پہ تھی۔

عثمان بھیا اسے کئی دنوں سے نیجر کی مالی بے ضابطگیوں کے بارے میں بتارہے تھے۔ مال کی منڈی میں بروقت سپلائی ہورہی تھی مگر باوجوہ تاجروں کی غیر معینہ ہڑتال کی بدولت بزنس کو کافی دھچکا لگا تھا۔ ٹریڈرز ایسوسی ایشن کے صدر کی کال پہ عثمان بھیا خود ملتان روانہ ہورہے تھے کہ آفس میں کوئی اور اہم کام نکل آیا تو ایسے میں ناچار اسے ہی کئی دیگر اہم امور نمٹانے کے لیے ملتان آنا پڑا۔ ویران سیاہ سڑک پر گاڑی تیزی سے فاصلہ طے کرتی جارہی تھی۔ اس نے سامنے سے نظر ہٹا کر ذرا سا دائیں بائیں دیکھا دور کچے اور نیم پختہ مکانات آبادی کا پتہ دے رہے تھے۔ تقریباً بیشتر گھروں کے سامنے اسے بیل گاڑی کھڑی نظر آئیں جانوروں کے گلے میں بندھی گھنٹیوں کی مدھر آواز سکوت کی دبیز چادر میں لمحہ بھر کو شگاف ڈال رہی تھی۔ اچانک دائیں طرف سے ایک وجود بگولے کی مانند اڑتا ہوا اس کی گاڑی کے بونٹ سے زور دار آواز کے ساتھ آ ٹکرایا اور لڑکھڑا کر زمین بوس ہوا تھا۔

''اوہ شٹ......'' اس نے بروقت بریک لگائے تھے۔ گاڑی سے اتر کر دیکھا کہ سیاہ چادر میں لپٹے ہوئے وجود کا رخ سڑک کی طرف تھا۔

''ہیلو......کون ہو تم؟'' دونوں ہاتھ گھٹنوں پر جمائے رکوع کے سے انداز میں جھکے ہوئے اس نے بے حس وحرکت پڑے وجود کو پکارا مگر کوئی جنبش نہ ہوئی۔

''اوہ گاڈ......یہ کیا مصیبت آن پڑی؟'' پریشانی سے ماتھا مسلتے ہوئے بڑبڑایا پھر کچھ سوچ کر اس نے جھکتے ہوئے بے جان ہستی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر سیدھا کیا' وہ اگلے ہی لمحے کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹا تھا۔

وہ ایک لڑکی تھی۔ آنکھیں بند' چہرے پہ اذیت کی زردی کھنڈی تھی' گہرے گہرے سانس لینے سے ذرا سا ہلتا ہوا وجود اس کے ہوش میں ہونے کی گواہی دے رہا تھا۔ ہیڈ لائٹس کی روشنی میں ماتھے پہ ابھرا بڑا سا گومڑ صاف دکھائی دے رہا تھا جو یقیناً زوردار ٹکر کا نتیجہ تھا۔ دونوں ہاتھ کمر پر ٹکائے پریشانی سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے سلوان حیدر نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ زندگی میں ایسی صورت حال بھی پیش آسکتی ہے۔ دوسرے پہر میں داخل ہوتی رات' آبادی سے دور ویران سڑک پہ پڑی نیم جان اجنبی دوشیزہ......وہ اس ساری صورت حال کو یونہی

چھوڑ کر سیدھا اپنی گاڑی میں بیٹھ کر فوراً اپنی راہ پکڑتا گر جو اماں ابا کے درسِ انسانیت اور ایم بی اے کی ڈگری نے آنکھیں نہ دکھائی ہوتیں۔ وہ عجیب مخمصے میں پھنس گیا تھا۔ اگر کوئی یہاں آنکلتا اور اس لڑکی کے ساتھ دیکھ کر جو حشر ہونا تھا اس میں اپنی عزت کے ساتھ ساتھ جان بھی خطرے میں دکھائی دے رہی تھی۔

''اٹھیے محترمہ...... آپ میری بات سن رہی ہیں ناں؟'' گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے اس نے لڑکی کے گال تھپتھپائے۔

جواباً لڑکی نے ایک درد بھری آہ بھر کر پٹ سے آنکھیں کھولیں اور خالی الذہنی سے اسے دیکھنے لگی۔

''آپ میری گاڑی سے آٹکرائی ہیں' شاید کہیں فرار ہو رہی تھیں۔ اٹھیں میری گاڑی میں چل کر بیٹھیں' یوں اس طرح سڑک پہ لیٹے رہنا آپ کے لیے ہی نہیں میرے لیے بھی باعث رشک ہے۔'' نرمی سے بولتے ہوئے سلوان نے اس کو بازوؤں سے تھام کر کھڑا کیا۔ حادثے نے شاید اس کے حواس سلب کر دیے تھے۔ تبھی تو کوئی ردِعمل ظاہر کیے بغیر وہ اس کے ساتھ کھچتی گاڑی میں جا ڈھیر ہوئی تھی۔

''مجھے بتاؤ' کون ہو تم اور اس طرح اکیلی رات کو کس سے ڈر کر بھاگ رہی تھیں۔'' ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہی اس نے رخ موڑ کر سنجیدگی سے دریافت کیا۔

لڑکی کچھ کہنے کے بجائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اس کے سر سے چادر اتر چکی تھی۔ تیل میں ڈوبے بال بکھرے ہوئے تھے۔

''دیکھو اس طرح رونے سے بہتر ہے تم مجھے آرام سے اپنے بارے میں بتاؤ' ورنہ میں ابھی تمہیں اپنی گاڑی سے اتار کر اپنی راہ لیتا ہوں۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔''

لڑکی کے رونے کا سیشن کافی طویل ہو چکا تھا۔ وہ کئی لمحے تو اس کے خاموش ہو جانے کا انتظار کرتا رہا مگر کافی دیر تک اس کے زور و شور سے رونے میں کوئی کمی نہ آئی تو اسے قدرے سخت لہجہ اپنانا پڑا۔ لڑکی نے ذرا سا سہم کر دوپٹے سے آنسو پونچھے۔ شاید الفاظ سے زیادہ اس کے سخت لہجے کا اثر ہوا تھا ورنہ اس سے پہلے تو وہ کوفت و پریشانی کے باوجود بھی بہت نرمی سے پیش آ رہا تھا۔

''لو...... یہ پانی پیو۔'' ڈیش بورڈ سے منرل واٹر کی بوتل اٹھا کر اس کی طرف بڑھائی جو وہ فوراً تھام کے ڈھکن کھول کر گھونٹ گھونٹ پانی پینے لگی۔

''وہ عبدالشکور سے زبردستی میرا نکاح کر رہے تھے۔ میں نے بہت منع کیا' روئی' چیخی' چلائی مگر کوئی فائدہ نہ ہوا' مجبوراً مجھے بھاگ کر نکلنا پڑا۔'' کافی دیر بعد اس کی ہچکیوں کے درمیان دھیمی آواز ابھری۔

''کون عبدالشکور؟'' سلوان نے سامنے روڈ پہ دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے دریافت کیا۔ ہاتھ مکمل یکسوئی سے ڈرائیونگ میں مگن تھے۔ اس لڑکی میں کچھ ایسا خاص' چونکا دینے اور نظروں کو اپنی گرفت میں جکڑ لینے والا کچھ نہیں تھا۔

دبلا پتلا سراپا' سانولی نمکین رنگت' حلیے پہ معاشی تنگ دستی کی چھاپ گہری تھی۔ سلوان نے ایک سرسری نظر میں اس کا جائزہ لینے کے بعد اس پہ دوسری نظر نہیں ڈالی تھی۔

''عبدالشکور' میرا ماموں زاد ہے' بڑا ہی گھٹیا اور کمینہ' وہ شروع دن سے ہی مجھ پہ بری نظر رکھتا تھا۔'' وہ اپنے دوپٹے کو منہ میں رکھ کر ذرا سا بھاپ دینے کے بعد گومڑ پہ ٹکور کر رہی تھی۔ آواز دہشت سے لرزاں تھی۔ گویا عبدالشکور اب بھی اس کے آس پاس موجود ہو۔ چہرہ خوف سے سفید ہوا جا رہا تھا۔

''آپ نہیں جانتے' وہ بدخصلت ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑا ہے۔''

''اور تمہارے ماں باپ' کوئی نہیں تھا جو تمہیں عبدالشکور سے بچا پاتا۔'' اس نے بھنویں اچکا کر پوچھا۔ ذہن میں تو صرف ایک ہی سوچ گردش کر رہی تھی کہ وہ اس لڑکی کو لے کر آخر کہاں جائے۔ تمام کام نمٹاتے نمٹاتے اسے لگ بھگ ہفتہ ڈیڑھ تو لازمی لگ جانا تھا۔ پھر اتنے سارے دنوں میں وہ اسے کیسے اپنے ساتھ لیے پھرتا' کس

حوالے کرے کس حیثیت سے۔

''نہیں میرے اماں ابا دونوں مجھے چھوڑ کر جا چکے ہیں اس بھری دنیا میں میرا کوئی نہیں۔'' وہ پھر بلک بلک کر رو پڑی۔

''اوہ سو سیڈ۔'' اسے حقیقتاً افسوس ہوا۔

''اب یہ تو بتاؤ آخر تمہارا کوئی عزیز رشتہ دار تو ہوگا مجھے ان کا ایڈریس دو میں تمہیں وہاں چھوڑ آؤں۔''

''نہیں میرا کوئی نہیں ہے صرف ماما اور مامی ہیں جو اس شیطان عبدالشکور سے میری شادی کرنے جا رہے ہیں۔'' وہ بھیگے ہوئے لہجے میں بولی تو وہ شش و پنج میں پڑ گیا۔

اس اجنبی شہر میں اس کا بھی کوئی دوست عزیز رشتہ دار نہ تھا جن کے پاس وہ اس لڑکی کو چند دنوں کے لیے چھوڑ دیتا پھر کام سے فارغ ہوتے ہی اپنے گھر لاہور لے جاتا جہاں اس لڑکی کو ساتھ لانے پہ اعتراض تو دور کی بات اس کی ہمدردی اور فرض شناسی کو برملا سراہا جاتا۔

اس کے ابا تو تھے ہی سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے کی عملی تفسیر صدق و صفا کا پیکر غریب نادار اور بے کسوں کی یوں مدد کرتے کہ ان کے دوسرے ہاتھ کو بھی علم نہ ہو پاتا۔ کسی یتیم کی شادی پہ بڑھ چڑھ کر حصہ لینا کسی غریب مزدور کے گھر میں سودا سلف لانا کم حیثیت رشتہ داروں کی مزاج پرسی جیسے انسانیت کی معراج پہ انسان کو فائز کرنے والے چھوٹے موٹے کام اس خوش دلی سے سر انجام دیتے کہ گویا زندگی میں اس سے بڑھ کر کوئی اور کام ہے ہی نہیں۔

اور رہ گئی اماں تو وہ اپنے مزاجی خدا کے ساتھ قدم بقدم چلنے کو ہی عین ایمان سمجھتی تھیں۔ محلے کی بچیوں کو صبح سویرے قرآن مجید اور درس حدیث دیتیں۔ نو بیاہتا لڑکیوں کو سسرال والوں کا دل جیتنے کے ہزاروں گر بتاتیں ترش رو اور بدمزاج ساسوں کو اپنی بہوؤں کے ساتھ نرمی برتنے کی تلقین کرتیں کتنے ہی گھروں کے جھگڑے آپا جی کی بدولت منٹوں میں سلجھ جایا کرتے تھے۔

سلوان کو مکمل یقین تھا کہ اماں ابا اس بے سہارا لڑکی کے سر پہ اپنا دست شفقت رکھ کر اس کے لیے زندگی کی کوئی راہ متعین کریں گے۔

''دیکھیں آپ کو میرے لیے فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں آپ بس مجھے کسی دارالامان میں چھوڑ دیں۔'' سلوان کے چہرے پہ سوچ کی پرچھائیں دیکھ کر اس نے اندازہ لگایا کہ وہ اس کے بارے میں متفکر ہے جو کہ غلط بھی نہیں تھا۔

''نہیں میں تمہیں اپنے گھر لے جا رہا ہوں لیکن ایک ہفتہ بعد فی الحال تمہیں اسی شہر میں رہنا ہوگا۔'' وہ رسانیت سے بولا۔

''نہ ابھی نہ ہفتہ بعد مجھے آپ کے ساتھ آپ کے گھر نہیں جانا بس مجھے آپ کسی دارالامان میں چھوڑ آئیں۔'' وہ کسی ضدی بچے کی طرح ہٹ دھرمی سے بولی۔

''مگر کیوں؟'' سلوان ذرا سا حیران ہوا۔

''تم وہاں محفوظ رہوگی کوئی خطرہ نہیں ہوگا تمہیں۔''

''یہاں عبدالشکور سے بچ کر نکلی تو آپ مل گئے اگر آپ کے گھر سے بھاگنا پڑا تو پھر کون مجھے اپنے ساتھ لے جائے گا؟'' وہ دوپٹے کا کونا دانتوں میں دبا کر بولی کہ اس کا آدھا چہرہ چھپ گیا تھا۔

''محترمہ شاید آپ کے سر پہ چوٹ زیادہ شدت کی لگی ہے تبھی تو یہ فضول بات کر رہی ہیں۔'' وہ ایک کڑی نظر اس پہ ڈال کے ناراضی سے گویا ہوا۔

''وہ میرے اماں ابا کا گھر ہے پورا تحفظ دیں گے وہ آپ کو۔''

''سوائے ماں باپ کے اس نیلی چھت کے نیچے کوئی محافظ نہیں بن سکتا۔'' وہ تلخی سے اس کی بات کاٹ گئی۔

''مجھے میرا ماما بھی میرا محافظ بن کر اپنے گھر لے گیا تھا ایک بھرپور سائبان دینے کا وعدہ کیا تھا۔ جو روکھی سوکھی خود کھائی مجھے بھی کھلائی تن ڈھانپنے کو پھٹی پرانی پوشاک بھی دی مگر ان سارے احسانات ساری مہربانیوں کا خراج کیا مانگا اپنے نکھٹو عیاش اور بدکردار

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

بیٹے عبدالشکور کو پہلے سے .... ہوں‘‘ اس نے نفرت سے سر جھٹکا۔

’’اچھا‘ یہ بتاؤ فی الحال تمہیں کہاں ڈراپ کروں۔‘‘ وہ جیسے اکتا کر بولا۔

’’میں نے کہا ناں‘ آپ مجھے دارالامان میں چھوڑ آئیں۔ وہیں سے پھر اپنے شوہر کو ڈھونڈنے نکلوں گی۔‘‘ وہ ٹھوس لہجے میں بولی۔

’’شوہر......!‘‘ سلوان نے جھٹکے سے اس کی طرف دیکھا۔

’’کیا تم شادی شدہ ہو؟‘‘ اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

’’اگر کاغذ کے ٹکڑوں پہ اپنے جسم و جاں کو پوری ایمان داری کے ساتھ سونپ دینے کا عزم کرتے ہوئے چند دستخط کردینے سے کوئی شادی شدہ بن جاتا ہے تو ہاں میں شادی شدہ ہوں‘ کسی کی منکوحہ ہوں۔‘‘ وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ سلوان تفہیمی انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔

’’آئی وِش کہ تم جلد ہی اپنے شوہر سے مل کر اپنی نئی زندگی شروع کرسکو۔‘‘ وہ دعائیہ انداز میں نرمی سے بولا۔

’’ہونہہ نئی زندگی......‘‘ اس نے طنز سے ہنکارہ بھرا۔

’’میں تو اس کا گریبان پکڑ کر صرف اس سے اتنا پوچھوں گی کہ برسوں پہلے کاغذوں پہ طے پانے والے رشتے کو وقت کے صندوق میں ڈال کر کہاں دریا برد کرگیا تھا جو برسوں پلٹ کر خبر تک نہ لی۔ اسے بتاؤں گی کہ اس کی ناموس کی چادر سنبھالتے سنبھالتے میری ردائے حیات تار تار ہونے کو آ گئی ہے‘ اس سے التجا کروں گی کہ اب تنہا مجھ سے اس کی عزت و عصمت کا بوجھ نہیں اٹھایا جارہا یا تو آ کر اس بوجھ کو بٹائے...... یا پھر......؟‘‘

’’یا پھر......؟‘‘ سلوان کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ وہ لمبی سانس لیتے ہوئے باہر گاڑی میں کسی غیر مرئی نقطے کو گھورتی رہی۔

’’یا پھر کیا......؟ بتاؤ ناں۔‘‘ سلوان کو اس کا خاموش ہوجانا سخت گراں گزرا تھا۔ وہ بے تابی سے بولا۔

’’یا پھر یہ کہ میرا گلا دبا کر مجھے کسی اونچے پہاڑ سے دھکا دے کر یا اپنے ہاتھوں سے گولی مار کر میرے وجود کے پنجرے سے میری روح کے پنچھی کو آزاد کردے۔‘‘ کہتے ہی وہ ہاتھوں میں منہ چھپا کر روتی چلی گئی۔

⊙......⊙......⊙

پورب کا دروازہ کھلتے ہی آفتابی گولے نے دھیرے دھیرے سر نکالنا شروع کیا۔ صاف شفاف چمکیلی سنہری کرنوں نے دھرتی کے چہرے پہ بوسہ دیا تو زندگی انگڑائی لے کر بیدار ہوگئی۔ ڈیڑھ کنال کی کچی چار دیواری میں مقید زندگی میں بھی ہل چل پیدا ہوچکی تھی۔ صحن کے وسط میں لگے پیپل اور آم کی نارنجی روشنی سے چمکنے لگی تھیں۔ دو کچے کمروں کے دائیں طرف ایک برآمدہ نما چھوٹا سا کچی مٹی سے لیپا پُتا باورچی خانہ تھا جس میں ذکیہ ناشتے کی تیاریوں میں لگی ہوئی تھی۔ آٹا گوندھ کر تھال سے پرات کو ڈھک دیا پھر چولہے میں سوکھے اپلے ڈال کر پھونکنی سے ایک دو پھونکیں ماریں تو آگ ایک دم سے بھڑک اٹھی۔ پتیلی میں روزانہ کے تین کپ چائے چڑھانے کے بعد ذکیہ نے اٹھ کر ٹوکرا اٹھایا تو آدھ درجن سنہری‘ کالی اور سرمئی رنگ کی مرغیاں کٹ کٹ کرتی‘ صحن میں پھیل گئیں۔

’’عمدہ...... ارے او عمدہ...... اٹھ جا بیٹی دیکھ تو کتنا دن چڑھ آیا ہے۔‘‘ بیٹ پہ راکھ ڈالتے ہوئے ذکیہ نے چارپائی پہ کھیس میں لپٹے وجود کو پکارا مگر کوئی جنبش نہ ہوئی۔

’’میں کہتی ہوں اسکول نہیں جانا جو یوں مردوں سے شرط باندھی ہوئی ہے۔ چل اٹھ۔‘‘ ذکیہ نے اب ذرا غصے سے اس کے منہ سے کھیس ہٹایا۔

’’کیا ہے اماں‘ سونے دے ناں‘ کتنی مزے کی نیند آرہی ہے۔‘‘ وہ آنکھیں بند کیے غنودگی سے بولی۔

’’پتا نہیں کیسی نیند ہے تمہاری جو پوری نہیں ہوپاتی‘ ساری خلقت رات کو نیند پوری کرتی ہے مگر مجال ہے جو کبھی تو نے ابھرتے سورج کا منہ بھی دیکھا ہو۔‘‘ ذکیہ بڑبڑاتے ہوئے لکڑی کی گھڑونچی اور اس پہ رکھے گھڑے کو

دیوار کے ساتھ میں منتقل کر دی گئی۔

کھونٹے پہ بندھی بھوری اور کالی بکریوں نے معا اچھلنا شروع کردیا تھا۔ ذکیہ نے چونک کر صحن کے دروازے کی طرف دیکھا جس میں سے خمیسو ہاتھوں میں برسیم کا گھاس اٹھائے اندر داخل ہو رہا تھا۔

''ایسے رسہ تڑوا رہی ہیں جیسے تین دن سے بھوکی ہوں' حالانکہ رات تربوز کے چھلکوں کا پورا تھال کاٹ کر ان کے سامنے رکھا تھا۔'' ذکیہ بکریوں کو گھاس دے کر بے صبری سے رسہ کھنچواتا دیکھ کر مسکرا کر خمیسو سے بولی۔

''جانور مخلوق ہے ناں' رب تعالیٰ نے ان کی زندگی بس اتنی ہی بنائی ہے' کھانا اور ہم جیسے غریبوں کے لیے دودھ دہی کا وسیلہ بننا اور یہ بخت آور ابھی تک سو رہی ہے۔'' بولتے ہوئے نظر سوئی ہوئی عمدہ پہ پڑی تھی۔

''تو اور کیا مہارانی کو کئی بار اٹھانے کی کوشش کرچکی ہوں' اب تو ہی اٹھا کے دیکھ۔'' ذکیہ واپس باورچی خانے میں چوکی پہ جا بیٹھی تھی۔

''عمدہ النساء میری بختوں والی دھی' اٹھ دیکھ تو سورج اوپر آ گیا ہے۔'' پائنتی پہ بیٹھ کر خمیسو نے پیار سے اس کے کھیس سے نظر آتے پیروں کو گدگدایا۔ اس نے کسمسا کر کروٹ بدلی پھر دونوں ہاتھ دائیں بائیں پھیلا کر زوردار انگڑائی لیتے ہوئے منہ پھاڑ جمائی کے درمیان بولی۔

''ابا...... یہ سورج کو اتنی جلدی نکلنے کی کیا ضرورت ہے' ذرا ٹھہر کر نہیں نکل سکتا۔'' وہ منہ بسور کر شکایتی لہجے میں بولی تو خمیسو ہنس دیا۔

''میری شہزادی...... سورج کہاں جلدی نکلتا ہے' یہ تو اللہ سائیں کے حکم کا پابند ہے' اس کا ڈوبنا' ابھرنا سب اس ذات پاک کے ہاتھ میں ہے۔ ویسے بھی تو دوپہر کے کھانے کے بعد اپنی آدھی ادھوری نیند پوری کر تو لیتی ہے۔'' خمیسو نے کھیس کو تہہ کرنا شروع کیا تو اس نے نیچے جھک کر چپلیں تلاشنا چاہیں۔

''ٹھہر چندا...... تو نے اس طرف جوتیاں اتاری تھیں۔'' خمیسو نے پھرتی سے اٹھ کر دوسری طرف رکھے چپل اٹھا کر اس کے عین پیروں کے سامنے رکھ دیے۔

''اب اگر باپ بیٹی کے چاؤ چونچلے پورے ہوگئے ہیں تو آ کر ناشتہ کرلو' میں سارا دن چولہے پہ نہیں بیٹھی رہ سکتی اور بھی کام ہیں مجھے۔'' پیڑا بناتے ہوئے ذکیہ نے آواز لگائی۔

خمیسو نے ہاتھ سے پمپ چلایا تو ٹب لبالب پانی سے بھر گیا۔ اس نے دو تین چھپاکے مارے تو خمیسو نے اپنے کندھے پہ رکھے صاف ستھرے تولیے سے خود عمدہ کا منہ پونچھنا شروع کردیا۔ یہ اس کا روز کا معمول تھا۔ اپنی اکلوتی لاڈلی بیٹی کو دن چڑھے نیند سے جگانا' منہ ہاتھ دھلوانا' پھر اپنے ہاتھ سے ناشتہ کروانا' خمیسو ہی نہیں ذکیہ کی بھی عمدہ میں جان تھی۔ اس کی ہر فرمائش وہ پورا کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اسے ہاتھوں کا چھالہ کیسے نہ بنا کر رکھتے وہ ان کو شادی کے بارہ سالوں بعد مناجات اور دعاؤں کے بعد ملی تھی۔ وہ ان کے لیے دعائے نیم شبی کا انعام تھی خمیسو اور ذکیہ کی خوشیوں کا محور مرکز بس عمدہ النساء کی ذات تھی۔

''یہ کیا' میں نے سادہ انڈہ نہیں کھانا' مجھے آملیٹ بنا کر دو۔'' وہ منہ بنا کر بولی تو تلے ہوئے انڈوں پہ کالی مرچ چھڑکتے ہوئے ذکیہ تپ اٹھی۔

''کیوں نہیں کھانا مہارانی کو' اب جلدی سے کھاؤ پھر اسکول کی تیاری بھی کرنی ہے۔'' ذکیہ خمیسو کا چینی کا پیالہ چائے سے لبالب بھرتے ہوئے بولی۔

''بس میں نے نہیں کھانا' مجھے آملیٹ سے ناشتہ کرنا ہے۔'' چوکی پہ بیٹھے بیٹھے اس نے گھوم کر رخ دوسری طرف کرلیا تھا۔ ناشتے کے بائیکاٹ کا مکمل اظہار۔

''ارے نیک ذات آملیٹ بنا دے ناں' میری رانی کو۔ ایسا کر تو انڈے پھینٹ جب تک میں پیاز' مرچ اور ٹماٹر کاٹتا ہوں۔'' خمیسو سے لاڈلی کی ناراضی دیکھی نہ جارہی تھی۔ اس کی دھی رانی ناشتہ چھوڑ دے تو اس کے حلق سے بھی کچھ اترنا محال تھا۔ فوراً پیالی ایک طرف رکھ کر سبزی کی ٹوکری اپنی طرف کھسکالی۔

''تیرے انہی چونچلوں اور پیار نے اسے بگاڑ ڈالا ہے'

پہلے بھی انڈے ... تلے وہ ضائع گئے۔ اب دو تولوں تو ماسی جنت کو کیسے آج درجن پورا دے سکوں گی۔ ایڈوانس پیسے لے چکی ہوں اس سے۔" ذکیہ کلس کر بولی۔

"خیر ہے' کوئی بات نہیں' مرغیاں آج بھی تو انڈے دیں گی تو ان سے ماسی جنت کا درجن پورا کر لینا۔" خمیسو نے پگڑی کے کونے سے آنکھوں کو رگڑا تھا۔ پیاز کی کڑواہٹ نے آنکھوں میں پانی بھر دیا تھا۔

گرما گرم سنہری آملیٹ کو پراٹھے سے کھانے کے بعد دودھ کا گلاس لبوں سے لگالیا۔ ذکیہ نے جھوٹے برتن تھال میں اکٹھے کر کے ایک طرف رکھ دیئے' جھاڑو اٹھا کر صحن میں آ گئی اس خیال سے دن چڑھ آیا تو صحن کی صفائی گرمی میں مشکل ہو جائے گی۔ برتن تو اندر بیٹھ کر بھی دھوئے جاسکتے ہیں۔

"اماں...... میں نے نہیں یہ یونیفارم پہننی۔" عمرہ نے باہر آ کر یونیفارم چارپائی پہ پٹخا تھا۔

"کیوں اب اسے کیا ہو گیا ہے؟" ذکیہ نے جھاڑو پھیرتے ہوئے بے زاری سے پوچھا تھا۔ صاحب زادی کے اعتراضات اسے تپا کے رکھ دیتے تھے۔

"دیکھ ناں' ساری سیاہی سے کالی ہو رہی ہے۔" وہ چٹکیوں سے قمیص پکڑ کر لہراتے ہوئے بولی۔ ہلکی نیلی قمیص پہ جا بجا سیاہی کے دھبے لگے ہوئے تھے۔

"ناں تو تختی لکھتی ہے یا اسکول میں روشنائی کے ڈرم میں ڈبکیاں لگا کر آتی ہے جو روز تیرا یونیفارم کالا ہوتا ہے۔" ذکیہ نے جھاڑو پٹخ کر غصے سے پوچھا۔

"اماں...... میں کیا کروں' زاہدہ اور سلمٰی اپنی سیاہی لے کر ہی نہیں آتیں' املاء لکھنے کے وقت میرے دائیں بائیں بیٹھ کر دوات میں بوڑ قلم لگایا تو میرا یونیفارم خراب ہو گیا۔" اس نے معصومیت سے وضاحت دی۔

"ہاں تو' تو کاکی بچی ہے ناں جو تیری گود میں چڑھ کر وہ تختی لکھ رہی تھیں' چل تجھے دوسرا یونیفارم نکال کر دیتی ہوں۔" ذکیہ کلستے ہوئے اندر کمرے میں چل دی۔ وہ اس کا ہر سال نیا یونیفارم بنواتی تھی۔ ایک تو بانس کی مانند بڑھتا قد اور ساتھ ہی درختوں پہ چڑھنے لٹکنے سے بھی یونیفارم پھٹ جاتا تھا۔ دوسرا یونیفارم استری شدہ نہیں تھا۔ لائٹ صبح سے گئی تا حال نہیں آئی تھی اور عمدۃ النساء نے کبھی کوئی جوڑا بغیر استری شدہ نہیں پہنا تھا۔ ناچار ذکیہ نے کوئلوں والی لوہے کی وزنی استری دہکالی۔ استری گرم ہونے تک ذکیہ بھی کافی گرم ہو چکی تھی۔

"آٹھ سال کی ہو چکی ہے نجانے کب عقل آئے گی اس لڑکی کو۔" وہ ماں کی لن ترانیاں سکون سے سنتے ہوئے کنگھا لے کر خمیسو کے پاس آ گئی۔

"ابا میرے بال تو سلجھا دے۔ استری کے بعد اماں سے چوٹیاں گوندھوالوں گی۔" اس نے باپ کو کنگھا پکڑایا تو خمیسو بڑے آرام اور نرمی سے اس کے نرم سیاہ بال سلجھانے لگا۔

"ابا...... تیرا نام خیر دین ہے پھر تجھے سب خمیسو کیوں کہتے ہیں؟" چارپائی پر بیٹھے پاؤں جھلاتے ہوئے اس نے بھولپن سے پوچھا۔

"وہ اس لیے دمی رانی کہ میں ہفتے کے پانچویں دن خمیس (جمعرات) کو پیدا ہوا تھا۔ اس لیے پہلے اماں ابا نے پیار سے مجھے خمیسو کہا پھر سب لوگ کہنے لگے۔ اب تو میرا اصل نام بھی صرف چند لوگوں کو یاد ہوگا۔" خمیسو نے مسکرا کر وضاحت دی۔

"یہ کیا بات ہوئی' تیرا پیار کا نام خیرو ہوتا یا دینو پر خمیسو رکھنے کی کیا تک بنتی تھی؟" وہ ابھی بھی مطمئن نہ ہوئی تھی۔

"ارے میری عمدۃ النساء' ہمارے زمانے میں یہی ہوتا تھا۔ اب جیسے میرا...... بھائی اللہ دین جمعے کے دن پیدا ہوا تو بھی اسے جمعہ خان کہنے لگے' اللہ دین تو بس شناختی کارڈ پہ ہی لکھا ہے۔ میرا امیرا بھائی نواز چھوٹی عید پہ پیدا ہوا تھا تو آج بھی اسے سب عیدو ہی کہتے ہیں۔ نواز کون کہتا ہے بھلا۔ تیرا اماں کا میرا بھائی' تیرا ماما حاجی...... اس نے کون سا حج کیا ہوا ہے' بس نام کا حاجی ہے' وہ بھی اس لیے حاجی بنا کہ جس دن سعودی عرب میں حج پڑھا جا رہا تھا اسی دن یہ بھی پیدا ہوا تھا۔ بس یہ محبت کے اظہار کا اپنا انداز ہوتا تھا"

ہمارے بزرگوں کا کسی دن مہینے یا واقعے کی نسبت سے اپنے بچوں کی عرفیت شاید ان کے نزدیک اپنے بچوں کو ممتاز کرنے کا اظہار ہوتا تھا۔" خمیسو نے مسکراتے ہوئے تفصیلاً بتایا۔ اس دوران اس کے بال مکمل سلجھ چکے تھے۔

"اچھا ابا یہ بتا میں اتوار کے روز پیدا ہوئی تو اس لحاظ سے تو میرا پیار کا کیا نام رکھے گا؟" اس نے شریر نظروں سے اب کے خمیسو کو دیکھا تھا۔

"چھٹی خانم اور کیا۔" خمیسو نے مزے سے جواب دیا جبکہ وہ کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی۔

⊙......⊙......⊙

سیمنٹ کے اکھڑے ہوئے پلستر والی بے رنگ دیواروں پہ پڑتی انرجی سیور کی میلی روشنی کمرے کے ماحول کو خاصا وحشت خیز بنا رہی تھی۔ وہ ایک کونے میں بچھے گدے پہ چت لیٹی نجانے کب سے چھت کو گھور رہی تھی۔ ذہن صاف سلیٹ کی مانند خالی تھا۔ کمرے کا اکلوتا سیلنگ فین ہوا سے زیادہ آواز پیدا کر رہا تھا۔ کونے میں سونے کی وجہ سے ہوا اس تک کم آ رہی تھی۔ مچھر بھی کونے میں زیادہ تھے شاید اس لیے اس کے بازو اور چہرہ زہریلی سوجن سے سخت تکلیف محسوس کر رہے تھے۔ مچھروں کے کاٹنے سے جسم میں عجیب سی اینٹھن شروع ہو گئی تھی۔

"دفع ہو جاؤ تم سب لوگ...... گندے گھٹیا لوگ ہو تم...... میں لعنت بھیجتی ہوں تم پر۔" اچانک کمرے میں ایک اذیت سے بھرپور چیخ گونجی تھی پھر اس کے بعد گالیوں، کوسنوں کا ایک نہ تھمنے والا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

مشرقی کونے والے گدے پہ لیٹی لڑکی پہ آج پھر دورہ پڑا تھا۔ وہ بن آب ماہی کی طرح تڑپتی، مچلتی اپنا سر زور زور سے زمین پہ پٹخ رہی تھی۔

"نجمہ کیا کر رہی ہو کیوں خود کو تکلیف دے رہی ہو۔" اس کے ساتھ لیٹی ہوئی لڑکیاں ایک دم سے اٹھ کر اس جنونی لڑکی کو سنبھالنے کے لیے بڑھی تھیں جواب اپنے بال نوچ نوچ کر سر کو دونوں ہاتھوں سے پیٹ رہی تھی۔ اس کے منہ سے وحشت زدہ، ناقابل فہم آوازیں نکل رہی تھیں۔

"چھوڑو مجھے، جانے دو مجھے، میں ان سب کا خون پی جاؤں گی۔" وہ لڑکیوں کا حلقہ توڑ کر جانے کے لیے اٹھی مگر پھر سب نے تھام کر گدے پہ بٹھا لیا۔

وہ خود دیوار سے پشت لگائے سہمی سہمی نظروں سے نجمہ نامی لڑکی کو دیکھ رہی تھی جس کے چہرے کے وحشی تاثرات سبھی کا دل دہلائے دے رہے تھے۔

"یہ نجمہ ابھی تک اپنے ماضی کو کیوں نہیں بھولی۔" اس نے بے حد دکھ سے رقیہ سے پوچھا۔

"ہاں پتہ نہیں کیوں، ویسے تو سارا دن نارمل رہتی ہے بس رات کو چیخیں مار کر ہم سب کی نیند حرام کر دیتی ہے۔" رقیہ اکتاہٹ سے بولی۔

"ویسے اس کی کیس ہسٹری ہے کیا؟" اس نے قدرے اشتیاق سے پوچھا۔

"بس یہی کہ اس کے منگیتر نے اسے چھوڑ کر اس کی چھوٹی بہن کو پسند کر کے اس سے شادی کر لی۔ منگیتر کی بے وفائی اور سگے رشتوں کی کج ادائی نے اس کا دماغ الٹ کے رکھ دیا۔ بہت رشتے آئے، اس کی چھوٹی بہنیں بیاہ کر چلی گئیں، یہ اپنے منگیتر کی یادوں کو سینے سے لگائے ایک کمرے تک محدود ہو گئی۔ ماں باپ گزر گئے، بھائی، بھابیوں نے شادی پہ زور ڈالا مگر یہ نہ مانی، رشتوں کے لباس پہ نفرت، بے رخی اور بے گانگی کے رنگ ایسے چڑھے کہ یہ انہیں قبول نہ کر پائی۔ نتیجتاً آج یہ ہم سب کے درمیان یہاں موجود ہے۔"

رقیہ کا لہجہ دکھ سے بوجھل تھا۔ وہ خود بھی ستم گزیدہ تھی۔ باپ نے ماں کے مرنے کے بعد دوسری شادی کر لی، سوتیلی ماں کو اس کا وجود خار نا گوار کی طرح لگتا تھا، بارہ سال کی عمر میں تیس سالہ مرد کے ہاتھ بیچ دیا، جس کی ماں بہنوں نے ظلم کے پہاڑ توڑتے ہوئے جسمانی تشدد کی اتنی حد کی کہ دارالامان ہی اسے پوری دنیا میں واحد اپنی جائے پناہ نظر آیا تھا۔

مختلف نقوش سے سجا ہر چہرہ مختلف کہانی رکھتا تھا۔ زندگی کا اتنا بھیانک اور سفاک روپ دیکھا کہ ان لڑکیوں کے ہوش وحواس ہی سلب ہو کر رہ گئے تھے۔ ہاتھوں میں دبی کتاب حیات پہ مختلف کہانیاں رقم تھیں مگر ان سب کہانیوں کا عنوان ایک ہی تھا۔ ظلم، بربریت اور اپنوں کے دیئے ہوئے زخم۔

نجمہ کو اب مکمل طور پر قابو کرلیا گیا تھا۔ کوئی لڑکی جا کر دارالامان کی مالک باجی شمیم کو بلا لائی تھی جنہوں نے حسب سابق نجمہ کی حالت کے پیش نظر مسکن انجکشن لگایا تھا۔ نجمہ نیم بے ہوشی کی حالت میں بھی بڑبڑا رہی تھی۔ رقیہ نے بھی لیٹ کر چادر منہ تک تان لی تھی۔ وہ کمرے سے باہر نکل کر بالکونی میں آ گئی۔ ریلنگ پہ بازو جمائے اس نے آخری تاریخ کے باریک سے چاند کو دیکھا جو ماحول کو ملگجا سا اجالا بخش رہا تھا۔

چندا ماموں دور کے، بڑے پکائیں بور کے
آپ کھائیں تھالی میں، ہم کو دیں پیالی میں

"اماں یہ چاندا تنا پتلا سا کیوں ہو جاتا ہے۔ ہمیشہ بڑا بڑا گول تھال جتنا روشن کیوں نہیں رہتا؟" اماں کے پہلو میں لیٹے ہوئے گنگناتے اس نے اچانک پوچھا تھا۔

"وہ اس لیے میری شہزادی کہ پورا چاند چودھویں کا چاند ہوتا ہے۔ مکمل روشن اور آج تو ستائیسویں تاریخ کا چاند ہے باریک کمان سا۔" اماں نے پیار سے اس کے ماتھے پہ بوسہ دیتے ہوئے اسے سمجھایا تھا۔

"پھر بھی چاند کو ہمیشہ چودھویں کا ہی ہونا چاہیے مکمل، ہر طرف روشنی ہی روشنی، یہ پتلا سا چاند ذرا بھی روشنی نہیں دے رہا۔ کچھ بھی صاف نہیں نظر آ رہا بلکہ تیرے ہاتھ کی چوڑیوں کا سبز رنگ بھی مجھے نظر نہیں آ رہا۔" وہ اماں کا ہاتھ تھام کر خفگی سے بولی تو اماں ہنستی چلی گئیں۔

"ارے پگلی...... چاند کا بڑھنا گھٹنا سب مالک کائنات کی کاری گری کے کرشمے ہیں۔ اس کا کوئی کام مصلحت وحکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اگر ہر رات چاندنی رات ہوتو پھر سورج کے ابھرنے کی خوشی کس کو ہوگی۔ بیشتر کام رات کو ہی نہ نمٹا لیے جاتے۔" اس کے بالوں میں انگلی پھیرتے ہوئے اماں نے پیار سے سمجھایا تھا۔

"اور اماں چاند کے گھٹنے بڑھنے میں اس کی ہزار حکمتیں مگر یوں آپ اور ابا کو اتنی جلدی اپنے پاس بلا کر، مجھے اس بھری دنیا میں بے اماں اور بے گھر، دردر کی ٹھوکریں کھانے میں اس ذات پاک کی کیا مصلحت ہو سکتی ہے۔ اگر مجھے اس تاریک، تنگ بدبودار کمروں والے دارالامان میں ہی زندگی گزارنی تھی تو اپنے کچے مگر بے حد آرام دہ اور پُرآسائش گھر میں کیوں پیدا کیا تھا۔ آپ دونوں کی محبتوں کے پنگھوڑے میں جھولتے ہوئے میں نے اپنا بچپن گزارا۔ مگر لڑکپن...... پھر جوانی، شاید میری زندگی کا ماہِ کامل تم دونوں کے جانے کے بعد گھٹتے گھٹتے ستائیسویں کا چاند بن گیا ہے۔ بالکل تاریک، اندھیری راتوں کا پیامبر کب یہ چودھویں کا چاند بن کر اپنی اجلی اور شفاف روشنی سے میری تیرہ وتار زندگی کو اجالوں سے منور کرے گا۔" وہ بے آواز آنسوؤں سے روتی نجانے کب تک کھڑی اپنے گریبان کو بھگوتی رہی تھی۔

◉......◉......◉

وہ اپنے بیڈروم کا دروازہ دھکیل کر جونہی اندر داخل ہوا تو ایک لمحہ کو ٹھٹک کر رک گیا۔ قدم چوکھٹ پہ ہی جم گئے تھے۔

"یہ میں کس کے کمرے میں گھس آیا؟" وہ باآواز بلند بڑبڑایا مگر فرنٹ وال پہ سجی اس کی دیوار گیر تصویر بخوبی باور کرا رہی تھی کہ یہ اس کا اپنا ہی روم ہے۔ مگر کمرے کی بدلی ہوئی سیٹنگ...... اس نے الجھ کر پورے کمرے میں نگاہ دوڑائی۔

جہازی سائز بیڈ مشرقی کونے سے مغربی کونے میں شفٹ ہو چکا تھا۔ صوفے، ٹیبل، بک ریک غرض ہر چیز کی جگہ بدلی ہوئی تھی۔ کارنس پہ سجے ڈیکوریشن پیسز کے ساتھ ایک بیش قیمت واز بھی کمرے کی رونق بڑھا رہا تھا۔ ہلکے گلابی ریشمی پردے جنہیں وہ گزشتہ دو برسوں سے دیکھتا آ رہا تھا اب ان کی جگہ نیلے رنگ کے سوتی پردے

آویزاں تھے۔

"ہو نہ ہو یہ نسرین کی کارستانی ہے۔" اس نے غصے سے دانت پیسے تھے پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ڈرائنگ روم میں جا پہنچا جہاں نسرین پوری دل جمعی سے ڈسٹنگ میں لگی ہوئی تھی۔

"یہ تم نے ہی میرے بیڈروم میں گڑبڑ مچائی ہے۔" وہ اس کے سر پر جا کر دھاڑا۔

نسرین تو گڑبڑا اٹھی۔ اس کے طیش سے سرخ پڑتے چہرے اور براؤن آنکھوں سے جھلکتے غصے کو دیکھ کر۔ چھوٹے صاحب کو تو اس نے خال ہی غصے میں دیکھا تھا۔ بہت نرم مزاج اور دھیمے لہجے میں بات کرنے والے مگر کئی دنوں سے برہم برہم سے انداز...... اور اب دھاڑتا لہجہ وہ تو سہم کر ہی رہ گئی۔

"میں نے سیٹنگ چینج کی ہے' کیوں پسند آئی؟" آواز اس کی پشت سے آئی تھی۔ وہ ایڑیوں کے بل گھوما۔

"میں اکتا گئی تھی ایک ہی سیٹنگ دیکھ دیکھ کر' سوچا کچھ تبدیلی لائی جائے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پُرسکون انداز میں بولی۔

"مس شائمہ قادر......! کیا آپ کو اتنا علم نہیں کہ کسی کے روم میں بنا اجازت کوئی تبدیلی لانا تو دُور کی بات اس میں داخل ہونا ہی سراسر بدتہذیبی کے زمرے میں آتا ہے۔" وہ اس کے ہلکے ہلکے میک اپ سے سجے خوب صورت چہرے کو سرد آنکھوں سے گھورتے ہوئے چبا چبا کر بولا۔

"اوہ کم آن سلوان...... خوامخواہ اتنا ہائپر ہو رہے ہو۔ مجھے اچھا لگا تو میں نے تھوڑی سی چینجنگ کر لی۔ دیٹس اٹ۔" وہ اس کے بگڑے موڈ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے آرام سے بولی۔ شائمہ قادر ایسی ہی تو تھی۔ سلوان حیدر پہ والہ و شیدا۔ وہ جتنا اس کی طرف والہانہ انداز میں لپکتی' وہ اتنا ہی اس سے دور بھاگتا' اس کے سائے سے بھی کتراتا تھا۔

وہ کسی طور بھی تو نظر انداز کرنے کے قابل نہ تھی۔ بے حد اسمارٹ' چمکیلی شفاف رنگت' گہری براؤن آنکھیں اور اس پہ متنزاد شخصیت پہ فیشن کا ٹچ۔ خاندان میں کتنے ہی تو اس کے خواہاں تھے' کتنے ہی طلب گار ہاتھوں کو اس نے نخوت سے خالی ہاتھ ٹھکرایا تھا کیونکہ اس کے اپنے مومی ہاتھوں میں سلوان حیدر کے مضبوط ہاتھوں کو تھامنے کی جو امنگ پیدا ہو چکی تھی۔ وہ کیسے نہ اپنے دل کو اس کا اسیر ہونے سے روک پاتی۔ بے حد ہینڈسم' خوش اخلاق' اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اس پہ لمبے چوڑے بزنس کا تڑکا۔ اس کی بے نیازی و بے اعتنائی اور درشت لہجہ کبھی کبھار اس کے حوصلے ڈھا بھی دیتے تھے۔ وہ جھنجلا کر ازکی قادر کے سامنے رو پڑتی تھی۔

"پتھر ہے بالکل آپ کا دیور بالکل اسٹون مین۔ ذرا بھی اس پہ فرق نہیں پڑتا۔"

"دھیرج میری جان دھیرج' ذرا ٹھنڈا کر کے کھانے کی عادت ڈالو۔ گرم گرم منہ جلا دیتا ہے۔ پگھلے گا ضرور پگھلے گا' بس تم اپنے لگاؤ میں ذرا کمی نہ آنے دو۔" ازکی اسے خود سے لپٹا کر بہت محبت سے حوصلہ بڑھاتی تو وہ نئے سرے سے تازہ دم ہو جایا کرتی تھی۔

"میرے بیڈروم میں اگر کسی کو تغیر و تبدیلی کا حق ہے تو میرے بعد میری شریکِ حیات ہو گی' جو اپنی من پسند تبدیلی لاگو کر سکے گی۔ انڈر اسٹینڈ۔" وہ انگلی اٹھا کر حکمیہ انداز میں گویا ہوا تھا۔ شائمہ نرمی سے مسکرائی۔

"اسی لیے تو میں نے اپنی پسند کی سیٹنگ کی ہے تاکہ بعد میں تمہیں عجیب فیل نہ ہو۔"

"شٹ اپ' اپنی لمٹس میں رہا کرو۔" وہ اس کی بات میں چھپے مفہوم کو سمجھتے ہوئے دھاڑا۔ شائمہ پہ اس کے غصے کا مطلق اثر نہ ہوا تھا۔ بس محظوظ کن مسکراہٹ سے اس کے تپے تپے وجیہہ چہرے کو دیکھتی رہی۔ جیسے سلوان حیدر کے غصے کو انجوائے کرنے سے بہتر کوئی اور کام نہ ہو۔ وہ پاؤں پٹختا اپنے بیڈروم میں چلا آیا۔

"چیپ گرل' سمجھتی کیا ہے خود کو' ایسے کمرشل اسٹائل میں مجھے ہائل کر لے گی...... نیور۔" وہ غصے میں اپنی ہتھیلی پہ مکا مار کر رہ گیا تھا۔

اسے خود میں شائمہ کا دلچسپی لینا اسی دن سے محسوس ہوگیا تھا جس دن ازکی قادر عثمان بھائی کی دلہن بن کر ان کے آنگن میں اتری تھی۔ عثمان حیدر ازکی کی زلف کے زمانہ طالب علمی میں ہی اسیر ہوگئے تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد جونہی بزنس سنبھالا تو اماں ابا کو بڑے بیٹے کے سر پہ سہرا سجانے کا ارمان ہوا۔ عثمان نے جھٹ ازکی کا نام لے دیا۔ قاضی عبدالرحیم کے لیے بیٹے کی پسند مقدم تھی مگر اماں بہو کے حوالے سے متردد تھیں۔ انہیں ازکی کا بے باک اور گھر کا کھلا ماحول پسند نہ آیا تھا مگر بیٹے کی آنکھوں میں ازکی کی تصویر اتنی واضح تھی کہ انہوں نے چپ کی ردا اوڑھ لی۔ محض دو ہفتوں میں ہی ان کے تمام تر خدشے سراپا سچ بن کر سامنے آگئے تھے۔ ازکی کو کچن سے برائے نام دلچسپی تھی۔ امورِ خانہ داری سے نابلد...... دن چڑھے سونا' فون پہ دوستوں سے گپیں لگانا' شاپنگ' آؤٹنگ اور ہوٹلنگ ہی اس کی زندگی کا محور و مرکز تھے۔ زبیدہ خاتون تو بہو کے طور طریقے دیکھ کر کڑھتی رہتیں' عثمان سے کچھ کہنے کی ہمت نہ تھی کیونکہ اس کے کان اور آنکھیں بیوی کی نظر سے دیکھنے اور سننے کے عادی ہو چکے تھے۔ ناچار سلوان کے آگے ہی جلے دل کے پھپھولے پھوڑتی رہتیں۔

"مجال ہے جو بہو رانی نے کبھی کچن میں جھانک کر دیکھا ہو۔ میں بڑھیا کہاں کہاں سر کھپاؤں سوچا تھا' بہو آئے گی تو ذرا پیر پسار لوں گی مگر قسمت......" سلوان جواب میں خاموش رہتا' وہ کیا کہتا' جب عثمان بھیا کو ہی اپنی بیوی کی لاابالی فطرت اور غیر ذمہ دار رویے پہ کوئی اعتراض نہ تھا تو وہ کچھ کہہ کر برا کیوں بنتا' مگر اس کی اصل پریشانی ازکی بھابی نہیں بلکہ شائمہ تھی جس کے بے باک تیور اسے الجھائے ہوئے تھے۔ وہ ہر دوسرے ہفتے ان کے گھر آدھمکتی' بلا اجازت اس کے کمرے میں دندناتی' اس کا کمپیوٹر استعمال کرتی' وارڈ روب اپنی مرضی سے سیٹ کرتی' دل ہی دل میں اس کی بے تکلفی پہ تاؤ کھاتے ہوئے اس نے کئی بار اسے شائستگی سے منع کیا تھا مگر بے سود شائمہ کی دخل اندازیاں بڑھتی چلی گئیں اور ساتھ میں سلوان کو بھی ضبط کا دامن اپنے ہاتھوں سے چھوٹتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ اب تو بے دھڑک وہ اسے سب کے سامنے جھاڑ دیا کرتا تھا۔ اس لڑکی کی آزاد روش اسے سخت زہر لگتی تھی۔

"ہائے سلوان...... کیا ہو رہا ہے؟" وہ ٹی وی پہ ریسلنگ دیکھ رہا تھا کہ وہ دھپ سے اس کے قریب صوفے پہ آ بیٹھی۔

"وہی جو تمہیں نظر آ رہا ہے۔" وہ اس کی بے تکلفی پہ کھولتے ہوئے رکھائی سے بولا۔

"یہ انڈرٹیکر کتنا پراسرار بندہ ہے ناں' بالکل بند غار کی مانند میں نے پیپر میں پڑھا تھا کہ اس نے اپنی آنجہانی بیوی سارہ کا ٹیٹو اپنے بدن پہ بنوایا ہوا ہے۔" چپس منہ میں رکھتے ہوئے وہ اس سے مخاطب ہوئی مگر وہ لاتعلق بنا اسکرین پہ نظریں جمائے بیٹھا رہا۔

"پتہ نہیں یہ مار دھاڑ والا کھیل کیا فائدہ دے رہا ہے۔ جسم ہے تو لہولہان' دونوں ایک دوسرے کی جان لینے کے درپے ہیں۔" تکیہ پہ غلاف چڑھاتے ہوئے زبیدہ خاتون ہلکی سی جھرجھری لے کر بولیں۔ ان کی نظریں بھی ٹی وی پہ جمی تھیں۔

"ارے آنٹی اسی مار میں تو سنسنی چھپی ہے۔ دنیا میں کروڑوں ان ریسلرز کے فینز ہوتے ہیں۔ دولت' شہرت' عزت کیا کچھ نہیں ملتا انہیں اس کھیل میں۔" وہ مسکراتے ہوئے ان سے مخاطب ہوئی۔

"ویسے آنٹی آپ سے ایک بات پوچھوں اگر مائنڈ نہ کریں تو؟" اب کے اس کے انداز میں جھجک تھی۔

"ہاں ہاں پوچھو بیٹا۔" زبیدہ خاتون نے فراخ دلی سے اجازت دی۔ سلوان نے بھی تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔ چہرے پہ سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ کچھ دیر پہلے والا کھلنڈرا انداز غائب تھا۔ یہ لڑکی بھی کبھی کبھی اچنبھے میں ڈال دیتی تھی۔

"میں بس اتنا پوچھنا چاہتی ہوں کہ آپ نے کیا کھا کر سلوان جیسے بیٹے کو جنم دیا تھا۔" دھیمے سے بات مکمل

کرنے کے بعد وہ کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی۔ سلوان نے پہلے تو ایک لمبی سانس بھری پھر ایک کڑی نگاہ اس پہ ڈالی جو ہنس ہنس کے رول ہوئی جارہی تھی۔ زبیدہ بھی نرمی سے مسکرائیں پھر بولیں۔

''ارے میرا بیٹا لاکھوں میں ایک ہے۔ ہونہار فرماں بردار۔'' وہ محبت پاش نظروں سے اپنے لاڈلے کو دیکھنے لگیں۔

''بالکل بجا فرما رہی ہیں مگر اتنی ساری کوالٹیز کے باوجود ان کی کٹھور طبیعت اور سڑیل مزاجی شخصیت کو گھن لگا رہی ہے۔'' اب معصومیت سے بولتے ہوئے اس نے ایک شریر نظر پہلو میں بیٹھے دشمنِ جاں پہ ڈالی جو اس تنقید پہ اسے بری طرح گھور رہا تھا۔

''ارے نہیں بھئی' تم زیادتی کر رہی ہو میرا بیٹا تو بہت شائستہ مزاج اور رکھ رکھاؤ والا ہے۔'' زبیدہ نے بہت نرمی سے شائمہ کے اعتراض کی نفی کی۔

''چلیں دیکھ لیتے ہیں' آپ کے صاحب زادے کی خوش اطواری کو' کشش والوں نے زبردست سمر کلیکشن ڈسپلے کی ہے' میں چاہتی ہوں سلوان مجھے تھوڑی سی شاپنگ کروا لائیں' آخر اتنے تو شائستہ مزاج ہوں گے کہ اپنے بھائی کی اکلوتی سالی کی خواہش پوری کردیں۔'' وہ معنی خیزی سے اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''مس شائمہ...... اماں شاید یہ بتانا بھول گئی ہیں کہ میری خوش مزاجی اور فیاضی آپ جیسی لیچڑ اور خواہ مخواہ گلے کا ہار بننے پہ ہمہ وقت آمادہ لڑکی کو دیکھ کر دھوپ میں پڑے رنگوں کی طرح غائب ہوجاتی ہے۔'' وہ ریموٹ سے ٹی وی بند کرکے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کی آنکھوں میں تحقیر سے دیکھتے ہوئے کٹیلے انداز میں ایک ایک لفظ پہ زور دیتے ہوئے بولا تھا۔ پھر اگلے ہی لمحے ٹی وی لاؤنج کا دروازہ پار کرگیا۔ شائمہ کے چہرے کا رنگ ایک دم پھیکا پڑ گیا تھا۔

ذکیہ دھیمی آواز سے گنگناتے ہوئے کھجور کی ٹوکری میں پڑے پیلے' سبز اور سرخ پیلوؤں کو اچھال اچھال کر اوپر نیچے کرتی اور مسلے ہوئے دانے نکال کر الگ کرتی جارہی تھی۔

''اری او عمدہ...... تو بھی تو پیلو کھا کے دیکھ ناں' کتنے مزے کے میٹھے ہیں۔'' ذکیہ نے اپنے شغل میں مصروف عمدہ کو پکارا جو اپنی کاپیوں پہ دل جمعی سے اخبار کا کور چڑھا رہی تھی۔

''نہیں اماں...... میں نے نہیں کھانے' میرے منہ میں چھالے پڑ جاتے ہیں پیلو کھانے سے۔'' عمدہ نے پوری طرح منہ کھول کر دکھایا۔ زبان چھلی ہوئی اور ہونٹ اندر سے سرخ ہو رہے تھے۔

''ہاں...... تو کملی دھی کوئی ایک ایک دانہ منہ میں تھوڑی ڈالنا ہوتا ہے' انگور کی طرح پوری مٹھی بھر کے پھانکوگی تو منہ نہیں چھلے گا۔'' ذکیہ نے کہتے ہوئے مٹھی بھر پیلو منہ میں منتقل کیے تھے۔

''اماں...... یہ ابا کب آئے گا' مجھے بہت یاد آرہا ہے۔'' بستہ بند کرتے ہوئے اس نے اداسی سے پوچھا تھا۔

''جب کام ختم ہوگا' تبھی گھر لوٹے گا ناں۔ خدا معلوم کتنی ایکڑ زمینیں ہیں جن میں ہل چلانا ہے۔'' ذکیہ نے جواب دیا۔

خمیسو کا ذریعہ روزگار ٹریکٹر تھا' جس کے ساتھ لگی ٹرالی کی مدد سے وہ کبھی اجرت پہ مٹی ڈھونے کا کام کرتا یا پھر ہل لگا کر زمینوں کو بوائی کے لیے تیار کرتا۔ ویسے تو اپنے قصبے میں ہی اسے کافی کام مل جاتا مگر پچھلے دو ہفتوں سے وہ ساتھ والے گاؤں ہل چلانے گیا ہوا تھا۔ عمدہ دو ہفتوں سے باپ کو بنا دیکھے سخت بے چین و مضطرب تھی' کسی کام میں جی نہ لگتا تھا' چودہ برس کی ہونے کے باوجود بھی خمیسو اس کے ایسے لاڈ اٹھاتا تھا جیسے وہ کوئی پانچ سال کی بچی ہو' ذکیہ کو بھی وہ کم پیاری نہ تھی' مگر باپ سے اس کا والہانہ لگاؤ مثالی تھا۔ وہ باپ کے ہاتھ سے نوالے اپنے منہ میں لینے کی عادی تھی اور اب کھانا پینا واجبی رہ گیا تھا۔ ابا ہر وقت تو اس کے لیے کوئی نہ کوئی چیز بازار سے کھانے کے لیے لے

آ تا' کبھی [illegible] والی قلفی تو کبھی بھنا ہوا بھٹا' کبھی گڑ کا حلوہ [illegible] لگی۔

مکئی کے بھٹے نجانے کیا کیا' ذکیہ نے اس کی من پسند چیزیں کسی بچے کو بازار بھیج کے منگوائیں مگر وہ اداس بلبل بنی کسی چیز کی طرف آنکھ اٹھا کے بھی نہ دیکھتی۔ خیالوں میں تو صرف باپ کا تصور ہی سمایا ہوا تھا' جسے دیکھے' جس کی نرم وشفیق آواز سنے اسے پندرہ روز ہو گئے تھے۔

''بس ابا آجائے' پھر میں نے اسے اتنی دور نہیں جانے دینا۔'' وہ گلوگیر انداز میں قطعیت سے بولی تھی۔

''ہاں اس اللہ کے بندے کو بھی دیکھو' گھر بار بھول بیٹھا ہے۔ صرف ڈیڑھ ہفتے کا کہا تھا آج سترھواں دن ہے۔'' ذکیہ کی آواز بھی خدشات سے لبریز تھی۔ پھر جون کی ایک حبس بھری دوپہر میں خمیسو آ گیا تھا' اپنے دو دوستوں کے کندھوں کا سہارا لے کر' نیم جاں اور قریب المرگ۔

''ابا......!'' عمدہ کے لبوں سے ایک چیخ برآمد ہوئی تھی۔ خمیسو کا پورا بدن پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا' آنکھیں بند تھیں اور ہونٹ ساکت۔

''یہ اسے کیا ہوا؟'' ذکیہ نے وحشت زدہ انداز میں ساتھ آنے والوں سے پوچھا تھا۔

''بھرجائی...... خمیسو بھرا اپنا کام ختم کر کے گھر واپس آ رہا تھا کہ کسی آئل ٹینکر نے اس کے ٹریکٹر کو ٹکر مار دی۔ تین دن ہسپتال میں رہا ہے' ہوش میں آنے پہ اس نے گھر لے جانے کو کہا۔'' ساتھ والوں نے دردمندی سے تفصیل گوش گزار کی تھی۔

''ہائے میں لٹ گئی۔ میری جندگانی کو نظر لگ گئی۔'' ذکیہ زور زور سے روتے ہوئے خمیسو کی چارپائی سے سر ٹکرانے لگی۔ عمدۃ النساء کی آنکھوں میں آنسو ٹھٹھر کر جم گئے تھے۔ دل ماننے سے انکاری تھا کہ اس کا جاں لٹا دینے والا ابا یوں بے بس ولاچار چارپائی پہ پڑا زندگی وموت کی کشمکش میں ہے۔

''ابا! دیکھ تو تیرے آنے کے میں نے دن گنے ہیں اور تو کس حال میں لوٹا ہے۔'' وہ چارپائی سے لگ کر

''ریڑھ کی ہڈی بری طرح ٹوٹ چکی ہے۔ انجن میں آگ لگ جانے سے خمیسو کا جسم جھلس گیا ہے' سر کی چوٹ بھی بہت شدت کی ہے۔'' دوست واحباب کی بھیڑ میں اڑتے پڑتے کئی جملے ان ماں بیٹیوں کے جسم سے جاں نکال رہے تھے۔

''حالت بہت نازک ہے۔ ڈاکٹرز زیادہ امید نہیں دلا رہے۔'' بے ہنگم آوازوں میں سے ایک بے رحم آواز نے عمدہ کا سینہ چیر ڈالا تھا۔ وہ وہیں چارپائی پہ تیورا کر گر پڑی تھی۔

◉......◉......◉

''قاضی صاحب میں نے آپ سے بلقیس کے بارے میں بات کی تھی۔'' زبیدہ خاتون نے یاددہانی کے انداز میں شوہر کو پکارہ جو ٹی وی دیکھنے میں محو تھے۔

''ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے' اگر کوئی اور ضرورت مند ہے تو ان کی بھی فہرست بنالو کل ہی پیسوں کی منصفانہ تقسیم کر کے ضرورت مندوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔''

اب کے وہ مکمل طرح سے زبیدہ خاتون کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

''بلقیس کی بیٹی کے جہیز کے ایک دو آئٹم تیار کر لیتے ہیں' یہ جو صدیقی صاحب کے ہاں باورچی ہے' اس کی بہن کو لیور کینسر ہے اس کی مدد کرنا بھی تو واجب ہے۔''

''آپ کی بات ٹھیک ہے قاضی صاحب' ہماری ہمسائی نجمہ کے بہنوئی کے دونوں گردے فیل ہو چکے ہیں' ان کو بھی نظر میں رکھیے گا۔''

اس نے ہوش سنبھالتے ہی اپنے ماں باپ دونوں کو بشر استطاعت کی حد تک مخلوق خدا کی مدد میں کوشاں دیکھا تھا۔ کسی کی تعلیم مکمل کرنے میں مدد کر رہے ہیں' کسی گھرانے کی کفالت کر رہے ہیں' کسی کی شادی کا مسئلہ ہے' روزگار کا' لڑائی جھگڑے یا پھر اور معاملات' وہ بساط بھر ہر ایک کی مدد کے لیے پیش پیش رہتے۔ قاضی عبدالرحیم کہا کرتے۔

"مخلوق خدا کے کام آنا عبادت ہے، نیکی اصل محبت ہے اور خدا کی محبت پانے کا ذریعہ بھی۔"

وہ اپنے دونوں بیٹوں کو انہی صفات سے متصف دیکھنا چاہتے تھے۔ عثمان حیدر نے بھی زندگی میں کسی سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹایا تھا اور وہ خود بھی وسعت قلبی کی دولت سے مالا مال تھا۔ ہر وقت کسی نہ کسی محتاج و ضرورت مند کی مدد کے لیے تیار...... اور اس رات اندھیری سنسان سڑک پہ اپنی جان اور ناموس کی حفاظت کی خاطر نکلی اس پریشان حال دوشیزہ کی مدد کے پیچھے بھی یہی جذبہ کارفرما تھا۔ اس کی اپنی منشا پہ وہ اسے دارالامان میں تو چھوڑ آیا تھا مگر پلٹ کر اس کی خبر نہ لی۔ نجانے وہ کس حال میں ہوگی، یہی ایک سوچ اسے روز و شب کے کئی لمحوں میں مضطرب و بے چین کر ڈالتی تھی۔ کیا یہ لازمی تھا کہ میں اسے کسی دارالامان میں چھوڑ آتا، اسے بحفاظت گھر میں لے آتا، اماں ابا اس نیکی پہ اسے ضرور سراہتے۔ مگر وہ خود ہی تو کسی دارالامان میں جانے کی ضد کر رہی تھی۔

دل نے چپکے سے یاد دہانی کروائی تو وہ جھنجلا اٹھا۔ نسرین نے اس کے ہاتھوں میں چائے کا کپ تھمایا، قاضی صاحب نماز عشاء کی ادائیگی کے لیے مسجد جا چکے تھے۔ اس نے گرم گرم چائے کا گھونٹ بھرا، پھر پٹخ کر کپ میز پہ رکھ دیا۔

"یہ چائے ہے جیسے بیماری میں جانوروں کو مخلول دیا جاتا ہے ویسی ہی کوئی چیز تم پکا لاتی ہو۔" وہ نسرین کی شکل دیکھ کر دھاڑا۔ نسرین نے سہم کر نظریں جھکا لیں۔

"سلوان......! یہ لب و لہجہ ایک خاتون کے ساتھ......؟" زبیدہ خاتون نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔

"جاؤ نسرین تم اپنا کام کرو۔" انہوں نے نرمی سے نسرین کو باہر بھیجا۔

"بیٹے یہ کسی کے ساتھ بات کرنے کا کون سا انداز ہے اگر چائے پسند نہیں آئی تو نہ پیتے، میں بنا دیتی۔ ویسے بھی نسرین ایسی ہی چائے برسوں سے بناتی آرہی ہے پہلے تو تم بات بات پہ اعتراض کر کے پی جاتے تھے مگر اب......!" ان کا انداز تحت فہمائشی تھا۔

"سوری امی جی...... میں ذرا ہائپر ہو گیا تھا۔" وہ لمحوں میں خود پہ قابو پا چکا تھا۔ ٹھہرے ہوئے انداز میں بولا۔

"سلوان...... میں دیکھ رہی ہوں تم اکثر ملازموں سے الجھنے لگے ہو، ازکی بھی تمہارے رویے کی شکایت کر رہی تھی؟" وہ اب بغور اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"سوری امی...... آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔" وہ مختصر لفظوں میں بات سمیٹ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

ان کی بات بجا تھی۔ وہ صرف گھر ہی نہیں آفس میں بھی اکثر ورکرز کو بلاوجہ جھاڑنے لگتا تھا۔ اس جیسے ٹھنڈے مزاج کے بندے کا یوں بات بے بات آپے سے باہر ہونا، دوسروں کے لیے اچنبھے کا باعث تھا۔ اس کی یہ حالت اس دن سے تھی جب سے وہ اس لڑکی کو دارالامان ڈراپ کر کے آیا تھا۔ سیاہ آنچل میں لپٹا نازک وجود اور ہراساں چہرہ اس کے دھیان کی دیوار پہ چپک سے گئے تھے۔ وہ پتہ نہیں کیوں اس لڑکی والے معاملے کو بھاڑ میں جاؤ کہہ کر اپنے دل و دماغ کو اس کے تصور سے جھٹک نہیں سکا تھا۔

⊙......⊙......⊙

اس نے بے حد حیرت سے اس خوش لباس اور بے حد ماڈرن عورت کو دیکھا جو اپنے ساتھ لائے ہوئے کیمرہ مین اور دیگر اسسٹنٹ کو ہدایات جاری کر رہی تھی۔

"ان سب لوگوں کا دارالامان میں کیا کام؟" اس نے دل ہی دل میں حیران ہوتے ہوئے باجی شمیم کو دیکھا جو اس خاتون کے سامنے بچھی بچھی جا رہی تھیں۔

لائٹس اور کیمرہ آن ہوتے ہی اس نوارد خاتون نے مائیک عقیلہ کے سامنے کرتے ہوئے نرم و میٹھے لہجے میں احوال پرسی شروع کردی۔ اسے نجانے کیا ہوا کہ وہ لڑکیوں کے جھرمٹ سے اٹھ کر فوراً باہر آگئی۔

"عمرہ...... تم کیوں باہر آگئی ہو۔ یہ شمائل فاروقی ہیں۔ ٹی وی چینل سویرا کی مینجنگ ڈائریکٹر ہیں۔ ویمن ڈے کے حوالے سے اسپیشل پروگرام کر رہی ہیں اپنے

چینل کے لیے۔" شمیم آپا اس سے پیچھے آئی تھیں۔

"وہ تو ٹھیک ہے آپا...... مگر میں ان کے سامنے نہیں آؤں گی۔ ٹی وی پہ عبدالشکور مجھے دیکھ لے گا۔" وہ سراسیمہ آواز میں بولی۔ چہرے پہ انجانا خوف چھایا ہوا تھا۔

"ارے کچھ نہیں ہوتا' یہ اپنے چینل کے تھرو تم لوگوں کی اسٹوریز نہ صرف منظر عام پہ لائیں گی بلکہ تم لوگوں کے دکھ درد کے مداوے کا بھی شاید کچھ سامان مہیا کریں۔ کیونکہ شمائل ایک این جی او بھی چلاتی ہیں۔" آپا نے اسے قائل کرنے کی مقدور بھر کوشش کی۔ وہ شمائل کو ہر ممکن تعاون کی یقین دہانی کراچکی تھیں ایسے میں اس کی ہٹ دھرمی شمائل فاروقی کا موڈ خراب کرسکتی تھی۔ شمائل اور ان کے شوہر واصف فاروقی کافی ڈونیشن اس دارالامان کو دے چکے تھے' شمیم سے ان کے دوستانہ تعلقات اس کے علاوہ تھے۔

"چلو تم نقاب ڈال کر بات کرلینا۔" شمیم نے نرمی سے آمادہ کرنا چاہا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"نہیں آپا...... بس میں ٹی وی پر نہیں آؤں گی۔ یہ میری آخری پناہ گاہ ہے' میں اسے کسی طور کھونا نہیں چاہتی۔"

"اٹس اوکے شمیم اگر یہ لڑکی کیمرہ فیس نہیں کرسکتی تو تم اسے فورس مت کرو۔" شمائل فاروقی نے عقب سے آتے ہوئے اس کی بات سن لی تھی۔ لائیو کوریج ہورہی تھی۔ شاید بریک لیتے ہی شمائل ادھر آگئی تھیں۔

"چلو ٹی وی پہ نہ سہی' مجھے تو بتادو تم کن وجوہات کی بناء پر یہاں لائی گئی ہو۔" شمائل کا لہجہ ہمدردی اور اپنائیت لیے ہوئے تھا۔ اس کا دل لحہ بھر کو پگھلا پھر آبی قطروں کی لڑیاں اس کے سلونے چہرے پہ سج گئیں۔ وہ آنسوؤں کے بیچ اپنی پُر درد کتھا سنانی گئی۔

"ریلیکس سوئیٹ ہارٹ' تم واقعی بریو گرل ہو۔" شمائل نے اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے اس کی پشت کو سہلایا۔

"میں تمہیں وہ سب کچھ فراہم کرسکتی ہوں جو اس وقت تمہیں چاہیے۔ عمدہ کھانا' بہترین لباس اور سب سے بڑھ کر ریکیوریٹی ماہانہ تنخواہ اس کے علاوہ ہوگی۔ تمہیں صرف میرے بیٹے کی دیکھ بھال کرنی ہوگی' جو پیدائشی معذور ہے۔" شمائل یقیناً اس سے کہہ رہی تھی۔

اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ شمیم بھی حیرانی سے شمائل کو دیکھ رہی تھی۔

⊙......⊙......⊙

مزارعوں کے درمیان بیٹھا ان کی فصلوں' بارشوں اور موسموں کے متعلق گفتگو کو وہ انتہائی غیر دلچسپی سے سن رہا تھا۔ قاضی رحیم بھی اس کے چہرے پہ چھائی بوریت کو صاف دیکھ اور محسوس کررہے تھے مگر انہیں اس وقت ان لوگوں کی باتوں میں مزہ آرہا تھا جو زمین سے سونا اگانے کی صلاحیت سے مالا مال تھے۔ ان کی زمینوں پہ سالانہ ٹھیکے کے عوض کام کرنے والے ہاری کسان' جن سے وہ ہر سال ملنے آیا کرتے' دوستانہ ماحول میں ہی حساب کتاب طے پاجاتا' آج کی بیٹھک بھی اسی سلسلے میں تھی۔

وہ اکتا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ بوائی' جوائی کی باتوں میں بھلا اس کے لیے کیا چارم ہوسکتا تھا' وہ سیدھا فصلوں کی طرف چلا آیا۔ گندم کے خوشے سنہری پیرہن اوڑھنے کی تیاری کررہے تھے۔ حد نظر سبزہ پھیلا ہوا تھا۔ کوئل کی مدھر آواز ماحول کے حسن کو دوچند کررہی تھی۔ وہ سرسوں کے پیلے پھولوں پر منڈلاتی تتلیوں کے غول کو دیکھنے لگا۔ پھر اگلے ہی لمحے اپنی پاکٹ سے موبائل نکال کر فطرت کے اس حسین منظر کو قید کرلیا۔ ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے نرم پھولے ہوئے سرخ وسفید خرگوش' گھونسلے میں پانچ بچوں کو جگاتی بلبل' ٹیوب ویل سے نکلتا ٹھنڈا شفاف پانی۔

شہر کی پر تصنع اور مشینی زندگی میں یہ فطری مناظر عنقا ہیں۔ ابھی وہ مسحور سا قدرت کے ان دلکش نظاروں کو دل ہی دل میں برملا سراہتا کیمرے کی یادداشت میں محفوظ کرہی رہا تھا کہ جٹ اللہ رکھے نے قاضی صاحب کے واپسی کے ارادے سے آکر اسے مطلع کیا۔ وہ ایک طویل سانس کھینچ کر پلٹتا آیا۔

"بے حد محتاط ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس نے نوٹ کیا

کہ قاضی عبدالرحیم کافی سنجیدہ تھے۔ چہرے پہ نامعلوم فکر کی پرچھائیں تھیں۔ وہ پوچھے بنا رہ نہیں پایا۔

”کیا بات ہے اباجی آپ پریشان دکھائی دے رہے ہیں۔ کیا زمینوں کا کوئی مسئلہ ہوگیا ہے؟“ وہ چونک کر خیالوں سے نکلے پھر ایک لمبی سانس کھینچتے ہوئے بولے۔

”نہیں زمینوں کا کوئی مسئلہ نہیں۔ مجھے ابھی مزارعوں سے پتہ چلا ہے کہ میرے بھائی خیر دین کا انتہائی سیریس ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔“

”آپ کے بھائی......؟“ اس نے چونک کر باپ کا چہرہ دیکھا۔ اسے اباجی کی بات سن کر حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا کیونکہ وہ بخوبی جانتا تھا کہ اس کے اباجی اکلوتے ہیں۔ نہ کوئی بہن ناں بھائی..........مگر اب یہ بھائی......؟

”میں نے تم لوگوں سے شاید ذکر کیا ہوگا۔ خیر دین میرا حقیقی نہیں رضاعی بھائی ہے۔ میری دائی اماں جنداں کا بیٹا۔ میں نے اماں جنداں کا پورے دو سال دودھ پیا تھا۔ خیر دین اور میں اس وقت تک اکٹھے کھیلتے رہے جب تک اماں جنداں ہمارے گھر کام کرتی رہیں۔ پھر شوہر کی وفات کے بعد وہ اپنے گاؤں چلے گئے۔ ان کی وفات پر میں نہ جاسکا ان بیتے سالوں میں صرف بھائی سے اس وقت ملاقات ہوئی تھی جب وہ اپنی نئی نویلی دلہن کو اماں جان یعنی تمہاری دادی سے ملانے لایا تھا۔ پھر گردش دوراں نے اتنی فراغت نہ بخشی کہ ہم پھر سے مل پاتے۔“ وہ اپنے مخصوص نرم لہجے میں اس کی ساری الجھن تفصیل سے سلجھا چکا تھے۔

”ادھر راستے میں ہی کوٹ مٹھن کے قریب خیر دین کا گھر ہے۔ اس کی عیادت کرتے چلیں۔“ انہوں نے کہا اور اس نے من و عن ہدایت پر عمل کیا۔

دو کمروں والے کچے گھر کے درو دیوار سے لپٹے غربت کے سائے انہیں پہلی ہی نظر میں دکھائی دیئے تھے۔ ٹوٹے پھوٹے جسم کے مالک خیر دین کی اندر تک دھنسی ہوئی آنکھوں میں عبدالرحیم کو دیکھ کر شناسائی کے آنسو بھر آئے تھے۔ ادھر ان کا بھی اپنے بیلی اور سنگی کا یہ حال دیکھ کر دل بھر آیا تھا۔

”خیمسو......! یہ کیا حال بنا رکھا ہے دیکھ تو تیرا بھائی آیا ہے۔“ وہ خیمسو کا پٹیوں میں جکڑا ہاتھ تھامے محبت سے بول رہے تھے اور خیمسو کی آنکھوں میں شناسائی کے ساتھ محبت کا رنگ بھی شامل ہوا تو سوکھے پچکے زرد گال آنسوؤں سے تر ہوگئے۔

گزرے ایام کی یادیں دہرائی جانے لگیں۔ ذکیہ چینی کے کپوں میں چائے بنا کر لے آئی تھی۔ وہ گھونٹ گھونٹ چائے پیتے ہوئے اس کچے کمرے کا جائزہ لینے لگا جس میں بیٹھے ہوئے انہیں نجانے کتنے گھنٹے بیت چکے تھے۔ اس نے کئی بار پہلو بدل کر اباجی کو وقت کا احساس دلا کر چلنے کا اشارہ کیا تھا مگر انہوں نے تو گویا اپنے بھائی کی چارپائی سے نہ ہلنے کی قسم کھائی تھی۔

”بس خیمسو! تو ذرا فکر نہ کر‘ میں تجھے شہر لے جاؤں گا‘ وہاں بڑے ہسپتال میں تیرا علاج ہوگا۔ تو دنوں میں بھلا چنگا ہوجائے گا۔“ عبدالرحیم نے کہا۔

”نہیں یار! اب میرا ادھر ہی چل چلاؤ کا وقت آ گیا ہے‘ میرے دماغ پہ زور کی ٹکر لگی ہے‘ میری آنکھیں دن بادن بے نور ہوتی جارہی ہیں۔ ذہن نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔“ خیمسو گھٹے گھٹے انداز میں بولا جیسے بولنے میں اسے سخت دقت پیش آ رہی ہو۔

ذکیہ کی دھیمی دھیمی سسکیاں ماحول کو مزید بوجھل بنانے لگیں۔

”تو خوامخواہ اتنا مایوس ہو رہا ہے‘ اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے۔“ عبدالرحیم نے اسے مایوسی کے گرداب سے نکالنا چاہا۔

”دیکھ تو میرا بھرا ہے‘ میرے بعد میری نمانی بیوی کا کوئی نہیں ہے‘ نہ دیور نہ سسر‘ میری شہزادی ورگی دھی اس دنیا میں رل جائے گی۔ تو وعدہ کر‘ اگر میری سانسوں کی ڈور ٹوٹ جائے تو‘ تو ان دونوں کو اپنے پاس پناہ دے گا۔ دے گا ناں؟“ خیمسو اکھڑی اکھڑی سانسوں کے درمیان اٹک اٹک کر بولتے ہوئے ان کے دونوں ہاتھ تھامے گویا التجا

کر رہا تھا۔

"تو کیسی باتیں کر رہا ہے میرے ہوتے ہوئے میری بھرجائی اور بھتیجی رل سکتی ہیں؟" خمیسو کی بے بسی نے انہیں آبدیدہ کر دیا تھا۔

"تو بس مجھ سے یہ وعدہ کر تو میری دھی کے سر پہ اپنا ہاتھ ضرور رکھے گا۔ اسے بے یار و مددگار دنیا میں تنہا نہیں چھوڑے گا۔ مجھے زبانی تسلی کے دو لفظ ہی سنا دو تاکہ میں سکون سے آنکھیں بند کر سکوں۔" خمیسو کا سانس پھول رہا تھا۔ ذکیہ اس کا سینہ سہلانے لگی۔ خمیسو کی ملتجی نگاہیں ان پہ جمی تھیں۔ درخواست گزاری کا واضح تاثر دیتی بے رنگ آنکھیں۔ انہوں نے لمحوں میں ایک فیصلہ کیا تھا۔

"دیکھ خمیسو! اگر تجھے میری زبان پر اعتبار نہیں آ رہا تو میں ابھی اپنے لفظوں کی لاج رکھنے کو تیار ہوں۔ یہ میرا چھوٹا بیٹا سلوان ہے۔ یونیورسٹی میں مالیات کا طالب علم ہے اگر تم چاہو تو اپنی بیٹی کو ابھی اسی وقت اس کی زوجیت میں دے دو۔ اپنے بیٹے کے کردار اور شرافت کا میں ضامن ہوں۔ یہ تمہاری بیٹی کو ایک مضبوط سائبان فراہم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔" عبدالرحیم نے گویا ایک بم ان تینوں کے اعصاب پہ پھوڑا تھا۔ اس نے بے حد حیرانی سے ابا جی کو دیکھا جنہوں نے اس کی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ بنا اس سے پوچھے لمحوں میں طے کر دیا تھا۔

وہ بھی صاحبزادے کی حیرانی اور الجھن کو بخوبی دیکھ چکے تھے۔ خمیسو اور ذکیہ کو زار و قطار اظہار تشکر سے آنسو بہاتا چھوڑ کر وہ اسے کچے آنگن کے ایک کونے میں لے آئے تھے۔

"دیکھو بیٹا! اس جاں بہ لب شخص کی یہ مراد پوری کرنے کا خدا نے ہمیں وسیلہ بنایا ہے۔ خدا اس نیکی کے عوض تمہیں بے پناہ اجر سے نوازے گا۔ ان دکھیارے میاں بیوی کو میں انکار کر کے گھر کو چلتا بنوں تو یقین مانو ساری عمر ایک احساسِ جرم میرا پیچھا لے گا۔" وہ ڈوبتی شام کے سلونے اجالے میں اپنے پارہ جگر کو دیکھ رہے تھے جس کی ہمدرد طبیعت اور تابعداری کو دیکھتے ہوئے انہوں نے اتنا بڑا فیصلہ کیا تھا۔

"مگر ابا جی...... اتنی جلدی کیسے ممکن ہے؟ اماں جی بھی موجود نہیں ہیں۔" وہ جز بز ہوا تھا۔

"اپنی ماں کی تم فکر نہ کرو۔ اس نیک بخت کی خدا ترسی بھلا کیسے گوارا نہ کرے گی جب اسے پتا چلے گا کہ ایک روتے بلکتے شخص کے دکھی دل کی ڈھارس کا سامان ہم بن کر آئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے ابا جی! جیسے آپ کی مرضی۔" اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر گویا مکمل رضامندی کا اظہار کر دیا تھا۔

اگر عبدالرحیم خمیسو کو اپنا فیصلہ سنانے سے قبل اس سے پوچھتے یا مشورہ لینے کا تکلف کرتے تو وہ بلا جھجک انہیں انکار کر دیتا۔ لیکن انجان اور ان دیکھی لڑکی کو اپنا نام عطا کرنے کی تک بھی نہیں بنتی تھی۔ نہ شکل و صورت کا پتہ نہ تعلیم و کردار سے آگاہی اور تو اور نام تک سے بھی واقفیت نہ تھی۔

بائیس سال کی عمر میں شادی کا دور دور تک کوئی تصور اس کے دل و دماغ میں نہ تھا۔ ابھی تو گھر میں عثمان بھیا کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اماں جی کے لیے تو فی الحال وہ ایک ننھا بچہ ہی تھا جن کی گود میں سر رکھ کر وہ مختلف پکوان کی فرمائش کیا کرتا۔ اسے اپنے ابا جی کی فیاض، ہمدرد اور نیک فطرت پر فخر محسوس ہوتا مگر کبھی سوچا تک نہ تھا کہ ان کی یہ فیاضی اور نیک دلی اس سے اتنا بڑا امتحان لے گی۔ وہ منہ پھاڑ کر کھڑے کھڑے اس آناً فاناً طے پا جانے والے رشتے سے انکار بھی کر سکتا تھا مگر خمیسو اور ذکیہ کی نظروں میں اس کے ابا جی کی کیا عزت رہ جاتی جنہیں وہ امید کا سرا تھما چکے تھے۔ وہ بھی تو اپنے ابا جی کا نیک فطرت اور تابع فرماں بردار بیٹا تھا پھر انکار کی گنجائش کہاں سے نکل پاتی اور سچ بات تو یہ تھی کہ وہ انکار کر کے ان مایوس و غمزدہ میاں بیوی کی آنکھوں میں ایک دم سے جل اٹھنے والے امید، خوشی اور طمانیت کے دیئے کو انکار کی پھونک سے بجھانے کا حوصلہ اپنے اندر نہیں کر پا رہا تھا۔

رات کی سیاہ چادر کے تنتے ہی چند اہل محلہ کی موجودگی

میں ایک ان دیکھے وجود کو ان کی زوجیت میں دے دیا گیا۔ رات کے دوسرے پہر خمیسو نے بیٹی کو باعتماد ہاتھوں میں سونپ کر طمانیت سے آنکھیں موند لی تھیں۔ ہمیشہ کے لیے، دیکھتے ہی دیکھتے گھر احباب و محلے داروں سے بھر گیا۔ وہ چند گھنٹے پہلے بننے والی اپنی شریک حیات کو متلاشی نگاہوں سے فطری جذبے کے زیر اثر اِدھر اُدھر دیکھتا رہا، مگر مرد و زن کی بھیڑ میں اسے 'عمدہ النساء' کی جھلک دکھائی نہ دی تھی جس کے بارے میں صرف اتنا ہی معلوم ہوسکا تھا کہ محترمہ چودھویں سن میں کلاس نہم کی طالبہ ہیں۔

انہوں نے اگلے دن ہی واپسی کا قصد کیا، مواصلات کی کمی کی بدولت ذکیہ کا اکلوتا بھائی شوکت اپنی بیوی سمیت چوتھے دن پہنچا تھا۔ بہن کو ضروری سامان باندھنے کا حکم دیا کہ اکیلے گھر میں تنہا دو عورتوں کا رہنا کسی طور پر مناسب نہیں۔ قاضی عبدالرحیم نے جلد از جلد اپنی امانت کو لے جانے کی بات ذکیہ اور شوکت دونوں کے سامنے کی۔ واپسی کا سفر سلوان حیدر نے انوکھے و لطیف احساسات کے ہمراہ طے کیا تھا۔

☾......☾......☾

پڈنگ سے بھرا چمچ اس نے حذیفہ کے منہ میں دیا۔ پڈنگ منہ میں جانے کے بجائے اس کی باچھوں سے گرنے لگی تھی جو صاف اشارہ تھا کہ اب حذیفہ کا پیٹ مکمل طور پر بھر چکا ہے۔ مزید کی گنجائش نہیں، اس نے نرمی سے نیپکن اتارا اور ٹشو سے اس کا منہ صاف کرنے لگی۔ پیٹ کے بھرتے ہی حذیفہ پر غنودگی چھانے لگی۔ وہ اس کے قریب لیٹی دیر تک اس کے ملائم بالوں میں ہاتھ پھیرتی رہی۔ آج تو اس سے کوئی پوئم اور اسٹوری سنے بنا ہی سو گیا تھا۔ وہ اس کے معصوم چہرے کو دیکھے گئی، کون کہہ سکتا تھا کہ بظاہر نارمل دکھنے والا یہ سات سال کا صحت مند بچہ قوت گویائی اور سماعت سے محروم ہے۔ جس کے پیروں نے زمین کی ہمواری محسوس نہیں کی۔ جو کروٹ بدلنے سے لے کر حوائج ضروریہ تک اپنی گورنس کا محتاج ہے۔

حذیفہ پہلے دن سے ہی اسے بہت بھایا تھا۔ وہ سارا دن اس کے ساتھ رہتی، اگر جو وہ ذرا بھر بھی نظروں سے اوجھل ہوتی تو وہ بے چین ہوجاتا، غوں غاں اور دیگر ناقابل فہم آوازوں سے اپنے اندرونی احساسات کا اظہار کرتا۔ بیٹے کا عمدہ سے والہانہ لگاؤ شمائل کی نظروں سے بھی پوشیدہ نہ تھا۔ وہ اس کی کارکردگی سے بے حد خوش تھیں کیونکہ ان کا بیٹا جو اس سے خوش تھا۔ وہ زیادہ تر اپنے نیوز چینل اور دیگر فلاحی سرگرمیوں میں مصروف رہتیں مگر لمحہ بہ لمحہ اس سے اپنے بیٹے کا حال دریافت کرتی رہتیں۔ وہ اپنے انتخاب پہ بے حد خوش تھیں، ان کی زیرک نگاہوں نے پہلے دن ہی عمدہ کی نرم اور ہمدرد طبیعت کو بھانپ لیا تھا، تبھی شمیم سے اس کی خدمات حاصل کرنے کی درخواست کر ڈالی تھی۔ عمدہ ان کی امیدوں پہ پوری اتری تھی۔

حذیفہ گہری نیند سو گیا تھا۔ وہ کمبل برابر کرکے کچن میں آگئی۔ چائے کی شدید طلب ہورہی تھی۔ کپ اٹھا کر حذیفہ کے کمرے میں ہی آرہی تھی کہ پشت سے گمبھیر آواز ابھری۔

"اپنے لیے تو بنالی، کیا مہمان سے چائے پوچھنا فرض نہیں بنتا؟" وہ جھٹکا کھا کر پیچھے پلٹی۔

وہ بے حد پُراعتماد انداز میں مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ دونوں بازو صوفے کی پشت پہ پھیلے ہوئے تھے اور ٹانگ پہ چڑھی ٹانگ نجانے کس ترنگ میں تھرک رہی تھی۔

"جی آپ......؟" گھبراہٹ میں اس کے منہ سے نکلا۔ خالی ہاتھ فوراً سر پہ دوپٹہ جمانے لگا تھا۔

"جی میں...... خادم کو ہارون کہتے ہیں، شمائل آپا کا فرسٹ کزن ہوتا ہوں۔ آپ غالباً حذیفہ کی نئی کیئر ٹیکر ہیں۔" وہ اب بے تکلفی سے اس سے پوچھ رہا تھا۔ اس کی ہتھیلیاں پسینے سے تر ہوگئیں۔ مقابل کی خود پہ جمی نگاہیں کافی بے باک تھیں۔

"وہ شمائل میم تو گھر پہ نہیں ہیں۔" وہ جھکے سر سے بولی، وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"تو دم کب گھر پہ ہوتی ہیں؟ ان جیسی ملٹی ٹیلنٹڈ خاتون کا دن کی روشنی میں گھر میں نظر آنا اس صدی کا سب سے عجیب واقعہ ہوسکتا ہے۔" وہ پتہ نہیں طنز کررہا تھا یا مذاق، وہ سمجھ نہیں سکی، وہ تو بس سوچ رہی تھی کہ ادھر سے کھسکے تو کیسے کھسکے۔ مقابل نے بھی شاید اس کی سوچ پڑھ لی تھی۔ تبھی اٹھ کر مضبوط قدموں سے چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا۔

"شمائل آپا کی تقریباً تمام میڈز نہایت ہی خوش اخلاق اور مہمان نواز ہوتی ہیں، مگر آپ ان صفات سے عاری لگ رہی ہیں۔ خود تو چائے کا کپ لیے کھڑی ہیں، مگر مہمان سے پانی تک کا نہیں پوچھا۔" وہ اس کے جھکے سر کو دیکھتے ہوئے دھیمے انداز میں بولا۔

"یہ لیں، آپ چائے پئیں۔" اس نے کنفیوز ہوتے ہوئے کپ اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ بے ساختہ مسکرایا۔

"اونہوں، یہ کپ تو قطرہ قطرہ آپ کا نصیب ہے۔ اسی چائے کو دو کپوں میں ڈال لیں، پھر مل کر اکٹھے پیتے ہیں۔" وہ یوں بے تکلفی سے بات کررہا تھا جیسے ان کے درمیان برسوں کی آشنائی ہو۔ اس کے اندر ناگواری کی ایک لہر اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے سرتاپا اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

"میں فریدہ کو کہتی ہوں وہ آپ کو چائے بنا کردیتی ہے، میں حذیفہ کو دیکھوں شاید اٹھ گئے ہوں؟" وہ رکھائی سے کہتی تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گئی۔ ہارون نے اس کی نازک کمر پر جھولتی لمبی چٹیا کو بغور دیکھا۔

"ہارون بیٹے...... کچھ وقت لے گی، ذرا دھیرج۔" وہ ہولے سے بڑبڑایا۔

☾......☾......☾

"عمدہ...... میری بچی مجھے سبزی کی ٹوکری تو لادے۔ میں آلو چھیل لوں۔" ذکیہ بدقت چارپائی سے اٹھتے ہوئے بولی تھی۔ کمزور زرد چہرے پہ نقاہت کے آثار تھے۔

"ارے نہیں اماں، میں خود سالن پکاتی ہوں، تیری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" چوٹی میں بل ڈالتے ہوئے اس نے سہولت سے انکار کردیا۔ ماما شوکت کے گھر آکر اس نے گویا ایک نیا جنم لیا تھا، یہ زندگی اس کی سابقہ زندگی سے کہیں مختلف تھی۔ بہت مشکل اور بہ دقت کہاں تو اپنے گھر بھی خود سے اٹھ کر پانی نہ پیا تھا۔ خمیسو خود منہ میں نوالے دیتا تھا اور اب پو پھٹنے سے لے کر رات گئے تک وہ گھر کے کام نمٹاتی رہتی۔

ذکیہ اپنی لاڈلی کو یوں کاموں میں مصروف دیکھ کر خون کے آنسو روتی رہتی، اس کے سوا کوئی اور چارہ بھی تو نہ تھا۔ خمیسو کے آنکھیں بند ہوتے ہی اسے ٹی بی کے مرض نے آلیا تھا۔ محبوب و مہربان شریک سفر کی جدائی نے اس کے دل و روح کو کئی روگ لگا ڈالے تھے، اپنے گھر کی جاگیر قسمت نے کیا چھینی کہ دکھوں نے پیچھا ہی لے لیا۔ وہ اپنی بھابی صغریٰ کی عیار اور کینہ پرور طبیعت سے بخوبی واقف تھی، تبھی تو آتے ہی گھر کا تقریباً سارا کام اپنے کندھوں پہ لے لیا، کہاں اپنے گھر تین بندوں کا کام اور کہاں ادھر بھائی شوکت کا دس افراد پر مشتمل کنبہ! وہ تو کام کرتے کرتے ہی ادھ موئی ہوجاتی۔ عمدہ بھی ماں کے ساتھ ہولیتی تھی کہ ماں کو اس کا یوں بے کار روٹیاں توڑنا گراں گزرتا تھا۔

اگر قلب و روح طمانیت و خوشی سے لبریز ہوں تو کام بھلا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ مگر یہ تو برائے نام بھائی کا گھر ثابت ہوا تھا۔ شوکت بے ہمت بزدل اور بیوی سے دبنے والا مرد تھا۔ بہن اور بھانجی کی ناگفتہ بہ حالت دیکھتے ہوئے بھی وہ کچھ کرنے سے قاصر تھا۔ وہ بیوی کی بدزبانی پہ بند باندھتا بھی تو کیونکر جبکہ بہن اور بھانجی کبھی اس کے سامنے کوئی حرف شکایت زبان پہ نہ لاتی تھیں۔

"اماں...... میں ماما سے کہہ کر تجھے کسی اچھے ڈاکٹر کے پاس لے جاتی ہوں۔ تیری حالت دن بدن خراب ہوتی جارہی ہے۔ پتہ نہیں اس گاؤں میں کوئی اچھا ڈاکٹر بھی ہے یا نہیں، اپنے گاؤں میں چلو سرکاری ڈسپنسری تو موجود تھی۔" وہ نمناک لہجے میں ذکیہ سے بولی۔ آلو کٹ چکے تھے۔

"ارے تو میری چھوڑ، پتہ نہیں سانسیں کب تک ساتھ نبھاتی ہیں، بس تو اس جستی ٹرنک کا خیال رکھنا کہ اس میں

تیرا نکاح نامہ اور تیرے لیے کچھ زیور جوڑ رکھے ہیں۔ اگر میری آنکھیں بند بھی ہو جائیں تو ان چیزوں کا خیال رکھنا' تیرا شوہر اور سسر تجھے جب بیاہنے آئیں تو یہ چیزیں تیرے ہاتھ میں ہونی چاہئیں۔ میں شوکت بھرا سے کہتی ہوں وہ بھائی عبدالرحیم سے رابطہ کریں۔ اپنی امانت لے جائیں' مجھے اپنی عمر کا خیمہ اکھڑتا نظر آ رہا ہے۔'' ذکیہ کی آواز دھیمی ہوتے ہوتے ڈوب گئی تھی۔

''اماں' تو کیسی باتیں کر رہی ہے' تو بھی ابے کی طرح مجھے بے سہارا چھوڑ کر جانا چاہتی ہے۔'' وہ تڑپ کر اس کی چارپائی پر آ بیٹھی اور بے آواز روتے ہوئے ذکیہ کے سینے پہ اپنا سر رکھ دیا۔

''سہارا صرف اللہ کی ذات کا ہونا چاہیے۔ یہ مشتِ خاک بھلا کس کام کا' خدا نے تیرا بہت اچھا نصیب بنایا ہے۔ میرا جوائی بہت سوہنا اور اچھا انسان ہے' دیکھنا تو بہت خوش رہے گی۔'' ذکیہ اس کے ریشمی بالوں میں دھیرے دھیرے انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔

''خاک اچھے انسان ہے' کبھی پلٹ کر حال تک نہ پوچھا' تین سال ہو گئے ہیں۔'' وہ منہ بنا کر بولی۔

''ارے جھلی' وہ بڑے لوگ ہیں' شہری لوگوں کے سو بکھیڑے' نمبردار صاحب کے گھر فون ہے' میں وہاں جا کر بھائی رحیم سے بات کرتی ہوں۔ نمبر ہے میرے پاس' ذرا ٹانگوں میں جان آ جائے' تو جا ہانڈی چڑھا' وہ لوگ آنے والے ہوں گے۔'' ذکیہ نے نرمی سے اس کا سر ہٹایا تھا۔

سورج کے ڈوبتے ہی گلی میں مویشیوں کے گلے سے بندھی گھنٹیوں کی آواز گونجنے لگی تھی۔ وہ پھرتی سے تکیے اندر سے اٹھا لائی اور چارپائیوں پہ لا کر رکھ دیئے ڈھور ڈنگر کھونٹوں سے باندھنے کے بعد بھی چارپائیوں پہ ڈھیر ہو گئے۔

گندم کی کٹائی کا موسم تھا' بچے بڑے سبھی مصروف تھے۔ جو جتنے کھلیان کاٹتا اس کے حصے میں اتنی ہی گندم کی بوریاں آتی تھیں۔ مامی صغریٰ نے ہر چند اسے کھیتوں میں لے جانے کی بہت کوشش کی تھی مگر وہ بیمار ماں کی دیکھ بھال اور گھر کے کام کاج کے بہانے گھر رہ گئی تھی۔

''تاں مرن جوگی' میں پاؤ گوشت بھی تو دے کر گئی تھی مجھے اپنی پیالی میں صرف آلو ہی نظر آ رہے ہیں۔ بوٹی کا نام و نشان تک نہیں ہے۔'' صغریٰ نے غصے سے اس سے پوچھا تھا۔

''مامی' وہ تو ظہور' طاہر سب کی پلیٹوں میں ایک ایک بوٹی ڈال دی میں نے' آپ کے لیے بچی ہی نہیں۔'' وہ خوف سے اٹکتے ہوئے بولی۔

وہ صغریٰ مامی سے حقیقتاً ڈرتی تھی۔ جھلسی ہوئی سیاہ رنگت والی محنت کش مامی صغریٰ ویسے ہی بدزبان عورت تھی اوپر سے بچوں کی کثرت' معاشی بدحالی اور بڑے بیٹے عبدالشکور کی بدحرامی نے اسے خاصا چڑچڑا اور بدمزاج بنا ڈالا تھا۔ عمدہ کو لگتا تھا کہ وہ اسے کسی دن پیٹنے سے گریز نہیں کرے گی۔

''نامراد! تجھے کتنی واری کہا ہے بچوں کو صرف شوربہ ہی دیا کر۔'' غصے سے بولتے ہوئے صغریٰ روٹی کو سالن میں بھگو کر منہ میں رکھنے لگی۔

''جی مامی' آئندہ ایسے ہی کروں گی۔'' وہ آہستگی سے کہتی وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ پورے صحن میں صرف چولہے والی جگہ پر زرد مدھم کا بلب لگا ہوا تھا۔ فوزیہ نے مچھروں سے بچنے کے لیے ادھ خشک گوبر کے ڈھیر میں چند انگارے ڈال دیئے تھے۔ کڑوا کسیلا دھواں ماحول کو وحشت انگیز بنا رہا تھا۔ اس نے ابھی اماں کو بھی روٹی نہیں دی تھی۔ خود اس کے لیے کبھی ایک آدھ بچ پاتی تھی' جسے وہ شکم میں ڈال لیا کرتی۔

''عمدہ' پانی تو پلا۔'' پندرہ سالہ ظہور نے باجی آپی کے تکلف کے بغیر خاصی بدتمیزی سے چارپائی پہ لیٹے لیٹے ہی اسے پکارا۔

گھڑے سے کٹورہ بھر کر ظہور کو تھما کر وہ پلٹ ہی رہی تھی کہ اگلی چارپائی پہ پاؤں لٹکا کر بیٹھے ہوئے عبدالشکور نے ایک دم ہی اپنی ٹانگیں آگے کر دی تھیں۔ ملگجے

اندھیرے میں عبدالشکور کی یہ حرکت اسے دکھائی نہ دی تھی
تبھی تو وہ اس کے اوپر آن گری تھی۔

اس سے پہلے کہ عبدالشکور اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے شیطانی ارادے کو عملی جامہ پہناتا' وہ بجلی کی سی تیزی سے اٹھ کر اندر کمرے میں بھاگ گئی تھی۔

◉......◉......◉

دس وے ڈھولا تو اکھیاں دے کول کول

دھیمے سروں میں گنگناتے ہوئے فوزیہ نے جھٹک کر گلابی ریشمی قمیص تار پہ سوکھنے کے لیے ڈالی پھر ذرا دور ہو کر قمیص کا ناقدانہ جائزہ لینے لگی۔ لبوں پہ تفاخر مسکراہٹ سجی تھی۔ گلابی قمیص کے ساتھ اس کا میچنگ گلابی دوپٹہ بھی سوکھ رہا تھا۔ اس جوڑے پہ اس نے پورے تین ماہ محنت کی تھی۔ طلے' ریشم اور شیشوں کے نفاست سے کیے گئے کام نے کپڑے کی قیمت کو سہ گنا کر دیا تھا۔ یہ جوڑا نمبردار صاحب کی بیوی کا تھا۔ وہ فوزیہ کے ہاتھ کے کشیدے کی معترف تھی۔ ویسے تو گاؤں کی اکثر عورتوں کے کپڑے وہ کاڑھتی رہتی تھی مگر نمبردار کی بیوی اس کی محنت کا پورا پورا معاوضہ دیا کرتی تھی تبھی تو وہ اس کے جوڑوں پہ دل لگا کر محنت کیا کرتی تھی۔ اس جوڑے کی سلائی ایک ہزار روپے متوقع تھی۔ اور فوزیہ ان ہزار روپوں سے اپنے جہیز کے لیے نئی سیٹ لینا چاہتی تھی۔ جیسا اس کی سہیلی سمعیہ اپنے جہیز کے لیے لے چکی تھی۔

پچھلے مہینے ہی اس کی دینو کمہار کے بیٹے صدیق کمہار سے نسبت طے پا گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں چاہتوں کے دیپ جل اٹھے تھے۔ نئی چاہتوں کے موسموں کی نوید پا کر اس کے ہونٹ آپ ہی آپ مسکاتے رہتے تھے۔ جھاگ سے بھرا تھال کچی زمین پہ خالی کر کے وہ اندر کمرے میں چلی آئی جہاں عبدالشکور صغریٰ کا گھٹنا پکڑے ملتجی انداز میں کہہ رہا تھا۔

''اماں...... تو بوا سے بات تو کر کے دیکھ شاید وہ مان جائے۔''

''وے عقل دا انا...... تجھے کتنی واری کہہ چکی ہوں' اس کا نکاح ہو چکا ہے' اب وہ منکوحہ ہے کسی کی' کس منہ سے تیرے رشتے کی بات چھیڑوں ہاں......؟'' صغریٰ کو بیٹے کی عقل پہ افسوس ہوا تھا۔

''کیسا نکاح؟ نہ کوئی گواہ' نہ اس کے شوہر کا اتا پتا۔ مجھے عمدہ بہت اچھی لگتی ہے' اگر وہ مجھے ناں ملی تو پتہ نہیں میں کیا کر بیٹھوں گا۔'' عبدالشکور کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

''تجھے تو سامنے والی دتو شکیلہ بھی بڑی اچھی لگتی ہے۔ وہ کلوٹی ثریا جمعدار کی بہن' کل تک تو اس کے لیے بھی مرا جا رہا تھا۔ امیر نائی کی بیٹی کے لیے بھی تو نے یونہی اماں کی منتیں کی تھیں۔'' فوزیہ تمسخر سے بھائی کو دیکھ رہی تھی۔

''زیادہ بکواس نہ کر' دوں گا ایک الٹے ہاتھ کا جھانپڑ۔'' وہ غصے سے سرخ ہوا تھا۔ گھر میں جو بھی اس کی رنگین مزاجی اور دل پھینک فطرت کی طرف توجہ دلاتا' وہ اس کی جان لینے پہ آ جاتا تھا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہے فوزی' تجھ جیسے کو عمدہ تو کیا امیر نائی کی بیٹی بھی پسند نہ کرے۔ نہ کوئی کام دھندا' نہ روزی روٹی کی فکر' بڈھا پھوس باپ کہاں تک تم لوگوں کا پیٹ بھرے' کوئی محنت مزدوری کر' کوئی ریڑھی ہی لگا' پھر میں کچھ سوچوں تیرا۔'' صغریٰ نے بھی اسے صاف شیشہ دکھا دیا تھا۔

''ہونہہ تو ماں نہیں میری دشمن ہے' ذرا جو بیٹے کی خوشی کا خیال ہو تجھے۔'' وہ غصے میں کھولتا ہوا باہر نکل آیا تھا۔ رسی پہ ڈلے پھڑ پھڑاتے گلابی جوڑے کو دیکھ کر اسے شکیلہ کی فرمائش یاد آ گئی تھی۔

''سالی' جیب میں ایک دھیلہ نہیں اور فرمائشیں دیکھ کپڑوں اور جوتوں کی' کمینی کب سے ملنے پہ ٹرخا رہی ہے آج تو چانس لگتا ہی ہے۔'' وہ زیر لب بڑبڑایا' پھر آگے بڑھ کر گلابی قمیص اور دوپٹہ تار سے اتار لیے۔

◉......◉......◉

''ناں نواب زادی' تو ماں کی پٹی سے لگ کر بیٹھ گئی ہے اور ادھر گھر کے کام تیرا پیو قبر سے اٹھ کر آ کر کرے گا۔''

صغریٰ چار جانے تیوروں کے ساتھ اندر داخل ہوئی اور اس کے سر پہ پہنچی تھی۔

"مامی...... دیکھ تو اماں کل سے آنکھیں بند کیے لیٹی ہے‘ کچھ کھاتی ہے‘ نہ بولتی ہے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے صغریٰ سے بولی تھی۔

"ہاں تو میں کیا کروں‘ ڈاکٹر کو دکھایا تو ہے ذکیہ کو‘ اب اللہ شفا دے گا۔" صغریٰ بے مروتی سے بولی۔

"یہاں نہیں‘ شہر میں کسی بڑے اور قابل ڈاکٹر کو دکھاتے ہیں۔ یہاں کے ڈاکٹر کو اماں کی بیماری کی سمجھ نہیں آرہی ہے۔" ماں کی بے سدھ حالت دیکھ کر اس کی ہچکیاں بندھ چکی تھیں۔

"ہاں تیرا ماما ڈی سی لگا ہے ناں جو کسی وڈے ڈاکٹر کے پاس تیری ماں کو لے جائے‘ ادھر کھانے کو روٹی پوری نہیں پڑ رہی اور بات کرتی ہے شہر کی۔" صغریٰ چمک کر بولی۔

"مامی‘ تو پیسوں کی فکر نہ کر‘ میرے پاس کچھ زیور ہے‘ اسی سے کام چلا لیتے ہیں۔" وہ پھرتی سے اٹھی اور جستی ٹرنک کھول کر کپڑے کی ایک پوٹلی اٹھا لے آئی۔

اگر ذکیہ ہوش و حواس میں ہوتی تو اسے صغریٰ کے سامنے زیورات کا ذکر کرنے پر ہی ڈانٹ دیتی۔ یہ سارا زیور اس کی شادی پہ اس کی ماں نے ہی اسے دیا تھا۔ جیسو کی ماں نے تو صرف چاندی کی پازیبیں ہی اسے چڑھائی تھیں۔ زندگی میں کئی مرتبہ معاشی اتار چڑھاؤ آئے مگر اس نے زیور عمدہ کی شادی کے لیے ہی سنبھال رکھا تھا۔ اسے پہننے‘ سنبھالنے اور خیال رکھنے کی ہدایات‘ وہ بلاشبہ اسے روز ہی دیا کرتی تھی۔

عمدہ کو وہ ساری ہدایات ازبر تھیں مگر یہ گہنے اس کی ماں کی زندگی اور صحت سے زیادہ قیمتی نہیں تھے۔ اس کا بس چلتا تو وہ اپنی ایک ایک سانس ماں پہ وار دیتی۔ پوٹلی ہاتھ میں آتے ہی صغریٰ کے چہرے کے تاثرات ایک دم بدلے تھے۔ پورے پانچ تولے کے زیورات تھے۔

"نہ میری دھی...... حوصلہ رکھ۔ میں تیرے ماموں سے بات کرتی ہوں۔ ذکیہ کو ملتان لے چلتے ہیں تو فکر نہ کر۔" محبت سے لبریز نرم لہجے میں بولتے ہوئے صغریٰ نے اس کے ماتھے پہ بوسہ دیا پھر باہر نکل گئی۔

"ہائے میرے ربا...... میں لٹ گئی۔ میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی۔" صحن میں فوزیہ کے بین آسمان کو چھو رہے تھے۔

"چپ کر منحوس‘ اتنا واویلا مچا رہی ہے۔" صغریٰ نے غصے سے جھڑکا تھا مگر فوزیہ کے رونے میں کوئی کمی نہ آئی۔

"ہائے اماں‘ میں نمبردارنی جی کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ اس کا اتنا بڑھیا ریشمی جوڑا نہیں مل رہا۔ وہ تو سمجھے گی میں نے ہضم کرلیا۔"

"ارے تسلی سے دیکھ‘ یہیں کہیں گھر میں پڑا ہوگا۔" صغریٰ نے بے پروائی سے مشورہ دیا۔

"سب جگہ ڈھونڈا‘ گھر میں ہوتا تو مل چکا ہوتا‘ ضرور کوئی چرا کرلے گیا ہے۔ اللہ کرے ناہنجار کی ٹانگیں ٹوٹیں‘ تھانے کی ہوا لگے۔"

"او بکواس بند کر‘ جو منہ میں آرہا ہے بکے چلی جارہی ہے۔" کافی دیر سے نسوار کی ڈبی کے شیشے میں اپنے چہرے کا جائزہ لیتا عبدالشکور ایک دم بھڑک اٹھا تھا۔

"تجھے کیوں مرچیں لگ رہی ہیں۔ میرا ہزاروں کا نقصان ہوا ہے‘ اسے کون بھرے گا۔" فوزیہ نے دوپٹے سے ناک رگڑتے ہوئے چمک کر پوچھا۔

"اچھا جو ہوا سو ہوا‘ تو ہانڈی روٹی کی بھی فکر کر‘ دن دیکھ ڈھلنے کو آگیا ہے۔" صغریٰ نے اسے اٹھانا چاہا۔

"تو عمدہ کو کیوں نہیں کہتی کوئی کام کرے‘ تیسرا دن ہے اندر کمرے میں جیسے مایوں بیٹھ گئی ہو۔" عبدالشکور معنی خیز لہجے میں پوچھنے لگا۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ عمدہ صرف اس کا سامنا کرنے سے کتراتی ہے‘ جس دن سے اس نے عمدہ کا ہاتھ پکڑا تھا اس دن سے وہ اسے باہر صحن میں نظر نہ آئی تھی۔

"عمدہ بے چاری کو کیسے کہوں‘ وہ تو بیمار ماں کی خاطر اس کی چارپائی سے لگی بیٹھی ہے‘ کبھی پانی تو کبھی دوا۔"

ہمدردی سے بھرا لہجہ ظہور اور فوزیہ دونوں نے حیرت سے ماں کو دیکھا تھا۔

"اماں......! مجھے لگتا ہے بوا ذکیہ آنکھیں بند کر لے گی پر تو میرے ویاہ کی بات اس سے نہیں کرے گی۔" عبدالشکور شکایت آمیزی سے بولا تو صغریٰ اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگی جیسے کہہ رہی ہو میں تیرا کیا کروں۔

"مجھے پتہ ہے تو کیوں تپ کھا رہی ہے، ہم عدالت سے تنسیخ حاصل کر لیں گے۔" وہ جیسے اس کی نظر میں چھپے مفہوم کو بھانپ گیا تھا۔ صغریٰ نے چونک کر عبدالشکور کا چہرہ دیکھا۔

"ہاں ناں جس طرح چاچا غلام نبی کی بیٹی نے اپنے شرابی منکوح سے خلع حاصل کر لی تھی۔"

"اماں اماں......وہ باہر ایک لمبی گڈی میں ایک آدمی آیا ہے، ابے کا پوچھ رہا تھا۔ میں نے بیٹھک کا دروازہ کھول دیا ہے۔" ظہور بھاگتے ہوئے آیا اور پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان جوش سے بتانے لگا۔

"ہائیں......! یہ گڈی والا بابو ہمارے در پہ کیا لینے آ گیا؟" صغریٰ حیرت سے بڑبڑائی تھی۔

"خیر دیکھتے ہیں۔" عبدالشکور بھی ماں کے پیچھے بیٹھک میں آ گیا تھا۔

"السلام علیکم!" قاضی عبدالرحیم نے احترام سے کھڑے ہو کر سلام کیا تھا۔

"میں بیٹی عمدہ کا سسر ہوں، بھائی شوکت کا رضاعی بھائی۔"

"اوہ......!" ظہور اور صغریٰ نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

"اوہ چاچا جی بیٹھیے ناں۔" ظہور فوراً سوڈے کی ٹھنڈی بوتل لے آیا تھا۔

"کسی تکلف کی ضرورت نہیں آپ بھابی اور میری بہو کو بلا دیں۔ ان سے ملنے کی خاطر آیا ہوں۔" عبدالرحیم شائستگی سے بولے تھے۔

"وہ تو آپ کو نہیں مل سکتے، عمدہ اور ذکیہ تو اپنے گاؤں گئی ہوئی ہیں، اپنا گھر دیکھنے، دراصل اس ساون میں ان کے گھر کی مشرقی دیوار بارش سے ڈھے گئی تھی، ذکیہ اس کی مرمت کی خاطر اپنے گھر گئی ہے۔" صغریٰ نے اعتماد سے جھوٹ بولا۔

قاضی عبدالرحیم مایوس ہو گئے تھے۔ وہ تو ذکیہ سے عمدہ کی رخصتی کی بات کرنے کی غرض سے آئے تھے، آخر کو نکاح ہوئے چار سال ہونے کو آ گئے تھے۔ اتنی تاخیر مناسب نہ تھی۔

"اچھا پھر میں چلتا ہوں آپ یہ کچھ سامان میری بیٹی عمدہ کو دے دیجیے گا۔" انہوں نے ایک شاپر صغریٰ کی طرف بڑھایا، جس میں زبیدہ خاتون نے عمدہ کے لیے ریڈی میڈ جوڑے میک اپ کا سامان اور دیگر اشیاء بھیجی تھیں۔

صغریٰ نے شاپر صندوق میں رکھ کر تالا لگا لیا تھا۔

"اماں، اگر یہ قاضی صاحب بوا سے ملنے ان کے گاؤں چلے گئے تو؟" عبدالشکور نے کسی خدشے کے تحت پوچھا تھا۔

"تو چلا جائے اگر یہاں آ گیا تو کہہ دوں گی کہ ذکیہ آدھے رستے سے ہی واپس لوٹ آئی ہے۔ شاید آگے جانے کا راستہ نہیں تھا۔" صغریٰ نے آرام سے بیٹے کو مطمئن کر دیا۔ بیٹے کی مسلسل ہٹ دھرمی اور خواہش نے اس کی سوچوں کے رخ کو بھی بدل ڈالا تھا۔

مطلبی، خود غرض اور لالچی تو وہ شروع سے ہی تھی اب جو زیور ہاتھ میں آئے تو دھیان خمیسو کے گھر کی طرف چلا گیا تھا جو یقیناً عمدہ کے نام تھا۔ نکمے اور نکھٹو بیٹے کی تو بیٹھے بٹھائے لاٹری نکل آئی تھی۔

"اماں ہو سکتا ہے بوا ذکیہ کوئی رولا ڈالے۔" عبدالشکور کے خدشات کم نہیں ہو رہے تھے۔

"ہاں ذکیہ ٹھیک ہو گئی تو دیکھا جائے گا، تیرا ابا اتنی آسانی سے یہ سب نہیں کرنے دے گا۔" صغریٰ قدرے تفکر سے بولی تھی مگر اگلے دن ذکیہ کی موت نے ان کے تمام تر خدشات دور کر دیے تھے۔

"زیب تن" کی انتہائی خوب صورت قیمتی سلیولیس لانگ شرٹ کے ساتھ تنگ چوڑی دار پاجامہ پہنے وہ دبیز قالین کو اونچی ہیل سے روندتی اس کے کمرے کے دروازے تک آئی تھی۔ ایک لمحے کو رک کر لاؤنج میں آویزاں بیضوی آئینے میں اپنا عکس دیکھا' شفاف چمکتی جلد پہ نفاست سے کیا گیا میک اپ اور شولڈر کٹ سیاہ ریشمی بال' آئینے نے برملا اس کی بلائیں لے ڈالی تھیں۔ دھیمی سی مسکراہٹ لبوں پہ سجائے وہ پُراعتماد انداز میں انگلی سے ہلکا سا ناک کیے اندر چلی آئی۔ ہاتھوں میں بکے اور چھوٹا سا چمکیلے ریپر میں ملفوف گفٹ تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو ڈیئر سلوان۔" اس نے مسکراتے ہوئے وش کیا اور ساتھ ہی بکے اور گفٹ اس کی طرف بڑھائے۔

وہ اپنے بیڈ پر نیم دراز لیپ ٹاپ میں مگن تھا۔ شائمہ کو اندر آتا دیکھ کر سیدھا اٹھ بیٹھا اور اب اس کے بڑھائے ہوئے گفٹ و بکے کو پُرسکون نظروں سے دیکھ رہا تھا گویا وہ فیصلہ کر رہا ہو کہ انہیں وصول کرنا چاہیے یا نہیں۔

"کم آن اتنی حیرت سے کیوں دیکھ رہے ہو' آج فرسٹ نومبر ہے ناں۔" بکے سائیڈ ٹیبل پر رکھنے کے بعد وہ قریبی صوفے پہ ٹکتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

"ہاں ہے تو فرسٹ نومبر' لیکن تمہیں اتنے تکلف میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔" لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے وہ ازلی سرد اور سپاٹ لہجے میں گویا ہوا۔ شائمہ کی طرف ایک نگاہ غلط ڈالے بغیر وہ بیڈ سے اٹھ کر ونڈوز کے قریب جا کھڑا ہوا تھا۔ شائمہ کے چہرے کا رنگ سرخ ہوا تھا۔ سراسر توہین تھی۔

"کیوں ضرورت نہیں تھی' میں نے دن گنے تھے اس ایک دن کے لیے؟" وہ ایک دم تیزی سے بولی...... وہ جتنا اس کے قریب آنے کی کوشش کرتی' وہ اتنا ہی دور بھاگتا تھا۔ "شائمہ حیدر" کوئی نظر انداز کرنے والی چیز تو نہ تھی۔

کتنے ہی قدر دان اس کی ایک نظرِ التفات کے منتظر رہتے تھے مگر اس نے کبھی بھی ان مردانہ اوصاف سے عاری' کلی کلی منڈلانے والے مردوں کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا تھا۔ کیونکہ اس کا دل تو سلوان حیدر کا اسیر ہو چکا تھا۔ وہ کیسے نہ خود کو اس پہ فریفتہ ہونے سے روک پاتی۔ اس کے حلقہ احباب میں کوئی بھی اس جیسا ہینڈسم اور ذہین نہ تھا۔ کوئی بھی تو کردار کی مضبوطی سے متصف نہ تھا۔

"دیکھو شائمہ...... میری زندگی میں ان گفٹس کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔" اب کے وہ سیدھا سیدھا اس کی دلکش براؤن آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دوٹوک انداز میں بولا۔ اس نے کبھی بھی شائمہ کی کسی انداز میں حوصلہ افزائی نہ کی تھی۔

"مگر کیوں...... تم اتنے کٹھور کیوں ہو؟" وہ چیخ اٹھی تھی۔ "کیوں ہو...... تم اتنے سنگ دل' سراپا پتھر' جس سے سر پھوڑ کر میں لہولہان ہو چکی ہوں۔ تم ایسے مہان دیوتا کہ جس کے چرنوں میں داسی کی طرح بیٹھے بیٹھے مجھے کئی سال بیت چکے ہیں مگر پھر بھی ایک نظر ڈالنا تم گوارا نہیں کرتے۔" شائمہ کی آواز بھیگ گئی تھی۔

"کیونکہ میں اپنے تمام تر جذبے' دل کی گہرائیوں کے ساتھ کسی کو سونپ چکا ہوں۔" وہ گہری سانس لے کر بولا۔

"کس کو اپنی نام نہاد بیوی کو جو پتہ نہیں اس روئے زمین پہ پائی بھی جاتی ہے یا نہیں۔" وہ تلخی سے بولی۔ سلوان ایک لمحے کو حیران ہوا' پھر اگلے ہی لمحے ٹھہرے ہوئے انداز میں بولا۔

"وہ یہیں کہیں ہے' میرے پاس۔ میرا دل کہتا ہے میں اسے جلد حاصل کرلوں گا۔ وہ وقت دور نہیں' جب وہ میری شریکِ حیات کی حیثیت سے اس گھر میں آئے گی۔" وہ بڑے جذب سے کہہ رہا تھا' شائمہ بس اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

"کیا ہے یہ؟" بے یقین نظروں سے اس نے ان کاغذات کو دیکھا تھا جو ابھی ماسی صغریٰ نے اس کے ہاتھوں میں تھمائے تھے۔

"خلع کے کاغذات ہیں تیرے دستخط چاہئیں ان پر۔" صغریٰ بے رحمی سے بولی تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ غصے سے سرخ ہوا تھا۔

"مامی...... خدا کے غضب سے ڈر کیوں مجھ یتیم کی بددعائیں سمیٹ رہی ہے۔ کوئی دستخط نہیں کرنے میں نے۔" اس نے کاغذات چارپائی پہ صغریٰ کے قریب اچھال دیئے تھے۔ صغریٰ کا پارہ ایک دم ہائی ہوا تھا۔

"کیوں ساری زندگی میرے سینے پہ مونگ دلتی رہے گی۔ تیرا ویاہ نہیں کرنا میں نے؟"

"کس سے؟ اپنے نکمے بیٹے کے ساتھ، جسے کوئی بھی پنڈ میں اپنی بیٹی دینے پر تیار نہیں۔" وہ طنز کرتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"واہ جی واہ، نواب زادی کی ٹور تو دیکھو، اں باپ قبر میں جا سوئے اور تو میرے بیٹے پہ انگلیاں اٹھا رہی ہے۔" صغریٰ ہاتھ نچا نچا کر اونچا بول رہی تھی۔ عبدالشکور بھی اسی وقت آ گیا تھا۔ جب سے ذکیہ فوت ہوئی تھی اس کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔ جب بھی عمدہ کو اکیلے پاتا تو اس کی زرد آنکھوں میں غلاظت بھر جاتی تھی۔

"ارے اماں اسے وہ بتا جو اس کا سوہرا (سسر) بتا کر گیا تھا۔" عبدالشکور سرتاپا اسے آنکھوں میں سموتے ہوئے معنی خیز انداز میں بولا تو وہ چونک پڑی۔

"ہاں اس کی خوش فہمی ختم کرتی ہوں۔ آیا تھا تیرا سوہرا کہہ گیا ہے کہ اپنی بھانجی کے ہاتھ پیلے کردو، میں اپنے بیٹے کی شادی اس کی چاہ پر اس کے ساتھ پڑھنے والی لڑکی سے کر رہا ہوں۔" صغریٰ نے بہت مزے سے اس کے جسم کے پرخچے اڑائے تھے۔

"نہیں چاچا قاضی ایسا نہیں کر سکتے۔ انہوں نے ابا سے وعدہ کیا تھا۔" وہ ایک دو قدم پیچھے کو لڑکھڑائی تھی۔

"وہ تو تیرے مرتے باپ کو خالی خولی تسلی دی تھی ورنہ تین سال ہو گئے ہیں، پلٹ کر تیری خبر تک نہ لی۔" صغریٰ بغور اس کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھی جہاں رفتہ رفتہ مردنی چھاتی جا رہی تھی۔

وہ خود کو گھسیٹتے ہوئے بمشکل کمرے تک لائی تھی۔ پھر اوندھی چارپائی پر جا گری، اس کے سینے سے آہوں اور سسکیوں کا طوفان ابل پڑا تھا۔

"یا اللہ یا...... یہ آزمائش کا کون سا رنگ ہے؟ مجھ بے کس ولاچار پہ کرم کر، میری مشکلوں کو دور کر۔" ہچکیاں لینے سے اس کا جسم ہچکولے کھا رہا تھا۔

"میں مامی اور عبدالشکور کو ان کے مذموم عزائم میں کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔ میں خود جاؤں گی چاچا قاضی کے پاس، یہ لوگ یقیناً جھوٹ بول رہے ہیں۔" اندھیری کوٹھڑی میں پڑے روتے ہوئے اچانک آ جانے والے خیال نے اس کے اندر توانائی سی بھر دی تھی۔

وہ بجلی کی سی تیزی سے اٹھ کر جستی ٹرنک تک آئی تھی، ٹرنک کا تالا ٹوٹا ہوا تھا۔ وہ دیوانہ وار کپڑوں کی تہہ میں اپنا نکاح نامہ ڈھونڈنے لگی مگر نکاح نامہ ہوتا تو ملتا ناں۔ خلع کے پیپرز کی تیاری میں نکاح نامے کی ضرورت پڑی تھی جو صغریٰ نے با آسانی حاصل کر لیا تھا۔ ذکیہ کی وفات کے بعد عمدہ نیم بے ہوشی کی حالت میں پڑی رہتی تھی ایسے میں اسے مطلق خبر نہ تھی کہ اس تاریک اور نیچی چھت والے کمرے میں کون آ رہا ہے کون جا رہا ہے۔ اس کے تو پیروں تلے زمین نکل گئی تھی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا۔

"میرے اللہ...... امید کا آخری سہارا بھی گیا۔" اس کے حوصلے ایک دم ڈھے گئے تھے۔

ماما شوکت سے کچھ بھی کہنا بے کار تھا۔ ہفتے میں ایک دن وہ گھر آتا، بیوی کی تیز طرار طبیعت کی بدولت وہ زیادہ تر وقت زمینوں پر ہی بسر کرتا تھا۔ اسے اپنی ماں کے خاندانی زیورات سے بھی بہت لگاؤ تھا، مگر ان کا ملنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔ نکاح نامہ یقیناً عبدالشکور کے پاس تھا کیونکہ خلع کے سلسلے میں اس کی پھرتیاں قابل دید تھیں۔

پردیسی ڈھولا شالا جیویں ڈھولا
بہتوں دوروں آیا سغراں دا تھکیا میں جگ جگایا

ڈھول کے ساتھ میراثن کی پھٹی ہوئی بلند بھدی آواز صاف گھر میں آرہی تھی۔ تین گھر چھوڑ کر ماسی زینت کے بیٹے کی آج مہندی کی رسم تھی۔

فوزیہ نے اس سے بھی چلنے کو کہا تھا مگر وہ سر درد کا بہانہ بنا کر گھر میں رک گئی تھی۔ عبدالشکور روٹی کھانے کے بعد اکثر اپنے دوستوں کی طرف نکل جاتا تھا۔ جہاں وہ اور اس کے ہم خصلت تاش کے ساتھ ساتھ نشے کی محفلیں بپا کرتے تھے۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ عبدالشکور کے کمرے میں آئی تھی۔ ٹانگیں انجانے خوف سے لرز رہی تھیں۔ تین صندوقوں میں سے ایک کا کنڈا کھلا ہوا تھا۔ اس نے اچھی طرح چھانا مگر مطلوبہ چیز نہ مل سکی۔ الماری' شیلف' چارپائی' چٹائی کے نیچے تیزی سے گزرتے وقت کے ساتھ اس کی مایوسی بڑھتی جارہی تھی...... جسم پسینے سے تربتر ہوچکا تھا۔ کھونٹی پہ عبدالشکور کے ایک دو جوڑے ٹنگے تھے وہ تیزی سے جیبوں کی تلاشی لینے لگی۔

"واہ جی واہ' شادی کے بعد جیبیں ٹٹولتیں تو اچھا تھا' مگر خیر تمہیں ابھی سے خود پہ یہ حق جتانا اچھا لگ رہا ہے۔" شوخ آواز اس کے عقب سے آئی تھی۔ وہ مڑی تھی' عبدالشکور اس کے سامنے چہرے پہ جہاں بھر کی خباثت سجائے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"سوہنیو...... آج میرے کمرے کی قسمت کیسے جاگ اٹھی؟" اس کی طرف والہانہ انداز میں بڑھ رہا تھا۔

"دیکھو عبدالشکور...... مجھ سے دور رہو ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔" وہ انگلی اٹھا کر دھمکانے والے انداز میں بولی تھی مگر آواز اعتماد سے عاری تھی۔

"چلو اچھا نہ سہی' تم برا ہی کرلو ہر ستم گوارا ہے۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا سیاہ آنچل تھام لیا تھا۔

"چھوڑو مجھے ذلیل انسان میں تمہاری صورت پہ تھوکنا بھی گوارا نہ کروں' مجھے صرف اپنا نکاح نامہ چاہیے۔" وہ دوپٹہ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے غصے سے بولی۔

"ہاہاہا' ایسے سستے میں چھوڑ دوں' گھر والے نجانے کب لوٹیں' کافی وقت پڑا ہے ہاں اگر گھڑی دو گھڑی میرا دل خوش کرو تو ہم کچھ سوچا جا سکتا ہے۔" وہ اسے متبادل راہ دکھا رہا تھا۔ عمدہ کو لگا عبدالشکور کے منہ سے نکلنے والا ہر لفظ اسے غلاظت میں دھنساتا جارہا ہے۔ وہ تیر کی سی تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ مگر عبدالشکور نے راستے ہی میں اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ ملگجے اندھیرے میں میز پہ پڑی سٹیل کی چھری صاف چمک رہی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر چھری اٹھائی اور عبدالشکور پہ دے ماری۔ چھری عبدالشکور کے جسم کے کسی حصے پہ لگی تھی کیونکہ اس نے دروازہ پار کرتے ہوئے عبدالشکور کی کراہ اور غلیظ سی گالی سنی تھی۔

گھر سے نکل کر گلی میں آتے ہوئے اس نے اپنے پیچھے بھاگتے قدموں کی آواز بخوبی سنی تھی۔ یقیناً عبدالشکور اس کا پیچھا کررہا تھا۔ گلیوں سے نکل کر کھیتوں' پھر کھیتوں میں سرپٹ دوڑتے ہوئے وہ سڑک پر آگئی تھی۔ اپنی عزت وناموس کی حفاظت کی خاطر وہ اندھادھند بھاگتے ہوئے ایک تیز رفتار گاڑی سے جا ٹکرائی تھی۔

⊙......⊙......⊙

"انکل...... آپ کو نہیں لگتا کہ ہمارے گھر میں بے حد خاموشی ہے۔ کوئی پُرمسرت ہنگامہ' کوئی ہلہ گلہ ہونا چاہیے۔" شام کی چائے پیتے ہوئے ازکی اچانک بولی۔

"سناٹا تو ہے تم سب لوگ کام دھندوں پہ نکل جاتے ہو اب ہم بڈھا اور بڈھی کیا شغل میلا لگائیں۔" قاضی صاحب نے زبیدہ خاتون کو قدرے شریر نظروں سے تکتے ہوئے کہا۔

"میں چاہتی ہوں اب سلوان کی شادی کر ہی دینی چاہیے' میری کتنی فرینڈز پوچھتی ہیں تمہارا یہ ہینڈسم دیور ابھی تک کیوں کنوارہ پھر رہا ہے۔" بہت سلیقے سے اس نے اپنے مطلب کی بات چھیڑی۔

"ہاں بیٹا...... اب یہ آخری فرض تو پورا کرنا ہی ہے ناں' کسی دن چلتے ہیں گاؤں' شوکت سے کوئی قریبی تاریخ مانگ لیتے ہیں۔ کیوں عثمان بیٹا؟" اپنی بات کے اختتام پر انہوں نے عثمان سے اس کی رائے دریافت کی۔

"جی اباجی...... جیسے آپ مناسب سمجھیں۔ ویسے آپ پچھلے سال بھی تو ڈیٹ لینے گئے تھے' پھر آپ کے بھائی کے سالے صاحب نے کیا جواب دیا تھا؟" عثمان نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ہاں وہ......" وہ بے ساختہ گڑبڑا اٹھے۔

"وہ شاید پچھلے سال شوکت کے سسرال والوں میں کسی کی فوتگی ہوگئی تھی' تبھی میں اصرار کیے بنا لوٹ آیا تھا۔" اب وہ کیا کہتے کہ شوکت سے تو ان کی ملاقات کبھی ہوئی ہی نہیں' ہر دفعہ شوکت کی بیوی اور بیٹا ملتے تھے۔ عمدہ کی بھی صورت دکھائی نہ دی تھی۔ کبھی تو وہ ساتھ والے گاؤں کسی رشتے دار کی شادی پہ گئی ہوتی تھی' تو کبھی شوکت کے بچوں کے ساتھ کھیتوں میں گئی ہوتی ہے۔

ذکیہ کی وفات پہ جب وہ افسوس کرنے گئے تھے تو انہوں نے عمدہ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا مگر اس وقت بھی صغریٰ نے یہ کہا کہ عمدہ پرسہ کے لیے آئی ہوئی عورتوں میں بیٹھی ہے' وہ خود اس سے اندر جا کر مل لیتے مگر کچھ باپردہ خواتین کی وجہ سے فی الحال ممکن نہیں ہوسکا تھا۔ وہ دل مسوس کر لوٹ آئے تھے۔ وہ عمدہ سے ڈھیر ساری باتیں اور سر پہ شفقت بھرا ہاتھ پھیرنا چاہتے تھے' مگر ان چھ سالوں میں ایک بار بھی ان کی خواہش پوری نہ ہو پائی تھی۔ اب تو وہ بھی کچھ کچھ کھٹک چکے تھے۔ ان کی زمانہ ساز اور زیرک نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ صغریٰ اور اس کا بیٹا عمدہ کے کسی طور خیر خواہ نہیں ہیں۔

اسی دن انہوں نے عثمان کو گاؤں چلنے کا حکم دیا تھا۔ منزل کے قریب پہنچتے پہنچتے عثمان کی بیزاری میں خاصا اضافہ ہوچکا تھا۔ سلوان کا اپنی بھتیجی سے نکاح اسے اباجی کا ایک جذباتی اور غیر دانش مندانہ فیصلہ ہی لگا تھا۔ جب بھی اس رشتے پہ نکتہ اعتراض اٹھایا تو اباجی کی طرف سے انسانیت' ہمدردی اور خلوص وفا پر ایک پُرمغز لیکچر ہی سننے کو ملا تھا۔ سو خاموشی میں ہی عافیت تھی۔ لیکن سنجیدہ وسپاٹ چہرے سے اندرونی خیالات بخوبی دکھائی دے رہے تھے۔ گاؤں پہنچتے ہی انہیں خلاف توقع صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔

"کون سی بھتیجی...... کیسی بہو؟" صغریٰ نے شعلہ بار نظروں سے قاضی رحیم الدین کو دیکھا تھا جو عمدہ کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔

صغریٰ کا یوں سیخ پا ہونا ان دونوں کی سمجھ سے بالاتر تھا' ورنہ تو ہر چکر پہ یہ خاتون ان کے سامنے بچھی بچھی جاتی تھیں۔

"دیکھیے بہن...... میں عمدہ النساء کی بات کررہا ہوں' جو میرے بیٹے کی منکوحہ ہے؟" وہ اب کے ذرا سنبھل کے بولے۔

"ہاں...... میں جانتی ہوں آپ اسی آوارہ' بدکردار بدچلن عمدہ کی بات کررہے ہیں جو بدقسمتی سے میرے شوہر شوکت کی بھانجی تھی۔" صغریٰ کٹیلے انداز میں بولی۔

"جی......! آپ میری بھتیجی کے بارے میں یہ کیسے لفظ استعمال کررہی ہیں؟" وہ بھونچکا سے اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گئے تھے۔

"ایسی بے حیا لڑکی کے لیے میں ایسی ہی زبان استعمال کرسکتی ہوں' جو رات کے اندھیرے میں اپنے یار کے ساتھ منہ کالا کرکے بھاگ جائے۔ نہ آپ کی عزت کا خیال کیا نہ ہم غریبوں کی۔" صغریٰ اب کے منہ پہ دوپٹہ رکھ کر سسکنے لگی تھی۔ وہ تو گم صم ہو کر رہ گئے تھے۔ یہ عورت تو ان کے اعصاب کے لیے امتحان ثابت ہوئی تھی۔

"آپ ذرا کھل کر بتانا پسند کریں گی؟" عثمان نے صغریٰ سے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

"منحوس بڑی گھنی میسنی تھی۔ ہم سب زمینوں پہ ہوتے تو نجانے کس سے آنکھ مٹکا کرلیا۔ ہم نے بہت روکا' ماموں نے بھی ہاتھ جوڑے' مگر اس پہ ایسا عشق کا بھوت سوار ہوا کہ ایک دن اس کچے گھر کی کچی دیواریں بھی ٹاپ گئی۔" صغریٰ افسردگی سے بول رہی تھی۔ واپسی کا سفر بے حد جان لیوا خاموشی میں کٹا تھا۔

"میں کہتا تھا ایسی پسماندہ علاقے کی ان پڑھ لڑکی کو اپنے خاندان کی بہو بنانا آپ کی بہت بڑی غلطی ہے' مگر

آپ نہ مانے آج اس نے خود ہمت کر کے بات کر ہی لی کی ... اسے جھڑکا۔
اینٹ چوبارے میں ٹکنے کے قابل نہیں ہوتی۔" گھر آ کر عثمان تمام ادب ولحاظ بالائے طاق رکھ کر اشتعال سے چیخ اٹھا تھا۔

"یہ چھوٹے لوگ اتنی عزت ہضم نہیں کرپاتے' جتنی ہم انہیں دے رہے تھے۔" ازکی ساس کا سفید چہرہ دیکھتے ہوئے طنز سے بولی۔

اس کے دل میں کن من پھوار برس رہی تھی۔ اس نے کتنا اشارے کنائیوں میں ساس کو بتایا کہ وہ سلوان کے لیے اپنی بہن شائمہ کی خواہش مند ہے مگر ساس صاحبہ ہر بار طرح دے جاتی تھیں کہ سلوان پہ شادی شدہ کا ٹیگ لگ چکا ہے اسے سلوان کے بارے میں فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ عثمان کو بھی شائمہ سلوان کے لیے پرفیکٹ لگی تھی۔ خوب صورت' بااعتماد اور تعلیم یافتہ' سب سے بڑھ کر اس کی چہیتی بیوی کی بھی یہی خواہش تھی' اس لیے اسے دور دراز گاؤں میں بسنے والی دیہاتی لڑکی بہت بری لگی تھی جو موجود نہ ہوتے ہوئے بھی ان کی زندگیوں میں موجود تھی۔ ازکی نے چہک کر یہ اطلاع شائمہ کو دی تھی۔

"عمدہ کے دفع ہوجانے پر بھی میری دال نہیں گلنے والی' تمہارے دیور کا ٹیسٹ بہت برا ہے' یہ میں جانتی ہوں۔" شائمہ مایوسی سے بولی۔

"ارے انسان کو پرامید رہنا چاہیے' سلوان تو بالکل چپ ہوکر رہ گیا ہے۔ لوہا گرم ہے تم اس کے قریب آنے کی کوشش تو کرو۔" ازکی پھر اس کی ہمت بندھا رہی تھی۔

"کئی بار بے عزت ہوکر اس کے روم سے نکلی ہوں اب صرف پٹنے کی کسر باقی رہ گئی ہے۔ میں تو اکتا ہو چکی ہوں کتنے ہی ہینڈسم اور چارمنگ لڑکے دل ہاتھوں میں لیے میری ایک نظر کے منتظر کھڑے ہیں اور میں یہاں خوامخواہ اپنا ٹائم ویسٹ کررہی ہوں۔" اپنے لمبے ناخنوں کو بے توجہی سے دیکھتے ہوئے وہ اکتاہٹ بھرے انداز میں بولی۔

"بکو مت' جو میں کہہ رہی ہوں وہی کیا کرو۔" ازکی

"یہ اتنا لمبا چوڑا بزنس' کروڑوں کی جائیداد اور ہیں صرف دو بھائی' میری دوسری دیورانی نجانے کیسی نکلی' تم بہن ہو سدا مل کر شاد رہیں گے۔" ازکی اسے اپنی بہت پرانی خواہش سے آگاہ کررہی تھی۔

◉......◉......◉

آج موسم بے حد سہانا ہورہا تھا۔ سورج کے مکھڑے پہ بدلیوں نے نقاب ڈالا تو ماحول پہ ٹھنڈا آمیز سایہ اتر آیا تھا۔ وہ حذیفہ کے واکر کو آہستہ آہستہ دھکیلتی لان میں چلی آئی۔ تازہ غسل لینے کے بعد نم بال سلجھا کر یونہی پشت پہ کھلے چھوڑ دیے تھے۔

"یہ پینزی کو دیکھا ہے' بالکل بھالو لگ رہا ہے؟" اس نے اشتیاق سے حذیفہ سے پوچھا جواباً وہ سر ہلا کر اپنی رائے کا اظہار کرنے لگا۔

اسی طرح پھولوں' پودوں اور موسم کی چھوٹی چھوٹی باتیں وہ اس سے کرتی ہوئی پورے لان کا چکر لگا آئی تھی۔ بال قدرے خشک ہوگئے تھے' کبھی اڑ اڑ کر چہرے پہ آرہے تھے۔ اس نے لپیٹ کر جوڑے کی شکل میں قید کرنا ہی چاہا تھا کہ عقب سے مدھم اور گہری آواز سنائی دی۔

"رہنے دیں ناں' یونہی کھلے اچھے لگ رہے ہیں۔" وہ ایک دم سے اس کے سامنے آ گیا تھا۔

"آپ......!" اس کے چہرے پہ ناگواری چھا گئی تھی۔

"جی میں آپ اتنی حیران کیوں ہورہی ہیں؟ بلکہ میں جب بھی آپ سے بات کرتا ہوں تو پریشان ہوجاتی ہیں۔" وہ اس کے تروتازہ سراپے کو گہری نظروں سے اپنے حصار میں لیتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

"دیکھیں ہارون صاحب' میں نہ حیران ہوتی ہوں نہ پریشان' مجھے آپ کا ہر دوسرے دن ادھر آ کر مجھے تنگ کرنا بہت برا لگتا ہے۔" وہ صاف گوئی سے بولی۔ آج صاف صاف بات کرنے کی ٹھان لی تھی کم از کم روز کی ٹینشن سے تو جان چھوٹے گی۔

”ہائی گاڈ...... میں آپ کو کب تنگ کرتا ہوں۔“ وہ آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

”کبھی ہاتھ تھامنے کی بھی جسارت نہیں کی' ہاں اگر صحیح معنوں میں تنگ کیا ہوتا تو پھر آپ کی شکایت بجا تھی۔“ وہ معنی خیزی سے گہرے لہجے میں بولا تو وہ ایک دم سرخ پڑ گئی تھی۔

”پلیز اسٹاپ اٹ...... میں آپ کو بارہا جتا چکی ہوں کہ آپ کی بے تکلفی میں کسی صورت افورڈ نہیں کرسکتی۔ یہ گھر دنیا میں میری واحد پناہ گاہ ہے' آپ کیوں مجھے بے سائبان کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔“ وہ جیسے عاجز ہو کر بولی۔

”صرف اس لیے کہ میں آپ کو اپنی پناہوں میں لے جانا چاہتا ہوں۔“ وہ ترنت بولا۔

”آپ کا کوئی علاج نہیں ہے میرے پاس' میں میم شمائل سے بات کرتی ہوں۔“ وہ رکھائی سے کہتی واکر دھکیلتی آگے بڑھ گئی۔

”شیور مادام...... ہم بھی اپنا مقدمہ شمائل آپا کے پاس لے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔“ ہارون نے اس کے گھنے سیاہ بالوں سے ڈھکی پشت کو دیکھتے ہوئے شوخی بھری ہانک پیچھے سے لگائی۔

”بدتمیز' لسوڑا نہ ہو تو...... کیا عبدالشکور اور کیا ہارون' سب مرد ایک جیسے ہوتے ہیں۔ غریب' بے سہارا لڑکیوں کی عزت کو مال غنیمت سمجھ کر ہڑپ کر جانے والے۔“ بے بسی کے مارے اس کی آنکھیں سارا دن بھیگتی رہی تھیں۔

وہ جب ڈنر کے وقت حذیفہ کو ٹیبل پر لائی تو چوکیدار ہاتھ باندھے ادب سے توصیف فاروقی سے درخواست کررہا تھا۔

”صاحب جی...... مجھے ایک ہفتے کی چھٹی چاہیے' میرا پوتر ابو اخت بیمار ہے جی۔“

”تو دین محمد' تم اپنے پوتے کو یہیں شہر میں لے آؤ' کسی اچھے سے ڈاکٹر کو دکھاتے ہیں۔“ فاروقی نرمی سے بولے۔ دین محمد کی آنکھیں تشکر سے جھلملا اٹھی تھیں' وہ اسی وقت اپنے گھر فون کرنے چلا گیا۔ دونوں میاں بیوی بلا کے نرم دل اور شفیق تھے' عمدہ نے اتنے عرصے میں کسی کو بھی ان کے در سے خالی ہاتھ نہ جاتے دیکھا تھا۔

اگلے دن ہی دین محمد کے بہو بیٹا اپنے بیمار بچے کے ساتھ آپہنچے تھے۔ وہ سارا دن حذیفہ کے ساتھ مصروف رہی تھی' شام کے وقت کمرے سے باہر نکلی تو لاؤنج میں موجود افراد کو دیکھ کر وہ ساکت رہ گئی۔

”فوزی......! تم یہاں؟“ اس کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکلی تھی۔ ادھر فوزیہ کا بھی حیرت اور خوشی سے یہی حال تھا۔ کاکا سر کو تھما کر بھاگتی ہوئی اس کے گلے آ لگی تھی۔

”عمدہ......! کیسی ہے تو' کتنا یاد کیا میں نے؟“ فوزیہ روتے ہوئے بولی۔ خود اس کی آنکھیں بھی اپنی ماموں زاد کو اتنے عرصے بعد اور یوں غیر متوقع طور پر سامنے پا کر بھیگ چکی تھیں۔ دین محمد اور اس کے بیٹے کے چہرے پر بھی اس ملاپ نے مسرت کے رنگ بکھیر دیئے تھے۔

”تجھے کہاں کہاں نہ تلاشا ابے نے' تو ادھر شہر میں کیسے آ گئی؟“ فوزیہ آنکھیں پونچھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

”بس اس بات کو چھوڑ' میری ہستی بھی شاید کوئی خزاں رسیدہ خشک پتہ ہے جسے حالات کی ہوا نجانے کہاں کہاں لیے پھر رہی ہے۔“ وہ پھیکے سے مسکرائی۔

اب وہ فوزیہ کے شوہر اور سسر کے سامنے یہ تو نہیں کہہ سکتی تھی کہ اس کا ماں جایا اس کے دامن عصمت کو تار تار کرنے پہ تلا ہوا تھا' اپنی سفید چنری کو داغ دار ہونے سے بچانے کے لیے وہ گاؤں چھوڑ آئی تھی۔

”ہم تو سمجھے تھے کہ تو اپنے شوہر کے پاس پہنچ گئی ہے مگر ایک دن تمہارا شوہر اور دیور آئے تھے تو پتہ چلا کہ تو ادھر بھی نہیں ہے؟“ فوزیہ بولی۔

”کیسے شوہر تک پہنچ پاتی' نہ کوئی اتا پتا نہ حال احوال' نکاح نامہ تک وہیں چھوڑ آئی تھی۔“ وہ دل گرفتی سے بولی۔

”تو فکر نہ کر' تیرا نکاح نامہ میرے پاس ہے' میں چاچے کے ہاتھ بھجواتی ہوں تجھے۔“

"ہیں فوزی بیٹے۔" وہ خوشی سے بے یقین تھی۔ جاں بلب مریض کی طرح فوزیہ نے اس کے اندر حیات بخش چند قطرے انڈیل دیئے تھے۔

"ہاں..... ہاں تو بے فکر رہ۔" فوزیہ نے مسکرا کر اس کی بے یقین آنکھوں میں دیکھا جن میں اب خوشی کی نمی بھرتی جارہی تھی۔

فوزیہ نے آنکھیں پھوڑ پھوڑ کر انگلیاں فگار کر کے کچھ روپے جمع کیے تھے۔ اپنے جہیز کا فرنیچر لینے کی خاطر' مگر وہ پیسے عبدالشکور نے اپنی عیاشی کے سبب چرا لیے تھے' غم و صدمے سے اسے کچھ اور نہ سوجھا تو عمدہ کا نکاح نامہ ہی عبدالشکور کی صندوق سے اٹھالیا جس کو خلع کے کاغذات کی تیاری کے بعد وہ اسے ضائع کرنے کے ارادے میں تھا۔ وہ نکاح نامہ عمدہ کو دینے کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی کہ عبدالشکور کی دست درازی کے سبب اسے گھر چھوڑنا پڑا تھا۔

فوزیہ نے وعدے کے مطابق دین محمد کے ہاتھ اس کا نکاح نامہ بھجوا دیا تھا۔ اسے لگا تھا کہ جیسے وہ برسوں سے حالات کی تلاطم خیز موجوں سے نبرد آزما رہی ہو۔ اس کے ہاتھ پاؤں شل ہوچکے تھے۔ جسم بے جان ہونے والا ہی تھا کہ اسے اپنی منزل کا نشان مل گیا ہو۔ انسانوں سے بھری اس دنیا میں اس شخص کو ڈھونڈنے کا ایک سرا جسے قدرت نے شریک حیات کے طور پر بخشا تھا۔

⊙.....⊙.....⊙

"شائمہ..... آج تم فری ہوناں؟" نائلہ نے بیٹی کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"یس ماما..... کیا کوئی کام ہے؟" اس نے کسلمندی سے جواب کے ساتھ سوال کیا۔

"ہاں کام تو ہے' لیکن مجھے تم فریش نہیں لگ رہیں۔" اب کے وہ بغور اس کو جانچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

وہ تو ہمیشہ ٹپ ٹاپ رہا کرتی تھی مگر اس وقت تین دن پہلے والا مسلا ہوا سوٹ تن پہ سجا تھا۔ چہرہ بھی دھلا دھلایا کسی قسم کی آرائش سے پاک تھا۔ جو یقیناً نائلہ کے لیے اچنبھے کی بات تھی۔

"نو ماما...... آئی ایم جسٹ آل رائٹ' بس اس وقت بہت سستی ہورہی ہے۔ دل کچھ بھی کرنے کو نہیں چاہ رہا' دل چاہ رہا ہے بس اپنے بیڈروم میں پڑی رہوں۔" وہ بیزار کن لہجے میں بولی۔

"یہ تو کچھ اچھی سائنز نہیں ہیں۔ اگر اسٹڈیز کا اسٹریس لے رہی ہو تو اچھی بات ہے' ہاں اگر سلوان والے مسئلے کو لے کر اپنی صحت ڈاؤن کررہی ہو تو مائی ڈاٹر یہ سراسر نادانی ہے۔" وہ بہت آرام سے بہت کچھ جتا گئیں۔ جو کچھ وہ اس کی گزشتہ کئی دنوں سے بجھی بجھی طبیعت کا بغور جائزہ لینے کے بعد انہوں نے نتیجہ اخذ کیا تھا۔

"اوہ نو ماما...... آپ کو غلط فہمی ہے' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ سلوان کون سا پرنس آف ویلز ہے۔ جس کی خاطر میں جوگ لے بیٹھوں گی۔" دل سے اٹھتی ٹیسوں کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ قصداً بے پروائی سے بولی۔

"دیٹس لائک آ گڈ گرل' مجھے تم سے یہی امید تھی۔" نائلہ بے ساختہ خوش ہوئیں۔

"اب ازکی کا حال دیکھو کہ تمہیں دیوانی بنانے کے لیے مری جارہی ہے' کون سا سلوان میں ہیرے جڑے ہیں۔ اب اس کی بیوی نجانے کہاں چلی گئی ہے۔ اگر وہ کسی دن واپس آجائے تو تمہارا مستقبل کیا ہوگا؟ سلوان کی حالت بتارہی ہے کہ وہ اپنی منکوحہ بلکہ غائبانہ منکوحہ سے کافی محبت کرتا ہے تبھی تو وہ تم سے کیا کسی سے بھی شادی پہ راضی نہیں ہورہا' اگر اس کی بیوی زندگی میں کبھی لوٹ آئی تو اسے ضرور قبول کرے گا۔ اس لیے میں یہ رسک نہیں لے سکتی کہ سلوان میرا داماد بنے۔" چپ چاپ ماں کی باتیں سنتے ہوئے اس نے اچانک ذرا سی حیرانی سے پوچھا۔

"ماما...... از اٹ پاسبل کہ جس لڑکی کو آپ نے زندگی میں کبھی نہ دیکھا ہو صرف نکاح ہوا ہو اور اس سے آپ کو ایسی محبت ہوجائے کہ کوئی بھی آپ کو اچھی نہ لگے۔ چاہے

وہ کتنی ہی خوب صورت اور ایجوکیٹڈ ہو۔" دھیمے لہجے میں خود ترسی تھی۔

"ہاں میری جان...... نکاح کے دو بول جادوئی اثر رکھتے ہیں۔ دو اجنبی جب نکاح کے بندھن میں بندھتے ہیں تو ان کے دل ایک ہی تال پہ دھڑکنے لگتے ہیں۔ چاہے ایک دوسرے کو نہ دیکھا ہو۔" وہ نرمی سے مسکرائیں پھر بولیں۔

"میری فرینڈ صاعقہ اپنے بیٹے اسید کے لیے تمہیں دیکھنے آنا چاہتی ہے بلکہ دیکھا تو کئی دفعہ ہے بس فارملیٹیز پوری کرنی ہیں تم گھر ہی نہیں ٹکتی' ذرا حلیہ ٹھیک کرو' میں اسے کسی دن بلاتی ہوں۔"

"نو ماما...... میں اس پرپوزل میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔" وہ بےزاری سے بولی۔

"بےوقوف مت بنو اسید کا گالف میں لمبا چوڑا بزنس ہے۔ زیر استعمال گاڑیوں کا تو شمار ہی ممکن نہیں بلکہ میں تو اس کی بیٹی ماہم کو ہارون کے لیے مانگنا چاہ رہی ہوں۔"

"ہونہہ...... ماہم اچھی لڑکی ہے' آپ ہارون سے پوچھ لیں اسے کوئی اعتراض نہ ہو بلکہ لیں وہ آ گیا ابھی پوچھ لیں۔" وہ ہارون کو لاؤنج کے دروازے سے داخل ہوتا دیکھ کر بولی۔

"کیا بھئی' کیا ہارون سے پوچھنے کی تیاری ہو رہی ہے۔" وہ ہمیشہ کی طرح تیار' خوشبوؤں میں بسا ادھر چلا آیا۔

"یہی کہ اب میرے بیٹے کے سہرے کے پھول کھل جانے چاہئیں۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کا وجیہہ چہرہ دیکھ رہی تھیں' جہاں ان کی بات نے ہلکی سی مسکراہٹ پھیلا دی تھی۔

"جب دل کے پھول کھل جائیں تو یہی سہرے کے پھول کھلنے کا موقع ہوتا ہے۔" وہ بشاشت سے بولا۔

"تمہیں ماہم کیسی لگتی ہے' میری فرینڈ صاعقہ کی بیٹی؟" وہ اب اس کی رائے دریافت کر رہی تھیں۔ ہارون کے چہرے پہ یک دم ناگواری چھائی۔

"اوہ نو...... ماما ایسا سوچئے گا بھی مت مجھے وہ لڑکی لائف پارٹنر کے طور پر قبول نہیں۔"

"مگر کیوں بیٹا...... ماہم تو بہت پیاری اور اسمارٹ سی ہے۔ تم نے دیکھا ہوا ہے اسے۔ کبھی مل کے دیکھو' کافی جینئس ہے۔" وہ اسے قائل کرنے لگیں۔

"ہوگی وہ خوب صورت مگر مجھے ایسی گلے کا ہار بننے والی لڑکیاں سخت زہر لگتی ہیں۔ ایک پارٹی میں مجھے ملی تھی' محترمہ پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہی تھیں۔" ٹانگ جھلاتے ہوئے وہ بےزاری سے بولا۔ شائمہ کا چہرہ ایک دم سرخ ہوا تھا' اسے ایسے ہی کم وبیش الفاظ سلوان نے بھی سنائے تھے۔

"تو کسی کو پسند کرنے کا یہ مطلب ہوا کہ وہ لڑکی آپ کے گلے کا ہار بن رہی ہے۔ واٹ نان سینس۔" وہ بگڑے ہوئے لہجے میں بولی۔ نائلہ کو اس کا یک دم بھڑک اٹھنا حیران کر گیا تھا۔

"ہاں تو اس کا پھر کیا مطلب نکلتا ہے' جب لڑکا آپ میں انٹرسٹڈ نہ ہو اور لڑکی اسے کسی مال میں یا ریسٹورنٹ میں لے جانے کی ضد کر رہی ہو۔" وہ شائمہ کی دلی کیفیت سے بےخبر استہزائیہ انداز میں بولا۔

"اچھا جب لڑکے سارے شہر کی لڑکیوں کو پٹاتے پھریں تو ٹھیک اور جب لڑکی خود سے انٹرسٹ شو کر دے تو گلے کا ہار بننے والی ہو گئی۔" وہ چبھتے ہوئے انداز میں پوچھ رہی تھی۔ نائلہ تو پریشان ہو اٹھیں۔

"شائمہ...... کیا ہو گیا ہے' ہارون مجھے بتاؤ تم ماہم کے لیے راضی ہو یا نہیں۔"

"نو وے ماماپ میں اپنی چوائس سے آپ کو آگاہ کرنے ہی والا تھا۔ میں عمدہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں' شمائل آپا کے بیٹے کی گورنس ہے۔" اس نے بہت آرام سے ان دونوں کے سر پر بم پھوڑا۔

"واٹ نان سینس ہارون......! یہ کیا بےہودہ مذاق ہے؟" نائلہ غصے سے سرخ ہو کر چلائیں۔

"نو ماما...... یہ مذاق نہیں' یہ میری زندگی کی سب

سے بڑی حقیقت ہے۔ آئی ریئلی لو ہر۔" وہ بڑے جذب سے بولا۔

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ میں ایک میڈ کو بہو بنالاؤں نو وے ایسا تو ہرگز نہیں ہوگا۔" انہوں نے سختی سے انکار کردیا۔

"تو ٹھیک ہے میں خود ہی شمائل آپا کو کنوینس کرلوں گا۔ وہ میری فیلنگز ضرور سمجھیں گی۔ عمدہ کے علاوہ تو کوئی اور میری زندگی میں آ ہی نہیں سکتی۔" وہ حد درجہ قطعیت سے کہتا اٹھ گیا۔

◉......◉......◉

"تم دو ٹکے کی نوکرانی...... جھوٹا موٹا کھانے والی اترن پہننے والی تمہاری یہ اوقات کہ تم میری بہو بننے کے خواب دیکھو۔" عمدہ شمائل میم کے مہمانوں کی خاطر مدارت کے لیے ابھی ٹرالی لے ہی آئی تھی کہ نائلہ اسے دیکھتے ہی غصے سے برس پڑیں۔ ان کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ آگے بڑھ کر اس نازک سی لڑکی کا گلا دبادیں جوان کو ٹینشن دینے کا سبب بنی ہوئی تھی۔

"آنٹی جسٹ ریلیکس۔" شمائل نے نرمی سے انہیں کول ڈاؤن کرنا چاہا۔ وہ فون پہ شمائل کو ہارون کی ضد اور اپنی پسند بتا چکی تھیں۔ آج ازکی اور شائمہ کے ہمراہ ان کے گھر آمد اسی سلسلے میں تھی۔ عمدہ کا چہرہ ایک دم سفید پڑ گیا تھا۔ اسے مہمان خاتون کا غصے سے لال پیلا ہونا سمجھ میں نہ آیا تھا۔

"شکل دیکھو تو لگتا ہے کہ ان جیسا معصوم دنیا میں کوئی اور نہیں مگر لچھن......" اسے سرتاپا حقارت سے دیکھتے ہوئے انہوں نے زہر اگلا۔

البتہ ازکی اور شائمہ خاموشی سے اس کا جائزہ لے رہی تھیں جس کی وجہ سے ان کا اکلوتا فرماں بردار بھائی من مانی کرنے پہ اترا ہوا تھا۔ مایوس تو وہ دونوں ہوئی تھیں دبلا پتلا سراپا نمکین سانولی رنگت ہاں بس نرم نقوش سے سجے کم سن چہرے پہ کالی سیاہ گہری آنکھیں مقابل کی توجہ کھینچنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔

"اتنی ذلت؟" عمدہ ایک لمحہ کو کھڑے کھڑے لڑکھڑائی تھی۔ دماغ تو چکرا رہا تھا ان خاتون کے الزامات سن کر...... مگر یہ ذلت آمیز رویہ اس کے لیے کوئی نئی بات نہ تھی۔ بے عزتی اہانت یہ تو اماں ابا کے مرنے کے بعد اس کے پیچھے پڑ گئی تھیں۔ ایسے میں ذرا حوصلے سے کام لیتے ہوئے اس نے اپنی اور سامنے والی خاتون کی غلط فہمی دور کرنے کا سوچا۔

"دیکھئے محترمہ! آپ کا یوں مجھ پہ چیخنا چلانا آخر کیا معنی رکھتا ہے۔ میں تو آپ سے پہلی بار مل رہی ہوں۔" کمال ضبط سے وہ قدرے اعتماد سے ان سے مخاطب ہوئی۔

"ہارون کی ماں ہوں وہی ہارون جس پہ تم نے ڈورے ڈال کر اسے اپنی ماں کے بھی مقابل کھڑا کردیا ہے۔" وہ چبا چبا کر بول رہی تھیں۔

"معاف کیجیے گا ڈورے میں نہیں ڈال رہی بلکہ آپ کا بیٹا ہی ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔" وہ تلخی سے بولی۔

"ہونہہ ہارون تمہارے پیچھے پڑا ہے۔ کبھی آئینے میں اپنی شکل دیکھی ہے۔ نہ رنگ روپ نہ پہننے کا سلیقہ۔" کافی دیر سے خاموش بیٹھی ازکی نے تمسخر سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ نائلہ کو بھی اس کے اعتماد اور پرسکون انداز نے کافی غصہ دلایا۔

"میرے بیٹے پہ کوئی الزام لگانے سے پہلے یہ دیکھ لو تم کون ہو کہاں سے آئی ہو نہ بیک گراؤنڈ کا کچھ پتہ ہوتا ہے تم جیسی لوئر مڈل کلاس کی لڑکیاں ہارون جیسے امیر اور خوب صورت لڑکوں کو پھانسنے میں بڑی ماہر ہوتی ہیں۔ اپنی سستی اداؤں کے جال میں انہیں ایسا جکڑ لیتی ہیں کہ نہ تو انہیں اپنے ماں باپ نظر آتے ہیں نہ اپنا اعلیٰ خاندان۔" وہ بہت سکون سے ان کی بکواس سنتی رہی پھر ان کے خاموش ہونے کے بعد بہت آرام سے بولی۔

"جی بجا فرمایا آپ نے کہ غریب اور نچلے طبقے کی لڑکیوں کو صرف ایک ہی تو کام آتا ہے وہ ہے امیر مرغوں کو

پھانسنا اور [illegible] تو ہوں ہی یتیم لاوارث [illegible] سر پر کوئی

نہیں' مجھے تو ہارون کو محبت کے جال میں ضرور پھنسانا چاہیے تھا مگر شکر کہ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا' آپ کی قسمت اچھی ہے کہ میں نے ہارون کی دولت دیکھ کر نہ اپنی عزت کی قیمت لگائی اور نہ ہی اسے اپنی اداؤں کے جال میں جکڑا' اس سے تو کبھی میں نے ہنس کر بات تک نہیں کی۔ اس گھر کے ملازمین اس بات کے گواہ ہیں میری پاک دامنی اور مضبوط کردار کی وجہ یقیناً میرے ماں باپ کی اعلیٰ تربیت' ان کی دعائیں اور اچھائیاں ہیں جو مجھے کسی مصیبت میں پڑنے سے بچالیتی ہیں۔ اگر بالفرض میں اپنے نیک سیرت ماں باپ کی عزت اور تربیت کو بالائے طاق رکھ کر آپ کے بیٹے سے محبت کی پینگیں بڑھا بھی لوں تو ایسی بے راہ روی میرے لیے ممکن نہیں' کیونکہ میں کسی کی امانت' عزت اور منکوحہ ہوں۔" بہت دھیمے سے بولتے ہوئے اس نے اپنی بات مکمل کی۔ لاؤنج میں لمحہ بھر کو گہری خاموشی چھا گئی تھی' جسے کچھ دیر بعد شائل کی حیرت بھری آواز نے توڑا تھا۔

"عمدہ......! تم میریڈ ہو' تم نے کبھی بتایا نہیں۔"

"نو میم...... میں شادی شدہ نہیں ہوں' میرا صرف نکاح ہوا ہے۔" اس نے نرمی سے ان کی تصحیح کی۔

"آپ لوگوں کے ذہن میں یقیناً یہ سوال آرہا ہوگا کہ میں نے خود کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے یہ نکاح کا جھوٹ گھڑا ہے تو ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں آپ کی تسلی و تشفی کرائے دیتی ہوں۔" وہ نائلہ اور ازکی' شائمہ کو جتاتی نظروں سے دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی' جو اسے تقریباً کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"یہ لیں میرا نکاح نامہ' بالکل اوریجنل کاپی ہے۔" اس نے بہت اعتماد سے نائلہ کی طرف اپنا نکاح نامہ بڑھایا جسے انہوں نے ایک نظر ڈالے بغیر شائمہ کی جھولی میں ڈال دیا تھا۔

"سلوان حیدر۔" دلہا کے کوائف میں لکھا نام اور گواہوں میں قاضی عبدالرحیم کے نام اور دستخط بقلم خود

[illegible] بہت کچھ [illegible] گئے تھے۔

⊙......⊙......⊙

ساری حقیقت بخوبی واضح ہونے پر شائل فاروقی نے عمدہ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ جس کے لیے سب سے پہلا قدم قاضی صاحب کی فیملی کو عمدہ کی اپنے ہاں اطلاع دینا تھا۔

"شکر ہے اللہ کا جس نے ہماری عزت' ہمیں لوٹا دی۔" زبیدہ تو شکر کرتی نہیں تھک رہی تھیں۔ قاضی صاحب کو بھی عمدہ کی بازیابی نے مسرت سے ہمکنار کیا تھا اور وہ تو ابھی تک بے یقینی کا شکار تھا' شائل کے الفاظ اسے اپنی سماعتوں کا دھوکہ لگے تھے۔

"بس پہلی ہی فرصت میں' ہم اپنی بہو کو گھر لے آتے ہیں۔ پرائے در پر کیوں پڑی رہے۔ جب اپنا گھر اسی شہر میں موجود ہے۔" زبیدہ بہت پُرجوش سی اپنے خاندانی زیورات لاکر سے نکال لائیں' جو انہوں نے سلوان کی دلہن کے لیے الگ کر رکھے تھے۔

"ہرگز نہیں...... وہ لڑکی اس گھر کی بہو بننے کے قطعی قابل نہیں ہے۔" عثمان حیدر کے سرد و سنجیدہ لہجے پہ سبھی چونکے تھے۔

"بیٹے...... وہ ہماری بہو ہے' اسے بیاہ کر آخر یہیں آنا ہے۔" قاضی عبدالرحیم نے بیٹے کے سرخ چہرے کو دیکھتے ہوئے نرمی سے دریافت کیا۔

"آپ اگر اسے یہاں لے آئے تو میں اور ازکی اس گھر میں ہرگز نہیں رہیں گے۔ نجانے کہاں کہاں پھرتی رہی ہے' کون اس کے کیریکٹر کی گارنٹی دے سکتا ہے۔" عثمان کا انداز حتمی اور اٹل تھا۔

بھائی کے الفاظ اور لہجے میں چھپی حقارت کو محسوس کرتے ہوئے سلوان کی کنپٹیاں سلگ اٹھی تھیں' وہ کوئی سخت جواب دینا ہی چاہتا تھا مگر ادب و لحاظ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے خود پہ کڑے ضبط کے پہرے بٹھا صرف اتنا کہا۔

"اگر میں کہوں کہ مجھے اس کے کردار کی کوئی ضمانت

چاہیے نا نہیں وہ جو کچھ بھی ہے مجھے ہر حال میں قبول ہے تب بھی آپ کا یہی فیصلہ ہوگا۔"

"ہاں پھر بھی میں اسے بھابی قبول نہیں کروں گا۔ اپنی غیرت اور عزت پہ میں سمجھوتہ نہیں کرسکتا۔" عثمان کی آواز میں ٹھہراؤ تھا۔

سب ہی نفوس کے چہرے کے تاثرات تن چکے تھے سوائے ازکیٰ کے جو اس ساری صورت حال کو مسکراتی نظروں سے انجوائے کررہی تھی۔ قاضی عبدالرحیم اور زبیدہ کے لیے یہ صورت حال بہت پریشان کن تھی۔ دونوں بیٹے آمنے سامنے کھڑے اپنے فیصلے سے ایک انچ ہٹنے پر تیار نہ تھے۔ ایک عمدہ کو اپنی بھابی تسلیم کرنے سے انکاری تو دوسرا اپنی منکوحہ کو اپنانے پہ تیار۔

"ارے بیٹا...... عمدہ کئی سالوں سے شمائل کے ہاں کام کررہی ہے وہ جانتی ہے کہ بچی کتنی شریف اور بھلی مانس ہے۔" زبیدہ نے عثمان کو رام کرنا چاہا۔

"جی ہاں اسی شریف اور بھلی مانس نے شمائل آپا کے ہاں کام کرتے ہوئے میرے بھائی ہارون سے عشق کا چکر چلالیا۔ شمائل آپا نے بہت سمجھانے کی کوشش کی مگر اس پہ تو بھوت سوار تھا کہ ہارون سے ہی شادی کرنی ہے ایک کاغذ کے ٹکڑے کی بھلا کیا اہمیت ہوتی ہے' ادھر ہارون کو ہم نے کیسے قابو کیا ہے یہ ہم جانتے ہیں۔ وہ تو عمدہ کے پیچھے تقریباً پاگل ہوچکا تھا۔" ازکیٰ ڈھٹائی سے جھوٹ بولتے ہوئے ان کے اعصاب پہ بم گراتی جارہی تھی۔

"جی...... اب آپ کیا کہیں گے ایسی بے راہ رو لڑکی کو عزت دار گھر کی بہو بنایا جاسکتا ہے۔" عثمان نے قدرے طمانیت سے کہا اور ایک فاتحانہ نظر سب پہ ڈالی تھی جن کے چہرے پہ پریشانی صاف نظر آرہی تھی۔

سلوان کے بڑھی ہوئی شیو' آنکھوں کے گرد حلقے لیے ستے ہوئے چہرے پہ اضطراب کی لہریں اٹھ رہی تھیں جیسے وہ سخت اندرونی خلفشار میں مبتلا ہو۔

"میں شمائل سے بات کرتا ہوں' اس کی رائے سے ہی کوئی فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔" اپنے اعصاب پہ زور دے کر کھڑے ہوتے ہوئے قاضی عبدالرحیم نے حتمی انداز میں کہا۔

◉......◉......◉

"دیکھو بیٹی...... اب آپ ہی بتاسکتی ہیں کہ ہماری بہو عمدہ جو آپ کے ہاں دو سال رہی ہے' اس کا چال چلن کیسا ہے؟ اس کا کردار خصوصاً آپ کے کزن ہارون کے ساتھ برتاؤ' کیا واقعی ایسا ہی تھا جو ازکیٰ بتارہی ہے یا اس بچی نے ہماری ناموس وعفت کی حفاظت کی ہے۔ خدا کو حاضر وناظر جان کر سچ سچ بتائیں کیونکہ عمدہ کی زندگی کا فیصلہ آپ کی رائے پر ہی منحصر ہے ایک یتیم' بے کس اور بے سہارا بچی کو طلاق جیسا رسوا کن صدمہ بھی مل سکتا ہے اور بصورت دیگر وہ ایک معزز اور خوش حال گھرانے کی بہو بن کر دنیاوی نعمتوں سے لطف اندوز بھی ہوسکتی ہے۔" قاضی عبدالرحیم اپنے نرم ومخصوص انداز میں شمائل فاروقی سے مخاطب تھے۔ وہ آج بھی شمائل کے ہاں آئے ہوئے تھے۔ سوائے سلوان کے' جسے بڑے بھائی کی تنگ دلی اور ہٹ دھرمی نے اتنا دل برداشتہ کیا کہ وہ اپنے بیڈروم میں ہی محصور ہوکر رہ گیا تھا۔

شمائل کو بھی ان کے گھر کی گھمبیر صورت حال کا بخوبی علم تھا۔ وہ ہارون کی عمدہ کے لیے بے تابیوں سے بھی اچھی طرح آگاہ تھیں' ساتھ ہی ازکیٰ کے سسرال کی متانت اور پُروقار شہرت بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہ تھی۔ وہ عجیب مخمصے میں آپڑی تھیں۔ ایک طرف تو سگی خالہ تھیں نائلہ' جنہوں نے ممی کے بعد انہیں خوب پیار دیا تھا۔ وہ جانتی تھیں کہ ازکیٰ یہ سارا پروپیگنڈہ محض اپنی زخمی انا کی تسکین کے لیے کررہی ہے ورنہ نائلہ اور شائمہ کو سلوان حیدر سے اتنی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ عمدہ نے بھی تو ان کے بیٹے کی دیکھ بھال میں کوئی کمی نہ کی تھی۔ جو دیا کھالیا' جو خرید کردیا پہن لیا' کبھی خود سے سوال نہ کیا' ہارون کی شوخ مزاجی اور آزاد فطرت نے یہاں بھی اپنا رنگ دکھایا گو کہ عمدہ نے کبھی منہ سے شکایت نہ کی تھی مگر اس کا گھبرایا ہوا انداز اور ہراساں صورت نے کچھ کچھ چونکایا تھا پھر نائلہ آنٹی کے ہنگامے

محبت، نفرت اور رشک کی آمیزش سے مزین ایک ناقابل فراموش کہانی

بنتے بگڑتے رشتوں سے آراستہ ایک معاشرتی و رومانی دلکش تحریر

حسد کی آگ میں دوسروں کی زندگی جھلسا دینے والوں کا دردناک انجام

ڈھل گیا ہجر کا دن آخر

نادیہ احمد کے قلم سے لکھی دل کو چھو جانے والی تحریر

حجاب کے صفحات پر بہت جلد ملاحظہ فرمائیں

انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے۔ نفرت بو کر محبت کے پھول نہیں پا سکتا

نفرت کے آنگن میں محبت کے پھولوں کو کھلنے سے کون روک سکتا ہے

گمراہی سے ہدایت تک کا سفر، بنتے بگڑتے رشتوں کی اچھوتی داستان

امید اور ناامیدی کے درمیان پرورش پاتی محبت کی حسین کہانی

پریشانی سے بچنے کے لئے اپنی کاپی آج ہی بک کرائیں۔ رابطہ 03008264242

نے تو ساری صورت حال ہی واضح کردی تھی۔ ڈرائنگ روم میں چھائی خاموشی سب ہی کے اعصاب پہ گراں گزر رہی تھی۔ تھری پیس سوٹ میں ملبوس عثمان حیدر نے کافی دیر سے ایک ہی زاویے پر بیٹھنے کے بعد پہلو بدلا تھا۔

"انکل...... عمدہ بہت پیاری بچی ہے، بلکہ معصوم اور ان چھوئی۔" شمائل نے ٹھہرے ہوئے انداز میں بات شروع کی۔ "وہ دو سال میرے گھر رہی مگر خدا گواہ ہے اس نے ان دو سالوں میں کبھی اس گھر سے قدم تک باہر نہ نکالا۔ اس کی ضرورت کی تمام چیزیں میں خود ہی لایا کرتی، باقی رہ گئی ہارون میں اس کی انوالومنٹ، تو ہارون خود ہی عمدہ میں انٹرسٹڈ تھا۔ خود ہارون نے اپنی خواہش کا اظہار میرے سامنے کیا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں عمدہ کے دل کو ٹٹولتی، نائلہ آنٹی نے خود ہی آ کر اس کی انسلٹ کردی اور عمدہ نے کیسے اپنی صفائی بیان کی تھی یہ آپ سب ہی جانتے ہیں۔" شمائل نے تفصیل سے اپنی بات مکمل کی۔

قاضی عبدالرحیم اور زبیدہ خاتون کے تنے ہوئے اعصاب ایک دم سے پُرسکون ہوئے تھے۔ ایسے لگا تھا کہ جیسے ان کی اٹکی ہوئی سانسیں جاری ہوگئی ہوں۔ البتہ ازکی اور عثمان کے چہرے کے زاویے خوب بگڑ گئے تھے۔

"آپ میری بچی کو بلا دیں بس۔" اور اگلے ہی لمحے دونوں میاں بیوی بری طرح روتی ہوئی عمدہ کے سر پر دست شفقت پھیر رہے تھے۔

عمدہ کو یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ اس کا آبلہ پائی کا سفر تمام ہونے کو آ گیا ہے۔ اس کی آزمائش کا دورانیہ سمٹ چکا ہے۔ وہ عثمان اور ازکی کو سلام کرنے کے لیے اٹھی ہی تھی کہ ان کے چہروں پہ چھائی خشونت اور درشتی اتنی واضح تھی کہ وہ سہم کر دوبارہ بیٹھ گئی۔

"اچھا بھئی اب ہم اپنی بیٹی کو گھر لے چلتے ہیں۔" قاضی صاحب نے شمائل سے اجازت طلب کی۔

"ارے ایسے کیسے انکل...... ذرا دھوم دھام سے بینڈ باجوں کے ساتھ ہی عمدہ کو لینے آئیے گا۔ میں ایسے ایک جوڑے میں اسے رخصت نہیں کرنے والی۔" شمائل نے مسکراتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی عمدہ کو گلے لگا لیا۔

"ارے بیٹا...... آپ نے اتنے سال ہماری بیٹی کو اپنی چھت فراہم کی، یہ بھی بہت بڑا احسان ہے اور یہ رخصتی تو فی الحال ایسے ہی روکھی پھیکی کر لیتے ہیں مگر ان شاء اللہ ولیمہ کافی شاندار رکھیں گے۔ فی الحال تو آپ کے شکریے کے لیے الفاظ ہی نہیں مل رہے۔" قاضی صاحب عاجزی سے بولے۔

"ارے نہیں انکل...... شکر تو بس اللہ کی ذات کے لیے ہی واجب ہے۔ ہم انسان تو صرف ایک وسیلہ بن جاتے ہیں۔ اب جیسے میں دارالامان اپنے پروگرام کے لیے گئی تھی اور وہاں مجھے عمدہ مل گئی۔ اس کی میرے گھر آمد آپ سے ملنے کی سبیل بن گئی۔" شمائل انکساری سے مسکرا کر بولی۔ شمائل کی بات پہ عثمان اور ازکی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

⊙......⊙......⊙

"ہونہہ...... تو محترمہ دارالامان کی یاترا بھی کر آئی ہیں؟" ازکی اس کے ہلکے سے میک اپ سے سجے چہرے کو دیکھتے ہوئے تنفر سے بولی تو نہ صرف عمدہ بلکہ قاضی عبدالرحیم اور زبیدہ بھی حیران ہوئے۔

وہ لوگ ابھی ابھی شمائل کے ہاں سے لوٹے تھے۔ شمائل نے بہت کم وقت میں گلابی جارجٹ کے کامدار جوڑے میں ملبوس عمدہ کو ہلکی سی جیولری پہنانے کے بعد ہلکا پھلکا میک اپ کر دیا تھا۔ پھر وقت رخصتی ایک لاکھ روپوں کا کیش بھی بطور تحفے کے پرس میں رکھ دیا تھا۔ گاڑی میں سارا وقت زبیدہ اس کی بلائیں لیتی رہیں کہ ان کے بیٹے کی سب سے بڑی خوشی وہ لے کر جا رہے تھے۔

ڈرائنگ روم میں پہنچ کر سبھی تھکے انداز میں صوفوں پہ ڈھیر ہوگئے تھے۔ سلوان نجانے اپنے کمرے میں تھا یا گھر سے باہر۔ زبیدہ خاتون کا ارادہ ذرا دیر میں عمدہ کو اوپر سلوان کے کمرے میں پہنچانے کا تھا۔ ایسے میں ازکی کے زہریلے جملے نے بھی کو چونکا دیا تھا جو چبھتی ہوئی نظروں سے عمدہ کو دیکھ رہی تھی۔

"ایک لڑکی جو چھ سال دارالامان میں رہی ہو اور نجانے دارالامان کس شہرت کا حامل ہے وہ آج قاضی گھرانے کی بہو بن بیٹھی ہے۔ قرب قیامت ہے۔" ازکیٰ کا انداز سراسر تمسخرانہ تھا۔

"بہو...... جو ہوا سو ہوا اب ان گزری باتوں سے کچھ حاصل نہیں عمدہ کو سبھی نے کھلے دل سے اس گھر کا فرد تسلیم کرنا ہے۔" قاضی صاحب کو ازکیٰ کا انداز توہین آمیز لگا تھا کیونکہ اس کی بات سن کر عمدہ کا چہرہ ایک دم سفید پڑ گیا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جگہیں اور انسان خواہ کتنے ہی بدل جائیں' تذلیل اور حقارت اس کا مقدر ٹھہرے گی۔ یہ گھر جس کا مکین بننے کا خواب اس کی آنکھوں میں چھ سالوں سے پل رہا تھا۔ یہ محض خواب ہی رہے گا' ابھی پھر سے وہ بے امان قرار دی جائے گی پھر سے وہی گردش حالات' در در بھٹکنا۔ اس کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔ ازکیٰ اور عثمان کی خود سے پرخاش سمجھ آ رہی تھی۔

"ابا جی...... آپ اتنی اہم بات کو ایسے کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں۔ دارالامانوں کی جو حالت ہے' آپ بھی اس سے واقف ہیں' عیاشی کا گڑھ بن چکے ہیں' لڑکیوں سے وہاں کیسے کیسے کام لیے جاتے ہیں' ان کا ذکر کرنا ہی مشکل ہے اور آپ کہہ رہے ہیں ہم اسے کھلے دل سے خوش آمدید کہیں؟" عثمان کا ازلی کٹھور اور بے رحم انداز۔

قاضی صاحب کو بیٹے کی عامیانہ سوچ پہ بہت افسوس ہو رہا تھا۔ وہ بخوبی سمجھ سکتے تھے کہ یہ اس وقت اپنی بیوی کی زبان بول رہا ہے' جس کی منتقمانہ فطرت کی تسکین عمدہ کی ذات کو رگیدنے سے ہی ہو رہی تھی۔ قاضی عبدالرحیم عثمان کو سخت سست کہنے لگے۔ زبیدہ خاتون نے بھی ازکیٰ کو آڑے ہاتھوں لیا تھا جو ان کی خوشی کو غارت کرنے پہ تلی ہوئی تھی۔ ماحول میں ایک دم سے گرما گرمی اتر آئی تھی۔

عمدہ کو نہ تو کچھ سنائی دے رہا تھا اور نہ ہی ماحول کی سنگینی کا احساس تھا وہ تو بس ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کی عملی تفسیر بنی سامنے سیڑھیوں کی طرف دیکھ رہی تھی جہاں سلوان حیدر نجانے کب سے آ کھڑا تھا۔ اپنے بیڈروم کی کھڑکی

سے اس نے گاڑیوں کی آواز بخوبی سنی تھی۔ لپک کے کھڑکی سے پردہ ہٹایا تھا۔ اماں ابا بہت پیار اور چاؤ سے ایک لڑکی کو تھام کر گاڑی سے باہر لا رہے تھے۔ وہ تو حیرت سے اپنی جگہ جم گیا تھا۔

یہ تو وہی تھی جو ڈھائی سال قبل اسے ویران' تاریک سڑک پر روتی ہوئی ملی تھی۔ کسی انجانے خوف دہشت سے سر تا پا لرزاں۔ اگرچہ اب قیمتی جوڑے اور میک اپ وجیولری سے لک ایک دم سے بدلی ہوئی تھی مگر پھر بھی وہ اسے لاکھوں میں پہچان سکتا تھا کیونکہ رات کی تنہائی میں بنی ہم سفر لڑکی کا چہرہ اس کے پردہ پہ نقش ہو چکا تھا۔

"اوہ...... تو یہ محترمہ اپنی نصف بہتر ہیں۔ اگر اسی رات معلوم ہوتا تو دارالامان کی بجائے سیدھا اپنے گھر لے آتا۔ بہرحال جو قدرت کو منظور' خوشی کے بے پایاں احساس نے دل پہ چھائے غبار کو لمحوں میں صاف کر دیا تھا۔ وہ ایک دم ہلکا پھلکا' سرشاری لیے نیچے اترا تھا مگر عثمان بھیا کی آواز نے اسے سیڑھیوں کے درمیان میں ہی روک دیا تھا۔ عمدہ کی نظر اس پہ پڑ چکی تھی۔

"اوہ خدایا...... تو یہ وہ ہیں؟" وہ اس حسن اتفاق پہ چکرا کر رہ گئی تھی۔

ملگجا سا حلیہ' الجھے بکھرے بال' آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے' یہ تو اس اندھیری رات کے مہربان سے بہت مختلف لگ رہے تھے۔ مگر سیاہ آنکھوں میں چمکتی پہچان کی چمک اور لبوں پہ پھوٹتی مبہم سی مسکراہٹ نے بخوبی باور کرا دیا تھا کہ ریلنگ تھامے ساکت کھڑا شخص ہی اس کی تیرہ و تار زندگی میں روشنی بھرنے والا ہے جسے اماں ابا نے چھ برس پہلے اس کے لیے بطور شریک حیات منتخب کیا تھا۔ وہ جو مانند بت اسے دیکھے جا رہی تھی کہ اچانک اس کی آنکھوں میں شوخی کی لپک نے اسے گڑبڑا کر سر جھکانے پہ مجبور کر دیا تھا۔ دل ہتھیلیوں پہ دھڑکنے لگا تھا۔ حیا آمیز سرخی چہرے پہ سمٹ آئی تھی۔ آنکھیں انجانے بوجھ سے جھکی جا رہی تھیں۔ وہ بھول چکی تھی کہ اس کے علاوہ اور افراد بھی اس کے پاس موجود ہیں جو آپس میں تند و تیز جملوں کے

تبادلے [illegible] مصروف ہیں۔ دل و دماغ پہ [illegible] کیف آور احساس چھایا ہوا تھا کہ اس کے روبرو وہ ابر مہربان کھڑا ہے جو اس کی مانند ریگزار جلتی بلتی زندگی پہ برسنے کو تیار ہے۔ دل جس کے نام کی تسبیح سالوں سے کرتا آرہا ہے۔

”عثمان...... تم کیوں چاہتے ہو میں بڑھاپے میں اس معصوم اور یتیم کی آہیں لوں؟ میں عہد شکن نہیں کہلانا چاہتا۔ سوچو اگر عمدہ کی جگہ تمہاری بہن یا بیٹی ہوتی تب بھی تم اتنی سفاکیت کا مظاہرہ کرتے؟“ قاضی عبدالرحیم اب عاجزی سے کہہ رہے تھے۔

”عثمان بھیا...... شمائل فاروقی کے ہاں سے پہلے اگر عمدہ دارالامان رہی ہے تو پھر بھی آپ کو میری بیوی کے کردار کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔“ وہ مضبوط قدموں سے چلتا ہوا ان کے بیچ آ کھڑا ہوا اور عثمان حیدر کی آنکھوں میں براہ راست دیکھتے ہوئے دوٹوک انداز میں بولا۔

”عمدہ کو میں ہی دارالامان میں چھوڑ آیا تھا۔ اب دارالامان کی ریپوٹیشن اور اس کا محض ایک ماہ کا قیام اگر ان سب باتوں کو کلیئر کر بھی دوں تو آپ یقیناً یہ سوال اٹھائیں گے کہ یہ دارالامان سے پہلے کہاں رہی، اپنے ماموں کے گھر، ماموں کے گھر رہنے کی نوبت کیونکر آئی؟ ان ساری تفصیلات میں جانے سے، بہتر ہے کہ میں ہی عمدہ کو لے کر کسی اور جگہ شفٹ ہو جاتا ہوں۔ آپ دونوں کو یہ گھر چھوڑنے کی زحمت نہیں کرنی پڑے گی کیونکہ میں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لے کر عمدہ کو اپنا جیون ساتھی بنانے کا عہد کیا تھا۔ اب محض بے بنیاد واہموں اور مفروضوں کی بناء پر اسے حالات کے بھنور میں نہیں چھوڑ سکتا۔“ وہ بہت آرام سے پرُسکون انداز میں بول رہا تھا۔

ازکیٰ پہلے تو کھا جانے والی نظروں سے اسے کچھ دیر دیکھتی رہی پھر پاؤں پٹختی ہوئی اپنے روم میں چلی گئی۔ بیوی کے بغیر عثمان کو بھی یہاں رکنا بے کار لگ رہا تھا، فوراً ازکیٰ کے پیچھے لپکا۔ قاضی عبدالرحیم اور زبیدہ خاتون بھی وہاں کھڑے [illegible] خود [illegible] سب [illegible] تھے۔ اس نے بنا کچھ کہے اپنی چوڑی ہتھیلی اس کے سامنے پھیلا دی۔

وہ خیالوں سے نکل کر چونکی پھر اس کے ہاتھ پہ اپنا نازک ہاتھ رکھ دیا۔ اس کے شانوں پہ بازو پھیلائے سلوان نے اوپر اپنے کمرے کا رخ کیا اور وہ ایک خواب کی سی کیفیت میں دھیرے دھیرے اوپر قدم اٹھاتی جا رہی تھی۔

”اگر مجھے معلوم ہوتا اس رات میری ہم سفر دراصل زندگی کی ہم سفر ہے تو تم دو سال پہلے یہاں آ چکی ہوتیں۔“ کمرے میں پہنچتے ہی اس نے عمدہ کو اپنی دلی کیفیت سے آگاہ کیا۔

”کاش کہ مجھے بھی ذرا علم ہوتا کہ آپ ہی میری زندگی کا عنوان ہیں تو حالات کی ہوا مجھے یوں خس و خاشاک کی مانند تو نہ اڑائے پھرتی۔“ عمدہ کا لہجہ بھی بھیگ چکا تھا۔

”عمدہ...... ہمارا سر راہ ملنا، پھر بچھڑ جانا، پھر ملنا یہ سب اس ذات کے حکم سے ہوا ہے جس نے ہم دونوں کو ایک دوسرے کے لیے بنایا۔“ سلوان بہت محبت سے بولتے ہوئے نرمی سے اس کی پلکوں پہ اٹکے شفاف موتی اپنے ہاتھوں پہ اتار رہا تھا۔

”آپ ٹھیک کہتے ہیں، آپ کی تلاش میں میرے پاؤں کئی راستوں سے آشنا ہوئے، مگر مقدر آپ سے ملنا ہی ٹھہرا، یہی میری زندگی کا حاصل ہے رستے ہزار سہی، مگر منزل صرف ایک آپ ہی ہیں۔“ عمدہ نے بڑے جذب سے کہتے ہوئے سکون سے سلوان کے کندھے پہ سر ٹکا دیا تھا۔

ہومیو گائیڈ

طلعت نظامی

بندش حیض

حیض ایک قدرتی کورس ہے جو جوانی سے سن یاس تک ٹھیک وقفہ پر اور باقاعدگی سے عورتوں کو ہوتا رہتا ہے لیکن جب اس باقاعدگی اور قدرتی کورس میں کسی قسم کی تبدیلی ہوجائے تو عورت کی صحت پر بہت بڑا فرق پڑتا ہے۔ یہ بے قاعدگی اور غیر قدرتی پن عورت کی تندرستی پر اثر ڈالتے ہیں جس کا درست ہونا ہی عورتوں کو صحت عطا کرنے کے مترادف ہے۔

تعریف

بندش حیض سے مراد حیض کا نہ آنا یا حیض کا ایک دو دن رہ کر بند ہوجاتا ہے یا حیض کا حمل کے بغیر کئی ماہ رک کر آتا ہے اس مرض کے ابتداء سے ہی عورت کو حیض کی تکلیف ہوتی ہے یا کسی اور وجہ سے حیض کا اخراج بند ہوجائے یا بہت کم مقدار میں آئے۔ بعض اوقات حیض بند ہوجانے کی صورت میں کسی دوسرے راستہ مثلاً ناک یعنی نکسیر کی صورت میں یا منہ سے یا بواسیر کی وجہ سے ماہ بہ ماہ خون خارج ہوتا رہتا ہے۔ حیض کے بند ہونے کی مختلف شکلوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) جب حیض کبھی ظاہر ہی نہ ہوا ہو۔

(۲) جب حیض ظاہر ہو کر رک چکا ہو۔

(۳) کبھی حیض کئی مہینوں تک جاری رہے اور کبھی رک جائے۔

جب حیض کبھی ظاہر ہی نہ ہوا ہو

اس قسم کی بندش اندرونی آلات تناسل کی خرابی سے واقع ہوتی ہے جس میں آلات تناسل مکمل طور پر نشوونما یافتہ نہیں ہوتے یا خصیۃ الرحم ہوتے ہی نہیں یا سوکھے یا چھوٹے ہوتے ہیں۔ اس قسم کے کیس بھی ملتے ہیں جس میں یہ آلات لڑکپن کے زمانے میں کسی حادثہ یا چوٹ کی وجہ سے معذوب ہو کر ناکارہ ہوچکے ہوں۔ مریضہ کی باقی جسمانی کیفیتیں بالکل درست ہوتی ہیں' جسم کا ہر فعل اور نشوونما بالکل ٹھیک اور باقاعدہ ہوتی ہیں مگر صرف ایک ہی چیز کی کمی ہوتی ہے وہ ہے آلات تناسل کی نشوونما جس میں بعض کی اتنی نشوونما نہیں ہوتی' بالائی لبوں پر مونچھوں کی طرح بال اُگ آتے ہیں۔

ان حالتوں میں حیض ہر ماہ باقاعدہ رحم کی اندرونی تہہ سے خارج ہوتا ہے لیکن راستے کی بندش کی وجہ سے خارج نہیں ہوپاتا' جس کی وجہ سے بعض تکالیف مثلاً جسم پر خارش وغیرہ جنم لیتی ہے۔

کچھ کیس ایسے بھی ہیں جن میں آلات تناسل کی بناوٹ کا تھوڑا سا نقص ہوتا ہے اور وہ نقص علاج کے ذریعے درست ہوسکتا ہے۔ ان حالات میں حیض تو ہوتے ہیں مگر اخراج کا راستہ رحم کے منہ کی بندش کی وجہ سے نہیں ملتا اس لیے وہ اندر ہی اندر جمع ہوتے رہتے ہیں اس وجہ سے ہر حیض کے نام مریضہ کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ رحم کی دیواروں میں درد' آلات تناسل میں درد کے شدید دورے ہوا کرتے ہیں اگر بروقت اس تکلیف کا علاج نہ کیا جائے تو خون حیض شکم کی طرف راغب ہوکر پردہ باریطون کو ماؤف کردیتا ہے اس کے اندر ورم پیدا ہوکر مہلک صورت اختیار کرلیتا ہے بعض کیسز میں کچھ عورتوں کو حیض ہوتا ہی نہیں انہیں کسی علاج کی ضرورت ہی نہیں پڑتی اور وہ بچے بھی پیدا کرتی ہیں۔

علامات

حیض آنے سے چند دن پہلے آلات تناسل میں درد ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ رحم کے اندرونی حصوں خاص طور پر (Ovaries) میں شدید ہوتا ہے' جس کی وجہ سے مریضہ بے چین ہوجاتی ہے بعض اوقات بندش کی وجہ سے پیشاب میں رکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے بعض صورتوں میں حیض کے بجائے نکسیر یا بواسیر یعنی مقعد سے خون جاری ہوجاتا ہے۔ مریضہ کمزور اور پیلی ہوتی ہے' پتلی دبلی رموی مزاج کی ہوتی ہے۔ دوران خون میں کمزوری ہوتی ہے اس لیے ان مریضاؤں میں سردی سے ذکی الحسی ہوتی ہے' جاذبیت میں کمی' غذا سے نفرت یا بے پروائی اس کے برعکس ایسی مریضائیں بھی ہیں جن کی شکل وشباہت سے موٹاپا ظاہر ہوتا ہے۔

مریضاؤں میں لرزہ' کمر اور رانوں میں درد' شکم کے نچلے حصے میں بوجھ' سستی' بے آرامی ہوتی ہے۔ یہ علامت چند گھنٹے یا ایک دو دن رہنے کے بعد حیض نمودار ہوئے بغیر ختم ہوجاتی ہے یا حیض کے بجائے لیکوریا ہوتا ہے۔

حیض کا رک جانا

اس مرض میں کچھ عرصہ تک حیض آتا رہتا ہے مگر بعض
بیماریوں کی وجہ سے آنا بند ہو جاتا ہے ان کی بندش یکایک بھی
ہو سکتی ہے اور اچانک اور آہستہ بھی بھی یہ شدید اور خطرناک
صورت بھی اختیار کر لیتی ہے اور بھی یہ حالت طبعی خرابی کا پیش
خیمہ ہوتی ہے مثلاً تپ دق یا رحم کی خرابیاں۔

حیض کی یکایک بندش سردی لگ جانے سے یا جسم کے
بھیگ جانے سے ہو سکتی ہے جب سیلان حیض شروع ہوتا ہے تو
یکایک سردی لگ جانے سے حیض رک جاتا ہے۔ نظام عصبی پر
صدمہ مثلاً ڈر یا یکایک اور خود ہی دماغی پریشانی یا جسمانی و دماغی
ابتری سے سیلان رک سکتا ہے۔ حیض کی دیرینہ رکاوٹ کی
مندرجہ ذیل وجوہات ہو سکتی ہیں جسم میں کمزور کرنے والے اور
آہستہ آہستہ ظاہر ہونے والے اثرات نوجوان لڑکیوں کا گھر
میں بند رہنا اور سستی کی زندگی بسر کرنا سخت دماغی محنت غذائیت
کی کمی لیکوریا یا کوئی طبعی خرابی۔

علامات

تیز بخار درد سر نبض میں تیزی پیاس تنگی حیض کے
یکایک بند ہو جانے سے مقامی ورم رحم یا (Ovaries) میں
پیدا ہو جاتے ہیں۔

حیض کی رکاوٹ سے ہسٹریا جیسی تکالیف یا اعصابی
دردوں کی نمود بھی بعض اوقات ہوتی ہیں اور یہ تکلیف بڑھ کر سر
پھیپھڑے اور معدے کو ماؤف کر سکتی ہیں بعض اوقات حیض
کے بند ہونے کے سخت ترین نتائج اعصابی کمزوری اعصابی
تکالیف مثلاً غشی نابینائی کانوں میں سیٹیاں بجنا سکتہ اور فالج
بھی ہو سکتے ہیں۔

بے قاعدہ حیض

اس غیر طبعی بندش حیض میں کچھ عرصہ تک حیض آتا رہتا ہے
مگر بعض بیماریوں کی وجہ سے حیض کا آنا بند ہو جاتا ہے کیونکہ
ان میں مکمل طور پر حیض بندش نہیں ہوتے اس لیے یہ بے قاعدہ
بھی ہوتے ہیں اور خون کی مقدار بھی بالکل بے قاعدہ ہوتی ہے
اس بے قاعدگی میں ہو سکتا ہے کہ حیض کا وقت کم ہو جائے۔

علامات

بعض اوقات حیض جاری ہی نہیں ہوتا پیڑو اور کمر میں
شدید درد ہوتا ہے اور بھی تھوڑا سا جاری ہو کر بند ہو جاتا ہے۔

پرہیز و غذا

چائے انڈے بینگن محنت مشقت اچھلنا کودنا رنج و غم
خوف وغیرہ سے دور رہنا چاہیے۔

بکری کا شوربہ مونگ کی دال خشک ارہر کی دال لوکی توری
پالک بسکٹ وغیرہ یعنی زود ہضم غذا کا استعمال کرنا چاہیے۔

علاج بالمثل

اس مرض میں بالمثل دوا حیرت انگیز اثرات رکھتی ہے۔

اہم ادویات کی تفصیل

برائی اونیا: حیض کے بجائے نکسیر جاری ہو منہ سے
مقعد تک خشکی سخت قبض پیاس کی زیادتی اور جوڑوں میں
حرکت سے درد ہو۔

پلساٹیلا: جب حیض رک رک کر بہتا ہو پاؤں بھیگنے
کے باعث حیض رک گیا ہو جن لڑکیوں کو خون کی کمی کی وجہ سے
حیض وقت پر جاری نہ ہو بلکہ دیر سے ظاہر ہوا ہو۔

کلکیریا کارب: ابتدا میں ہی حیض کے ظاہر ہونے
میں دیر ہو رہی ہو ساتھ ہی سر اور سینہ میں اجتماع خون ہو جس
کے باعث پھیپھڑوں میں شکایات پیدا ہو گئی ہوں۔ موٹی خنا
زیری مزاج والی لڑکیاں جن کو پسینہ آسانی سے آ جاتا ہو اور معدہ
میں تیزابیت کی شکایت ہو۔

گریفائٹس: فربہ اندام عورتوں میں بندش حیض خون
حیض کے بجائے زرد رنگ کا پانی نکلے اور جسم پر خارش پھنسیاں
ہو جن سے لیس دار رطوبت نکلے اور خارش بھی ہو۔

سیپیا: جن خواتین کی جلد جسم نرم اور رنگ سیاہ ہو نقاہت و
کمزوری کے ساتھ بندش حیض ہو۔

فیرم میٹ: ابتدا میں اگر حیض دیر سے ظاہر ہوں اور
ساتھ ہی کمزوری سستی دل کی دھڑکن بڑھی ہوئی ٹخنوں کے
پاس سوجن ہو جن کے چہرے تمتما جاتے ہوں یا زرد رنگ والی
جن کی آنکھوں کے نیچے حلقے پڑے ہوئے ہوں۔

فاسفورس: نازک مزاج دبلی پتلی لمبی لڑکیاں
رنگ سفید مائل جن کا رجحان تپ دق کی طرف ہو حیض کے
بجائے حلق سے خون آئے۔

اس کے علاوہ بھی سی فیوگا کونیم ڈلکا مارا جلسی میم لائیکو
پوڈیم سلفر چائنا اکونائیٹ ایلومینا چلیڈونیم بورکس وغیرہ قابل
ذکر ہیں۔

(جاری ہے)

بزم دل
میمونہ رومان

فصیحہ آصف خان...... ملتان

ہے قائم تجھ سے میری سانسوں کا تسلسل
نہیں ہے تجھ سا کوئی تیرے ہی مقابل

نورین انجم...... کراچی

کچھ دولت پہ ناز کرتے ہیں
کچھ صورت پہ ناز کرتے ہیں
ہمارے ہاتھوں میں ہے دامن مصطفیٰ ﷺ
ہم اپنی قسمت پہ ناز کرتے ہیں

نبیلہ ملک...... چوٹالہ

اچھے ہوتے ہیں یہ برے لوگ
اچھا ہونے کا دکھاوا تو نہیں کرتے

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

میرا مزاج نہیں ہاں میں ہاں ملانے کا
غلط تھی بات تیری اختلاف میں نے کیا

شائستہ جٹ...... چیچہ وطنی

تعجب نہیں کہ وہ مجھے بھول جائے گا
بے اعتنائی تو حد درجہ کی ہے اس میں

طیبہ نذیر...... شادیوال گجرات

ایسا ہی اک ہجوم میرے آس پاس ہے
جن کے دلوں میں زہر زباں میں مٹھاس ہے

منیبہ نواز...... صبور شریف

داغ سجود اگر تیری پیشانی پر ہوا تو کیا
کوئی ایسا سجدہ بھی کر کہ زمیں پر نشاں رہیں

فیاض اسحاق مہیانہ...... سلانوالی

خدا کرے میری ارض پاک پہ اترے
وہ فصل گل جسے اندیشۂ زوال نہ ہو
یہاں جو پھول کھلے وہ کھلا رہے صدیوں تک
یہاں خزاں کو بھی گزرنے کی مجال نہ ہو

لائبہ میر...... حضرو

تبسم کی سزا کتنی کڑی ہے
گلوں کو کھل کے مرجھانا پڑا

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

برسوں بعد ملے تو ایسی پیاس بھری تھی آنکھوں میں
بھول گیا بات بتانا وہ میں شرمانا بھول گئی
ساجن کی یادیں بھی خاور کن لمحوں میں آتی ہیں
گوری آٹا گوندھ رہی تھی نمک ملانا بھول گئی

ارم کمال...... فیصل آباد

ٹکرا ہی گئی میری نظر ان کی نظر سے
دھونا ہی پڑا ہاتھ مجھے قلب و جگر سے
اظہار محبت نہ کیا بس اسی ڈر سے
ایسا نہ ہو گر جاؤں کہیں ان کی نظر سے

کوثر خالد...... جڑانوالہ

اداس رکھو خوش گلہ نہیں کرتے
خزاں کے پھول کبھی کھلا نہیں کرتے
ملا دو خاک میں ہم کو مگر دھیان رہے
ہم جیسے لوگ دوبارہ ملا نہیں کرتے

مشا علی مسکان...... قمر مشانی

وہ تو وہ ہے تمہیں ہو جائے گی الفت مجھ سے
اک نظر تم میرا محبوب نظر تو دیکھو

سائرہ خان...... محمد پور دیوان

اک تمنا تھی جو حسرت بن گئی
کبھی دوستی تھی جو محبت بن گئی
کچھ اس طرح سے شامل ہوئے تم زندگی میں
تجھے چاہنا میری عادت بن گئی

مسز نگہت غفار...... کراچی

جیسے ملتی ہیں کنارے سے یہ لہریں آ کر
ہم بھی اک شخص سے روز ملا کرتے تھے
پہلے اک نام لکھا کرتے تھے پھولوں سے
پھر اسی نام کو ہم چوم لیا کرتے تھے

سائرہ خان...... محمد پور دیوان

وفا خود سے نہیں ہوتی ''ایس''
خفا ہم سے ہو جاتے ہو

عنزہ یونس انا...... حافظ آباد

اک دنیا بھول بھلیاں سی
اک گونگا بہرہ اندھا دل

حمیرا قریشی...... حیدرآباد

عشق آسان ہوتا گر تو کرتے ہم بھی حمیرا
ہمیں تو محبت ہی نے نہیں کہیں کا چھوڑا

ملک غزالہ عالم...... کلورکوٹ

اگر سنو تو تمام و کمال حال سنو
ہم ابتدا سے سنائیں گے درمیاں سے نہیں

سونیا نورین گل...... ڈنڈہ شاہ بلاول

مت پوچھ میرے دل کی کہانی اے دوست
اس میں پردہ نشینوں کے نام بھی آتے ہیں

موم جٹ...... کالج روڈ

آج شاعری نہیں بس اتنا سنو
میں تنہا ہوں وجہ تم ہو

نمرہ نعیم...... کراچی

اے زندگی تجھے کیا خبر میرے غم کی
تو کب تھی راز داں میرے درد کی میرے حال کی

نجم انجم...... کورنگی، کراچی

دل کا درد چھپانا کتنا مشکل ہوتا ہے
ٹوٹ کر پھر مسکرانا کتنا مشکل ہوتا ہے
دور تک چلو جب کسی کے ساتھ تم
پھر تنہا لوٹ کر آنا کتنا مشکل ہوتا ہے

شازیہ اختر شازی...... نورپور

ضروری تو نہیں کہ تم میری نگاہ میں رہو
بس دعا ہے جہاں رہو خدا کی پناہ میں رہو

ایم فاطمہ سیال...... محمود پور

وہ چھوڑ گیا مجھے گرد و غبار کی دھول سمجھ کر
راستے میں پڑا خالی کشکول سمجھ کر
عشق کے تقاضوں سے ناواقف تھا ایم
مار دی ٹھوکر بے مول سمجھ کر

سدرہ شاہین...... خانیوال

رکھنا تھا مجھے خود کو زمانے سے بچا کے
نظروں کو اسی وجہ سے رکھا ہے جھکا کے
زخموں پہ مرے اک ذرا مرہم ہی لگائی
کیا دنیا نے پایا ہے میرے دل کو دکھا کے

ایمل سیمل...... کھڈیاں قصور

وہ استاد فرض شناس جن کا مقصد حیات
ہر طفل مکتب کو قائد و اقبال سا بنانا تھا
اب میں اس خبطی کہوں یا زمانہ حالات
گر مجھے یہ تذکرہ قصہ ماضی بعید ہے لگتا

حرا نور...... جڑانوالہ

میں ایک پھول تھا اس کے لیے
وہ کتاب میں رکھ کر بھول گیا جسے

ارشاد علی...... لاہور

جی تو چاہتا ہے تجھے چیر کے رکھ دوں اے دل
نہ وہ رہے تجھ میں نہ تُو رہے مجھ میں

نورین صداقت...... گوجرانوالہ

وہ مرکزی کردار ہے افسانہ عشق کا مگر
کہتا ہے کہ کہانی میں میرا نام نہ آئے

نور صبا...... حیدرآباد

مصروفیت میں آتی ہے بے حد تمہاری یاد
فرصت میں تمہاری یاد سے فرصت نہیں ملتی

عائشہ احمد...... لاہور

اک پل ہوئے اس کے پھر عمروں کا ہجر جھیلا
لمحوں کی خطا تھی صدیوں کی سزا پائی

ارسلان ارشد...... ملتان

عید کا دن بھی بس یہی سوچتے گزر جاتا ہے
ہمارے واسطے یہ عید بھی پچھلی عید سی کیوں ہے

مہک ناز...... کراچی

مجھے عادت سی ہوگئی ہے صبح و شام لکھتی ہوں
تمہیں دلبر تمہیں محسن، تمہیں گلفام لکھتی ہوں
میں ہاتھوں پر کتابوں پر درختوں پر، دیواروں پر
میں جب لکھوں، جہاں لکھوں تمہارا نام لکھتی ہوں

اریشہ فاروق...... گوجرانوالہ

چلو یونہی سہی ہم بے وفا ہیں
مگر یہ تو بتائیں آپ کیا ہیں

جزبیہ شیریں...... مانسہرہ

جو ایک حرف کی حرمت نہ رکھ سکا محفوظ
میں اس کے ہاتھ میں ساری کتاب کیا دیتی

biazdill@aanchal.com.pk

ڈش مقابلہ

طلعت آغاز

فرائیڈ اچاری چکن

اجزاء:۔

چکن	چار پیس
اچاری مصالحہ	ایک کھانے کا چمچ
لال کٹی مرچ	ایک کھانے کا چمچ
زعفران (چار چمچ دودھ میں بھیگا ہوا)	ڈیڑھ کھانے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
ہلدی	ڈیڑھ کھانے کا چمچ
چاٹ مصالحہ	ایک کھانے کا چمچ
گرم مصالحہ پاؤڈر	ڈیڑھ کھانے کا چمچ
دہی	ڈیڑھ کپ
بیسن	تین کھانے کا چمچ
لیموں کا رس	تین کھانے چمچ
دھنیہ پودینہ پسا ہوا	تین کھانے کا چمچ
ہری مرچ	دو کھانے کے چمچ
کارن فلور	دو کھانے کے چمچ
انڈا	ایک عدد
آئل	دو کھانے کے چمچ

ترکیب:۔

سب چیزوں کو مکس کر لیں، چکن کو دھو کر کٹ لگا کر پندرہ منٹ فریزر میں رکھ دیں۔ اب نکال کر بٹر لگا کے تین گھنٹے فریج میں رکھ دیں۔ پھر نکال کر ڈیپ فرائی کر لیں، براؤن ہو جائے تو نکال کے لیمن کاٹ کر ڈالیں، چاٹ مصالحہ ایکسٹرا چھڑک دیں، انجوائے کریں۔

اسماء سحر...... پہلا انعام

سوہن حلوہ

اجزاء:۔

یہ مٹھائی ہے ہمارے یہاں بہت بنتی ہیں اور بہت پسند کی جاتی ہے۔

گھی	آدھا کلو
چینی	آدھا کلو
چکی آٹا	دو کھانے والے چمچ
سفید آٹا	دو کھانے والے چمچ
پانی	چھ گلاس
بادام پستے	حسب ضرورت
الائچی	پانچ عدد پسی ہوئی

ترکیب:۔

کڑاہی میں گھی ڈالیں ہلکا گرم ہو جائے تو پسی الائچی ڈال دیں ایک برتن میں پانی لیں اس میں چکی کا اور سفید آٹا مکس کریں اس کو بھی کڑاہی میں ڈال کر ہلائیں اب ہلکی آنچ پر پکنے دیں جب یہ مکسچر گاڑھا ہونے لگے تو مستقل ہلاتے رہیں ایک ٹرے میں گھی لگا کر تیار رکھیں حلوہ چمچ کے ساتھ چپکنے لگے تو یہ حلوہ تیار ہے فوراً ہی ٹرے میں نکال کر پہلے پھیلائیں اور بادام پستے چھڑک دیں یہ جلدی جم جاتا ہے اس لیے اس کو کسی اصل اسٹیل کے گلاس سے نشان لگالیں ٹھنڈا ہونے پر الگ الگ ہو جائے گا لیجئے جناب مزے دار سوہن حلوہ تیار ہے۔

فہمیدہ غوری...... دوسرا انعام

کیرٹ کیپ کیک

اجزاء:۔

گاجر	دو سو گرام
میدہ	ایک پیالی
براؤن شوگر	ڈیڑھ پیالی
بیکنگ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
بیکنگ سوڈا	ایک چائے کا چمچ
پسا ہوا گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچ
کینو کے چھلکے	دو کھانے کے چمچ
انڈے	دو عدد
آئل	تین چوتھائی پیالی

ترکیب:۔

گاجروں کو دھو کر چھیل لیں اور کش کر کے رکھ لیں۔ کپ کیک کی ٹرے کو چکنا کر کے اس میں کاغذ کے کپ لگا لیں اور اوون کو 180 پر گرم کریں۔

میدے میں بیکنگ پاؤڈر ملا کر چھان لیں اور اس میں بیکنگ سوڈا براؤن شوگر باریک کٹے ہوئے کینو کے چھلکے اور گرم

مصالحہ ملائیں

بڑے پیالے میں آئل (حسب ضرورت) اور انڈوں کو الیکٹرک بیٹر سے پھینٹیں پھر بیٹر کی رفتار کم کر کے اس میں آہستہ آہستہ شامل کریں۔

آخر میں کش کی ہوئی گاجریں شامل کرلیں اور اس آمیزے کو تیار کیے ہوئے کپ کیک کے ٹن میں ڈال دیں۔ (ہر کپ آدھا بھریں تاکہ پھولنے کی جگہ رہے)۔

بیس سے پچیس منٹ کے لیے بیک کر کے نکالیں اور اچھی طرح ٹھنڈے کرلیں پھر انہیں ٹرے سے نکال کر پلیٹر پر رکھ لیں۔

آئسنگ کرنے کے لیے آدھی پیالی مکھن، ڈیڑھ پیالی کریم چیز، آدھی پیالی آئسنگ شوگر اور ایک چائے کا چمچ ونیلا ایسنس کو ملا کر پھینٹیں اور چھری کی مدد سے ہر کپ کیک پر لگا دیں۔

اچھی طرح ٹھنڈا کر کے خوب صورت کپ کیک بطور سوئٹ ڈش نمکین کھانے کے بعد مہمانوں کے سامنے پیش کریں۔

حرا قریشی......تیسرا انعام

اروی کے پتے

اجزاء:

اروی کے پتے	چار عدد
بیسن	ایک پاؤ
سفید زیرہ	دو چٹکی
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ پاؤڈر	ایک چمچہ
املی کا گودا	چار کھانے کے چمچ
ہلدی	تھوڑی سی
تیل	دو کپ

ترکیب:

سب سے پہلے اروی کے پتے دھو کر خشک کرلیں، سارے اجزاء بیسن میں ڈال کر گاڑھا مکسچر بنالیں۔ اروی کے پتوں پہ بیسن والا مکسچر لگا کر گول گول فولڈ کرلیں اور گولائی میں ہی دھاگا بندھ لیں۔ چھری کی مدد سے چار ٹکڑے کاٹ لیں، خیال رہے کے ہر ٹکڑے پہ دھاگا بندھا ہو۔ ایک پین میں تیل گرم کریں اور کٹے ہوئے ٹکڑے فرائی کریں، شیلو فرائی کرنا ہے۔ گولڈن براؤن ہو جائے تو پلیٹ میں نکال لیں اور انتظار ختم۔

زاہد شائلہ......ای میل

چکن ویج لزانیا

اجزاء:

لزانیا شیٹس	۱۲ عدد
مٹر	ایک پیالی
گاجر (باریک کٹی ہوئی)	ایک پیالی
بند گوبھی (باریک کٹی ہوئی)	ایک پیالی
شملہ مرچ (باریک کٹی ہوئی)	ایک پیالی
پیاز (باریک کٹی ہوئی)	دو عدد

چکن (لہسن ادرک کا پیسٹ، چلی ساس، سویا ساس، کالی مرچ ڈال کر ابال لیں اور ریشے کرلیں)......دو پیالی

کٹی لال مرچ	ایک چائے کا چمچ
تیل	آدھی پیالی
نمک	حسب ذائقہ
چلی ساس	دو کھانے کا چمچ
سرکہ	ایک کھانے کا چمچہ
چکن یخنی	آدھی پیالی (گاڑھی)
موزیلا چیز سلائس	ایک پیکٹ
چیڈر چیز کدوکش کی ہوئی	دو پیالی

ترکیب:

فرائنگ پین میں تیل گرم کریں اب اس میں پیاز ڈال کر ہلکا براؤن کرلیں پھر اس میں مٹر، گاجر، شملہ مرچ، بند گوبھی اور نمک ڈال کر فرائی کرلیں جب سبزیاں گل جائیں تو اس میں چکن، ٹماٹو پیسٹ، چکن یخنی، چلی ساس، سرکہ اور کٹی لال مرچ ڈال دیں اور دس منٹ تک ہلکی آنچ پر رکھ دیں اب ایک بیکنگ ڈش لیں اور اس میں اچھی طرح تیل لگالیں اس میں ۴ عدد لزانیہ شیٹس کو پھیلا دیں اس کے اوپر موزیلا چیز کی سلائس پھیلا دیں، اب اس میں کدوکش کی ہوئی چیڈر چیز ڈال کے پھیلا دیں پھر اس میں تیار کی ہوئی چکن اور سبزیوں کا آدھا آمیزہ پھیلا دیں اور اوپر سے پھر چیڈر چیز ڈال دیں اب اس کے اوپر ۴ عدد لزانیہ کو پھیلا دیں اور ایک مرتبہ پھر اسی طرح سے لیئر کرلیں اوون کو 250 حرارت پر پہلے سے گرم کرلیں اور اس میں لزانیا سے تیار کی ہوئی ڈش (تقریباً بیس منٹ کے لیے) ڈال دیں۔ جب چیز پگھل جائے تو نکال لیں اور ٹماٹو کیچپ یا چلی گارلک ساس کے ساتھ پیش کریں۔

بنت حوا......ای میل

چکن نگٹس

اجزا:۔

چکن بریسٹ پیس	ایک کلو
کالی مرچ	ایک چمچ
سفید مرچ	ایک چمچ
نمک	حسب ذائقہ
چائنیز سالٹ	ایک چمچ
سویا ساس	دو چمچ
سرکہ	دو چمچ
ہاٹ چلی ساس	دو چمچ
لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ

فرائی کرنے کے لیے

بریڈ کرمبس
انڈا پھینٹا ہوا
کارن فلور

ترکیب:۔

چکن بریسٹ تمام مصالہ جات کے ساتھ اچھے سے مکس کر کے آدھا گھنٹہ رکھ دیں اور چوپر میں ڈال کے اچھی طرح چوپ کر دیں (چکن کا قیمہ بھی استعمال کر سکتے ہیں) اب بنی ہوئی ڈو کے بیضوی شکل کے نگٹس بنا لیں اور دس منٹس فریج میں رکھ دیں (آپ فریز بھی کر سکتے ہیں شامی کباب کی طرح) نگٹس کو کارن فلور میں ڈپ کریں پھر انڈے میں اور پھر اچھی طرح بریڈ کرمبس لگا لیں۔ ایک ایک کر کے ڈیپ فرائی کرتی جائیں مزے دار چکن نگٹس تیار ہیں ساس کے ساتھ پیش کریں۔

وش منیر......ای میل

گلگلے یا میٹھے پکوڑے

اجزا:۔

میدہ	دو کپ
چینی یا گڑ (گڑ کو پگھلا لیں)	حسب ذائقہ
کشمش	تیس عدد
ناریل پسا ہوا	چار کھانے کے چمچ
پستہ بادام (کٹا ہوا)	دو کھانے کے چمچ
سوجی	چار کھانے کے چمچ
میٹھا سوڈا	ایک چٹکی
تل	چار کھانے کے چمچ

میدے میں چینی، کشمش، ناریل پسا ہوا سوجی اور میٹھا سوڈا ڈال کر پھینٹ کر رکھ دیں۔ تین سے چار گھنٹے یا پوری رات کے لئے رکھ دیں۔ جب فرائی کریں تو پستہ بادام ڈال کر اور تل شامل کر کے فرائی کر لیں۔ گولڈن کلر آ جائے تو نکال لیں۔

مزیدار میٹھے پکوڑے یا گلگلے تیار ہیں۔

(میٹھا سوڈا ڈال کر میدہ رکھنے کا مقصد خمیر لانا ہوتا ہے اگر گھر میں ویسے بھی آٹا خمیرہ ہو جائے تو چینی اور دیگر اجزاء مکس کر کے دوبارہ گوندھ کر گلگلے بنائے جا سکتے ہیں)

عائشہ تنویر......ای میل

ملتانی تکے

اشیاء:۔

بکرے یا مرغی کا گوشت	ایک کلو
دہی	ایک کپ
سرخ مرچ	ایک کھانے کا چمچ
گرم مصالہ پاؤڈر اور سوکھا دھنیہ پاؤڈر	ایک ایک کھانے کا چمچ
ادرک اور لہسن پسا ہوا	ایک ایک کھانے کا چمچ
ثابت سفید زیرہ	ایک کھانے کا چمچ
لیموں کا رس	آدھا کپ
سفید سرکہ	ایک کپ
ہلدی	ایک کھانے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
گھی	ایک کپ
پیاز چھوٹے	2 عدد
ٹماٹر	2 عدد
ہری مرچ	2 عدد
ہرا دھنیہ	آدھی پیالی

ترکیب:۔

گوشت کی چھوٹی بوٹیاں کر کے دھو لیں اس میں دہی سرکہ ادرک لہسن نمک سرخ مرچ زیرہ ہلدی لیموں کا رس گرم مسالا سوکھا دھنیہ ڈال کر ملائیں اور ایک گھنٹہ میرینیٹ کریں پھر کڑاہی میں گھی گرم کریں اور اس میں مسالے سمیت گوشت ڈال دیں اور اتنا پکائیں کہ دہی خشک ہو جائے پھر آنچ ہلکی کر دیں۔ پیاز اور ٹماٹر چھلوں میں کاٹ کر گوشت پر پھیلا دیں

ہرا دھنیہ اور ہری مرچ کو باریک کاٹ کر گوشت کے اوپر چھڑک دیں اور دس منٹ دم پہ رکھیں۔ دم سے اتار کر ڈش میں نکال کر پودینے کی چٹنی کے ساتھ سرو کریں۔

چٹنی کے لیے

ایک پیالی ہرا دھنیہ

ایک پیالی پودینہ

دہری مرچ اور نمک کو پیس کر ایک کپ دہی میں ملائیں لیموں نچوڑیں اور چٹنی تیار ہے۔

قرسم فریدی......فیصل آباد

ڈولی روٹی

اجزاء:۔

میدہ	آدھا کلو
انڈے	دو عدد
دودھ	ایک کپ
چینی	ایک پاؤ
کھوپرا، بادام	باریک کٹے ہوئے
الائچی	تین چار (پسی ہوئی)
دہی	دو چمچ
گھی	دو چمچ

طریقہ کار:۔

سب سے پہلے انڈے اور دودھ کو مکس کر کے پھینٹ لیں' اسی میں چینی بھی حل کر لیں جب وہ یکجان ہو جائے تو میدے کو اس مکسچر کے ساتھ گوندھیں۔ الائچی بادام اور کھوپرا بھی ڈال دیں' گوندھتے وقت پانی کا استعمال نہ کریں۔ گھی کا ہاتھ لگائیں' آٹا نہ زیادہ سخت ہو نہ نرم' نارمل سا گوندھیں۔ ہاتھ یا بیلن سے چھوٹی چھوٹی ٹکیاں بنائیں کڑاہی میں گھی گرم کریں (جتنا آپ چاہیں) اور تل لیں۔ مزیدار ساون کی خستہ ڈولی روٹی تیار ہے اسے ڈولی روٹی بھی کہتے ہیں۔

ہمارے ہاں امی کے میکے سے ساون کی اسپیشل سوغات یہی آتی ہیں۔

مونا شاہ قریشی......ای میل

کدو کے کباب

اجزاء:۔

کدو (باریک کٹا ہوا)

پیاز (باریک کٹی ہوئی)

ٹماٹر (باریک کٹا ہوا)

انار دانہ

سبز مرچ (باریک کٹی ہوئی)

سبز دھنیا (باریک کٹا ہوا)

نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ	ایک چمچ
خشک دھنیا	ایک چمچ
بیسن/آٹا	

ترکیب:۔

کدو کو اچھی طرح دھو کے چھلکا اتار دیں۔ اس کے بعد کدو کو باریک کرش یا باریک کاٹ لیں کاٹنے کے بعد کٹی ہوئی پیاز' ٹماٹر' سبز مرچ' سبز دھنیا' نمک اور باقی تمام اجزاء کو اچھی طرح مکس کر لیں اور مکس کرنے کے بعد ایک پین میں تیل گرم کر کے کباب فرائی کریں۔ فرائی ہو جانے کے بعد کدو کے کباب کو ٹماٹر اور لیموں کی سجاوٹ کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔

کنول خان......ای میل

لوکی کا حلوہ

لوکی	دو عدد
چینی	آدھا کپ
گھی	دو چائے کے چمچ

ترکیب:۔

پہلے لوکی کو پانی میں اچھی طرح ابال لیں' جب صحیح گل جائے تو چمچ سے اچھی طرح میش کر لیں۔

کڑاہی میں گھی ڈالیں اور گرم ہونے کے بعد اس میں میش کی ہوئی لوکی ڈال کے پکائیں اور پھر چینی ڈال کے تھوڑی دیر پکائیں جب گھی اوپر آ جائے تو اتار لیں۔ لوکی کا حلوہ تیار ہے اب مزے سے کھائیں۔

منا اہل شاہ......ای میل

بھنڈی والی کڑھی

اجزاء:۔

بھنڈی	آدھا کلو
بیسن	دو سے تین کھانے کے چمچ
دہی	ڈیڑھ پیالی
لہسن کے جوئے	تین سے چار عدد
نمک	حسب ذائقہ

سونف	ایک کھانے کا چمچ
ثابت دھنیا	دو کھانے کے چمچ
سفید زیرہ	ایک کھانے کا چمچ
ثابت لال مرچ	چھ سے آٹھ عدد
ہلدی	آدھا چائے کا چمچ
پسی ہوئی لال مرچ	آدھا چائے کا چمچ
املی کا گاڑھا رس	آدھی پیالی
کوکنگ آئل	حسب ضرورت

ترکیب:۔

بھنڈیوں کو دھو کر لمبائی میں چیرہ لگالیں، بیسن کو چھان کر اس میں لال مرچ اور ہلدی ڈال کر ملائیں اور اسے دہی کے ساتھ ملا کر پھینٹ لیں۔ پین میں بیسن ملی ہوئی دہی ڈال کر اس میں دو پیالی پانی ڈال کر اور ہلکی آنچ پر پکنے کے لیے رکھ دیں، سونف دھنیا، زیرہ اور چار ثابت مرچ مرچوں کو توے پر ہلکا سا بھون کر پیس لیں اور املی کے رس میں ملالیں۔ یہ مصالحہ بھنڈیوں میں بھر کر اس کو دس سے پندرہ منٹ کے لیے فریج میں رکھ دیں، کڑاہی میں کوکنگ آئل ڈال کر درمیانی آنچ پر تین سے چار منٹ گرم کریں اور بھنڈیوں کو دو سے تین منٹ فرائی کر کے کڑاہی میں ڈال دیں۔ بگھار بنانے کے لیے چار سے پانچ کھانے کے چمچ کوکنگ آئل کو دو سے تین منٹ گرم کریں اور اس میں باریک کٹے ہوئے لہسن کے جوئے اور ثابت لال مرچوں کو کڑکڑا لیں۔

یہ بگھار کڑاہی میں ڈالیں اور آنچ ہلکی کر کے ڈھک کر پانچ سے سات منٹ دم پر رکھیں آخر میں نمک شامل کر کے چولہے سے اتار لیں۔ مزے دار اچار کے مصالحوں کی خوشبودار کڑاہی کو اُبلے ہوئے چاولوں کے ساتھ لطف اٹھائیں اور ہماری تگ آپی کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔

شمع مسکان...... جام پور

چائنیز چکن فرائیڈ رائس

اجزاء:۔

چکن	ایک کلو
چاول (اُبلے ہوئے)	400 گرام
مٹر	ایک کپ
شملہ مرچ	ایک کپ
مشروم	ایک کپ
انڈے	5 عدد
چکن پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچ
سویا ساس	ایک کھانے کا چمچ
ڈارک سویا ساس	ایک کھانے کا چمچ
ہری پیاز	8 عدد
زیتون کا تیل یا مکھن	حسب ضرورت
کالی مرچ	حسب ذائقہ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:۔

سب سے پہلے چکن کو اُبال کر ریشے کرلیں، اب انڈے پھینٹ کر ان میں نمک اور ہری پیاز ڈال دیں اور پھینٹ لیں۔ اب کھلے پین میں تیل ڈال کر گرم کریں اور مشروم ڈال کر ہلکا فرائی کرلیں اب چکن ڈال کر فرائی کر کے ڈارک سویا ساس اور پھینٹے ہوئے انڈے وغیرہ اور چکن پاؤڈر ڈال کر مکس کریں۔ ان سب کو مکس کرتے جائیں اور پھر لائٹ سویا ساس اور کالی مرچ ڈال دیں آخر میں چاول بھی مکس کریں اور ایک کپ ہرا دھنیا ڈال کر دم پر رکھ دیں، اس کو تیار ہونے دیں اور تیار ہونے پر ڈش آؤٹ کرلیں اور مزے دار رائتہ کے ساتھ گرم گرم نوش فرمائیں۔

شائستہ جٹ...... چیچہ وطنی

دہی بڑے

اجزاء:۔

دال چنا	ایک کلو
نمک	حسب ذائقہ
زیرہ	دو چمچ
دہی	آدھا کلو
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:۔

دال کو چھن کر تین گھنٹے کے لیے بھگو دیں پھر اس میں سے پانی نچوڑ کر گرینڈ کرلیں پھر اس میں زیرہ شامل کر کے ہاتھ سے بڑے بنا کر کڑاہی میں ڈالیں۔ تیل اتنا ہو کہ بڑے تیل میں ڈوب جائیں۔ جب براؤن ہو جائے تو دوسری طرف الٹا دیں، جب سارے بھلے بن جائیں تو دہی کو پھینٹ کر نمک حسب ذائقہ شامل کر کے دہی میں بڑے ڈال دیں۔ خستہ اور خوش ذائقہ دہی بڑے تیار ہیں۔

بیوٹی گائیڈ

روبینہ احمد

بھاپ سے چہرہ نکھاریں

بھاپ سے سارا میل کچیل صاف ہوجاتا ہے' مسام کے اندر سے گرد اور میل کے ذرات نکل جاتے ہیں۔ خون کا دوران بھی تیز ہوجاتا ہے پسینہ آتا ہے اور اس طرح اندر تک فاسد مادے خارج ہوتے ہیں جن خواتین کی جلد چکنی ہو وہ ہر روز بھاپ لے سکتی ہیں۔ نارمل جلد والی خواتین ہر ہفتے بھاپ لے کر جلد کو ٹھیک رکھ سکتی ہیں جن کی جلد خشک ہو ان کو چاہیے پندرہ دن بعد بھاپ لیں جن کی جلد حساس ہو وہ بھاپ نہ لیں۔ کسی صاف برتن میں پانی ابالیں سر پر تولیہ ڈالیں آنکھوں کو بھاپ سے بچائیں۔ تین منٹ سے لے کر دس منٹ تک بھاپ لیتی رہیں یہ آپ کی جلد پر منحصر ہے بھاپ لینے کے بعد چہرے کو روئی سے صاف کریں۔ چہرے اور ناک پر سیاہ تل ہوں تو روئی سے دبا کر ان کو نکال لیں' پھر ٹھنڈے پانی میں روئی بھگو کر چہرے پر پھیریں تاکہ مسام بند ہوجائیں۔ بھاپ لینے سے پہلے کوئی بھی کولڈ کریم لے کر چہرے پر مساج کریں پھر اسے روئی سے خوب صاف کرلیں' صاف روئی جب آپ چہرے پر لگائیں تو وہ سارا میل جذب کرلے گی جب کریم صاف ہوجائے تو پھر آپ بھاپ لیں۔ بھاپ کے بعد گلاب کا ٹھنڈا عرق یا پانی چہرے پر روئی کے ساتھ لگائیں۔ ابلتے پانی میں نیم کے پتے اور سونف کے دانے ڈال دیں یہ عرق جلد کے لیے مفید ہوتا ہے۔

بھرپور نیند حسن و دلکشی کی ضامن

کہتے ہیں کہ حسن دیکھنے والے کی آنکھ میں پوشیدہ ہوتا ہے یعنی جو چہرہ ہمیں اچھا لگتا ہے مگر ضروری نہیں کہ وہی چہرہ دوسروں کو بھی اتنا ہی اچھا لگے جتنا ہمیں پسند ہے۔ ایسا ممکن ہے کہ اس میں کچھ نہ کچھ کشش ضرور ہو اور یہ کشش اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب چہرہ صاف ستھرا ہو اور قاعدے سے میک اپ کیا گیا ہو۔ اکثر خواتین کام کی زیادتی کی وجہ سے اپنی نیند پوری نہیں کرپاتیں اور ان کا چہرہ تھکا تھکا اور مرجھایا ہوا رہتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ خواتین اپنے چہرے کی موسچرائزنگ اندر کلینزنگ باقاعدگی سے کریں اس کے ساتھ ان کی صحت بھی ٹھیک ٹھاک ہو۔ متوازن غذا اور بھرپور نیند میسر ہو ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ ذہنی آسودگی اور خوشی بھی میسر ہو کیونکہ نیند تھکے ہوئے اعصاب کو سکون پہنچاتی ہے۔

چہرے سے شکنوں کا خاتمہ

خواتین اپنے چہرے کے حوالے سے بہت حساس ہوتی ہیں کیونکہ چہرے کی جلد بہت نرم و نازک اور حساس ہوتی ہے اور اگر اس کی مناسب دیکھ بھال نہ کی جائے تو اس پر جھریاں اور شکنیں نمودار ہونا شروع ہوجاتی ہیں اگر آپ اپنی جلد کو جھریوں اور شکنوں سے محفوظ رکھنا چاہتی ہیں تو باقاعدگی کے ساتھ جلد کی حفاظت کریں تاکہ جلد کی شگفتگی اور تازگی بھی برقرار رہے اور چہرے پر جھریاں بھی نمودار نہ ہوں اس لیے ضروری ہے کہ آپ اپنے چہرے کو سورج کی تمازت سے بچائیں کیونکہ اس سے جلد میں کھنچاؤ پیدا ہوتا ہے جو چہرے کی خوب صورتی کو خراب کرتا ہے۔ چہرے پر شکنوں کی ایک اور بڑی وجہ جلد کی خشکی بھی ہے اس سے بچنے کے لیے آپ اپنی جلد کو نم آلود رکھیں کیونکہ جلد پر نمودار ہونے والی لائنوں اور جھریوں کے ان مقامات پر نمی جذب ہوجاتی ہے اور سکڑی ہوئی جلد آہستہ آہستہ اپنی اصلی حالت پر آنے لگتی ہے۔

سانولے رنگ کو گورا کرنا

بعض خواتین اپنے سانولے رنگ کی وجہ سے کمپلیکس میں مبتلا ہوجاتی ہیں حالانکہ سانولے رنگ کی اہمیت اپنی جگہ اور سانولا رنگ بھی کشش کا باعث ہوتا ہے لیکن خواتین یہ چاہتی ہیں کہ ان کی رنگت بھی گوری ہو اور باقی خواتین کی طرح وہ بھی خوب صورت و حسین لگیں اور وہ گھر پر ہی اپنے رنگ کو گورا کرسکتی ہیں اس کے لیے انہیں تھوڑی سی محنت کرنا ہوگی اور وہ ہوجائیں گی گوری گوری۔ مکئی اور جو کا آٹا ہم وزن لے کر اس میں آدھے لیموں کا رس ملا کر لئی سی بنالیں اور اس لئی کو گردن اور چہرے پر ملیں' آدھے گھنٹے کے بعد نیم گرم پانی سے اسے صاف کرلیں یہ عمل ہفتے میں دو مرتبہ کریں جب دھوپ میں نکلنے سے رنگت سیاہ ہوجائے اور دھبے پڑجائیں تو انگور کو توڑ کر چہرے پر ملیں تھوڑی دیر بعد جلد خشک ہوجانے پر پانی سے دھولیں۔ موسم سرما میں ادرک چھیل کاٹ کر چہرے پر ملنے سے رنگت نکھر آتی ہے اور سیاہ داغوں اور کیل مہاسوں سے چھٹکارا مل جاتا ہے۔

ہلدی اور لیموں سے جلد کی حفاظت

آج کل خواتین ہلدی اور لیموں کے مساج سے اپنی جلد کو بہترین غذائیت مہیا کرتی ہیں جس سے ان کی جلد چمک دار اور نرم و ملائم ہوجاتی ہے۔ ایسی جلد ہر قسم کے دانوں سے محفوظ رہتی ہے ہلدی سے چہرے پر مساج کرنے سے چہرے کا رواں ختم ہوجاتا ہے اور تھریڈنگ کی ضرورت نہیں پڑتی اس کے علاوہ رنگت الگ نکھر آتی ہے جلد سے بالوں کا خاتمہ کرنے کے لیے ویکس بھی چینی اور لیموں کو ایک خاص مقدار میں مکس کرکے تیار کی جاتی ہے۔ بیسن کا بھوسا اور آٹا بھی جلد کی کلینزنگ میں بے حد کارآمد ثابت ہورہے ہیں ان قدرتی اشیا کو استعمال کرنے سے جلد کی کم عمری اور صحت و کشش میں اضافہ ہوتا ہے جب کہ صابن اور دیگر مصنوعی اشیا کی پروڈکٹس مارکیٹ میں ملتی ہیں اور انہیں گھر پر بھی مختلف طریقوں سے تیار کیا جاسکتا ہے۔ شہد کے مساج سے چہرے کی رنگت ایسی نکھرتی ہے کہ آپ کو بیوٹی پارلر جانے کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔

خشک جلد کی حفاظت

موسم کے بدلنے سے جہاں رخسار گلابی ہوتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی تمام رطوبت جذب کرکے جلد کی رنگت کو خراب کرنے کے ساتھ ساتھ جلد اکڑ کر خشک ہوجاتی ہے جلد سخت ہوجاتی ہے اور مسام سکڑ جاتے ہیں آنکھوں کے نیچے چھوٹی چھوٹی لکیریں نمودار ہونے لگتی ہیں۔ اسی طرح گردن اور رخساروں کی جلد بھی چٹخی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ انسانی جلد آکسیجن جذب کرتی ہے جلد کے خلیوں میں مرطوب اجزاء کا وافر ذخیرہ ہوتا ہے رطوبت کا یہ ذخیرہ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ ہارمونز یا وٹامنز کی کمی کی وجہ سے کم ہوتا رہتا ہے اور اس کے نتیجے میں جلد خشک ہوجاتی ہے جس سے وقت سے پہلے چہرے پر جھریاں پڑجاتی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ پانی زیادہ مقدار میں پیا جائے تاکہ جلد خشک ہونے سے محفوظ رہے۔ خواتین کو چاہیے کہ اپنے روزمرہ کے معمولات میں اچھی اور صحت بخش غذا کے علاوہ آٹھ گھنٹے کی نیند بھی ضرور لینی چاہیے۔ تازہ پھلوں اور سبزیوں کو کھانے کی روٹین بنائیں ورزش اور روزانہ بیوٹی روٹین کو اپنائیں اور بیوٹی روٹین میں سب سے پہلے کلینزنگ ہونی چاہیے کیونکہ خواتین زیادہ تر اپنی جلد پر مختلف قسم کا میک اپ استعمال کرتی ہیں اس لیے کلینزنگ بہت ضروری ہے ایسے کلینزر کا استعمال کریں جو مساموں کو بند کرنے والی آلودگی اور ذرات کو اچھی طرح صاف کردے لیکن ایسا کرتے ہوئے وہ جلد پر خشکی اور اکڑن کے اثرات نہ چھوڑے اور نہ ہی قدرتی اور حفاظتی تہہ کو اتارے۔

جلد کی حفاظت

بدلتے ہوئے موسم میں خواتین کی جلد بھی متاثر ہوتی ہے اور جلد مانند پڑنا شروع ہوجاتا ہے پھر خواتین پارلر کا رخ کرتی ہیں جلد کی حفاظت گھر پر بھی کی جاسکتی ہے۔ جلد کی حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنے چہرے کو موئسچرائزنگ اور کلینزنگ کے ساتھ ساتھ اپنی جلد کو سورج کی روشنی کے مضر اثرات اور موسم کی تمازت سے محفوظ رکھیں صرف چہرے کی جلد ہی اس موسم میں توجہ نہیں مانگتی بلکہ جسم گردن ہاتھ بازو اور پاؤں بھی توجہ چاہتے ہیں اس لیے چہرے کے ساتھ ساتھ جلد کے باقی حصوں کی حفاظت روٹین ورک میں شامل کریں۔

گلیسرین عرق گلاب اور لیموں کو ہم وزن ملا کر یہ آمیزہ کسی صاف بوتل میں کرکے فریج میں رکھ دیں۔ ٹونر کے طور چہرے پر اور گردن پر لگائیں ٹماٹر کے دو سلائس کاٹ کر فریزر میں رکھ دیں جب بھی کہیں باہر سے آئیں تو یہ سلائس چہرے پر مل لیں چہرے کی رونق بحال ہوجائے گی۔ خشک دودھ ایک چائے کا چمچ اور جو کا آٹا عرق گلاب میں ملا کر گاڑھا لیپ بنالیں ہفتے میں دو بار یہ ماسک لگانے سے رنگت نکھر آئے گی۔ انڈے کی سفیدی میں بادام کا پاؤڈر پیس کر ماسک کی طرح لگائیں اور پھر ٹھنڈے پانی سے دھودیں جلد اور چہرے کی شگفتگی بہت دنوں تک قائم رہے گی۔

گل افشاں فاطمہ......لاہور

نیرنگ خیال

ایمان وقار

میں اور میرا اللہ

تیرے میرے تعلق کا وہ مقام ہے مولا
نارِ ٹھنڈی لگے بہشت کارواں رواں جلتا ہے
تیز دھار خنجر تلے اسمائیل کوئی
نارِ نمرود میں جیسے خلیل اللہ جلتا ہے
خشک دھرتی کو چھپائے ہوئے ہو بحر کوئی
شکم ماہی میں یونس سراپا التجا جلتا ہے
یعقوب کی آنکھوں میں بسے کوئی نور کی طرح
چاہِ کنعان میں شاہ مصر مانند دیا جلتا ہے
حسرت دید میں ہوئے موسیٰ جو کلیم اللہ کبھی
پھر تجلی کے اک ہی جلوے سے طور کا سینہ جلتا ہے
ابن مریم کو تیری چاہ کے بدلے میں ملے تختہ دار
عشق شعور پھر سولی پہ ٹنگا جلتا ہے
میدان کربل میں جو نوچے گئے بہشت کے پھول
پھر نیزے پہ سجا تیرے محمد ﷺ کے جگر کا ٹکڑا جلتا ہے
میں نے دیکھے تیری چاہ سے بنتے نار گلزار
میں نے دیکھا تیری راہ میں شاہ گدا جلتا ہے
اب تو دیکھ اس چاہ سے کہ نار گلنار بنے
کفر کا سورج سوا نیزے پر نفس کی آگ میں تیرا بندہ جلتا ہے

نائلہ اکرم...... ملکہ ہانس

وہ صرف میرا لگتا ہے

کبھی شعلہ تو کبھی شبنم لگتا ہے
کبھی ہیرا تو کبھی پتھر لگتا ہے
کبھی رحمت تو کبھی زحمت لگتا ہے
کبھی شریر تو کبھی معصوم لگتا ہے
کبھی مظلوم تو کبھی ظالم لگتا ہے
کبھی پھول تو کبھی کانٹا لگتا ہے
کبھی گلشن تو کبھی ویرانہ لگتا ہے
کبھی محفل تو کبھی تنہا لگتا ہے
کبھی سمندر تو کبھی صحرا لگتا ہے
جب بھی دیکھوں جب بھی سوچوں
جب بھی مانگوں خدا سے اپنے
وہ صرف اور صرف میرا لگتا ہے

مسز نگہت غفار...... کراچی

غزل

جو مانگے نہیں ملا وہ بن مانگے کیا ملتا
پھول وفاؤں کا تپتے صحرا میں کیسے کھلتا
کیسی روایت ہے تقدیر کی میرے رب
دل جس سے مل جاتا ہے وہ ہی نہیں ملتا
تو سنوار دے تو سنوار دے میرا کوئی زور نہیں
تیری تقدیر کی کتاب پر قلم میرا نہیں چلتا
بچھڑ کے اس سے میں جیتی کیسے؟
پھول شاخ سے بچھڑ جائے تو پروان نہیں چڑھتا

حمیرا قریشی...... حیدرآباد سندھ

14 اگست

کبھی یہ تو سوچ میرے ہم وطن
کبھی یہ بھی کھوج میرے ہم چمن
یہ جو گل بو ہے فقط اک خبر
کہ مہک رہا ہے کوہ و دمن
یہ پہاڑوں سے بہتے ہوئے جھرنے
یہ کھیت یہ کھلیان ہنستے ہوئے
فقط اک خبر مرے ہم نشیں
کہ یہ تتلیاں بس دکھ ہیں امر
کبھی ساحل پہ چلتی ہوئی کشتیاں
کبھی خوابوں میں جلتی ہوئی بستیاں
کبھی آہٹوں پر ہنستی ہوئی خامشیاں
کبھی چاہتوں میں پھنستی ہوئی ہستیاں
یہ ہیں شامیں بے نام سی
مرے وسعتِ آنگن میں اترتی ہوئیں
کلیاں چیخ رہی ہیں یہاں بے ثمر
بھٹک رہی ہیں گلیوں میں در بدر
جھیل رہی ہیں دردِ بے وفائی
سہنا سہل کہاں ہے رخ بدنمائی
یہ جو مٹی ہے جز میں کی مری
جل رہی ہے بھٹی میں غم کی

یہ جو عالم زماں ہے فقط اک ادا

یہ جو چشم زماں ہے فقط اک ادا
آفتاب درد ہے غروب جنوں
شب بھی رو پڑی جب غسل ہوائے ابر نے
دیا فلک کو کہ ہوا جب خونِ قمر
اس کے لوگ ہیں انسانیت سے نا آشنا
ان کے لیے سوگ کے پھر کہاں دیرپا
فقط جی رہے ہیں جیسے بہتا ہے آب
ہاں رو بھی رہے ہیں جیسے جلتی ہوا آگ
کبھی یہ تو سوچ مرے ہم وطن
کبھی یہ بھی کھوج مرے ہم چمن
کیوں بلک رہے ہیں تارے گگن پہ
کیوں سسک رہے ہیں پیارے زمیں پہ
مرے ہم وطن، مرے ہم چمن
مرے ہم نشیں، مرے غم گسار

ماہ نور نعیم...... ضلع بھکر

غزل

چاہت کا احساس جگا کر چلے گئے
دل میں پیار کے دیپ جلا کر چلے گئے
ابھی تو میں نے دل کی باتیں کرنا تھیں
وہ آئے اور اپنی سنا کر چلے گئے
جن کی خاطر نیندیں بھی قربان ہوئیں
آنکھوں میں کچھ خواب سجا کر چلے گئے
دن کٹتا ہے چین سے نہ ہی رات کٹے
کیسے کیسے روگ لگا کر چلے گئے
میرے آنگن کی یہ خوشبو کہتی ہے
چپکے چپکے سے وہ آ کر چلے گئے
سوچتی تھی کہ کردیں گے سیراب مجھے
وہ تو میری پیاس بڑھا کر چلے گئے
کل شب بستر پر کچھ یادیں بکھری تھیں
ساجن خواب میں آئے آ کر چلے گئے

فریدہ فری...... لاہور

غزل

دکھوں کا سلسلہ رکتا نہیں
خوشیوں کا سرا ملتا نہیں

ہم کو پرسکوں بظاہر
کیا حشر دل میں برپا نہیں؟
لگاتا رہا وہ الزام بے وفائی
کہا میں نے، کچھ سنا نہیں
میری آرزوؤں کی موت پر
کوئی ساتھ میرے رویا نہیں
دل کے ویراں میکدے میں
تیری یاد کا دیا بجھا نہیں
بچھڑ کے تجھ سے اے جانِ جاں
پھر کسی اور کو دیکھا نہیں
چاہتے ہیں اسے آج بھی
جو آج بھی میرا ہوا نہیں

فصیحہ آصف خان...... ملتان

غزل

بے سکونی کب ترے اور میرے گھر کی بات ہے
کیا کہوں یہ بات تو نوعِ بشر کی بات ہے
منزلوں پر پہنچنا آسان ہوتا ہے مگر
عزم و ہمت، حوصلے، زادِ سفر کی بات ہے
زخم ہائے دل بھی ہوجائیں گے اک دن مندمل
یہ تو اچھے چارہ سازو چارہ گر کی بات ہے
اب کھلے بندوں خریدا جائے انسانی ضمیر
آزما کر دیکھ تو یہ مال و زر کی بات ہے
کوئی راہِ راست پر ہے کوئی گمراہی میں ہے
بالیقیں یہ امتیاز خیر و شر کی بات ہے
اب سمٹ کے رہ گئی نقطے کی صورت کائنات
یہ عروج محنت و علم و ہنر کی بات ہے
زخم کھاکر بھی دعائیں دے رہا ہوں میں قمر
یہ تو ساری وسعت قلب و نظر کی بات ہے

ریاض حسین قمر...... منگلا ڈیم

غزل

کسی کا دل دکھانے سے محبت روٹھ جاتی ہے
نگاہِ غیر آنے سے محبت روٹھ جاتی ہے
دلِ ناداں کی قیمت بہت انمول ہوتی ہے
غمِ جاناں مٹانے سے محبت روٹھ جاتی ہے
وفائے یار میں سود و زیاں معنی نہیں رکھتے

وعدے بھول جانے سے محبت روٹھ جاتی ہے
جو دل میں آسمایا ہے اسے دل میں صدا رکھنا
نیا چہرہ بسانے سے محبت روٹھ جاتی ہے
قیامِ عشق واجب ہے جسے ہم خود نبھائیں گے
مگر دامن چھڑانے سے محبت روٹھ جاتی ہے
محبت خود نمائی کا کبھی حصہ نہیں ہوتی
کسی کو آزمانے سے محبت روٹھ جاتی ہے
زمانہ تو ہمیشہ زخم ہی دیتا ہے دنیا میں
بہت آنسو بہانے سے محبت روٹھ جاتی ہے
شبِ تنہائی تمثیلہ ہمیں جینے نہیں دیتی
نئی شمع جلانے سے محبت روٹھ جاتی ہے

تمثیلہ لطیف...... لاہور

نظم

میری اتنی سی خواہش ہے
اک پیار بھری دنیا ہو
جہاں نہ لڑائی جھگڑا ہو
جہاں نہ قتل دھماکہ ہو
جہاں پر لوگ تو رہتے ہوں
پر امن کی بانسری بجتی ہو
اس ملک جیسا حال نہ ہو
جہاں دین کے نام پر فساد نہ ہو
اور قتل و غارت عام نہ ہو
میری اتنی سی خواہش ہے

پری...... طور جہلم

غزل

مچل رہا ہے سوال فوراً
ہے دل میں کیسا ملال فوراً
کسی کی آنکھوں میں اشک دیکھے
تو دل میں اترا خیال فوراً
تمہارے جانے کے بعد گزرا
یہ پوچھ کیسا تھا حال فوراً
جہاں کہانی بگڑ گئی تھی
وہ یاد آیا ہے سال فوراً
پلٹ کے آیا ہے پھر دسمبر
میں لے کے آیا ہوں شال فوراً
میں اپنے یاروں کو جانتا ہوں
ہمیشہ چلتے ہیں چال فوراً
بھلا دو راشد وہ رنجشوں کو
کرو نا رشتہ بحال فوراً

راشد ترین...... مظفر گڑھ

غزل

تجھے ڈھونڈتی ہوں میں جابجا
کہیں نہیں ملا مجھے کوئی پتا
آس کا دیا گل ہونے سے پہلے
مجھے آکے مل میرے گمشدہ
میرا حال دیکھ وہ رو اٹھا
جو رقیب تھا میرے پیار کا
نہ جھکا سکیں جسے زمانے کی سختیاں
اسے لمحہ جدائی نے مار دیا
اے بلبل! آج چپ نہ ہو
میری ذات پر ہنس، کوئی نوحہ سنا
اے جانِ مسکان کوئی گلہ نہیں
میری تقدیر نے ہی کڑا مجھ پر وار کیا

شمع مسکان...... جام پور

نظم

دستورِ دنیا
دیتا تھا جو دلاسے
مجھ کو......
آج وہی شخص
کسی کی
یاد میں رو رہا ہے

انم...... برنالی

نظم

تم دور رہو
یا......
پاس رہو
مجبور رہو آزاد رہو
اشکوں کے موتی بکھر جائیں
ہونٹوں سے ہنسی بھی بچھڑ جائے
چاہے خواب سہانے بکھر جائیں

اور......
ساتھ ہمارا چھوٹ جائے
چاہے یاد میری تجھے نہ آئے
یا ٹوٹ کے تو مجھ کو چاہے
کیسا بھی ہو موسم زندگی کا
پاس تجھے میں پاؤں گی
اور جیون بھر تجھے چاہوں گی

انابیہ ایشل...... موچھ

غزل

نزول ہوا' اقرار ہوا' بے وفائی کا اظہار ہوا
دل میں تھا ایک سنسان نگر' وہ بے رخی میں ڈوب گیا
چاند گنگنایا' تارہ ٹمٹمایا' رنجش کا اظہار ہوا
آنکھ میں تھا جو آنسو' پتھر بن کر بہہ پڑا
پھول مہکا' شبنم مسکرائی' دکھ درد کا احساس ہوا
خواب جو تھا خوش نگر' آنکھ کھلی اور ٹوٹ گیا
برگ ہنسا' گلاب لہکا' شکستگی کا اظہار ہوا
ہاتھ میں تھا جو امید گل' تڑپ تڑپ کر بکھر گیا
غم لپکا' دکھ ٹپکا' اندھیر نگری کا احساس ہوا
جگنو تھا جو دعاؤں کا' ایجاب ہوا نہ قبول ہوا

ماہ نور نعیم...... بھکر

غزل

محبت یاد ہوتی ہے
کبھی فریاد ہوتی ہے
کبھی دل کے قریب ہو کے
بہت اداس ہوتی ہے
کبھی ساتھ ساتھ چل کے
پہنچ سے دور ہوتی ہے
کبھی نظروں سے دور ہو کر
بہت ہی پاس ہوتی ہے
تمہیں بتائیں کیا جاناں
یہ کتنی خاص ہوتی ہے
محبت دل کا ہے سودا
یہ بے دام ہوتی ہے

ودیعہ یوسف زماں قریشی...... لانڈھی' کراچی

غزل

جانے کیسی ہم سے یہ حماقت ہوئی
پھر کسی سے دل لگانے کی شرارت ہوئی
بہت سمجھایا تھا خود کو کہ اب کسی سے دل نہیں لگانا
پھر یہ غلطی دہرانے کی کیسی جسارت ہوئی
یہ میری بھول تھی کہ کسی سے تو وفا ملے گی ہمیں
اے دل! تجھے نئی امیدیں دلاکر ندامت ہوئی
بہت مشکل سے ٹھہرلیا تھا کشتی کو ایک کنارے پر آج کل
اب پھر سے کشتی کو کنارا بدلنے کی بغاوت ہوئی
جانے کیسے پالتے ہیں لوگ دامن وفا کا؟
ہم سے تو وفا کو نجانے کیسی عداوت ہوئی

زنیرہ رؤف...... فیصل آباد

غزل

شوق دلچسپ ہے جناب مرا
ہو نہ ہو عشق کامیاب مرا
کیا کیا چہرے دکھائے قسمت نے
پر تھا انکار میں جواب مرا
تیری یادیں ہیں دل کا سرمایہ
حسن تیرا ہے انتخاب مرا
خار تو روک نہ سکے مجھ کو
روک لے راستہ گلاب مرا
کم نہیں آہ وحشتیں دل کی
کوئی کم تو نہیں عذاب مرا
کب بچھائیں گے پھول رستے میں
کب سفر ہوگا کامیاب مرا
غیر اس کی بھی فکر لاحق ہے
ہے جزیرہ جو زیر آب مرا

غیر رضوی...... لیاقت آباد' کراچی

نظم

دعا مانگتے ہوئے ہاتھوں کی لکیروں پر
نظر پڑ جاتی ہے عاصی
جانے کیوں مجھے ہر روز کی طرح
الجھی ہوئی ہی کیوں ملتی ہیں......

عاصمہ اقبال عاصی...... عارف والا

فاصلے

بڑے عجیب ہیں یہ فاصلے

[illegible]

بس عمر کٹ جاتی ہے اس سوال میں

اور تلاش میں اس جواب کے

کیوں چنا یہ راستہ کس منزل کی چاہ میں

جو مل جائے یہ جواب تو

ذرا رک کیں سرور کیں اپنی متاع حیات کا

نہ بھاگیں افراتفری میں ہم

ایسا نہ ہو کسی انجانے موڑ پر

ہم کو ایسی خبر ملے

اور یہ احساس بیدار ہو

دور...... بہت دور

ہم چھوڑ آئے غلطی سے

اپنی شناخت بھول کر

ثناء منیر کھوکھر...... سرگودھا

پھول

مہکتے رہیں گے خیال و خواب کے پھول
ملیں گے ہم کو سرِ راہ اگر جناب کے پھول
رہیں تمہارے سلامت سدا شباب کے پھول
انہیں سمجھنا نہیں تم کسی گلاب کے پھول
کسی کے لمس نے ایسی بہار بخشی ہے
کہ سوکھتے ہی نہیں اب مری کتاب کے پھول
دل لبوں کو ترے چھو کے دیکھنا چاہے
کھلے ہیں تیرے لبوں پر کئی شراب کے پھول
نئے سوال کی ہمت نہیں رہی مجھ میں
میں چن رہا ہوں پرانے ابھی جواب کے پھول
کھلیں یہ گلشن ہستی میں اس طرح اپنے
کسی مزار پہ جیسے ملیں ثواب کے پھول
پڑھا ہے اتنا انہیں اب یہ بھولتے ہی نہیں
سرورق جو نظر آئے ہیں نصاب کے پھول
سدا عروج ہو ان پر کبھی زوال نہ ہو
جہاں جہاں بھی کھلیں جگ میں ماہتاب کے پھول
صدائیں گونج رہی ہیں نئے نظاموں کی
مہک رہے ہیں زمانے میں انقلاب کے پھول
جو فرطِ شوق سے بھیجے تھے یار کو شہزاد
وہ بن گئے ہیں ہمارے لیے عذاب کے پھول

آصفہ [illegible]...... فیصل آباد

غزل

مدتوں یاد رکھیں گے
تیری جو بھی عنایتیں رہیں
جنوں و عشق کے معاملے میں
مجھ سے جو بھی شکایتیں رہیں
رقصاں رہی گرد میرے تمام عمر
بے وفائی الزام کی جو بھی باتیں رہیں
چلتا رہا یونہی سلسلہ اس کی ہر یاد کا
تیری میری کہانی کے جو بھی درمیاں رہیں
نمازِ عشق اگر بھی جو قضا کی میں نے
ستم کیا خود پر تمام رات آنکھیں نم رہیں
عنایت تیری یہ بھی رہی ہے تمام عمر
کہ گردش تیری ذات میرے گرد ہمیشہ رہیں

کوثر ناز...... حیدرآباد

غزل

اسے یہ شوق کہ محبت کی بھیک میں مانگوں
میری یہ ضد کہ تقاضا میرا اصول نہیں
اسے یہ شوق کہ اس کی ہوں ساری ضدیں پوری
مجھے یہ ضد کہ رسوائی مجھے قبول نہیں
اسے یہ شوق کہ ساری چاہتیں اسے دوں وہ لٹا دے
میری یہ ضد میری چاہتیں اتنی فضول نہیں
اسے یہ شوق کانٹے نہ لگیں ہاتھوں پہ
میری یہ ضد کہ قسمت میں صرف پھول نہیں
اسے یہ شوق کہ ہنس کے سہوں ساری تکلیفیں
میری یہ ضد کہ میرا پیار کوئی اڑتی دھول نہیں

لاریب انشال...... ضلع بخشو اوکاڑہ

غزل

عشق نگر جانے والے ناکام ہوئے اور کچھ بھی نہیں
یہاں لوگ محبت کی خاطر بدنام ہوئے اور کچھ بھی نہیں
مسکان سجا کر ہونٹوں پر درد کو سہنے والوں کے
چاہت کے سچے جذبے سب بے دام ہوئے اور کچھ بھی نہیں
کیا لکھوں، چلتے رہنے سے کیونکر پاؤں میں چوٹ لگی
اندھیرے میری راہوں میں سرِ شام ہوئے اور کچھ بھی نہیں
کچھ ضبط کی عادت تھی ہم کو کچھ اہل ستم کا حوصلہ تھا

سب ... [illegible]

اس شہر میں ہم تنہا تو نہیں یہاں قدم قدم پر ہیں جن کے
آغاز سے پہلے چاہت کے انجام ہوئے اور کچھ بھی نہیں
میرے خواب عمر کے ٹوٹنے تک میرے قلب و جگر کا خون ہوا
نازی ہم اس کے بعد ضدِ الزام ہوئے اور کچھ بھی نہیں

نمیرہ گل نازی......

ساجن

جیسے چاند سجتا ہے ستاروں کے ساتھ
ساجن......
ٹھیک ویسے ہی ہم سجتے ہیں تمہارے ساتھ

شہزادی......راولپنڈی

غزل

خیال سے میرے نہیں جاتیں تیری باتیں
ساون کی بوندوں سی رُلاتیں تیری باتیں
سونے نہیں دیتی اک شبیہہ نینوں کو
رات بھر مجھ کو جگاتیں تیری باتیں
گلاب کھل اٹھتے ہیں پہلو میں میرے
یک لخت لبوں کو ہنساتیں تیری باتیں
ہجر آفت کے قصے یاد آنے پر
شدت سے دل کو جلاتیں تیری باتیں
مشک تر ہوں گی دہر میں کبھی
نہیں اب دل کو بھاتیں تیری باتیں

سونا شاہ قریشی......کبیر والہ

آزادی

پھر آ گیا آزادی کا مہینہ
پھر چھا گیا سبزہ سبزہ
کررہے ہیں اظہار محبت
پاکستانی لگا کے پرچم
بکھیر کے ہر سو جھنڈیاں
ہاں آ گیا آزادی کا مہینہ
مگر جو سوچو مگر جو سمجھو
نہیں ہے یہ تو اظہار محبت
محبت بے وقت جو چاہتی ہے اظہار
نہیں ہے ممکن وہ بس اس سے
لگا کے جھنڈے

... پرچم
گیت حب الوطنی کے گا کر
جو تم سمجھو ذرا سے دل سے
وطن ہے مانگتا ہر دن محبت
وطن ہے چاہتا ہر دن محبت
کرو حق وطن ادا
کرو تم وطن کا دفاع
ہاں کرو ساتھ رب کا بھی شکر
ملا جسکی رحمت سے یہ شجر
کرو ساتھ تم آزادی کی قدر
ملی ہے جو تم کو اس قدر

ازبیہ صدیقی

وطن

میلی آنکھ سے جو دیکھے، میرے وطن کو
''قسم'' کھائی ہے، اسے اسی پل اڑاتا ہے
نظر آئے چار سو، یہ سبز ہلالی پرچم
''در و دیوار'' کو ہم نے یوں سجانا ہے
کیا ہے عہد تیرے جانثاروں نے
کہ جاں دے کر اپنی، وطن کو بچانا ہے
تیرے پرچم کو سر بلند رکھنے کے لئے
پڑی جو گردن کٹانا، ہاں کٹانا ہے
اے ماں، دے اذن سفر کہ مجھے
وطن کی مٹی کا قرض چکانا ہے
دلوں سے نکال کر نفرتوں کو کشف
دشمنوں کو اب ایک ہو کر دکھانا ہے......

کشف بلوچ

عید کا رنگ چہرے سے چھپاؤں کیسے
تو میری روح میں ہے کہیں ڈھونڈنے جاؤں
کیسے میرا ہر دن تیری چاہت میں بنا عید کا دن
میں فقط ایک ہی دن مہندی لگاؤں کیسے

شاہد رفیق شاہو

biazdill@aanchal.com.pk

دوست کا پیغام آئے

پاکیزہ آنچل والی سنبل بیٹی کے نام

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے‘ بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ میں تیرا شکر ادا کرتی ہوں خدائے واحد ولم یزل کہ تُو نے مجھے ڈھیروں خوب صورت دلوں والے لوگوں کی بے غرض محبتوں سے نوازا جن میں گھر والے‘ رشتے دار‘ محلے دار اور راستے میں ملنے والے شامل ہیں۔ اس کے علاوہ میری کتاب دوستی بھی تُو نے رائیگاں نہ جانے دی اور رسائل کی تین سالہ وابستگی نے بے شمار قلمی بہنیں اور سہیلیاں تیرے کرم سے ملوائیں جن میں سرفہرست سنبل ملک اعوان ہے‘ جس نے میرے رابطے کا خیر مقدم‘ گہری محبتوں اور نوازشوں سے کیا حالانکہ اپنوں کے ہاتھوں زخم خوردہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میری اس بیٹی کے مقدر میری شمع سے بھی حسین ترین بنادے اور بھٹکے ہوئے اس کے پیارے واپس لوٹ آئیں۔ وہی غموں کا مداوا ہوتے ہیں جو غم دیتے ہیں کیونکہ دنیا بھر کی خوشیاں مل جائیں مگر پرانے زخم کبھی نہیں بھرتے۔ بیٹا تم بچی دعا کا اثر جلد دیکھو گی ان شاء اللہ‘ بس چمٹی رہو اسی در سے‘ پڑھتی رہو الیس اللہ باحکمہ الحاکمین‘ الیس اللہ بکاف عبدہ۔

مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

میں اپنے پورے پاکستان کے لیے دعا گو ہوں کہ وہی رنگ میں دیکھوں جو قائد کے دور میں دیکھا گیا ایمان‘ اتحاد‘ تنظیم میں جھوموں تمنا ہے مچلتے دل کی

سنبل سندس بولوں گی
بھید ہزاروں کھولوں گی

سنبل میرا پسندیدہ نام ہے‘ میری پرانی نظم کا یہ شعر اس بات کا گواہ ہے کہ تم میری دعا سے مجھے ملی ہو۔ چلو مسکرادو‘ اب تو خوش ہو جاؤ خط صرف تمہارے نام کردیا‘ ایک نئے انداز سے پھر ملیں گے‘ اللہ حافظ۔

کوثر خالد...... جڑانوالہ

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! آنچل کی نٹ کھٹ کڑیوں کیا حال ہیں سب کے؟ ہاں تو جی یہ خط لکھنے کا مقصد ان دوستوں سے غائبانہ تعارف ہے جو مجھے نہیں جانتیں (ہاہاہا)۔ بھئی جان جاؤ گی‘ طیبہ نذیر تمہاری باتیں مجھے اچھی لگتی ہیں‘ دلکش مریم تمہارا نام بہت پسند ہے۔ اس کے علاوہ مدیحہ نورین مہک‘ شاہ زندگی‘ چندا چوہدری‘ جاناں (چکوال)‘ جازبہ عباسی‘ پروین افضل شاہین‘ ساریہ چوہدری‘ دعائے سحر‘ شگفتہ خان‘ فائزہ بھٹی‘ حرا قریشی‘ عائشہ پرویز‘ سعدیہ رمضان سعدی‘ لاریب انشال‘ کے ایم نورالشال میں آپ سب کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتی ہوں‘ پلیز تھام ضرور لینا۔ نیلم آپ کا تعارف ہمیں پسند آیا اور ہم آپ کو آنچل میں خوش آمدید کہتے ہیں‘ ہماری دوستی پکی اور آئندہ بھی شامل ہونا او کے۔ آخر میں تمام اہلیان پاکستان کو جشن آزادی کی مبارک باد۔ اللہ آپ سب کو ہمیشہ ہنستا مسکراتا رکھے‘ آمین‘ اللہ حافظ۔

اقصیٰ کشش...... محمود پور‘ دیوان

سباس گل آپی کے نام

السلام علیکم! امید کرتی ہوں خیریت سے ہوں گی‘ زندگی بعض اوقات ایسے پیارے لوگوں سے ملوادیتی ہے کہ اپنی قسمت پر رشک آتا ہے ایسے ہی عام سے

دنوں میں آنچل آن لائن ڈائجسٹ میں آپ کا آپ کا انٹرویو لینے کا اعلان کیا گیا' مجھے تو کچھ سمجھ ہی نہیں آرہی کہ آپ سے کیا سوالات کروں؟ پھر بھی کچھ سوالات کیے جن کے جوابات بہت خوب صورت تھے بالکل آپ کی طرح۔ آپ کی سحر انگیز شخصیت میں ہم کھو چکے ہیں' سادگی کا پیکر' حسن اخلاق' پرخلوص' پیار ومحبت لوٹانے والی سباس آپی! اللہ تعالیٰ آپ کو زندگی میں عزت وکامیابی کے ساتھ ساتھ ہر خوشی عطا کرے۔ کوئی غم آپ کے قریب بھی نہ آنے پائے' روشن صبح کی طرح ہر وقت مسکراتی رہیں اور ہاں آپ کی ہر تحریر کی طرح ''چاند' چندا اور چاندنی'' بھی خوب تھی ہر عید پر آپ کی یاد دلایا کرے گی۔ سدا خوش رہیں' اپنی اس چھوٹی بہن کو دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

ماہ نور نعیم ...... بھکر

ایس انمول کے نام

السلام علیکم! کیسی ہو بہنا! گھر میں سب کیسے ہیں؟ امید کرتی ہوں آپ اور آپ کے گھر والے سب خیریت سے ہوں گے۔ بہنا چاہے تم جتنی بھی غیر حاضر رہو یاد پھر بھی ہمیشہ سب دوستوں کو رہو گی۔ مجھے تو پتا بھی نہیں لگا تمہاری شادی بھی ہوچکی اور میں خالہ بھی بننے والی ہوں۔ دونوں باتیں مجھے خوش کرگئیں' زبردست نیوز تھی۔ اللہ پاک آپ کو نیک اور بے عیب اولاد سے نوازے' آمین اور اپنی فرینڈ کو شکریہ نہیں بولتے' دوست ہی ہمیشہ دوستوں کو یاد کرتے ہیں بہنا جانی! بہنا آنچل کے پتے پر ایک نمبر بھیج دیتے ہیں یا تم یا میں پھر کال کرکے لے لیں گی؟ آگے کا مشورہ تم سناؤ کیا کریں جس سے رابطہ ہو ہم دوستوں کا' کیونکہ آنچل کی وجہ سے ہمیں بہت ہی اچھی اور پیاری دوستیں جو ملی ہیں۔ اب ان کو کھونا نہیں بلکہ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھنا ہے ویسے ان شاء اللہ ایک نہ ایک دن مجبوریاں ختم ہو جائیں گی اور ہم دونوں ایک دوجے کے گلے لگیں گی' ان شاء اللہ۔ بہنا اپنا بہت بہت سارا خیال رکھنا تاکہ میرا آنے والا بھانجا اور میری بہنا بھی صحت مند رہے۔ اللہ پاک آپ کو بہت سی خوشیاں دے اور آپ کو سکھ بھری لمبی عمر دے' آمین' اب اجازت بہنا! سدا خوش رہو آخر میں تمام آنچل فرینڈز کو محبتوں اور چاہتوں بھرا اسلام۔

شمع فیاض ...... بستی بزدار

اپنی رانیوں کے نام

سب سے پہلے تو میں اپنی تمام آنچل بہنوں کا شکریہ ادا کروں گی کہ ان کی دعاؤں اور اللہ کے فضل سے میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین ہیپاٹائٹس بی کی بیماری سے شفایاب ہوگئے ہیں۔ آپی فریدہ جاوید فری! آپ نے میرے لیے پیارا سا سوٹ پیارا سا پرس اور پرفیوم بھیجا' آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ کے خلوص' پیار' محبت نے تو مجھے خرید لیا ہے' اللہ تعالیٰ آپ کو بھی جلد صحت یاب فرمائے' آمین۔ نبیلہ اسلم میں آپ کو اچھی لگتی ہوں یہ آپ کا حسن نظر ہے' ایس گوہر طور میرے لیے جڑواں بیٹوں کی دعا کرنے کا شکریہ اگر آپ کی دعا قبول ہوئی تو ایک نام آپ رکھ دینا اب خوش۔ شبنم کنول! میں نے آپ کی دوستی قبول کی' یاد رہے میری ایک نند کا نام بھی شبنم کنول ناز ہے اگر میں آپ کو اپنی نند بنالوں تو آپ ناراض تو نہیں ہوں گی؟ (کیونکہ نند بھاوج کا رشتہ تو آپ کو پتا ناں) کرن ملک! تہانوں کون جیسی جاندا' ارم کمال! میں نے آپ کے بھیا کو بہت کچھ بنا کر کھلایا ہے۔ طیبہ نذیر' مدیحہ نورین مہک' مدیحہ کنول سرور! میری نگارشات پسند فرمانے کا بہت بہت شکریہ۔

پروین افضل شاہین ...... بہاولنگر

اپنوں کے نام

وطن عزیز کے تمام باسیوں کو سلام اور خیریت مطلوب سب سے پہلے تو میری دونوں بھانجیوں کو سالگرہ مبارک۔ صالحہ تمہاری 14 اگست کو برتھ ڈے ہے اور توسین تمہاری بھی 7 اگست کو آپ کو بھی ہیپی برتھ ڈے۔ سدا خوش رہو اس کے بعد میرے دونوں بھائی شہباز اور کامران کی بھی برتھ ڈے اسی ماہ ہے تو آپ دونوں کو بھی ہیپی ہیپی برتھ ڈے اللہ پاک آپ دونوں کو ہر قدم پر کامیابیاں عطا فرمائے۔ میری سسٹر اریبہ کی بھی اسی ماہ برتھ ڈے ہے تو اریبہ تمہیں بھی سالگرہ مبارک اس کے علاوہ میری پیاری سی دوست میمونہ مظہر کی بھی برتھ ڈے ہے اس کو بھی ہیپی برتھ ڈے۔ دیکھو تمہیں میں آنچل کے ذریعے وش کر رہی ہوں اب خوش اور آخر میں میری گمشدہ دوست بنارس کو بھی سلام۔ بدتمیز کہاں گم ہو کیا کر رہی ہو آج کل؟ مصروف تو ایسے ہوگئی ہو جیسے ساری دنیا کی ذمہ داری تم ہی نے اٹھا رکھی ہے کنجوس! اب خط پڑھ کر تھوڑی سی شرم کر لینا کیونکہ باقی سب فرینڈ سے رابطہ ہے تم ہی بس کھو گئی ہو اور بس آخر میں صوبیہ' آفرینش' طوبیٰ' مریم' شفق' مہوش' راقیہ' نوشابہ' آپی مرجانہ' رمشاء' مہوش' صباحت سب کو سلام اینڈ الحفیظ الامان۔

منیبہ نواز...... صبور شریف

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! کیسی ہیں سب فرینڈز (ہم) تحریم اکرم' فوزیہ سلطانہ' مدیحہ نورین' کرن ملک' شکریہ مجھے دعائیں دینے کا بس دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھیے گا۔ فوزیہ میری شادی پر ضرور آنا اب خوش ہو نہ ابھی میرج ہال کی بکنگ نہیں کروائی ورنہ میں نے وہ بھی بتا دینا تھا ابھی سلیکٹ نہیں کیا میرج ہال ویسے ستمبر کے آغاز میں ہی شادی ہے۔ سبین فضل بہت بہت شکریہ جی میں آپ کو پیاری لگتی ہوں' آپ کا محبت بھرا سلام قبول ہے مجھے اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے آمین۔ کرن ملک آپ نے مجھے سالگرہ' عید' شادی اکٹھی وش کی مجھے بہت اچھا لگا' شکریہ۔ عظمیٰ رفیق' عظمیٰ فرید' وثیقہ زمرہ' فائقہ سکندر' آنسہ شبیر' ایس انمول' ایس بتول شاہ' شگفتہ خان' ساریہ چوہدری' عائشہ خان' اقصیٰ وسنیاں زرگر' پروین افضل' شازیہ فاروق' ارم کمال (یاد رکھوں گی جی بھولوں گی نہیں)۔ اقراء ماریہ (برنالی)' نجم انجم' ثوبیہ سحر حسین' ثناء رسول ہاشمی' انا احب' دعائے سحر' شمیم ناز صدیقی' کشور بلوچ' آمنہ امداد' فریحہ شبیر' امبر گل' ثوبیہ کوثر' ملالہ اسلم' روبی علی' ام ثمامہ' نازیہ کنول' سباس گل' آمنہ غلام نبی' شمع مسکان' روشی وفا' بختاور ناز' شمائلہ اکرم' حمیرا نوشین' نیلم شہزادی' پارس' مدیحہ کنول' لائبہ میر آپ سب کے لیے ڈھیروں دعائیں جن کے نام رہ گئے' سوری۔ لاریب انشال آپ کی دوستی قبول ہے دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

طیبہ نذیر...... شادیوال' گجرات

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم دوستو! کیسے ہیں آپ سب؟ پیاری نازیہ آپی کیا حال ہے آپ کا اور پیارا عبدالہادی کیسا ہے؟ میری طرف سے ایک پاری ضرور دیجیے گا' باقی پریوں پر آپ کا حق ہے اور سمیرا آپی آپ کو "ٹوٹا ہوا تارا" ناول مکمل ہونے پر دلی مبارک ہو۔ آپی اب کیسی طبیعت ہے؟ اگر اللہ کے حکم سے ٹھیک ہیں تو جلدی سے ایک مکمل ناول کے ساتھ حاضر ہو جائیں پلیز اور مدیحہ نورین ڈیئر آپ کا نام اور آپ کا پیغام ہر بار اچھا لگتا ہے۔ مونا ڈیئر اتنا بھائی سے پیار...... ماشاء اللہ' اللہ پاک یہ پیار ہمیشہ برقرار رکھے' آمین۔ نجم انجم آنٹی ہر کسی کو یاد رکھتی ہیں' آپ کی یہ عادت دل کو بھاتی ہے۔ دعا ڈیئر! کہاں گم ہو؟ مجھے تو لگتا ہے جب سے عائشہ دین محمد نے آپ کو دوستی کا کہا ہے آپ تو منظر

سے غائب ہوگئیں [illegible]

دین محمد اپنی دوستی واپس لے لیں۔ کم از کم ہماری دعا تو واپس آجائے خبردار اگر کسی نے اب دعا سے دوستی کا کہا تو ورنہ وہ پھر سے غائب ہوجائے گی (ارے دوستوں مذاق کررہی ہوں)۔ طیبہ نذیر دلی مبارک باد قبول کرلیں' اللہ پاک آئندہ زندگی خوشیوں سے بھردے' آمین۔ پروین آپی کیسی ہیں؟ آپ ہر دفعہ چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دیتی ہیں' نیکیاں جمع کررہی ہیں۔ جازبہ' ساریہ' شمع' لائبہ' حنا اشرف' نورین' ثناء ایم فاطمہ' ثانیہ مسکان یہ نام یاد رہ گئے ہیں دوستوں آپ کا پیغام پڑھ کر اچھا لگتا ہے' شامل ہوتی رہا کریں اور جن کے نام رہ گئے ان کو دل میں جگہ دے کر اگلے ماہ حاضری دوں گی۔ عطیہ رابی' کشمالہ یار تم لوگوں کو بہت مس کرتی ہوں' خود غرض لوگو کبھی یاد بھی کرلیا کرو جہاں رہو سدا خوش رہو آمین۔ اللہ حافظ۔

عائش کشمالے...... رحیم یار خان

آنچل دوستوں کے نام

السلام علیکم! آنچل کی تمام پیاری پیاری آپیز' آنٹیز' فرینڈز سدا سلامت رہیں۔ کافی عرصے سے میں مصروف تھی پہلے ایگزام پھر رزلٹ کا انتظار اور پھر چھٹیوں کا کام' اس وجہ سے آپ سب سے رابطہ نہیں کرسکی جس کی وجہ سے سوری ہر سال کی طرح اچھے نمبر سے پاس ہوگئی اور پانچویں کلاس میں آگئی ہوں۔ کوثر خالد' ارم کمال آنٹیز' لائبہ میر' ماریہ کنول' شمائلہ کرن' وثیقہ زہرہ میری طرف سے بہت سلام۔ آپیز کرن ملک' اذنا گوندل' کرن شہزادی' فوزیہ سلطانہ پیاری آنی دعائے سحر خوش رہو۔ طیبہ نذیر' لاریب انشال' مدیحہ نورین آپ سب نے میرے لیے پیغام بھیجے میں آپ سب کی شکر گزار ہوں۔ اپنی دعاؤں میں یاد رکھنے کے لیے بے حد شکریہ اور وہ دوستیں جنہوں نے میری [illegible] پسند ہیں ان سب کا [illegible] اللہ تعالیٰ ہمیشہ خوش رکھے' جہاں بھی رہو آباد رہو' اس ننھی سی گڑیا کو یاد کرلیا کرو بے حد ممنون رہوں گی اور ہمارا آنچل اور اب حجاب کے لیے نیک خواہشات ہیں' والسلام۔ آپ کی ننھی سی گڑیا رانی کی طرف سے ڈھیر سارا پیار۔

نورین انجم اعوان...... کورنگی کراچی

جان سے پیارے بھائیوں کے نام

ہاتھ اٹھے ہیں سوال کو
تجھے اب کبھی نہ زوال دے
تجھے رب کبھی نہ ملال دے
تیری سب بلاؤں کو ٹال دے
تیری زندگی کو سنوار دے
میری رب سے ہے بس یہی دعا
اپنی رحمتوں کے بھی گلاب
وہ تیری جھولی میں ڈال دے' آمین ثم آمین

نبیلہ کلک...... چونالہ

اپنے بہت ہی مصروف دوستوں کے نام

کچھ سال بعد یہ پل بہت یاد آئیں گے
جب ہم سب دوست اپنی اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے
اکیلے جب بھی ہوں گے ساتھ گزارے لمحے یاد آئیں گے
پیسے تو شاید بہت ہوں گے پر خرچ کرنے کے لیے لمحے کم ہوں گے
آج زیادہ میسج کرنے پر غصہ کرتے ہو
کل ایک ایک میسج کو ترس جاؤ گے
ایک کپ چائے یاد دوستوں کی دلائے گی
یہی سوچتے سوچتے پھر آنکھیں نم ہوجائیں گی
دل کھول کر ان پلوں کو جی لو یارو
زندگی اپنا آپ پھر نہیں دہرائے گی

اقراء بی بی...... سر صوبہ شاہ

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! کیسی ہیں آپ سب؟ میں آپ سب

سے دوستی کرنا چاہتی ہوں، آنچل فرینڈز آپ سب مجھے بھی اپنا دوست بنالیں۔ حرا قریشی آپ کا نام مجھے بہت پیارا لگا ہے سویٹ حرا آپ بہت اچھی ہو آپ مجھ سے دوستی کرلیں۔ رخسانہ فوزیہ سلطانہ جیا عباس عائشہ شمع مسکان، شاہ زندگی، امبر گل، عائشہ نور محمد، روشی مدیحہ نورین مہک، حنا، ربیعہ شعیب، مونا شاہ میں آپ سب کی دوست بننا چاہتی ہوں جن کے نام رہ گئے ہیں ان سے بھی دوستی۔ نازیہ کنول نازی میں نے آپ کو دوستی کی آفر کی تھی آپ کو قبول ہے؟ نازیہ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی پوری فیملی کو لمبی زندگی عطا کرے، آپ کو بہت ساری خوشیاں نصیب ہوں۔ آپ سب میری فرینڈز بن جائیے اس کے علاوہ جو کوئی مجھ سے دوستی کرنا چاہے میں آپ سب کی فرینڈ بنوں گی دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

منزہ عطا...... کوٹ ادو

رائٹرز کے نام

السلام علیکم! تمام رائٹرز اور آنچل قارئین کو میرا محبتوں بھرا اسلام قبول ہو، جی تو ہم پچھلے تین سال سے خاموش قاری تھے، آج جس چیز نے ہمیں قلم اٹھانے پر مجبور کیا ہے وہ ہے سمیرا شریف طور کا ناول ''ٹوٹا ہوا تارا'' یہ ناول جب میں نے پڑھا تھا تو اس کے سحر میں ایسے گرفتار ہوئے کہ باقاعدہ آنچل پڑھنا شروع کیا۔ سمیرا آپی کے اس ناول کے ایک ایک حرف میں کچھ ایسا تھا جس نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا، میں سمیرا آپی کو اس ناول کے مکمل ہونے پر دلی مبارک باد پیش کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ باقی تمام رائٹرز خصوصاً نازی آپی، اقراء صغیر، اقبال بانو، صدف آصف، طلعت نظامی، شازیہ مصطفیٰ اور سمیرا غزل صدیقی اچھا لکھتی ہیں کہ دل کرتا ہے ان کے ہاتھ چوم لیے جائیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ میرا یہ پیغام آنچل کے رائٹرز تک پہنچے گا یا نہیں مگر میں پھر بھی ہمت نہیں ہاروں گی۔ والسلام۔

قرۃ العین حسن...... ڈیرہ غازی خان

ڈیئر ونیزہ اور پیاری سسٹر کلثوم کے نام

السلام علیکم! کیا حال ہے، ڈیئر ونیزہ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو (مس یو ویری مچ) اور پیاری سسٹر کلثوم تمہاری بھی یکم اگست کو سالگرہ تھی۔ تمہیں بھی بہت بہت مبارک ہو تم لوگ حیران نہ ہو میں نے سوچا اس دفعہ کیوں نہ کوئی انوکھا طریقہ اختیار کیا جائے تم لوگوں کو وش کرنے کا۔ کنجوس لوگو! تم نے مجھے تو برتھ ڈے وش نہیں کیا چلو کوئی بات نہیں ادھار رہا۔ اگلی بار ضرور کرنا، تم دونوں کو ڈھیر ساری دعائیں، سلام، خوش رہو۔

مریم...... گجرات

مس کنول مجید کے نام

السلام علیکم! ڈیئر مس! بلکہ موسٹ ڈیئر مس، بہت یاد آتی ہیں۔ فورتھ ائیر میں پہنچ گئے ہیں لیکن آپ کی طرح کوئی ٹیچر گزرے سالوں میں نظر سے نہیں گزری۔ تھرڈ ائر میں آپ نے جس طرح ذمہ داری سے پڑھایا۔ الفاظ ہی نہیں ہیں آپ کی تعریف کے لیے۔ آپ اتنی ذہین ہیں اتنی کہ ہم جیسوں کو سدھار لیا۔ اب یہ بات آپ نہ مانیں تو وکھری گل اے (ذہن والی)۔ مجھے کبھی بھی آپ اپنی ٹیچر نہیں لگتی تھیں بلکہ دوست لگتی تھیں۔ ہم لاتوں کے بھوت تھے باتوں سے کہاں سمجھنے والے تھے مگر آپ نے ہمیں اس طرح کبھی ٹریٹ نہیں کیا جس طرح عام ٹیچر کرتی ہیں۔ ہمارے دل میں آپ کے لیے بہت عزت تھی اور ہے جس کا ہم عملی مظاہرہ نہ کرسکے۔ کسی نہ کسی بات کی کسک تو دل میں رہ ہی جاتی ہے۔ جب بھی ہمارے سامنے کسی آئیڈیل کی بات آئے تو میرے لیے ہم

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

سب کے لیے آپ کا آئیڈیل ہیں اور رہیں گی۔ دل کی گہرائیوں سے آپ کے لیے دعا گو ہوں‘ اللہ نگہبان۔

مشاعلی مسکان...... کمر مشانی

پیاری نازیہ کنول نازی کے نام

انداز بیاں اگرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات

سلام کے بعد سب سے پہلے تو آپ کو مبارک قبول ہو ہماری طرف سے بیٹے عبدالہادی کی‘ اللہ آپ کو ڈھیروں خوشیاں اور بیٹے عطا فرمائے۔ ہم آپ کے ناولز کی بہت دیوانی ہیں‘ بس ذرا رومینس زیادہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے پھر رسالہ چھپانا پڑتا ہے کیونکہ گھر والوں کا خیال ہے کہ رسالے بہت بری چیز ہیں اگر رسالے پڑھتے دیکھیں تو ایسی ایسی بات کرتے ہیں کہ پڑھنے والیوں کو لگتا ہے کہ پتا نہیں ہم کتنا بڑا گناہ کررہے ہیں لیکن جب لڑکے رمضان میں روزے رکھ کر سارا دن فلمیں دیکھتے ہیں تو اس بات کو بالکل معیوب نہیں سمجھا جاتا یہ حال ہے ہمارے ہاں کتنا فرق کرتے ہیں لڑکے لڑکیوں میں۔ اس لیے آپ رومانس ذرا کم رکھا کریں‘ باقی آپ کے ناولز ہمیں دل وجان سے زیادہ پسند ہیں۔ خاص طور پر جو قوم کی محبت میں آپ نے لکھا ہوتا ہے وہ تو انتہائی پسند ہے‘ بڑی عید ایڈوانس میں مبارک قبول کریں۔

نوشاد بنت...... گجرات

آل سویٹ رائٹرز کے نام

السلام علیکم! کیسی ہیں آل رائٹرز ایک سے بڑھ کر ایک ہیں‘ بہت اچھا لکھتی ہیں۔ مجھے آل رائٹرز سے پوچھنا ہے کہ آپ کی اسٹوریز میں ہیروئن خوب صورت ہی ہوتی ہیں اور ہیرو ہمیشہ خوب صورت ہیروئن کو ہی پسند کرتا ہے ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کیا صرف خوب صورتی ضروری ہوتی ہے‘ خوب صورت دل کی کوئی ویلیو نہیں ہوتی؟ آہاں! رکیے رکیے...... آپ سب سوچ رہے ہوں گے کہ میں خود خوب صورت نہیں ہوں اس لیے یہ پوائنٹ اٹھارہی ہوں۔ اللہ کا شکر ہے میں خوب صورت لوگوں میں سے ایک ہوں‘ اکثر میرے دل ودماغ میں گھنٹی بجتی تھی کہ میں آپ سب سے یہ بات پوچھوں لیکن پھر یہ سوچتی تھی کہ آپ سب مائنڈ کرجائیں گی‘ فائنلی پوچھ ہی لیا۔ میں کسی پر تنقید نہیں کررہی جسٹ ایک بات کررہی ہوں سوڈونٹ مائنڈ اینڈ تھینک پوزیٹو پلیز‘ آپ جب بھی اسٹوریز لکھیں خوب صورت چہروں پر زیادہ مت لکھا کریں‘ ذرا سوچیں جن کے پاس خوب صورت چہرے نہیں ہوتے ان سب کے دلوں پر کیا بیتتی ہوگی کیونکہ ان کے پاس بھی دل ہے‘ ان کے بھی کچھ حسین خواب ہوں گے۔ دنیا میں 95% لوگ خوب صورت چہرے ہی دیکھتے ہیں اور 5% لوگ دل دیکھتے ہیں‘ ہمارا معاشرہ خوب صورت چہرے کو خوب صورت دل پر فوقیت دیتا ہے لیکن معاشرہ یہ بھول جاتا ہے کہ خوب صورت چہرے تو بہت سے لوگوں کے پاس ہوتے ہیں لیکن خوب صورت دل اللہ کسی کسی کو ہی دیتا ہے۔ جن کے خوب صورت چہرے نہیں ہیں ان کے خوب صورت دلوں کی خوب صورت آواز بن کے سب سے بات کررہی ہوں‘ آئی ہوپ جو یہ میری باتیں پڑھے گا‘ دیکھے گا اور سنے گا وہ اپنی سوچ ضرور بدلے گا‘ ان شاء اللہ۔ کون کون میری اس سوچ کے ساتھ ایگری ہے‘ اپنی رائے سے ضرور آگاہ کیجیے گا اجازت دیں‘ اس بات کے ساتھ۔ زندگی میں کبھی مایوس نہیں ہوتے ہر انسان کا ایک اچھا وقت ضرور آتا ہے دیر سے سہی لیکن آتا ضرور ہے۔

عظمیٰ بٹ...... سمندری

میرا شریف ہونے کے نام

سب سے پہلے میری طرف سے آپی آپ کو میرا پیار بھرا چاہتوں محبتوں سے بھرپور سلام اللہ تعالیٰ آپ کو جلد از جلد صحت کاملہ عطا فرمائے' آمین۔ میری بہت ساری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں' اللہ پاک آپ کو بہت ساری خوشیاں دے' آپ ہمیشہ خوش رہیں' آمین۔ پیاری آپی آپ اور نازی آپی میری فیورٹ رائٹرز ہیں' آپی "ٹوٹا ہوا تارا" میرا فیورٹ ناول اس کی جتنی تعریف کروں کم ہے' آپ کو ڈھیروں مبارک باد آپ کی اس تحریر کو میں کبھی بھی بھول نہیں پاؤ گی کیونکہ اس میں کوئی ایسی قسط نہیں جس پر آپ کی گرفت مضبوط نہ رہی ہو' آپ کو پھر سے بہت ساری مبارک باد۔ آپی میں آپ سے ملنے کی دعائیں کرتی ہوں' اللہ تعالیٰ آپ کو ہزاروں خوشیاں دیکھنا نصیب فرمائے اور غم کا سایہ بھی نہ ہو' آپ کا قلم تا زندگی چلتا رہے' آمین۔ آپ ہمیشہ میری دعاؤں میں رہیں گی' سدا خوش رہیں' آمین' اللہ حافظ۔

منزہ عطا...... کوٹ ادو

میرے پیارے چاند کے نام

میرے پیارے سے چاند احمد جمال آپ جانتے نہیں کہ ماما پاپا آپ سے کتنا پیار کرتے ہیں' بس بتاتے نہیں کیونکہ ابھی آپ بچے ہو' آپ جب اپنی پیاری تین بہنوں کے بعد میری گود میں آئے تو مجھے لگا میری گود ہیروں سے بھر گئی ہو۔ میری طرف سے آپ کو سالگرہ (جو 8 اگست کو ہوتی ہے) بہت بہت مبارک ہو۔ میں آپ کو یہ کہنا چاہوں گی کہ آپ میرے بہت فرماں بردار بیٹے ہو بس بہنوں کو تنگ مت کیا کرو' یہ بہنیں آج ہیں کل نہیں ہوں گی' اپنے گھر چلی جائیں گی۔ آپ کی ایک بہن (کرن کمال) تو چلی گئی نا' میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ڈھیروں کامیابیاں اور کامرانیاں عطا فرمائے۔ آخر میں آپ کے لیے ایک شعر ماما پاپا کی طرف سے۔

تیرا خاور درخشاں رہے تا ابد سلامت
تیری صبح نور افشاں کبھی شام کو نہ پہنچے

ارم کمال...... فیصل آباد

پیاری ٹیچرز کے نام

السلام علیکم! میری پیاری ٹیچرز' مس رومانہ یونس' مس بشریٰ اعجاز' مس فوزیہ اعجاز' مس نفیس فاطمہ' مس ناہید' مس شائستہ' مس عابدہ' مس شازیہ' مس شبنم بزرگ اینڈ مس شبنم ینگ' مس فائزہ' مس سعدیہ اعجاز کیسی ہیں آپ؟ قسم سے آپ کی بہت یاد آتی ہے۔ مس رومانہ اکثر آپ کو یاد کرکے آنکھیں بھیگ جاتی ہیں' آپ بہت نائس ہیں۔ بہت اچھی بیٹی' بہن' بیوی اور ماں ہیں۔ سب سے بڑھ کر آئیڈیل ٹیچر ہیں' میں تعریف نہیں کررہی بس جو میرے دل کی آواز ہے وہی کہہ دی۔ آپ یقین کرلیں پلیز' ولی کو بہت پیار۔ مس بشریٰ اعجاز شادی کی بہت بہت مبارک ہو' اللہ آپ کو ڈھیروں خوشیوں کے ساتھ نوازے' آمین۔ ہائے ہائے میں مرگئی' میری جان کلاس کیسی ہو' بہت ہی ڈھیٹ ہو نہ کبھی دعا نہ سلام ویسے صغریٰ ملک سکوتم نے تو مس فوزیہ والے جملے کا اتنا اثر لیا کہ شادی کرلی۔ ویسے میں نے ٹھیک کہا تھا کہ میٹرک کے بعد شادی کرلینا' آخر کو سنبھالتے تو بچے ہیں (ہاہاہا)۔ حمیرا امجد' صفیہ بتول' فرحانہ نواز' ارم شاہ' آمنہ نور' عشرت مسرت (زینت میری نک چڑی دوست) کیسی ہو؟ سنا ہے شادی ہورہی ہے' ثمرین' سمیرا' حمیرا' مصباح' مہرین ناز' اقراء' کائنات' انشراح اینڈ پھوپو' شائلہ' شافیہ' فرح' حمیرہ' حمنہ' نجمہ' سائرہ' ثریا' شبانہ عالم اور پورے اسکول کو سلام دعا میں یاد رکھنا اللہ حافظ۔

ملک غزالہ عالم......

السلام علیکم! نصیحہ آصف سنبل گل کا جل شاہ طیبہ نذیر' پروین افضل' صدف آصف' نزہت جبیں ضیاء' نگہت غفار' شمیم ناز صدیقی' سعد ہما شیخ' نسیم نیازی' نسیم سکینہ صدف' ناہید حسنین' شمع مسکان' اقبال بانو' لائبہ میر' کوثر خالد' طلعت نظامی' کرن ملک' انجم نجم' ارم کمال' رضوانہ کوثر' زمر نعیم' دعائے سحر سب کو میری طرف سے عیدالاضحیٰ مبارک' سلام اور دعا۔

فریدہ جاوید فری...... لاہور

پیاری دوست فروا ظفر (فری) کے نام

پیاری دوست فری سب سے پہلے تمہارے لیے دعا کہ ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہو' زندگی میں کبھی کوئی غم نہ پاؤ' اپنوں کا ساتھ کبھی نہ چھوٹے اور شانی بھائی سے یونہی پیار بھری نوک جھونک چلتی رہے' آمین ثم آمین۔ اوہو اتنی حیرانی والی بات نہیں ہے جو یوں آنکھیں پھاڑے دیکھ رہی ہو' میں ہی ہوں تمہاری دوست رخسانہ بٹ میں نے کہا کیوں نہ آنچل کے ذریعے سے تم سے بات کی جائے کیونکہ تمہارے ساتھ ہوتے ہوئے نجانے کیوں بات ہی نہیں کرپاتی۔ فری تم میری سب سے اچھی دوست ہو اور دل چاہتا ہے کہ کالج سے چھٹی ہی نہ ہو اور ہم سب کالج میں ایک دوسرے کے ساتھ ہی ٹائم گزاریں۔ فری میں چاہتی ہوں کہ ہم لوگوں کی دوستی یونہی سلامت رہے کیونکہ تم مجھے اچھی لگتی ہو' دوستی ایک بہت پاکیزہ رشتہ ہے اس لیے کہ بندہ دوست سے ہر بات بے دھڑک شیئر کرلیتا ہے۔ یاد آیا فری! مریم کے بارے میں میرے دل میں ایسا ویسا کچھ بھی نہیں بس پتا نہیں کیوں یہ دل کہتا ہے کہ فری صرف میری ہی دوست رہے' اب اسے تم میری خودغرضی مت کہنا۔ ویسے ایک بات تو میں ضرور کہوں گی کہ ''کباب میں ہڈی تو کسی کو بھی پسند نہیں۔'' فری! [illegible] سے باہر جاتی ہیں تو کائنات اور عائشہ دونوں کی گھورتی ہوئی نظریں باہر تک پیچھا کرتی ہیں تو بہت مزہ آتا ہے۔ فری کائنات تمہیں شکریہ کہہ رہی ہے برتھ ڈے وش کرنے پر۔ عشاء کہہ رہی ہے فیری پھوپو کم پیار کرو کالی ہوتی جارہی ہو (ہاہاہا) سچ کہہ رہی ہوں یہ عشاء کی گوہرافشانیاں ہیں۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ تمہیں پیارا سا میری طرح کا بھتیجا عطا کرے اور باجی گوگی کو بھی نیک و صالح اولاد سے نوازے' آمین ثم آمین۔ فری چھٹیوں میں میں نے تمہیں بہت مس کیا' جلدی سے چھٹیاں ختم ہوں تو مزے کے دن آئیں۔

اسپیشلی فری کے لیے:۔

''جب میں اپنے بچھڑنے والوں کو یاد کرتی ہوں تو آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں مگر تم کو یاد کرتی ہوں تو لب خود بخود مسکرادیتے ہیں۔ فری آئی لو یو سوچ! تمہارے بغیر زندگی کچھ ادھوری سی لگتی ہے جب سے تم آئی ہو زندگی کا لازمی جزو بن گئی ہو۔ میری دعا ہے کہ تم ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہو اور والدین کا شفقتوں بھرا سایہ تمہارے سر پر قائم رہے' آمین ثم آمین۔

رخسانہ بٹ...... سرگودھا

dkp@aanchal.com.pk

یادگار لمحے

جویریہ سالک

ایک بات

ایک ہندو نے مسلمان سے کہا "ہم مُردوں کو جلاتے ہیں اور تم دفناتے ہو بتاؤ کیوں؟"
مسلمان نے سنہری الفاظ میں جواب دیا۔
"خزانہ دفنایا جاتا ہے اور کچرا جلایا جاتا ہے۔"

سائرہ خان...... محمد پور دیوان

دو دلوں کا ملن

⌘ محبت کے بغیر زندگی نامکمل ہے کیونکہ محبت ایک ایسا پھول ہے جو کسی کو مل جائے تو زندگی اس کی خوشبو سے نکھر جاتی ہے۔
⌘ محبت ایک لازوال جذبہ ہے جو محبت لفظوں کی محتاج ہوتی ہے وہ ہرگز محبت نہیں ہو سکتی۔ محبت ہر شے ذات، نسل، امیری سے بالاتر ہوتی ہے۔
⌘ محبت وہ شے نہیں جس کو خریدا جا سکے یہ تو دو دلوں کا ملن ہے۔ یہ دکھوں کی سرزمین اور آنسوؤں کا سمندر بھی ہے۔
⌘ محبت ایک ایسا جذبہ ہے جو انسان کو ذاتی انا سے بے نیاز کر دیتی ہے یہ کبھی کبھی ایسا روگ بھی بن جاتی ہے جو انسان کو اندر سے کھوکھلا کر دیتی ہے۔
⌘ محبت کرنی ہو تو زندگی بھر کے لیے کرو محض چند دن کے لیے کسی کے احساسات و جذبات سے نہ کھیلو۔
⌘ محبت میں اگر جذبے سچے ہوں تو رکاوٹ کم ہی بنتی ہے

سرور فاطمہ نبی...... صوابی خیبر پختونخوا

دو چیزیں

عزت اور نیک اعمال...... اگر اس دنیا میں خوش رہنا چاہتے ہو تو اپنی عزت کا خاص خیال رکھو۔
اگر جنت کی امید رکھتے ہو تو اللہ تعالیٰ کی بندگی کرکے نیک اعمال بناؤ۔
اگر ان دو چیزوں کی پابندی نہیں ہے تو سوچو کیا ہم انسان ہیں۔

فوزیہ واحد...... راجن پور

گزارش

تم سے یہ گزارش ہے
بس اتنی سی خواہش ہے
کہ اے پرنس......
اس عید پر تم
عرصہ سے دیدار یار کی
متلاشی چشم کو
جھلک اپنی دکھا جانا
روزِ عید تم......
مجھ سے ملنے آجانا......!!

شمع مسکان...... جام پور

بے چارہ شوہر

رہے گھر میں اگر تو ملتی ہے ماں سے جھڑکیاں
رہے گھر سے باہر تو ہو بیوی سے جھگڑا
رہے گھر میں تو کہتی ہے ماں پڑا رہتا ہے بیوی کے پہلو میں بس
رہے گھر سے باہر اگر تو کرتی ہے بیوی شک
بے چارہ شوہر اگر جائے تو جائے کہاں آخر

سونی علی...... ریشم گلی مورو

اقوالِ زریں

❖ موت کو یاد رکھنا نفس کی تمام بیماریوں کی دوا ہے۔
❖ بہادر کا ہاتھ کبھی کمزور پر نہیں اٹھتا۔
❖ جلد بازی کا نتیجہ اکثر ناکامی میں ہے۔
❖ حالات انسان کو نہیں انسان حالات کو سنوارتا ہے۔
❖ طاقت کھانے میں نہیں بلکہ تقویٰ میں ہے۔
❖ ماں باپ اور استاد سے کبھی شکایت نہ کرو۔

گوہرآبدار

❖ کہانی میں نام اور تاریخ کے سوا سب کچھ سچ ہوتا ہے
اور تاریخ میں نام اور تاریخ کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا
❖ سانس کا سفر ختم ہوجاتا ہے لیکن آس کا سفر باقی رہتا ہے یہ ہی تو وہ سفر ہے جو انسان کو متحرک رکھتا ہے اور متحرک ہونا زندگی کی علامت ہے۔ یہ علامت رگوں میں خون کی طرح دوڑتی رہے تو انسان مایوس نہیں ہوتا' چاہے سانس کا سفر ختم ہی کیوں نہ ہوجائے۔
❖ گزرا ہوا واقعہ گزرتا ہی تو نہیں ہے بلکہ وہ یاد بن کر بار بار گزرتا ہے۔
❖ محبت اور بارش ایک جیسی ہوتی ہے' دونوں ہی یادگار ہوتی ہیں' فرق صرف اتنا ہے کہ بارش ساتھ رہ کر جسم بھگوتی ہے اور محبت دور رہ کر آنکھیں بھگو دیتی ہے۔
❖ کبھی کبھی خلوص' خون سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔
❖ کوشش کرو کہ تم دنیا میں رہو' دنیا تم میں نہ رہے کیونکہ کشتی جب تک پانی میں رہتی ہے' خوب تیرتی ہے لیکن جب پانی کشتی میں آجاتا ہے تو وہ ڈوب جاتی ہے۔
❖ نقصان وہ نہیں جو آپ کو ذاتی دکھ سے ہمکنار کرے نقصان وہ ہے جو آپ کو کسی کی نظر میں گرادے۔
❖ ڈھونڈنے میں ملنے کی شرط نہیں ہوتی بلکہ امید ہوتی ہے اور امید سے جھگڑا نہیں کرتے۔

نوشین اقبال نوشی...... گاؤں بدر مرجان

انسان

میں ایک انسان ہوں
جسے مٹی سے تراشا گیا ہے
مٹی جس کی کوئی پہچان نہیں
جس کی کوئی اوقات نہیں
لیکن جب سے تیری آنکھوں میں
خود کو دیکھا ہے مجھے لگتا ہے
میرا نام بھی ہے اوقات بھی ہے
میری اُجلی سی ذات بھی ہے
مٹی سے نہیں ہیرے سے تراشا ہے مجھ کو میرے رب نے

طیبہ نذیر...... شادیوال

قانون فطرت

جب کسی انسان کے آگے روشنی ہوتی ہے تو اس کا سایہ پیچھے آتا ہے اور جب روشنی پیچھے ہوتی ہے تو اس کا سایہ آگے آتا ہے۔ دین روشنی ہے اور دنیا سایہ...... دین کو آگے رکھو گے تو دنیا آپ کے پیچھے آئے گی اور دین کو پیچھے رکھو گے تو دنیا آپ سے آگے بڑھے گی۔
(یہ ہی قانون فطرت ہے)

صائمہ ذوالفقار...... چکمبر

جنت اور دوزخ

اللہ عزوجل نے جنت اور دوزخ کو بنایا اور جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ انہیں دیکھو آپ نے دیکھا اور عرض کی۔
"اے اللہ عزوجل! تیری عزت کی قسم کوئی ایسا نہ ہوگا جو تیری جنت میں داخل نہ ہونا چاہئے۔" اور دوزخ کو دیکھ کر بولے۔
"اللہ عزوجل تیری عزت کی قسم! کوئی ایسا نہ ہوگا جو اس میں داخل ہونا چاہے۔" پھر اللہ عزوجل نے جنت کو مشقتوں اور دوزخ کو دنیاوی لذتوں سے گھیر دیا اور پھر جبرئیل علیہ السلام کو دیکھنے کا حکم دیا' جنت دیکھ کر بولے
"اے اللہ تیری عزت کی قسم! شاید ہی کوئی اس میں داخل ہوسکے۔" اور دوزخ دیکھ کر بولے۔
"اے اللہ عزوجل تیری عزت کی قسم! شاید ہی اس میں داخل سے کوئی بچ سکے۔"
اللہ تعالیٰ دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے اور تمام مسلمانان عالم کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا کرے آمین۔

اصفہانی نور محمد...... کراچی

افسانچہ

میں ابو امی کے ساتھ جیولری شاپ پر گئی وہاں میری نظر تم پر پڑی' تم شیشے کے پیچھے کھڑے اتنے پیارے اور خوب صورت لگ رہے تھے کہ میں تمہیں دیکھ کر حیران رہ گئی۔ میری نظریں تم پر جم گئیں' میں من ہی من میں تمہیں چاہنے لگی ہر وقت تمہارے ہی خیالوں میں گم رہتی۔

تمہیں پانے کی خواہش دن بہ دن میرے دل میں بڑھتی گئی' میں چاہتی تھی کہ جلدی سے تم میری بانہوں میں آجاؤ اور پھر میں تمہیں کبھی بھی اپنے سے جدا نہ کروں۔ میں تمہاری چاہت میں پاگل ہوئی جارہی تھی میں دوبارہ دکان پر گئی تو تم وہاں پر نہیں تھے۔ تمہیں وہاں نہ پاکر میں پریشان ہوگئی' تمہاری جدائی مجھ سے برداشت نہ ہوسکی۔

آخرکار میں نے تمہارے بارے میں دکان کے مالک سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ہم نے وہ خوب صورت کنگن لاکر میں رکھ دیا ہے' میں نے پیسے دے کر تمہیں خرید لیا۔ تمہیں پاکر میں بہت خوش ہوئی' اب میں اس خوب صورت کنگن کو ہر وقت اپنی کلائی میں پہنے رکھتی ہوں۔

اب کبھی بھی مجھ سے جدا نہ ہونا اے میرے پیارے کنگن!

بشریٰ افضل...... بہاولپور

قہقہہ

ایک بوڑھا سڑک کے کنارے اپنے بچے کو گود میں لے کر کھڑا تھا' سامنے سے بس آرہی تھی اس نے بس کو رکنے کا اشارہ کیا' بس رک گئی تو کنڈیکٹر نے پوچھا۔

"جی کہاں جانا ہے؟"

بوڑھے نے کہا۔ "جانا کہیں نہیں بس میرا بیٹا رو رہا ہے تھوڑی دیر پوں پوں کردے۔"

سعدیہ رمضان سعدی...... 186 پی

تم یاد کرنا

لمحوں میں دل ٹوٹ جانا
رگوں کا تن سے کھنچ جانا
خوابوں کا مسمار ہونا
جسم و جاں پر تھکن اترنا
سانسوں کا یک دم رک سا جانا
نیندوں کا آنکھوں سے روٹھ جانا
اپنی بے قدری پہ پہروں رونا
پھر سوچ کے محبوب کو مسکرانا
احساسات کا ٹھکرائے جانا
جذبات کا تیز لو دینا
پھر یکدم ہی سرد پڑنا
پل میں تعمیر ہونا
پھر بکھرنا......
کبھی جو پیار کرنا جاناں......
مجھے پھر تم یاد کرنا

عظمیٰ جبیں...... لانڈھی' کراچی

آکسیجن

میڈیکل ریسرچ کے مطابق زندہ رہنے کے لیے ایک انسان روزانہ تین سلنڈر کے برابر آکسیجن استعمال کرتا ہے جس کی قیمت تقریباً 3780 روپے بنتی ہے یعنی ایک عام آدمی سالانہ 13 لاکھ 79 ہزار 700 روپے کی آکسیجن استعمال کرتا ہے اور 50 سال اوسط عمر تک تقریباً 6 کروڑ 89 لاکھ 85 ہزار روپے کی آکسیجن استعمال کرتا ہے' کیا ہم عام طور پر خود اس کا انتظام کرسکتے ہیں؟

نہیں...... بالکل نہیں......

"پس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔"

لاریب عندلیب...... خیر پور ٹامیوالی

مسکراہٹ کے پھول

ایک لڑکا دوسرے لڑکے سے......

"میں تمہاری جان نکال دوں گا' اس کی انگریزی بتاؤ؟"

لڑکا: "ارے انگریزی کی ایسی کی تیسی تو مجھے ہاتھ لگا کے دیکھ۔"

نمرہ آزاد...... خیر پور ٹامیوالی

اپنی پیاری امی اور آنٹی شگفتہ کے نام

سکھی رکھنا میری ماں کو اے خدا

میرے لب پہ رہتی ہے بس ایک ہی دعا
اس کی دعا سے ہوں میں سرخرو
اس کی بھلائی میری آرزو
ملے گی نہ جہاں میں ماں جیسی چیز
خدا کو بھی ہے اس کی ہستی عزیز
اے میری ماں اے میری پیاری ماں تجھے سلام

صبا الیاس...... ماہندر

مہکتے الفاظ

❖ اللہ کو پا کر کبھی کسی نے کچھ نہیں کھویا اور اللہ کو کھو کر کبھی کسی نے کچھ نہیں پایا۔

❖ مجھے وہ دوست پسند ہے جو محفل میں میری غلطیاں چھپائے اور تنہائی میں میری غلطیوں پر تنقید کرے۔

❖ اگر تم اسے نہ پا سکو جسے تم چاہتے ہو تو اسے ضرور پالینا جو تمہیں چاہتا ہے کیونکہ چاہنے سے چاہے جانے کا احساس زیادہ خوب صورت ہوتا ہے۔

❖ کسی کا عیب تلاش کرنے والے کی مثال اس مکھی کی سی ہے جو سارا خوب صورت جسم چھوڑ کر صرف زخم پر بیٹھتی ہے۔

❖ دو طرح سے چیزیں دیکھنے میں چھوٹی نظر آتی ہیں ایک دور سے دوسرا غرور سے۔

❖ حیا اور ایمان دو ایسے پرندے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک اڑ جائے تو دوسرا خود بخود اڑ جاتا ہے۔

❖ خوش نصیب وہ نہیں جس کا نصیب اچھا ہے بلکہ خوش نصیب وہ ہے جو اپنے نصیب پر خوش ہے۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

خوب صورت موتی

⌘ زمین انسان کو رزق دیتی ہے لیکن جب انسان مرتا ہے تو پھر وہ اسے اپنا رزق بنالیتی ہے۔

⌘ پرندہ زندہ ہو تو چیونٹیاں کھاتا ہے مگر جب پرندہ مرجاتا ہے تو چیونٹیاں اسے کھاتی ہیں۔

⌘ وقت کبھی بھی بدل سکتا ہے ایک درخت ایک لاکھ ماچس کی تیلی بنا سکتا ہے مگر ماچس کی ایک تیلی ایک لاکھ درخت جلا سکتی ہے۔

⌘ انسان بزدل اتنا ہے کہ سوتے ہوئے خواب میں بھی ڈر جاتا ہے اور بے وقوف اتنا کہ جاگتے ہوئے بھی "اللہ" سے نہیں ڈرتا۔

شگفتہ خان...... بھلوال

سچی دوستی

باپ: "رات کو کہاں تھے؟"
بیٹا: "دیر ہوگئی تھی دوست کے گھر رک گیا تھا۔"
باپ نے اسی وقت فون اٹھایا اور اس کے دس دوستوں کو کال کی، چھ دوستوں نے کہا۔
"ہاں انکل وہ رات میرے پاس ہی سو رہا تھا۔"
تین نے کہا...... "انکل وہ سو رہا ہے آپ کہیں تو اٹھادو۔"
ایک نے تو حد کردی، کہنے لگا "جی ابو جی...... بولیں۔"

سمیرا سواتی...... بھیر کنڈ

روٹی، کپڑا اور انسانیت ڈے

کبھی رشتوں کے لیے دن منائے جاتے ہیں، کاش کوئی روٹی ڈے بھی ہوتا، بھوکے لوگ پیٹ بھر کے روٹی کھاتے۔ کاش کوئی کپڑا ڈے بھی ہوتا تو ٹھنڈ سے ٹھٹھرتے غریب لوگ بھی کپڑے پہنتے۔ کاش کوئی انسانیت ڈے بھی ہوتا تو لوگوں کو سمجھ آتی کہ انسانیت کیا ہوتی ہے۔

عائشہ اے بی...... جھڈو

باپ کا پیار

کبھی باپ کا پیار کسی نے محسوس کیا؟ نہیں مگر میں نے محسوس کیا جو گرمی ہو یا سردی...... اپنے بچوں کی ضرورت پوری کرنے کی فکر میں ہر وقت پریشان رہتا ہے۔
آؤ آج مل کر اس عظیم ہستی کے لیے بھی دعا کریں، اے اللہ پاک ہمت اور طاقت عطا فرما اس والد کو جو اپنے بچوں کے لیے بہت محنت کرتا ہے۔
مغفرت فرما ان کی جو اس فانی دنیا سے رخصت ہوچکے ہیں اور جو حیات ہیں ان کو لمبی عمر، صحت کامل، کامیابی اور

اولاد کی طرف سے سکون نصیب فرما اور سر پر والدین کا سایہ ہمیشہ قائم و دائم رہے آمین آئی لو یو مائے فادر۔

نورین انجم...... کراچی

بیش بہا گہر

⌘ جلد سے جلد تجربہ کار ہونے کے لیے ایک اصول یاد رکھیں زبان بند مگر آنکھیں اور کان کھلے رکھیں۔

⌘ مشکلات کو دور کرنے' خواہشات کو دبانے اور تکالیف برداشت کرنے سے انسان کا کردار مضبوط اور پاکیزہ ہوتا ہے۔

⌘ محتاط لوگ عموماً کم غلطیاں کرتے ہیں۔

⌘ خامیوں کا احساس کامیابیوں کی کنجی ہے۔

⌘ احسان کی خوبی اس کے نہ جتلانے پر منحصر ہے۔

⌘ کانٹوں سے بھری ہوئی ٹہنی کو ایک پھول پرکشش بنا دیتا ہے۔

⌘ محنتی کے سامنے پہاڑ کنکر ہیں اور کاہل کے سامنے کنکر پہاڑ۔

ارم کمال...... فیصل آباد

انمول موتی

❁ وقت کی روانی میں غموں کی شدت کم پڑنے لگتی ہے۔

❁ اپنے ظاہر اور باطن کو ہم آہنگ کرلو دنیا سے بے نیاز ہو جاؤ گے۔

❁ خوشیوں کو صرف کامیابیوں سے مشروط مت کرو کامیابیاں مقدر کا کھیل ہیں جبکہ خوشیاں خود کشید کرنی پڑتی ہیں۔

❁ خوشحالی کا دارومدار حال پر ہے' حال اگر شاندار ہو تو بدنما ماضی اپنا اثر کھونے لگتا ہے جبکہ حال اگر الجھا ہوا ہو تو خوشگوار ماضی کے رنگ بھی زندگی پر مدہم پڑنے لگتے ہیں۔

❁ اللہ پر توکل رکھنے والے دل میں مایوسیاں اور خدشات دکھ کر دعائیں نہیں مانگا کرتے۔

مدیحہ اکرم...... ہری پور

آج کی خاص بات

انسان کا اپنا کیا ہے؟

اہمیت دوسروں نے دی۔

تعلیم دوسروں نے دی۔

رشتہ بھی دوسروں سے جڑا۔

کام کرنا بھی دوسروں نے سکھایا۔

پیار بھی دوسروں سے کیا۔

اور تو اور آخر میں قبر بھی دوسروں نے کھودی اور قبرستان بھی دوسرے ہی لے کر گئے۔

انسان کا اپنا کیا ہے؟

کچھ بھی تو نہیں......

پھر اے انسان! اگر تجھے غرور ہے تو آخر کس بات پر؟

نجم انجم اعوان...... کراچی

سکون

پریشان ہونے والوں کو کبھی نہ کبھی سکون مل ہی جاتا ہے لیکن پریشان کرنے والا ہمیشہ سکون کی تلاش میں ہی رہتا ہے۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

ماں

☯ ماں موتی ہے جس کی قیمت دنیا کے ہر موتی سے زیادہ ہے۔

☯ ماں وہ ہیرا ہے جو ڈھونڈنے سے نہیں ملتا۔

☯ ماں کے بغیر زندگی نامکمل ہے۔

☯ ماں کے بغیر گھر ویران ہے۔

☯ ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔

☯ جس گھر میں نیک ماں موجود ہے اس گھر میں اللہ کی خاص رحمت ہے۔

☯ ماں کا دل کبھی بھی مت دکھاؤ۔

وثیقہ زہرہ...... سمندری

yaadgar@aanchal.com.pk

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! اللہ تعالیٰ کے پاک وبابرکت نام سے ابتدا ہے جو وحدہ لاشریک ہے۔ زندگی کی گاڑی اپنے سفر پر رواں دواں ہے اور اس سفر میں ہماری کوشش ہوتی ہے کہ سب قارئین کو ساتھ لے کر چلیں لیکن وقت ظالم۔ کچھ ڈاک تاخیر سے موصول ہونے پر آئینہ میں شامل ہونے سے رہ جاتی ہے۔ امید ہے آپ ہماری مجبوری سمجھ کر اپنا دل وسیع کریں گے آئیے اب چلتے ہیں آئینہ کی جانب جہاں آپ کے خوب صورت تبصرے جھلملا رہے ہیں۔

انعم زرین، سارہ زرین ...... چکوال۔ السلام علیکم! ڈیئر شہلا آپی! آنچل اسٹاف، رائٹرز اینڈ ریڈرز کیسے ہیں آپ سب؟ امید ہے سب خیریت سے ہوں گے اب تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آنچل کے ساتھ دل کا رشتہ جڑ چکا ہے۔ ایک ماہ خط نہ لکھوں تو لگتا ہے آنچل مجھے بھول ہی نہ جائے۔ اسی لیے ہر ماہ باقاعدگی سے خط لکھتی ہوں، کبھی ایک دفعہ نہ لکھ سکوں تو بے چینی سی رہتی ہے تو بات ہوجائے اگست کے شمارے کی۔ تو جناب اس شمارہ کے ہاتھ میں آتے ہی خوشی دوبالا ہوگئی جب میری چھوٹی سسٹر سارہ زرین کا میٹرک کا رزلٹ آیا، 85% مارکس لیے ہیں ماشاء اللہ سے آپ سب کی دعاؤں کی ضرورت ہے آئندہ بھی وہ ایسا رزلٹ برقرار رکھے اور میڈیکل میں داخلہ آسانی سے ہوجائے۔ جی تو ڈائجسٹ ہاتھ میں لیتے ہی آئینہ دیکھتے ہوئے اپنا خط پا کر بے پناہ خوشی کا احساس گھیر لیتا ہے کہ آپ نے مجھے یاد رکھا۔ اس کے ساتھ سب بہنوں کے خطوط پڑھتی ہوں، جس نے میری تعریف کی ہوتی ہے پڑھ کر دل خوشی کے احساس میں گھر جاتا ہے۔ اس کے بعد دوست کا پیغام آئے پر نظر ڈالتی ہوں۔ تو بیہ سحر، مدیحہ نورین، مونا قریشی، نجم انجم، اقراء ماریہ، تحریم اکرم، طیبہ نذیر کے پیغامات پسند آئے۔ اس دوران ایک سرگوشی خوشخبری دیتی ہوئی محسوس ہوئی کہ اقرا صغیر کا نیا ناول آنچل کی زینت بڑھانے ستمبر کے شمارہ میں موجود ہوگا، واؤ! سمیرا شریف طور میری طرف سے "یہ چاہتیں یہ شدتیں" کے آن ائر ہونے پر بہت بہت مبارکباد۔ "دانش کدہ" ایک ایسا مسلسل سلسلہ ہے جسے ہر ماہ پڑھ کر نئے سرے سے ایمان تازہ ہوتا ہے۔ ہمارا آنچل میں صائمہ ملک، صغیرہ مظفر، صائمہ حجاب، نیلم سب ہی کے تعارف پسند آئے۔ "موم کی محبت" اب بوریت کا شکار ہے۔ شائستہ جٹ نے کہا کہ موم کی محبت اب پتھر کی محبت ہوچکا ہے تو میرے خیال میں بالکل ایسی بات ہے۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" میں زاویار کے رویے پر بہت افسوس ہوا اُف یہ عبدالہادی کتنا چالاک ہے اور شہرزاد اور کانفیڈنٹ ہونے کے چکر میں بے وقوف بنتی جارہی ہے۔ مجھے لگتا ہے سدید اب بھی زندہ ہے اور کہانی کے اہم موڑ پر سامنے آجائے گا۔ "چراغ خانہ" میں مشہود کی آمد کسی سرپرائز سے کم نہیں لگ رہی، لگتا ہے ابھی اور بھی بہت سے سرپرائز باقی ہیں۔ دانیال اور سپاری اب ایک تو ہوگئے ہیں لیکن کوئی نہ کوئی آزمائش اب بھی منتظر بیٹھی ہے ان کے لیے۔ "تیرے نام کردی زندگی" کچھ متاثر نہ کرسکی بہت فلمی سی لگی کہانی۔ اس ماہ کے ناولٹ سب ہی زبردست تھے۔ "عید کے رنگ اناڑی پیا کے سنگ" صائمہ قریشی اس بار تو فاطمہ اناڑی نہیں نکلی؟ اور رس ملائی کا جو حشر کیا اس نے اُف ہنس ہنس کے برا حال ہوگیا۔ ایسی تازہ ہوا کے جھونکے جیسی تحریر ہر ماہ کے شمارے میں ضرور ہونی چاہیے۔ ذرا سکرا میرے گمشدہ اجیہ کا کردار مجھے بہت پسند آیا ہے وہ ایک ایسی لڑکی ہے جسے چاروں طرف سے اذیت مل رہی ہے صرف ماں کی ٹھنڈی چھاؤں اور بہن کی محبت حاصل ہے اسی سے وہ ثابت قدم ہے مایوس نہیں ہے ایسی ہی ملتی جلتی آزمائشوں سے کبھی نہ کبھی ہر لڑکی گزرتی ہے۔ مشکل گھڑی میں کس طرح سروائیو کرنا ہے یہ سمجھانا ہر لڑکی کو بہت ضروری ہے۔ بہت سی ینگ ریڈرز فاخرہ آپی کی ہیروئن کو آئیڈلائز کرتی ہیں۔ فاخرہ گل! آپی آپ کا بہت شکریہ۔ "عید ہوگئی زندگی" بھی پسند آیا۔ "چاند چندا اور چاندنی" ایک ہلکی پھلکی تحریر بہت بے مزہ تھی۔ سباس آپی یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اصل میں چاند پسند کس کو کرتا تھا چندا کو یا چاندنی کو؟ پہلے وہ چندا کے ساتھ بھی خوش تھا پھر چاندنی کے ساتھ بھی۔ "تیرے سوا نہیں دیکھا" میں نزہت جبیں آپ نے عبرہ اور امجد کے ساتھ کچھ زیادتی نہیں کی لیکن وہی جو جس کا نصیب ٹھہرے۔ عشبہ کو باسق کی ہی دلہن بننا تھا سو اتنے حادثات کے باوجود بھی وہ اس کا نصیب ٹھہری۔ "دل بدل دے" بھی رمضان کے حوالے سے ایک پرفیکٹ تحریر تھی۔ "خیانت" میں علینا نے بالکل ٹھیک فیصلہ کیا، بندہ بشر ہے غلطی ہوجاتی ہے لیکن انسان وہی ہے جسے غلطی کا فوراً احساس ہوجائے کیونکہ عقل تو اللہ

نے عطا کر لی ہے ہم سب اپنے اپنے اعمال کے گرد بنائے جا رہے ہیں۔ علینا اپنے فرائض پورے کرتی ہے اس کا ضمیر مطمئن ہے شاید سمیر کو زندگی کے کسی موڑ پر احساس ہو جائے یا شاید یہ علینا کے لیے آزمائش ہو۔ "نہلے پہ دہلا" شروع میں سنجیدہ تحریر تھی لیکن آخر میں ہنسنے پر مجبور ہو گئی جینے کا یہ انداز واقعی من کو بھا گیا۔ "چاندرات" پڑھ کر احساس ہوا کہ کتنے ہی گھروں کی چاندرات ایسی ہوتی ہوگی اللہ ہم سب پر رحم کرے۔ "ایسا کہاں سے لائیں" حرا قریشی کا ایک ایک لفظ سچ پڑھ کر بے اختیار آنسو چلے آئے۔ اللہ ہمارے ملک کی حفاظت کرے آمین۔ "ہومیو کارنر" کا اس دفعہ کا مضمون بے حد کارآمد ہے یہ باتیں نوجوان لڑکیوں کو معلوم ہونی چاہئیں۔ آنچل اور حجاب کا سفر ہمیشہ ترقی کی راہ پر گامزن ہو آپ سب اپنا بہت خیال رکھیے گا آپ کی دعاؤں کی طلب گار۔

سامعہ ملک پرویز...... خان پور' ہزارہ۔ مائی ڈیئر آنچل اسٹارز مائی لولی ریڈرز اور پیاری پاکستان کے چلبلے لوگوں السلام علیکم! امید ہے سب خیریت سے ہوں گے آنچل ہاتھ میں ہے نظر نظر صفحے صفحے کو پڑھتے ہوئے خود کو سیراب کیے جا رہی ہے۔ ساون کی بارشیں ہیں زوروں پر مگر فی الوقت ہلکی ہلکی بوندا باندی کا سلسلہ جاری و ساری ہے آسمان کی وسعتوں پر رقص کرتے گہرے نیلے و کالے بادل پانی سے ہیں بھرے ہوئے اور برسنے کو ہیں بے تاب۔ میرا من پسند منظر بارش کے سنگ میں لو آنچل جیسے سب کچھ مکمل۔ چلیں چھوڑیں آتے ہیں آنچل کے سلسلوں کی جانب تو جناب عالی! آنچل کو کھولتے ہی حمد و نعت سے خود کو مستفید کیا پھر بڑھے قسط وار اقساط پر مبنی "موم کی محبت" راحت وفا کا ناول راحت جی پلیز ہیپی اینڈ کیجیے گا۔ بس کردیں عارض و شرمین کو ملا دیں آپ ان کو ملا نہیں رہیں اور یہاں صبر کا پیمانہ لبریز ہوا جا رہا ہے ایک طرف غصہ شرمین پر کہ مان کیوں نہیں جاتی۔ عارض کی بات اتنی محبت کے آگے سر تسلیم کر لینا چاہیے دوسری جانب شرمین کی قسمت پر رشک آتا ہے ہائے کوئی اتنا چاہنے والا کیسے مل جاتا ہے اتنی محبت' اتنی چاہت' اتنا انتظار کاش کوئی ایسا عارض میرا بھی ہو ہاہاہا اپنے تو ہیں پر لگتے نہیں عارض جیسے...... ہونہہ۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" بہت خوب صورت انداز تحریر آگے کے راز سے پردہ اٹھنے کا شدت سے دل منتظر ہے آپی۔ رفعت سراج کا ناول "چراغ خانہ" زبردست' گڈ لک۔ اس کے علاوہ بھی مکمل ناول' ناولٹ اور افسانے زبردست رہے۔ حرا قریشی صاحبہ آپ کا آرٹیکل میرے دل کی آواز تھا' مجھے لگا آپ نے میرے لفظوں کو خوب صورتی کے ساتھ پیراہن اڑھا دیا۔ مستقل سلسلے بھی زبردست تھے بیاض دل نے دل لوٹ لیا۔ نیرنگ خیال میں سبھی کا کلام اعلیٰ تھا' دوست کا پیغام میں میرے نام کوئی پیغام ہی نہیں تھا آئینہ میں سب کے جامع و شیریں تبصرے زبردست لگے آخر میں اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ رب العزت ہمیں دنیا و آخرت میں عزت کی زندگی دے اور اپنی ذات کے سوا کسی کا محتاج نہ کرے آمین' والسلام۔

شائستہ جٹ...... چیچہ وطنی۔ میری طرف سے مدیرہ آپا آپ کو' شہلا جی آپ کو اور رائٹرز اور پڑھنے والوں کو سلام قبول ہو۔ امید ہے کہ سب کے مزاج گرمی ساتویں آسمان پر ہوں گے ارے بھئی مذاق کر رہے تھے ہم تو...... تو جی بات ہو جائے ذرا آنچل کی تو جناب سب سے پہلے قیصر آرا جی کی سرگوشیوں سے لطف اندوز ہوئے کہ اچانک بھاگتے ہوئے قدموں کو بریک لگا کر پھر سے واپس مڑے اور ماڈل کے دیدار کو پہنچے بھئی واہ شبنم جی کی پرانی فین لگتی ہے۔ بہر حال ٹھیک لگ رہی تھی' ہولے ہولے چپکے چپکے حمد و نعت سے لطف اندوز ہوئے۔ دانش کدہ کی تو کیا بات ہے "موم کی محبت" اب اگر نہ پگھلی تو یقیناً ہماری غصیلی نظروں سے ضرور پگھل جائے گی پلیز کچھ تو ٹوئسٹ اچھا لے کر آئیں۔ نازیہ جی کیا بات ہے ناول سپر جا رہا ہے دراز و نیاز سے بھرپور کیا واقعی سدید مر چکا ہے یقین نہیں آتا۔ "تیرے نام کردی زندگی" کچھ خاص نہیں لگا۔ افسانے "خیانت' چاندرات' نہلے پہ دہلا" پسند آئے۔ فاخرہ گل کا "میرے خیال سے" تو اچھا رہا اور "چراغ خانہ" میں مشہود کی واپسی ہوئی شکر ہے اب بس دانیال اور پیاری کا رشتہ بھی واضح کر دیں باقی عالی جاہ کا کڑھنا اچھا لگتا ہے۔ باقی تمام سلسلے اپنی مثال آپ ہیں لائبہ دوستی کی آفر دل سے قبول ہے جناب! اللہ ہمارے ملک کو قائم و دائم رکھے اور ہر بد نظر سے بچائے اور ہمارے آنچل کو ترقیوں کے وہ مقام عطا فرما دے کہ دنیا رشک کرے اور اللہ تعالیٰ اس کامیابی کو قائم و دائم رکھے آمین اللہ حافظ۔

موم جٹ...... کالج روڈ۔ السلام علیکم! ڈیئر آنچل اسٹاف' ڈیئر ریڈرز اینڈ رائٹرز امید ہے سب ٹھیک ہوں گے آنچل آتے ہی چھلانگ لگائی "موم کی محبت" کی طرف مگر کہانی جوں کی توں ہے صفدر کا ملک چھوڑنے کا فیصلہ سراسر حماقت ہے۔ پلیز شرمین کو بھی اس کی محبت تک اب پہنچا ہی دیں۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" خوب صورت تحریر' خوب صورت الفاظ کا چناؤ' جذبات کی عکاسی' کرداروں کی چھلکی سب شاندار' زاویار نے اپنی ماں کو تکلیف دے کر بہت برا کیا اسے ایک دفعہ پوری بات سن لینی چاہیے تھی۔ "عید کے رنگ اناڑی پیا کے سنگ" ہمیشہ کی طرح بہت انجوائے کیا۔ افسانے سب ہی اچھے تھے۔ عید سروے میں دونوں عید نمبر میں اپنا نام نہ دیکھ کر

بہت دکھ ہوا۔ آنچل اور حجاب دونوں ہی بہت اچھے ہیں اجازت دیں اللہ حافظ۔

شفقت شاہین...... کھو کھر بالا۔ السلام علیکم! شہلا آپی قارئین اینڈ رائٹرز اور آنچل اسٹاف کو پُرخلوص سلام قبول ہو۔ ارے واہ کیا بات ہے سمجھ تو آ گئی ہوگی ہے نا...... ہاہا۔ جی سہی سمجھیں آنچل کی پریوں! میں ''ٹوٹا ہوا تارا'' کی بات کررہی ہوں جو مکمل ہوگیا ہے تارا بھی اور ناول بھی۔ گریٹ ماشاء اللہ سمیرا شریف طور کیا بات ہے آپ کی کتنی خوب صورتی سے پوری فیملی کو لے کر چلیں ہیں آپ۔ اف بھائی! اتنا بھی کوئی تنگ کرتا ہے؟ انا کادم نکل جاتا تو...... بھائی پہلی ایسی شادی ہوگی جو دلہا دوسری گاڑی میں بیٹھ کر آیا۔ شادی کو بہت انجوائے کیا کسی کے ساتھ اچھا کروگے تو اچھا ہوگا اور برا کروگے تو وہی انجام ہوگا جو اس ناول میں عبدالقیوم اور اس کی فیملی کا ہوا۔ میری چچازاد بہن کو بھی یہ ناول بڑا پسند آیا اور مصطفیٰ شہوار ولید اور انا کا کردار بڑا پسند آیا اسے۔ میری اور میری کزن کی طرف سے سمیرا شریف طور کے لیے بہت سی دعائیں اللہ پاک آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے اور زور قلم اور زیادہ ہو آمین اللہ حافظ۔

شگفتہ پروین...... خانیوال۔ السلام علیکم! میں آنچل کو بہت شوق سے پڑھتی ہوں اس کے سب سلسلے مجھے بہت پسند ہیں خصوصاً ''شب ہجر کی پہلی بارش'' بہت اچھی جارہی ہے۔ نازی آپی بہت اچھی رائٹر ہیں عائشہ نور محمد جب بھی لکھتی ہیں لاجواب لکھتی ہیں۔ فاخرہ گل کی کاوش بھی اچھی تھی نازی آپی باقی رسالوں میں اپنا قلم کیوں نہیں آزماتی۔ عبدالستار ایدھی صاحب ہمارے ملک کی عظیم شخصیت تھے جو کام انہوں نے پاکستانی عوام کے لیے کیا شاید ہی کوئی اور کرسکے۔

پرنسز اقو...... تلہ گنگ۔ السلام علیکم! کیسے مزاج ہیں آنٹی شہلا جی! پہلی بار آپ کی بزم میں شامل ہوں اگرچہ ملیحہ جی شمائلہ جانو ماہی نیو فرینڈ قیصرآنٹی کی بزم میں پہلے شرکت کرچکی ہوں وہاں اقراٗ مسرت اقو کے نام سے جانی گئی۔ تو اب بات ہوجائے اگست کے شمارے کی تو سرورق اچھا تھا اگرچہ عشاء نور کو پہچاننے میں تھوڑی دقت ہوئی کہ ان کا پوز کچھ اس طرح تھا کہ پہچانی نہیں گئیں وہ مگر نام پڑھا تو وہ عشا جی تھیں۔ اب جب آنچل کے اندر جھانکا تو سب سے پہلے حمد و نعت سے روح و قلب کو روشن اور منور کیا پھر اپنی فرینڈز کی سرگوشیاں سنیں۔ در جواب آں میں اپنا نام دیکھا اور دوستی کو قبولیت کا درجہ ملا دل بلیوں اچھلا۔ اتنی خوش ہوئی کہ باقاعدہ چھلانگیں لگانا شروع کردیں پلیز فرینڈ دوستی قائم رکھیے گا۔ اس کے بعد چھلانگ لگائی موسٹ فیورٹ رائٹر اور ناول ''موم کی محبت'' پہ ارے یہ کیا ظلم کیتا نے...... صفدر صاحب ملک سے باہر جانے کی تگ ودو میں ہیں واہ جی۔ خیر ٹینشن سے بچنے کا طریقہ ہے مگر یوں حالات سے بھاگنا بزدلوں کا کام ہے حالات کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ اب شرمین جب عارض کے لیے دل میں نرم گرم جذبات رکھتی ہے تو اظہار کردے کہ اب تو اس کا آخری سہارا اذان بھی چھن گیا اس سے۔ اب پہاڑ جیسی زندگی گزارے گی پلیز آپی عارض اور شرمین کو ایک کردیں۔ عارض تو ویسے بھی مجھے بہت پسند ہے آگے بڑھے ''شب ہجر کی پہلی بارش'' تو کہانی ابھی الجھی ہوئی ہے مگر ہے بہت انٹرسٹنگ کہانی نازیہ جی کی ہو اور دلچسپ نہ ہو ناممکن پھر افسانے پڑھے اور افسانوں میں سباس آپی کے ''چاند چندا اور چاندنی'' سبقت لے گئے یقیناً چندا جیسی لڑکیاں معاشرے اور خاندان کا ناسور ہیں جو محبت کو چھوڑ کر دولت کو پوجتی ہیں۔ پھر چھلانگ لگائی ''عید ہوگئی زندگی'' نظیر فاطمہ کی تحریر پُراثر اور دل پر نقش ہوگئی مختصر مگر پُراثر۔ ''اناڑی پیا'' کے کیا کہنے اناڑی پیا کے اناڑی پن پہ بے ساختہ مسکراہٹ لبوں کا احاطہ کرلیتی ہے جیو اناڑی پیا پھر عائشہ نور محمد صاحبہ کا آخر میں پڑھا کہ نام ہی کافی ہے۔ بہت عمدہ ناول تحریر کیا بہنا! باقی ''چراغ خانہ'' اور ''ذرا سکرا میرے گمشدہ'' پر تبصرہ ادھار رہا۔ ہمارا آنچل میں چاروں بہنوں سے ملاقات اچھی لگی۔ نیرنگ خیال میں سونیا قریشی سحر کرن شہزادی نوشین اقبال اور سندس رفیق بازی لے گئیں۔ یادگار لمحے میں پیو آپی اقصیٰ آزاد اور شاج جنت کی تحریر پسند آئیں۔ بیاض دل میں اقرا مادیہ کبریٰ مہتاب کے اشعار پسند آئے۔ باقی رسالہ زیر مطالعہ ہے اچھا جی رب راکھا دعائیں۔

نیلم شہزادی...... کوٹ مومن۔ آنچل کی پُررونق بزم میں تشریف فرما تمام عزت مآب قابل احترام شخصیات کو نیلم شہزادی کا سلام قبول ہو۔ ماہ اگست کا آنچل بہت عمدہ مگر اگست کے حوالے سے کوئی پُرلطف تحریر نہ پاکر تھوڑی رنجیدگی ضرور ہوئی۔ ''چراغ خانہ'' اتنی زبردست تحریر کہ جواب نہیں بلاشبہ یہ تحریر آنچل کی بہترین تحریر ہے۔ بلاضرورت رومینس سے پرہیز خوب صورت الفاظ جاندار کردار بہت بے مثال بہت عمدہ بہت اعلیٰ۔ صائمہ قریشی کے ''اناڑی پیا'' تو خوب اناڑی ہیں مسکرانے پر مجبور کردیتے ہیں۔ ''تیرے نام کردی زندگی'' بھی بہت اچھی رہی افسانے بھی شاندار تھے گویا پورا ڈائجسٹ اس یار من کو بھا گیا چلتی ہوں پھر آنے کے لیے دعاؤں میں یاد رکھیے گا دعا گو۔

اقصیٰ کشش...... محمد پور دیوان۔ السلام علیکم! آنچل پڑھنے والوں کو دل کی گہرائیوں سے پیار بھرا سلام قبول ہو۔ ڈیئر قارئین امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گی مختصر عرصے کے بعد ہم ایک بار پھر آئینہ میں اپنے جذبات کا اظہار کرنے

کے لیے حاضر ہیں۔ اس ماہ آنچل 24 تاریخ کو مل گیا تھا سب سے پہلے [illegible] ہم نے [illegible] ہوئے سراہا۔ حمد ونعت سے مستفید ہو کر ابتدائیہ پر نگاہ دوڑائی عائشہ نور محمد صائمہ قریشی فاخرہ گل نزہت جبیں کو دیکھ کر سمجھ نہیں آئی کہ پہلے کس کی اسٹوری پڑھیں۔ دل نے عائشہ نور محمد کی دہائی دی تو سب سے پہلے اسے پڑھا بہت اچھی اسٹوری تھی۔ میری طرف سے مبارک باد اس کے بعد "شب ہجر کی پہلی بارش" پڑھی نازی آپی یہ قسط تو بہت ہی جاندار تھی۔ میام کی بے بسی پر بہت دکھ ہوا وہیں دری پر بھی بے حد غصہ آیا۔ سدید کی کمی بہت محسوس ہوئی اس کے بعد "چراغ خانہ" کی طرف دوڑ لگائی شکر ہے مشہود واپس آ گیا اب پیاری کے رونے کے دن ختم ہو گئے۔ "موم کی محبت" راحت آپی خدا کے لیے اب تو شرمین کو پریشانیوں سے نکال دیں ہر قسط میں ایک نئی پریشانی اس کی منتظر ہوتی ہے اور صفدر کے کردار کو تو آپ نے الجھا کے رکھ دیا ہے۔ کنارے پر آ ہی نہیں رہا۔ "عید کے رنگ اناڑی پیا کے سنگ" اس بار تو اناڑی پیا کے انداز ہی نرالے تھے پڑھ کے مزہ آیا لیکن صائمہ آپی اگلی قسط میں زرفین کی شادی کریں بہت مزہ آئے گا۔ "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" فاخرہ گل آپ کی ہر تحریر کی طرح یہ تحریر بھی لاجواب تھی۔ اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے افسانے بھی کے بیسٹ تھے۔ نیرنگ خیال میں سید مبشر عظیم کی نظم بہت پسند آئی۔ بیاض دل میں بھی سبھی نے خوب لکھا دوست کا پیغام میں کسی نے میرے نام پیغام نہیں لکھا چلو کوئی گل نہیں۔ ہم سے پوچھیے میں ہمیشہ کی طرح پروین آپی ٹاپ پر رہیں۔ عید نمبر دو بھی ہر لحاظ سے بیسٹ تھا۔ عائشہ پرویز مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ آپ شادی شدہ نہیں میں آپ کو شادی شدہ سمجھی تھی اچھا اب اجازت اللہ حافظ۔

عائش کشمالے...... رحیم یار خان۔ السلام علیکم! پیارے آنچل کے پیارے اسٹاف رائٹرز اور ریڈرز سنائیے آپ سب کیسے ہیں؟ چلیں جی دکھی دل سے تبصرے کی طرف آتے ہیں اس بار حیران کن بات یہ ہوئی کہ آنچل 22 جولائی کو مل گیا اس بار شاید روبی کی روزانہ ڈیٹ پوچھنے پر عاجز آ گیا تھا اور آج 24 ہے الحمدللہ ہم تینوں بہن بھائیوں نے آنچل کا ایک ایک لفظ حفظ کر لیا ہے شاید اس کی وجہ امی سسٹر کے گھر گئی ہوئی ہیں چھٹیوں کے لیے خوشی سے ابتدائیہ پر نظر دوڑائی ماشاء اللہ اولڈ رائٹرز کے ساتھ نیو رائٹرز کا اضافہ ہو رہا ہے جو ہم سب کے لیے خوش آئند ہے ویلکم موسٹ ویلکم سب کو ہماری طرف سے۔ درجواب آں میں پیاری مدیرہ آپی ہمیں پہلے سے ہی خوش خبری دے دیتی ہیں کہ کس رائٹر کی کہانی ہم جلد پڑھنے والے ہیں تھینکس آپی! دانش کدہ میں مشتاق انکل بہت ہی سبق آموز باتوں سے آگاہ کرتے ہیں جو کہ گھر بیٹھے نہیں جان سکتے شکریہ انکل۔ ہمارا آنچل میں ملیحہ آپی نے ہمیں چار پریوں کے بارے میں بتایا جن کے بارے میں اور عادتیں جان کر ہمیں اچھا لگا اور عید سروے ماشاء اللہ سب بہنوں نے بہت اچھا لکھا کتنی خوشی ہوتی ہے کسی کی روٹین خوشیاں اور زندگی جان کر۔ سحرش ڈیئر آپ کافی فنی لگتی ہیں عرشیہ ہمیں جان کر حیرانی ہوئی آپ غیر شادی شدہ ہیں بہر حال آپ اسٹوریز بہت اچھی لکھتی ہیں۔ عائشہ پرویز آپ شادی شدہ ہیں؟ آپ نے سچ کہا سادگی میں خوب صورتی ہے افشاں علی آپ کیسا اتنی دور بہن بھائیوں اور امی ابو کے بغیر رہتی ہیں؟ رنگلی بہت اچھی ہیں آپ اگر سب بہنوں کے نام لکھنے بیٹھی تو یہ تبصرہ شاید ختم نہ ہو اس لیے سوری ڈیئر مگر یقین مانیں آپ سب کے بارے میں جان کر بے حد اچھا لگا۔ "تیرے نام کردی زندگی" عائشہ میری ہم نام ڈیئر آپ کو میرے بہن بھائی بہت شوق سے پڑھتے ہیں ہمیں بھی جان کر بے حد اچھا لگا۔ "چراغ خانہ" رفعت آپا یقین مانیں آپ کی باتیں بہت اچھی ہوتی ہیں اور اب تو پیاری اور دانیال کا پاکیزہ رشتہ بن گیا ہے کہانی مزے دار ہو گئی ہے۔ "نہلے پہ دہلا" بڑا اچھا افسانہ تھا۔ "موم کی محبت" زیبا کے ساتھ بہت برا ہوا ہے اور پلیز اذان کو شرمین سے جدا مت کریں۔ مجھے بہت پیارا ہے اذان عارض اور شرمین کو جلد ملا دیں۔ "چاندرات" طلعت آپا آپ ہر بار جداگانہ انداز میں پیش ہوتی ہیں اچھا لگتا ہے آپ کا منفرد انداز۔ زہرہ کے کردار میں عورتوں کے لیے بہت سبق ہے۔ "خیانت" رضوانہ پرنس نام تو پہلی بار سنا ہے مگر چھا گیا ہے ڈیئر ویلکم بطلینا ایک سمجھدار لڑکی تھی۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" ٹائٹل پہ سجل بہت پیاری لگ رہی تھی میری بہن نے کہا یہ پری ہے میں نے کہا دلکنون ہے آپ بہتر فیصلہ کریں؟ بہر حال اسٹوری بہت اچھے انداز سے آگے بڑھ رہی مجھے لگتا ہے ننھے عبدالہادی کی چھوٹی سی شرارتوں کی ذمہ داری ہے مگر کیا کریں آپی پورا ماہ انتظار رہتا ہے۔ "عید کے رنگ اناڑی پیا کے سنگ" صائمہ یقین مانیں اتنا پیارا ناول کہیں آپ کا تو نہیں بہت ہی اچھی اسٹوری تھی کاش زرفین جیسی نند سب ہی کی ہو۔ "تیرے سوا نہیں دیکھا" نزہت آنٹی آپ بہت نائس انداز میں لکھتی ہیں پتا ہے میری بہن کہتی ہے آپ کو اپنے سے جڑے رشتوں سے بے حد پیار ہے کیونکہ آپ کی کہانیاں یہ تاثر دیتی ہیں ہم دونوں بہنیں بہت تبصرہ کرتی ہیں اسٹوریز پر۔ "دل بدل دے" عروسہ ڈیئر واقعی آپ کی چاندنی نے گمراہی سے بھرے گھر کو اپنے مضبوط ایمان سے بدل ڈالا ڈیئر بہت مبارک ہو۔ "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" فاخرہ آپی ایک نئے سلسلے وار ناول میں شریک ہیں جان کر خوشی ہوئی اجیہ کے باپ کا اتنا سرد رویہ دکھی کر گیا مگر اجیہ اور حسنین کی محبت دل سے خوش کر گئی۔ مجھے لگتا ہے حسنین غزنی کو پسند کرتی ہے؟ "چاند چندا اور چاندنی" سباس ڈیئر آپ کافی فنی لکھتی ہیں آپ کی

کہانیوں ... [illegible] ... کا نام ... [illegible] ... نظر نہیں آ یا
اچھا سبق تھا۔ ”عید ہوئی زندگی“ نظیر فاطمہ ہر دفعہ میں نے آپ کا صرف افسانہ پڑھا لیکن اس بار ناولٹ میں آپ کا نام دیکھ کر بے انتہا خوشی ہوئی کیونکہ زبردست لکھتی ہیں مگر فریحہ کو ایسے منان کے ساتھ نہیں کرنا چاہیے تھا عورت کی سیلف ریسپیکٹ ہوتی ہے جو فریحہ نے اپنے عمل سے کھودی۔ حرا قریشی کا آرٹیکل ہر ماہ کی طرح جداگانہ اور منفرد تھا۔ طلعت آپی ہومیو کارنر میرے خیال میں حجاب میں ہوتا ہے اُدھر بھی پڑھ لیا اور معلومات میں اضافہ کیا۔ بیاض دل ابھی پڑھا نہیں مگر میرے بھائی کو یہ اشعار اچھے لگتے ہیں وہ سب سے پہلے ہی نوٹ کرتا ہے۔ بیوٹی گائیڈ ریئلی یہ میں کبھی نہیں پڑھتی سوری روبین آپی! نیرنگ خیال بھی زبردست رہا مگر اس بار میں کوئی غزل ڈائری کی زینت نہ بنا سکی۔ دوست کا پیغام آئے سب نے ہی اپنے دوستوں کو یاد کیا خوشی ہوئی مگر ہمیں کوئی یاد نہ کرسکا پھر بھی خوش ہوئی ویسے طیبہ نذیر ڈیئر ہمیں ہمارے بھائی کا نام تو آپ نے بتایا نہیں؟ یادگار لمحے کو ہمارے پیارے دوستوں نے اور بھی یادگار بنادیا۔ بہت سارے فرینڈز کی یادگار باتوں کو ڈائری میں بمعہ نام کے یادگار بنادیا ہے ناں آپ کے لیے خوشی کی بات۔ ہم سے پوچھئے شمائلہ آپی آپ کیسے پیارے جواب دیتی ہیں (یہ تو انہیں ہی پتا ہے جو شرکت کرتے ہیں) ہم بھی ان شاء اللہ جلد ہی آپ کے روبرو حاضر ہوں گے۔ کام کی باتیں واقعی اس بار کام کی باتیں تھیں اچھا اب اجازت دیجیے فی امان اللہ۔

مونا شاہ قریشی ...... کبیر والہ۔ السلام علیکم عزیزی بجوجان! وجودِ نازک کے حال احوال بشاش ہوں گے یقیناً سحاب ندارد شمس کی تمازت اور افق کی نیلی چھتری سے پھوٹتی گرمی کی وارفتگی میں آمد آنچل گویا ابر رحمت سا لطف دے گئی۔ سرگوشیوں سے ہوتے ہوئے حمد و نعت پر نظر ثانی کی۔ مدح خداوندی و محبوب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے روح سرشار کردی۔ دانش کدہ میں سورۃ مریم کے ترجمہ و تفسیر سے فیض یاب ہونے کے بعد عید سروے پر جھلملاتی نظریں ٹک گئیں۔ خوب صورت سے سوال و جوابات سے بعد از فراغت ”چراغ خانہ“ پہ ٹھہراؤ کیا۔ جان دل بھائی کی آمد کا مژدہ پیاری کے نکاح ڈے کو مزید قمری روشنی دان کرگیا۔ صاحب فراموش مشہود کی ناگفتہ بہ حالت کو پڑھ کر صدمہ سے کم دکھ سے کچھ زیادہ کی سی کیفیت طاری ہوگئی ناول بے حد پسند ہے مجھے یہ۔ ”موم کی محبت“ اذان کی ایسی مغلظات قابل شاک ہے۔ شرمین کی محبت پر ایک بے یقینی کہانی یکسانیت اور سست روی سے ہمکنار ہے۔ ”اناڑی پیا“ از صائمہ قریشی (پورا نام نہیں لکھا معذرت) زبردست دلچسپ و تر و تازگی سے بھرپور کاوش۔ رپ ملائی کی برف اور شاپنگ کی خواری نے تحریر کو مزید جلا بخشی ویل ڈن۔ ”نہلے پہ دہلا“ بقلم راشدہ رفعت سسرال میں رہنا ہو تو سیر چشمی دکھانی پڑتی ہے ہما اور شیراز مین کی ذہنی موافقت نے ہما پہ دھرا بوجھ کم کردیا۔ ”خیانت“ از رضوانہ پرنس افسانہ قابل ستائش تھا۔ علینا کو سمیر کی حرکت شاق گزرتی تھی اور کچھ ایسا غلط بھی نہ تھا اس میں جس خیانت کی مرتکب وہ ہوئی وہ بہت کرب سے وابستہ خیانت تھی۔ ”جاندرات“ طلعت نظامی کا افسانہ بہترین تھا اپنی ضروریات و آسائشات سے شان استغنا برت کر ہی تو زہرہ اپنے نصف بہتر کی زندگی سدھار پائی تھی وگرنہ وہ خود کہاں اس کے اہل تھے کہ پیسے جوڑتے حاشا و کلاء۔ ”دل بدل دے“ عروسہ عالم نے واقعی دل بدل دیئے۔ بوسیدہ مسلمانیت کے لبادے کو اتار کر سب گھر والوں کو بجل کردیا درس دین کی کوشش کامیاب ٹھہری خوب۔ ”چاند چندا اور چاندنی“ کیا ملاپ خاص رکھا سباس آپی نے اجمال پسندی سے جذبات و خیالات کو قلمبند کردیا چندا نے کما حقہ حق ادا نہ کیا۔ دھڑلے سے امارات کی تیز روشنی میں خود کو اپنے رشتے کو گم کرلیا نتیجتاً صحیح معنوں میں خود کو کھوڈالا باقی آنچل ابھی نظروں کے عتاب میں نہیں آیا۔ سلسلات میں اب کی دفعہ نیرنگ خیال میں سب غزلیں نظمیں لاجواب لگیں۔ دوست کا پیغام آئے میں جن دوستوں نے یاد رکھا از حد نوازش و کرم احباب۔ یادگار لمحے سے اللہ کی محبت فرام مریم منور کا لکھا بہت بھا۔ دعاؤں کی یلغار میں اجازت نامہ طلب ہے۔ وہ ذات واحد کون و مکاں کا مالک اپنا سایہ رحمت بدستور آنچل پر قائم رکھے اور اسے درخشندہ تر ستارہ بنادے عرش پر بھی فرش پر بھی آمین۔

☆ ڈیئر سونا خوب صورت لفظوں سے سجا آپ کا تبصرہ پسند آیا۔

مون ...... گجرات۔ السلام علیکم! زندگی میں پہلی بار شریک محفل ہوں آنچل کی پرانی قاری ہونے کے باوجود کبھی آئینہ میں شرکت کا نہیں سوچا آنچل کے سارے سلسلے زبردست ہیں مگر مجھے سب سے زیادہ پسند ناول ”ٹوٹا ہوا تارا“ اور ”تیرے عشق نچایا“ تھے اب وہ بھی ختم ہوگئے ہیں وہ ناول کی شکل میں کب آئیں گے میرے پاس ”ٹوٹا ہوا تارا“ کی شروع والی اقساط نہیں ہیں آنچل تمام ڈائجسٹ سے زبردست ہے۔ شروع میں میری آپی پڑھتی تھیں تو مجھے بڑا غصہ آتا تھا کہ یہ کیا ہر وقت پڑھتی رہتی ہیں اس سے کیا ملتا ہے مگر جب میں نے پڑھنا شروع کیا تو پھر پتا چلا کہ آنچل میں تفریح کے ساتھ ساتھ بہت ساری سبق آموز باتیں بھی ملتی ہیں۔ مجھے ”بیاض دل“ اور یادگار لمحے یہ سلسلے بڑے زبردست لگتے ہیں۔ اب آتے ہیں ناول پر تبصرے کی طرف تو جی سب سے پہلے ”شب ہجر کی

پہلی بار [illegible] ایمان کی [illegible] ہے۔

☆☆ ڈیئر پہلی بار شرکت پر خوش آمدید۔

ماہ نور نعیم ...... بھکر۔ السلام علیکم! ایک طویل عرصہ کے بعد آئینہ میں حاضر ہونے کی جسارت کی ہے پڑھائی کی مصروفیات کی وجہ سے کوئی بھی تبصرہ نہ کر سکی جس کے لیے معذرت۔ سب سے پہلے آپی سمیرا شریف طور کو اتنا خوب صورت ناول لکھنے پر دل کی گہرائیوں سے مبارک باد۔ ایک مرتبہ ولی نے انا کو چمکتی نگاہوں سے دیکھا تو اندازہ ہو گیا کہ جو انا سمجھ رہی ہے وہ ہرگز نہیں ہو رہا۔ اس کے علاوہ شہوار اور مصطفیٰ کی اسٹوری بھی بہت اچھی رہی۔ پورے ناول میں تمام کردار بہت اچھے تھے۔ اچھے اور برے کا انجام ہمیشہ ایک سا نہیں ہوتا' بدی کو مٹ جانا ہوتا ہے۔ رفعت سراج کا "چراغ خانہ" بہت خوب صورت ہے۔ مشہود کی واپسی دانیال کی محبت کے لیے امتحان نہ بن جائے۔ سب سے پیارا کردار مانو آپا کا لگتا ہے۔ پرخلوص اور سادہ سی مانو آپا کی گہری باتیں دل میں یوں اترتی چلی جاتی ہیں جیسے خشک مٹی میں بارش کا پانی۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" آہ کیا کہتا اتنی آسانی سے سدید پھسل کر گرا اور ہمیشہ کے لیے اس رنگین دنیا سے منہ موڑ گیا۔ بہت خوش قسمت ہوتے ہیں ایسے لوگ جو وطن سے محبت کا ثبوت اپنی جان دے کر کرتے ہیں۔ سباس گل آپی کی "چاند چندا اور چاندنی" ہنستی مسکراتی تحریر نے دل کو چھو لیا' خوش رہیے۔ باقی تمام سلسلے بھی بہت اچھے ہیں' دانش کدہ' بیاض دل اور آئینہ تمام بہت خوب ہوتے ہیں۔ نیرنگ خیال میں سب کی شاعری بہت معیاری ہوتی ہے جو سب کے اعلیٰ ذوق کی نشاندہی کرتی ہے۔ آنچل کے پورے اسٹاف کی ترقی و خوشحالی کے لیے ڈھیروں دعائیں' اللہ تعالیٰ پاکستان کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے آمین۔ آپ سب کو یوم آزادی مبارک ہو اللہ حافظ۔

وثیقہ زہرہ ...... سمندری۔ السلام علیکم! سب قاری اور لکھاری بہنوں کو پیار بھرا اسلام قبول ہو' اب شادی کیا ہوئی آنچل 23 کو ملنا تو جیسے خواب ہی ہو گیا ہے اب لیٹ ہی آتا ہے جس کی وجہ سے خط بھی مقررہ تاریخ تک مشکل سے لکھ پاتی ہوں سب سے پہلے "موم کی محبت" پڑھا اذان کا رویہ حقیقت سننے کے بعد کچھ عجیب سا لگا جو بھی تھا جتنی محبت وہ شرمین سے کرتا تھا اسے اپنی ماں سمجھتا تھا اب اس دور رہنا عجیب تھا۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" عبدالہادی بدلہ لینے کے لیے شہزاد کو نقصان ہی نہ پہنچا دے۔ "تیرے نام کر دی زندگی" عفنان شاہ پارس کی طرف لوٹ آیا پڑھ کر اچھا لگا۔ "چراغ خانہ" مشہود پیاری اور دانیال کے نکاح کا سن کر دیکھو کیا ردعمل ظاہر کرتا ہے۔ چاند رات اگر شوہر شاہ خرچ ہو تو ہر بیوی کو زہرہ جیسا ہونا چاہیے بیوی کی سمجھداری سے ہی گھر بنتے ہیں افسانہ اچھا تھا۔ "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" اجیہ کے والد کا رویہ اس کے ساتھ ایسا کیوں حنین کے ساتھ تو بالکل ٹھیک ہے' اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ "دل بدل دے" نیک ارادے ہوں تو سب کچھ ممکن ہوتا ہے چاندنی نے سب گھر والوں کو سیدھا راستہ دکھایا' اللہ ہم سب کو ایسا بنا دے آمین۔ باقی آنچل ابھی پڑھا نہیں اس لیے معذرت اللہ حافظ۔

نجم انجم اعوان ...... کراچی۔ السلام علیکم! تمام آنچل اسٹاف' قارئین' رائٹرز ہمیشہ خوش رہو' تیز چلچلاتی دھوپ کے بعد بادلوں کا آنا بارش کی ہلکی ہلکی پھوار نے کراچی کے موسم میں چار چاند لگا دیئے (آج تک سمجھ نہیں آیا کہ چاند تو ایک ہے پھر چار چاند کیسے لگ گئے ہاہاہا)۔ اس خوشگوار موسم میں کس چیز کی کمی محسوس ہو رہی ہے جیسے کوئی محبوب چیز ہم سے جدا ہو اتنے میں ڈور بیل کی آواز سے گھر کے عمیق ماحول میں جیسے کھنگھرو بجادیئے دروازہ کھولا ارے یہ آنچل کسی محبوب کی طرح گھر آ چکا تھا۔ آج 23 تاریخ ہے دل چاہا کہ آنچل لانے والے بابا کی بلائیں لوں مگر برا ہو اس زمانے کا کہ کچھ بھی نہ کر سکے۔ خوامخواہ محلے میں بدنام ہونے کا ڈر ہے۔ سرورق پر نگاہ شوق ڈالی جاذبیت و نزاکت سے تمام تر استعاری لیے خوش نما' دلکش چہرے کے ساتھ عائشہ نور براجمان تھی سرگوشیاں پڑھ کر حمد و نعت پڑھنے بیٹھ گئے اس امید کے ساتھ کہ شاید اس میں میری لکھی ہوئی نعت موجود ہو گی مگر اس مرتبہ بھی انتظار ہی رہا۔ درجواب آں میں مدیرہ صاحبہ کو بے حد مصروف پا کر آگے کی جانب کھسکے۔ ہمیشہ کی طرح دانش کدہ میں بے حد قیمتی معلومات سے دل منور' مسرور ہو گیا۔ مشتاق بھائی جان اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے' ہمارا آنچل میں بہنوں کی ملاقات اچھی رہی' ہر کسی کی اپنی اپنی مصروفیات تھیں۔ آج تک بہت دوستوں سے ملاقات ہوئی مگر دعائے سحر کا مزاج انداز مجھے اپنے جیسا لگا شاید اسٹار کی وجہ ہے۔ راحت وفا اور نازیہ اپنی جگہ ٹھیک جا رہی ہیں۔ مجھے کشمیر بے حد پسند ہے اور جس ناول میں آرمی ہو تو وہ بھی بے حد پسند آتا ہے۔ مکمل ناول میں عائشہ نور محمد ہو یا رفعت سراج دونوں بہت پسند آئے پلیز رفعت سراج کو بہنوں کی عدالت کے روبرو لائیں' کافی عرصہ ہوا ہے ان سے بات نہیں ہوئی۔ "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" فاخرہ گل ہو یا نزہت جبیں ضیاء' سباس گل' طلعت نظامی ان کے افسانے بے حد اچھے لگے اور رضوانہ پرنس آنچل میں آنے پر بہت شکریہ۔ صائمہ قریشی کا عید کے رنگ اناڑی پیا کے سنگ بھی اچھی لگی بس ایک

بات [illegible] میں آپ کے [illegible] معذرت کے ساتھ صائمہ
قریشی مگر یہ چھوٹے چھوٹے افسانے ہماری زندگی میں بہت کچھ کرتے ہیں آپ بے حد اچھا لکھتی ہیں مگر یہ تنقید آپ کے لیے مشعل راہ ثابت ہوگی۔ نظیر فاطمہ راشدہ رفعت عروسہ عالم نے بھی اچھا لکھا حرا قریشی کا آرٹیکل بھی پسند آیا۔ ڈاکٹر طلعت نظامی کا ہومیو کارنر میں کافی معلومات مل جاتی ہے۔ یہ بتائیے کہ رائٹر اور ڈاکٹر طلعت نظامی ایک ہی ہیں یا یہ دونوں الگ الگ ہیں؟ بیاض دل میں نورین انجم مدیحہ نورین، نجم انجم، نبیلہ ناز، امبر گل، حمیرا قریشی۔ نیرنگ خیال میں برکت داہی، لائبہ میر کی پسند اچھی لگی۔ پیغام میں حسن حسن بہنوں نے یاد کیا ان کا شکریہ۔ نور الہدیٰ مغل آپ کا پیغام آپ نے ہمیں یاد کیا اللہ تعالیٰ ہمیشہ آباد رکھے یادگار لمحے میں نزہت جبیں، سمیرا منور نے اچھا لکھا۔ نزہت جبیں ضیا آپ کے لیے دل کی گہرائی سے دعائیں سلام۔ آپ کے قلم سے لکھی تحاریر بہت پسند ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے آئینہ میں کافی بہنیں چھائی رہیں۔ ہم سے پوچھیے میں ہر بہن کے سوالات اچھے تھے کسی ایک کی تعریف کرنا مناسب نہیں ہے آخر تمام بہنوں کے لیے دعائیں شمائلہ کاشف کے لیے بے حد پیار زندگی رہی تو پھر ملیں گے۔

رہے پھول چمن میں تو پھر بھی کھلیں گے
اگر رہی زندگی تو پھر بھی ملیں گے

☆یوں ہی آتے رہنا خوشی ہوگی۔

عنبر مجید...... کوٹ قیصرانی۔ السلام علیکم! سب سے پہلے میری جانب سے آپ سب لوگوں کو جشن آزادی مبارک ہو۔ آزادی کا ایک نیا سال امید کرتی ہوں آئندہ برس ہم حقیقی معنوں میں آزاد قوم کے طور پر سامنے آئیں گے اپنی کفالت خود کریں گے اور صحیح معنوں میں پاکستانی کہلائیں گے آمین۔ جی تو ہم ایک ماہ کی غیر حاضری کے بعد پھر حاضر محفل ہیں 23 تاریخ کو جیسے ہی آنچل ہاتھ لگا تو آنکھیں ایک پل کے لیے مسرت سے چمک اٹھیں آنچل آ گیا تے چھا گیا ٹھاہ کر کے ہاہاہا۔ حسب عادت ٹائٹل سے شروعات کروں گی ماڈل کا میک اپ اچھا لگا بالکل فریش فریش سب سے پہلے سرگوشیاں سنیں پھر حمد و نعت سے دل کو منور کیا۔ در جواب آں میں پہلے پہلے سمیرا آپی کو دیکھا "یہ چاہتیں یہ شدتیں" ڈرامائی شکل اختیار کر گیا مبارک باد۔ دانش کدہ میں پہنچے مشتاق احمد قریشی بہت اچھی معلومات ہم تک پہنچا رہے ہیں۔ ہمارا آنچل میں سب بہنوں سے مل کر اچھا لگا ویری نائس۔ اب بات ہو جائے کہانیوں کی جی تو سب سے پہلے نمبر پر "شب ہجر کی پہلی بارش" نازی آپی پلیز تھوڑی لمبی کہانی لکھا کریں اتنی چھوٹی سی لکھتی ہیں۔ پلیز اب اگلے ماہ بہت زیادہ صفحات لکھنا او کے شہرزاد پر بہت افسوس ہو رہا ہے وہ نہیں عبدالہادی کی باتوں میں نہ آ جائے۔ کبھی کبھی انسان نادانستگی میں ان دیکھے جال میں پھنس جاتا ہے اور خاص طور پر ذہین و فطین لوگ اس تحریر نے بہت بے چین کیا۔ کیا دنیا میں اس طرح کے لوگ بھی ہوتے ہیں؟ خدا ہمارے ملک کو ایسے لوگوں سے پاک کرے اور دشمنوں کی نظر بد سے بچائے اور ہمیں اتنی توفیق و ہمت دے کہ ہم اس کی حفاظت کریں آمین۔ شہرزاد میڈیم تم بچ کے رہنا عبدالہادی سے شدید کا بہت دکھ ہوا خیر اسے تو جانا ہی تھا کیونکہ عائلہ کا ہیرو تو زلیار ہے نا اور صمید حسن نے زاویار کو اس کی ماں سے بدگماں کر کے اچھا نہیں کیا ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا خیر اب جو ہو گیا سو ہو گیا۔ مجھے صیام اور وری کا کردار بہت اچھا لگا اس کے بعد بات کی ہو جائے "موم کی محبت" شرمین کی مشکلات میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے کچھ خاص رنگ نہیں جما سکی یہ کہانی بس ایک ہی جگہ اٹک گئی ہے لہٰذا اب اس اسٹوری کا دی اینڈ ہو ہی جانا چاہیے اب اس کو ختم کر کے کوئی نیا دلچسپ سلسلہ شروع کریں۔ ساذان کی پھوپی پر بہت حیرت ہوئی کتنی لالچی قسم کی عورت ہے دولت کے پیچھے پڑ گئی ہے کشف کا کردار بالکل حقیقت لگا کیونکہ ہر دور میں زیادہ تر لڑائیاں دولت و جائیداد پر ہی ہوتی ہیں جس پر بھی دولت و جائیداد کا بھوت سوار ہو تو اس نے کسی کی بھی قدر نہیں کرنی۔ ماں باپ، بہن بھائی ہی کیوں نہ ہو اللہ ہم سب کو اس مرض سے بچائے آمین۔ مکمل ناول "چراغ خانہ" اسے ولا آپی اچھی رفتار سے آگے بڑھ رہی ہے ویل ڈن۔ عائشہ نور محمد ویلکم جی کافی عرصہ ہو گیا ہے آپ کی جھلک نہیں دیکھی سو اب دیکھ لی ہے "تیرے نام کردی زندگی" بہت ہی اچھا انداز تحریر ہے آپ کا (مبارکاں لکھی مبارکاں) آپ نے ایسے انداز سے سب بیان کیا مزہ آ گیا۔ بہت ہی عمدہ تحریر تھی۔ عفنان شاہ اور پری کا کردار پسند آیا مجھے یہ کہانی بالکل ویسے لگی "جھیل کنارے کنکر" نازیہ کنول نازی کے ناول جیسی عفنان کا کردار میکال جیسا اور پری کا کردار ہانیہ جیسا لگا ویری فنٹاسٹک۔ عائشہ آپی مکمل ناول آپ کا زبردست لگا پہلے جو بھی مکمل ناول آنچل میں لکھے بہت ہی زبردست لکھے ویل ڈن آپی جی۔ ناولٹ کی بات ہو جائے "عید کے رنگ نازی پیا کے سنگ" درست لگا "عید ہوگئی زندگی" نظیر فاطمہ اچھا لگا ناولٹ آپ کا فریحہ نے منان کے ساتھ بہت بری حرکت کی فریحہ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" فاخرہ گل کے ناولٹ کے درشن کیے نسبتاً بہترین جاری ہے وہ نیند میں ڈوبی لڑکی کوئی اور نہیں بلکہ وہ واجیہ ہی ہے اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے افسانے میں صرف ایک ہی افسانہ پڑھا "چاند چندا اور چاندنی" سباس گل بڑے

دلکش [illegible] لگے [illegible] میری [illegible] بات [illegible] ناول [illegible] ہو [illegible] بیان [illegible] شہلا آپی آپ نے کہا تھا کہ اگلے ماہ سمیرا آپی کا ناول شائع ہوجائے گا تو آپ لوگوں نے کیوں نہیں کیا ہم...... شہلا آپی ایک بات کہنی تھی آپ سے پلیز میری بات مانیں گی نا آپ؟ آپی پلیز ام مریم کو کہیں کہ کوئی مکمل ناول لکھیں لو کے میری بات یاد رکھنا بھولنا مت لو کے سویٹ آپی! بیاض دل میں ارم کمال بالکل سچ کہا آپ نے واقعی محبت ایک چوڑی کی مانند ہے فوزیہ سلطانہ طلعت نظامی آپ دونوں کے اشعار پسند آئے اور سب کے بھی اچھے لگے۔ نیرنگ خیال میں نوشین اقبال نوشی زبردست جی۔ یادگار لمحے کو سب کڑیوں نے یادگار بنادیا' کسی ایک کا نام نہیں لوں گی سب نے ہی اچھا لکھا۔ آئینہ میں شمع مسکان' کوثر ناز اف اتنا لمبا تبصرہ اچھا لگا۔ ہم سے پوچھئے واہ واہ کیا بات ہے۔ بہت ہنسی آئی سب کے سوالات و جوابات پڑھ کر۔ اب اس دعا کے ساتھ ہی اجازت اللہ تعالیٰ آنچل کے پورے اسٹاف کو لمبی زندگی دے اور آنچل کو اور زیادہ ترقی اور عروج دے آمین اللہ حافظ۔

فائزہ بھٹی...... پتوکی۔ السلام علیکم پاکستان! کیا حال ہیں سب کے؟ اس بار شمارہ 31 تاریخ کو ملا اب بھلا بتائیں جب شمارہ اتنا دیر سے ملے گا تو پھر تبصرہ بھی تو اتنی ہی دیر سے کیا جائے گا نا مگر اب مصیبت یہ ہے کہ دیر ہوجائے تو خط غائب اب یہ تو اللہ بہتر جانتا ہے کہ ان خطوں پر کس کی نظر ہے۔ سرورق سچی بتاؤں متاثر نہیں کرسکا۔ لڑکی کے میک اپ نے بے چاری کی مت ماری ہوئی تھی اگر میک اپ پر دھیان دیا جاتا تو بڑا فرق ہوتا۔ فہرست پر نظر دوڑائی تو بہت سے نام دیکھنے کو ملے مگر پھر بھی خالی پن کا احساس ہوا وجہ "ٹوٹا ہوا تارا" کا اختتام پذیر ہونا۔ یقین جانئے اب فہرست ادھوری معلوم ہوتی ہے' ان کو پھر جلدی سے پکڑیئے کسی نئے ناول کے ساتھ' ڈرامے کی مبارک باد سمیرا جی۔ عید سروے آنچل وہ واحد جریدہ ہے جو قارئین کی اتنی بڑی تعداد کو شامل ہونے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ جب ہم پڑھنے والوں کو اتنی عزت دی جاتی ہے تو دل خوش و آباد ہوجاتا ہے اور آنچل کی قدر و قیمت میں بے پناہ اضافہ ہوجاتا ہے (لگے رہیں) سب نے اپنے منفرد انداز تحریر کا دیا جلایا اچھا لگا۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" نازی کے ناولوں کی ایک خامی جو کہ بعض دفعہ ان کی خوبیوں پر بھاری پڑتی دکھائی دیتی ہے وہ ان گنت کرداروں کو شامل کرنا ہے (میری نظر میں) ذہن الجھاؤ کا شکار ہوجاتا ہے۔ "موم کی محبت" راحت وفا سے پوچھیں تو سہی وہ اور کیا کرنا چاہتی ہیں اس ناول کے ساتھ۔ یہ ناول ایک جگہ ٹھہرا ہوا محسوس ہوتا ہے کچھ ہل جل پیدا کریں راحت جی۔ اقرا صغیر کے ناول کی خوش خبری دی گئی اللہ کرے یہ ناول کرن حمزہ لوگوں کی کہانی کی طرح نہ ہو کہ طغرل' پری وغیرہ (سچے دل کی آواز جہاں تک پہنچے)۔ عائشہ نور محمد کافی عرصے بعد حاضر ہوئی' وہ بھی اپنے اندر انفرادیت رکھتی ہیں' ان کا منفرد انداز دور سے ہی دکھائی دیتا ہے' عائشہ تمہیں پڑھنا اچھا لگا۔ فاخرہ گل بھی آج کل چھائی ہوئی ہیں ہر طرف جدھر نظر کرو دکھائی دیں گی (سمجھ گئی نا)۔ ارے کوئی عشناء کوثر کو بھی پکڑ لائے' ہمیں بادلوں کے ساتھ اڑے عرصہ ہوگیا۔ رفعت سراج بھی کہانی کو اچھے سے لے کر چل رہی ہیں لگتا ہے کچھ اور ہی سوچے ہوئے ہیں' چلیں دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔ اب بات ہوجائے سلسلوں کی دوست کا پیغام آئے جس جس نے یاد کیا جزاک اللہ۔ بیاض دل کے ہر شعر نے عید کو دوبارہ زندہ کردیا۔ نیرنگ خیال یہ سلسلہ بھی کامیابی سے جاری و ساری ہے۔ اس بار کافی عرصے بعد آئینہ میں شرکت کی ہے' کوشش یہی رہی ہے کہ کہانیوں کے کرداروں کی بجائے مجموعی طور پر پورے پورے ناول پر اظہار خیال کیا جائے۔ اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر فائزہ! آئندہ بھی شامل محفل رہیے گا۔

حافظہ صائمہ کشف...... فیصل آباد۔ السلام علیکم! شہلا آپی کیسی ہیں آپ؟ امید کرتی ہوں خیریت سے ہوں گی میری دعا ہے آپ ہمیشہ خوش و خرم رہیں اور تمام آنچل اسٹاف اور قارئین کو پیار بھرا اسلام قبول ہو۔ اگست کا آنچل 25 کو ملا سب سے پہلے سرگوشیاں سنیں' اقرا صغیر آپی سلسلہ وار ناول کے ساتھ آرہی ہیں جان کر خوشی ہوئی۔ حمد و نعت پڑھی دل کو سکون ملا' دانش کدہ میں مشتاق انکل بہت اچھا درس دیا اس کے بعد ہمارا آنچل چاروں بہنوں کے تعارف بہت پسند آئے۔ عفیرہ مظہر کا نام بہت پسند آیا اور صائمہ حجاب کے لیے میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کی خواہشیں جلد پورا کرے' قرآن پاک صحیح معنوں میں سمجھنے کی توفیق دے آمین۔ نیلم جی آپ کا تعارف بھی پسند آیا اور آپ کی سوچ بھی' میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں اور اللہ تعالیٰ آپ کو ہر بیماری سے شفا دے آمین۔ اس کے بعد چھلانگ لگائی رفعت آپی کا ناول "چراغ خانہ" پہ مشہود کے آنے کی خوشی تو بہت ہوئی لیکن ڈر لگ رہا ہے جب اسے پتا چلے گا میری بہن کا نکاح بھی ہوگیا' پتا نہیں کیسا ہی ہو کرے گا اس کے بعد "موم کی محبت" ثمرین کے لیے بہت دکھ ہوتا ہے اذان ثمرین سے بدظن ہوگیا' کشف نے بہت غلط باتیں اس کے ذہن میں ڈال دی ہیں پتا نہیں لوگ دولت کے لیے اتنا کچھ کیوں کر جاتے ہیں۔ صفدر پر تو بہت غصہ آتا ہے اور ترس بھی آتا ہے کہ جذبات میں آکر کتنا غلط قدم اٹھالیا۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" نازیہ آپی بہت اچھا لکھ رہی ہیں'

زاویار نے اچھا نہیں کیا ان کے ساتھ [illegible] سدید [illegible] لگتا ہے میام سے دل لگاؤ ہوگیا ہے‘ بس اس میں اگر بہت ہے اچھا کیا درمکنون نے ساویز کو صاف جواب دے دیا۔ درمکنون کی ساویز سے ہونی بھی نہیں چاہیے شادی‘ ساویز نے بہت برا کیا پریہان کے ساتھ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ پریہان کا کیا قصور بھلا سدید بھی شہید ہوگیا عائلہ کا کیا بنے گا وہ بہت دکھی ہوگی۔ ”تیرے سوا نہیں دیکھا“ نزہت جبین نے بہت اچھا لکھا عطیہ بیگم کی سوچ پر بہت افسوس ہوا جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے وہی ہوتا ہے رشتے تو آسمان پر بنتے ہیں اس میں عشبہ کا کیا قصور ہے۔ شفیقہ بیگم نے اچھا کیا عطیہ کو صحیح باتیں سنائی اللہ ایسے لوگوں کو عقل دے۔ عروسہ عالم کا افسانہ بہت پسند آیا چاندنی نے واقعی سب کے دل بدل دیئے سب چاندنی کی دعاؤں کا نتیجہ تھا اللہ نے سب کو ہدایت بخشی اور عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ فاخرہ گل کا ناولٹ ”ذرا مسکرا میرے گمشدہ“ بہت پسند آیا اجیہ کا کردار اچھا لگا بہت دکھ ہوا یہ پڑھ کر اجیہ کا باپ اسے دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔ حسنین کا اتنا خیال رکھتا ہے۔ بہت رونا آیا اجیہ کیسے برداشت کرتی ہے اللہ اس کے باپ کو عقل دے یہ شکر ہے دونوں بہنوں کا آپس میں بہت پیار ہے آئندہ ماہ دیکھ کر منہ بن گیا چلو جی پورا ماہ انتظار کرو۔ سباس گل کا افسانہ ”چاند چندا اور چاندنی“ بہت اچھا لگا واقعی ہر وقت میچنگ کی رٹ لگانے والی لڑکی نے بے جوڑ شادی کرلی کیا حاصل ہوا دولت تو آنے جانے والی چیز ہے ویسے بھی رزق تو عورت کی قسمت سے ملتا ہے اگر عورت کی قسمت اچھی ہو تو غریب گھر بھی امیر بن جائے۔ ”عید ہوئی“ نظیر فاطمہ نے بہت اچھا لکھا فریحہ نے بہت برا کیا۔ منان کے ساتھ انڈین ڈراموں نے آج کل کے بچوں کا بیڑہ غرق کردیا ہے اللہ سب کو عقل دے۔ فریحہ معافی کی حق دار نہیں تھی چلو معاف کردیا اچھا کیا سزا تو فریحہ نے پالی تھی۔ ”خیانت“ رضوانہ کا افسانہ ”نہلے پہ دہلا“ بھی بہت پسند آئے ہنسی بھی آئی۔ ”تیرے نام کردی زندگی“ بہت اچھا لگا ناول جتنی تعریف کروں کم ہے عفنان نے ماں باپ کو دھوکہ دیا اچھا نہیں کیا ہیپی اینڈ ہوگیا بہت اچھا لکھا۔ عائشہ نور کو اللہ اور زیادہ اچھا لکھنے کی توفیق دے آمین۔ نیرنگ خیال میں برکت راہی‘ نگین افضل‘ لائبہ میر‘ سیدہ مبشر عظیم‘ مدیحہ نسرین‘ رفعت شمیلہ نے اچھا لکھا۔ دوست کا پیغام آئے میں نجم انجم نے دعاؤں میں یاد رکھا بہت شکریہ ہمیشہ شاد رہو نجم انجم جی اور ثناء رسول نے مبارک باد دی خیر مبارک جی آپ بھی خوش رہو۔ یادگار لمحے میں گل مینا‘ پروین افضل‘ رابعہ زیدی‘ سدرہ کشف‘ ساریہ‘ امشاج جنت‘ مسکان جاوید‘ سمیرا نے اچھا لکھا۔ آئینہ میں رانی کوثر‘ کنول خان‘ اقرأ ماریہ‘ شمع مسکان‘ کوثر ناز اچھا لکھا۔ کام کی باتیں تو واقعی کام کی تھی اب اجازت چاہتی ہوں‘ میری دعا ہے اللہ سب کو پریشانیوں سے مصائب سے بچائے اور اپنی رحمت نازل فرمائے آمین۔ آنچل دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے ثم آمین۔

مہوش فاطمہ بٹ...... دینہ‘ جہلم۔ السلام علیکم شہلا آپی! کیسی ہیں آپ؟ امید ہے خیریت سے ہوں گی۔ آنچل اسٹاف اور قارئین کو میرا سلام بڑے عرصے بعد شرکت کررہی ہوں آئینہ میں وجہ آنچل دیر سے ملتا ہے آنچل کے تمام سلسلے اچھے جارہے ہیں میرا فیورٹ ناول میری پسندیدہ رائٹر کا ”شب ہجر کی پہلی بارش“ ہے۔ نازیہ آپی سے درخواست ہے کہ وہ زیادہ لکھا کریں ادھر کہانی شروع ہوئی اور ادھر ختم‘ پلیز زیادہ صفحات لکھا کریں نازیہ آپی! اقرأ آپی کا نیا سلسلے وار ناول شروع ہوچکا پڑھ کر تبصرہ کروں گی۔ راحت آپی ”موم کی محبت“ کا اچھا سا اینڈ کردیں پلیز اور ”چراغ خانہ“ میں رفعت آپی آپ پلیز دانیال اور پیاری کو الگ مت کرنا ورنہ میں ناراض ہوجاؤں گی اور مجھے یاد ہی نہیں رہا میری طرف سے سب کو عید الاضحیٰ مبارک ہو اور میں تعارف بھیجنا چاہتی ہوں‘ کتنا انتظار کرنا پڑے گا اللہ حافظ۔

منیبہ نواز...... صبور شریف۔ السلام علیکم شہلا آپی! آنچل اسٹاف اور تمام قارئین کو عقیدت مندانہ سلام‘ دو سال کی غیر حاضری کے بعد ایک بار پھر سے حاضر ہوں۔ سب سے پہلے تو سمیرا جی کو مبارک باد ”ٹوٹا ہوا تارا“ مکمل ہونے پر۔ نازیہ آپی کا ”شب ہجر کی پہلی بارش“ بھی بہت اچھا جارہا ہے۔ ”تیرے نام کردی زندگی“ اس دفعہ ٹاپ پر تھا‘ واقعی عائشہ نور محمد آپ کا لکھنے کا انداز منفرد ہے ویل ڈن۔ ہمارا آنچل میں مجھے صائمہ حجاب سے مل کر اچھا لگا ویل ڈن صائمہ! اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے ارادوں میں کامیابی عطا فرمائے۔ بیاض دل میں اپنی شرکت نہ دیکھ کر دل ٹوٹا خیر شاید لیٹ تھی اور آخر میں پروین افضل شاہین کو سلام آپ تو مجھے بھول گئی تھیں مگر میں آپ کو ہر دفعہ ضرور پڑھتی ہوں‘ صوبیہ نارس‘ نوشابہ‘ اقرأ‘ آفرینش‘ مہوش کو سلام اینڈ الحفیظ الامان۔

مدیحہ نورین مہک...... برنالی۔ السلام علیکم! 23 کو آنچل ملا اور بہت ہی خوشی ہوئی ٹائٹل بھی اچھا تھا۔ حمد و نعت اور در جواب آں سے ہوتے ہوئے عید سروے کے بقایا حصے کی طرف آئی جہاں اپنا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی‘ دل گارڈن گارڈن ہوگیا پھر بیاض دل کھولا اپنا انتخاب دیکھا خوشی ہوئی اور بیاض دل میں طلعت نظامی‘ نورین انجم‘ ارم کمال‘ طیبہ نذیر کے اشعار بہت اچھے لگے۔ ڈش مقابلہ میں جویریہ ضیاء کی ڈش ”ایگ بریڈ“ پسند آئے۔ نیرنگ خیال میں سب کی شاعری بہت اچھی تھی‘ عمدہ لاجواب۔

یادگار لمحے میں پیار لوں، انتخاب شاہ تحریر تھا۔ رابعہ ذیبی، راشدہ، مسکان جاوید کے انتخاب پسند آئے۔ آئینہ میں سب کے تبصرے بہت اچھے تھے شمائلہ آپی تو اپنی ہی محفل جمائے بیٹھی تھیں میرے بغیر ہی افسوس۔ سلسلے وار ناولز کے بعد عائشہ نور محمد کی تحریر دیکھ کے دل خوش ہوگیا' واہ اور افسانے سب کے اچھے تھے۔ صائمہ قریشی کی تحریر ''عید کے رنگ اناڑی پیا کے سنگ'' مزے کی تھی' باقی تمام قارئین کو بہت سارا اسلام اور دعا ہے ہمارا وطن تمام ناگہانی آفات سے بچا رہے آمین۔

تمنا بلوچ...... ڈی آئی خان۔ السلام علیکم! جناب کیسی ہیں آپ سب؟ ہلکتی تو اچھی ہی ہیں باقی خدا جانے۔ شہلا آپی بڑے عرصے بعد آپ کی محفل میں تشریف فرما ہوئے ہیں۔ ہاں تو جناب بات ہوجائے آنچل کی تو اس بار 29 کو ملا' سب سے پہلے سروے دیکھا تو فوراً خود کی تلاش میں نظریں دوڑائیں مگر یہ کیا ایک دو تین اور پھر آخر (8) پا کے تلاش ختم ہوئی ویسے کیا خیال ہیں آپ سب کے' ہم کافی جگمگا رہے تھے پوری محفل میں (آہم)۔ پھر ''چراغ خانہ'' کی طرف بڑھے جہاں پیاری اور دانیال کے نکاح کی خوشی ہوئی وہیں مشہود بھائی کی واپسی پہ خوشی دگنی ہوگئی پھر نازی آپی کا ''شب ہجر کی پہلی بارش'' پڑھا سدید بھائی کی موت کا بڑا دکھ ہوا دعا ہے کہ اللہ کرے وہ زندہ بچ جائے' آمین۔ اس کے بعد عائشہ نور محمد کا ناول ''تیرے نام کردی زندگی'' پڑھا' مزہ آیا' اچھا ناول تھا پھر فاخرہ گل کا ''ذرا سکرا میرے گمشدہ'' اچھا تھا۔ سباس گل کا افسانہ ''چاند چندا اور چاندنی'' پڑھا اور ''عید ہوگئی زندگی'' نظیر فاطمہ کا ناول بھی' سب اچھی تحریریں تھیں۔ دوست کا پیغام آئے میں سبھی کے پیغام اچھے تھے۔ نجم باجی آپ نے مجھے یاد رکھا بہت شکریہ۔ یادگار لمحے واقعی زبردست تھے ہر بار کی طرح کسی ایک کی تعریف باقی کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ کام کی باتیں تو کام کی تھیں' باقی ابھی زیر مطالعہ ہے اور اقرا صغیر جی آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے میری نظم کو اتنی عزت دی اسے اپنے ناول میں شامل کرکے آپ کی بہت ممنون ہوں' بہت شکریہ۔ سمیرا آپی آپ کی کمی بہت محسوس ہوئی پلیز جلدی سے انٹری دیں' اچھا جی اب اجازت زندگی رہی اور اللہ نے چاہا تو پھر ملاقات ہوگی' اللہ حافظ۔

حمدہ چوھدری...... گجرات۔ السلام علیکم! آپ ہمیں پہچان گئی ہوں گی مدیرہ آپا! جی ہم حمدہ ہی ہیں۔ تمام پڑھنے والوں کو ڈھیر سارا پیار' اس دفعہ سارا آنچل ہی خوب صورت تحاریر سے سجا ہوا تھا لیکن جو تحریریں دل کو چھو گئیں جو دل کے قریب محسوس ہوئیں وہ ہیں ''خیانت'' ویل ڈن رضوانہ جی آپ نے عورت کے جذبات واحساسات کو مختصری کہانی میں پرو دیا یقیناً یہ ایک اچھی رائٹر ہونے کی نشانی ہے۔ مرد عورت کو وہ محبت نہیں دے سکتا جو ایک عورت مرد کو دیتی ہے۔ مرد عورت کو تحفظ تو دیتا ہے پھر بھی عورت مرد کی طرف سے عدم تحفظ کا شکار رہتی ہے تو یہ ایک مرد کا ہی قصور ہے کیونکہ وہ اپنے عمل سے عورت کو منتشر کردیتا ہے۔ دوسری کہانی ہے پیاری سی رائٹر فاخرہ جی کی' فاخرہ آپ ہمیشہ ایک باپ اور بیٹی کی محبت پر شاندار لکھتی ہیں تو یقیناً یہ آپ کے والد محترم کی بے پناہ شفقت اور محبت کی وجہ سے ہے۔ دوسری طرف آپ نے باپ کو اصول پسند دکھایا ہے یقیناً اس کی کوئی وجہ ہوگی کہ ایک بیٹی کے لیے تو باپ محبت کا سمندر ہے تو دوسری بیٹی کو چند قطرے بھی میسر نہیں یقیناً کوئی ریزن ہے۔ جو کہانی کے آگے بڑھنے پر پتا چلے گا۔ ''چراغ خانہ'' بہن بھائی کی ایک دوسرے کے لیے محبت دیکھ کر دل بھر آیا۔ رشتوں میں محبت ضروری ہے ورنہ دیمک کی طرح رشتے کھوکھلے ہوجایا کرتے ہیں۔ ''شب ہجر کی پہلی بارش'' بہت اچھی طرح آگے بڑھ رہا ہے' اب بات کرتے ہیں ''چاند چندا اور چاندنی'' سباس گل جی نے بہت اچھا لکھا۔ زندگی میں دولت ہی سب کچھ نہیں بلکہ محبت سرفہرست ہوتی ہے' باقی سلسلے بھی بہت اچھے تھے۔ حرا قریشی جی واقعی ہم ایسا کہاں سے لائیں جو صرف ملک کے لیے کام کرے نا کہ ملک اس کے لیے کام کرے۔ ہمارے حکمران عجیب ہیں' پہلے حکمران قوم کی خدمت کرتے تھے اب قوم حکمرانوں کی خدمت کرتی ہے' اللہ رحم کرے' دعاؤں اور محبتوں میں یاد رکھیے گا' اللہ حافظ۔

بی بی اسماء...... راولپنڈی۔ السلام علیکم! پریوں کے سچے موتیوں جیسے الفاظ سے سجے آئینہ میں اپنا نام سرفہرست پا کر ہم پر تو شادی مرگ کی سی کیفیت طاری ہوگئی تبصرہ حاضر ہے۔ ٹائٹل پر براجمان ماڈل کی بندیا نے تو دل باندھ لیا۔ درجواب آں میں اپنے ادھورے نام مقام نے جہاں مایوس کیا وہاں اتنی ادبی وعلمی شخصیت کے الفاظ ہمارے دل کا چراغ بن گئے' ہم تاحیات موصوفہ کے احسان مند رہیں گے' گاہے بگاہے رہنمائی کے لیے۔ قسط وار سلسلوں میں نازیہ سے انصاف کی اپیل ہے تو راحت وفا کوئی تو پھول کھلا۔ ''چراغ خانہ'' دانیال کی جسارت نے جہاں حیران کیا وہیں مشہود میاں کی واپسی خوشی کا موجب تھی۔ عالی جاہ سے ہمیں کوئی گلہ نہیں اتنی اچھی بازی ہار کے اتنا جلاپا تو بنتا ہے ناں۔ باقی عائشہ نور محمد نے اپنے نام کی لاج رکھ لی اور میرے حبیب بے نیاز حرا قریشی کی تحریر نے من آنگن میں روشنی کردی۔ حرا میری جان وہ ان جیسوں کو صدیوں میں پیدا کرتا ہے اور بے مثل بناتا ہے' ایسے محمد علی جناح بھی بے مثل ہیں۔ خوب' بہت خوب آج کے جوانوں میں ان کے لیے محبت ملک کے لیے کم از کم حوصلہ افزا ہے اور تحریر کے پُراثر اور

پُرتاثیر الفاظ پر عزیزی یاد رہا آپ کو بہت مبارک باد۔ اب اجازت چاہیں گے اگر آپ کی تحریریں یونہی رہیں تو یہ جاذبیت بھی بڑھتی رہیں گی اللہ کی امان میں۔

☆ ڈیئر سائمہ! آپ کا تبصرہ پسند آیا آئندہ بھی یہ جسارت ضرور کیجیے گا۔

ارم کمال...... فیصل آباد۔ پیاری سی شہلا جی! سدا ہنستی مسکراتی رہیں آمین۔ السلام علیکم! امید ہے خیریت سے ہوں گی آنچل کا شمارہ بروقت ملا۔ ٹائٹل کچھ خاص تاثر نہیں قائم کرسکا۔ سلسلہ وار ناول "موم کی محبت" نے دوبارہ جگہ بنانی شروع کردی بہرحال شرمین بی! اب بس کریں عارض کو معافی دے دیں۔ "چراغ خانہ" ٹاپ آف دی لسٹ جارہی ہے پیاری اور دانیال کے نکاح کی مجھے ان دونوں سے زیادہ خوشی ہوئی اور خوشیوں دوبالا کرتے مشہود صاحب بھی آن پہنچے۔ آنچل کے تمام سلسلے مجھے بہت پسند ہیں' آنچل کی کہانیاں ہمارے کردار کی تعمیر کا کام کرتی ہیں اللہ کرے ہمارا آنچل ہمیشہ چمکتا' دمکتا رہے آمین۔

ارم ناز...... مشرف کالونی' کراچی۔ السلام علیکم! آپ اور تمام بہنوں کو بہت سلام ہر ماہ بہت سال سے آنچل کو پڑھتے تمام بہنوں کے لکھے خطوط پڑھتی ہوں لیکن آج پہلی مرتبہ شرکت کی۔ سب سے پہلے حمد و نعت سے دل منور کرتے ہوئے اپنے پسندیدہ ناول "شب ہجر کی پہلی بارش" پڑھا ویل ڈن نازیہ بہن! اس کے بعد فاخرہ گل "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" ناول میں جلوہ گر نظر آئیں اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے کیونکہ فاخرہ میری پسندیدہ رائٹر ہیں پھر ایک دم افسانوں کی طرف بھاگے مجھے مختصر لیکن سبق آموز پُراثر افسانے بے حد پسند ہوتے ہیں۔ راشدہ رفعت "نہلے پہ دہلا" مسکرانے پر مجبور کرگئیں کہ ہر مرتبہ غلطی پر خاموشی بھی صحیح نہیں۔ "دل بدل دے" میں عروسہ عالم واقعی اگر آپ سیدھے راستے پر ہو تو بالآخر کامیابی آپ کا مقدر بن ہی جایا کرتی ہے کا سبق دیتی آپ بہت اچھی لگیں۔ بقیہ کا مطالعہ باقی ہے اس کے علاوہ تمام سلسلے بھی پسند آئے اس کے ساتھ ہی اجازت چاہوں گی اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر ارم! خوش آمدید۔

انعم...... برنالی۔ آنچل فرینڈز کو میرا سلام اس دفعہ آنچل 24 کو ملا۔ ٹائٹل بالکل اچھا نہیں تھا' سوری۔ یادگار لمحے میں سباس گل کا چلی سوں اچھا رہا۔ امشاج جنت کی تلخ حقائق پسند آئی پری طور' نزہت جبین' مریم منور بٹ اور سار یہ چوہدری کی باتیں پسند آئیں۔ نیرنگ خیال میں سحر کرن شہزادی' صبا الیاس' تمثیلہ الیاس اور مدیحہ مدو کی غزلیں پسند آئی۔ بیاض دل میں نبیلہ ناز' فوزیہ سلطانہ نادیہ احمد اور مدیحہ نورین مہک کی شاعری پسند آئی۔ افسانے سارے ہی اچھے تھے مگر چاندرات کی کیا ہی بات ہے۔ ناولٹ میں "عید کے رنگ اناڑی پیا کے سنگ" ویری نائس' باقی ناولٹ بھی زبردست تھے۔ "موم کی محبت" ابھی پڑھا نہیں سو سوری' مکمل ناول میں "تیرے نام کردی زندگی" ویری ویری نائس۔ "چراغ خانہ" بھی اچھا رہا' باقی تمام سلسلے بھی اچھے تھے دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

لائبہ میر...... حضرو۔ السلام علیکم اہل پاکستان! دعا ہے آپ سب ہمیشہ ہنستے مسکراتے رہیں آمین۔ غالباً چار ماہ کے بعد شرکت کررہی ہوں آنچل میں بہت سی دوستوں نے یاد رکھا سو آپ کی بے حد مشکور ہوں اگر اپنے حال احوال سے آگاہ کروں تو گزشتہ تین ماہ نہایت ناگوار اور کٹھن گزرے کہ 21 اپریل کو میرے ابو کی ڈیتھ ہوگئی اور کیا کہوں تو اب یاد دعاؤں کی زیادہ ضرورت ہے تو یاد رکھنا اور مدیرہ جی آپ سے تو میں بڑی ناراضگی کی تیاری میں ہوں (بنتی ہے نا)۔ اب منیجمنٹ سے کچھ فرمائشیں کرلیں تو ام مریم کے دو سلسلے وار ناولز میں سے ایک کو آنچل میں ہونا چاہیے پلیز اور نمرہ احمد سے ایک طویل سلسلے وار ناول لکھوائیں آنچل کے لیے۔ اب تبصرے کی طرف چلیں میں نے جب سروے کے سوالات پڑھے تو کچھ مزہ نہیں آیا تھا لیکن پہلے حصے کے جوابات دلچسپ تھے سب بہت اچھے لگے۔ صائمہ قریشی کے زیادہ اچھے تھے اور تعارف میں صائمہ حجاب سے مل کر اچھا لگا میرا ابھی لگا ہی دیں اب۔ "تیرے نام کردی زندگی" لمبی اسٹوری تھی اور اچھی تھی۔ "چراغ خانہ" میں دانیال پیاری کے پیچھے اور تیری خیر ہو اگر مشہود نے دیکھا تو مزہ آئے گا اُف۔ "نہلے پہ دہلا' چاندرات' خیانت' دل بدل دے" اچھی اور "موم کی محبت" میں عارض کی باتیں یعنی ڈائیلاگ بہت برے لگتے ہیں۔ ہلکے پھلکے سے اور شرمین کو بھی دل کرتا دو تین تھپڑ لگاؤں کے یار کوئی فیصلہ کرلو اور نازیہ آپی سدیہ کا گزشتہ قسط میں بھی پڑھا تھا بہت افسوس ہوا نجانے ایسے کتنے ہی ہیرو ہیں ہمارے ہم جن کے ناموں اور قربانیوں سے ناواقف ہیں اس ناول میں یار فاتحلی! زاویار میرا پسندیدہ کردار ہے اور لیکن اس کو کیوں دو لوگوں میں پھنسایا ہوا ہے پہلے صمید حسن نے جھوٹ کا سہارا لیا اور اب مریہ رحمٰن بڑھا چڑھا کر پیش کررہی ہیں لیکن ہاں الجھے ہوئے مسئلے اتنی آسانی سے سلجھتے بھی کب ہیں اور عبدالہادی شہزاد کو درست کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ امید ہے خود ہی لائن پر آئے گا اور صائمہ قریشی جی پلیز اگر مائنڈ نہ کریں تو بڑی معذرت کے ساتھ یہ کہوں گی کہ "اناڑی پیا دن" زبردست تھی جبکہ ٹو اور تھری نارمل سی لگی ہیں تو بقول آپ کے کچھ پارٹ ابھی باقی ہیں تو ان پر خصوصی توجہ دیجیے گا چونکہ حسنین

اور فاطمہ [illegible] میں [illegible] پسند [illegible] تھوڑی سی بور بھی لگی امید ہے آگے دلچسپ ہوگی آپ کی دوسری تحریروں کی طرح اور سباس گل آپ کا اینڈ فٹ تھا اور پوائنٹ کے حوالے سے آخری پیراگراف زبردست بھی کہ میچنگ میچنگ کی رٹ لگائے رکھنے والی لڑکی ان میچڈ بے جوڑ شادی کرنے جارہی ہے واؤ...... فنٹاسٹک یار! ''عید ہوگئی زندگی'' میں حنان پر پیار آیا اور فریحہ پر غصہ پاگل کہیں کی بٹ چلو اب آگئی عقل تو خدا سلامت رکھے میرے سمیت آمین اور حرا قریشی یار بہترین قائد سے ہم سب کو بہت بہت پیار ہے۔ ہر پاکستانی ایسے لیڈر پر فخر کرتا ہے اللہ پاکستان کو مزید ایسے لیڈروں سے نوازے جو کہ ناممکن ہی لگتا ہے کہ قائد جیسے عظیم انسان صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں لیکن اللہ کے ہاں کچھ بھی ناممکن نہیں سو ہمیں مانگتے رہنا چاہیے۔ اور یار تم سب کو عید الاضحیٰ مبارک ہمیشہ خوش رہو پھر ملیں گے ابھی کے لیے اللہ حافظ۔

☆ لائبہ! اللہ تعالیٰ آپ کے والد کی مغفرت کریں اور ان کے درجات کو بلند کر کے ان کو جنت عطا کریں آمین۔

فریدہ فری...... لاہور۔ سویٹ شہلا جی السلام علیکم! اگست کا آنچل ملا ٹائٹل اچھا لگا اس مرتبہ ہماری شاعری نہیں لگی میں بہت سخت بیمار ہوں یہ خط بھی ہسپتال سے لکھ رہی ہوں۔ سب قارئین اور رائٹرز میرے لیے دعا کریں شکریہ۔ افسانوں میں ''چاند چندا اور چاندنی'' نے کمال کر دیا واہ سباس گل جی آنچل میں چار چاند لگا دیئے۔ ''تیرے سوا نہیں دیکھا'' نزہت جی بہترین افسانہ لے کر آئیں۔ رضوانہ پرنس تو افسانوں کی ملکہ عالیہ ہیں کیا کمال کا لکھتی ہیں خوش رہیں بہت بہت سلام دعا۔ ''دل بدل دے'' اور ''چاندرات'' بھی اچھی تحریریں تھیں۔ باقی ناول اور ناولٹ ابھی پڑھنا باقی ہیں دوست کے نام ہم نے بھیجا تھا پیغام مگر شائع نہ ہوا۔ نیرنگ خیال میں راشد بھائی کی غزل عارفانہ یاسمین کی شاعری اور تمثیلہ لطیف کی شاعری پسند آئی۔ مدیحہ کی غزل بھی پسند آئی اچھا جی سب کو سلام دعا اور پیار۔

☆ ڈیئر فریدہ! اللہ آپ کو صحت و تندرستی عطا فرمائے آمین۔

ثانیہ مسکان...... گوجر خان۔ سلام ٹو آل پاکستان میری جانب سے پورے پاکستان کو یوم آزادی مبارک ہو۔ اللہ میرے ملک میں امن قائم رکھے آمین۔ بھئی اس ماہ تو کوئی ناول ناولٹ افسانہ یا سلسلہ نہیں مجھے تو بات کرنی ہے صرف دی موسٹ بیسٹ ''ٹوٹا ہوا تارا'' کی۔ امیزنگ آپی! شاندار اختتام پر بے حد مبارک باد۔ اس ناول نے آغاز سے لے کر اختتام تک اپنے سحر میں جکڑے رکھا اور اب جب اختتام ہوچکا ہے اس کا سحر اب تک ویسے ہی برقرار ہے۔ ولید اور انا میرے فیورٹ کردار ہیں روٹھتے لڑتے جھگڑتے اور بچھڑتے ہوئے دونوں مل ہی گئے۔ بہت اچھا لگا جس طرح آپ نے کردار کے ساتھ انصاف کیا اور کہیں کوئی کمی نہیں چھوڑی لائق تحسین ہے۔ مصطفیٰ شہوار عباس رابعہ اور فیضان لالہ رخ کی بھی اینڈنگ۔ آپی آپ یہ جادوگری اسی طرح جاری رکھیے اور جلد ایک نئے شاہکار کے ہمراہ آنچل کے صفحات پر جلوہ گر ہوجائیے کیونکہ آپ سے زیادہ دن کی دوری مجھے تو گوارہ نہیں پاکستان زندہ باد پاک فوج پائندہ باد اللہ حافظ۔

حرا قریشی...... بلال کالونی ملتان۔ شب کا فسوں بکھیرتے چپ کی چادر اوڑھے فلک اس کے تابندہ ستاروں اور چاند کی چاندنی کے سنگ صاحب من حرا یار من سے مخاطب ہے۔

چوم لیتا گر میں پاتا دستِ نقاش ازل
صفحۂ عالم پہ کس کس رنگ کی تصویر ہے......!

جس طرح چاند شب کی تیرگی کو چہار سو نور عطا کر رہا ہے جس طرح سورج سربہ کائنات کو مساوی طور پر اپنی کرنوں سے جلا بخش رہا ہے جس طرح جمادات و نباتات تک ہر شے قرینے میں ڈھل رہی ہے جس طرح ہوا کے رخ متعین ہیں وہ بادلوں کو لاتی اور دھرتی کی پیاس بجھا کر ہر ذی روح کو پرسکون امن سے پرفضا عطا کر رہی ہے بالکل اسی طرح یار من (آنچل) سوچنے والا ذہن فکر کی دل آویز نظم اور اوراق کے قرینے میں مخفی ادراک کی بھرپور چاشنی و تشنگی علم بڑھانے علم پھیلانے اور علم سے عمل کی طرف لانے والوں کو مستقبل میں اپنے آپ کو منوانے کا سلیقہ زیست مہیا کر رہا ہے پھر جو اس جریدے میں عیاں تحریروں کا حسن ہے وہ قابل رشک انداز میں قاری کو بدل رہا ہے۔ چاندنی کس کے تبسم کی در آئی اس میں......! عائشہ نور محمد آپ کا اسم محبتوں کے دیار میں پہلے ہی جانا جاچکا ہے ''تیرے نام کردی زندگی'' کو دیکھا اس دیار کی روشنی جگا چوند بڑھ گئی۔ ستائی کا غیبی کردار تحریر میں رنگ بھرتا رہا۔ پارس نے نہ صرف ولید طوبیٰ کلثوم عالم شاہ کا دل جیت لیا بلکہ عفنان شاہ کے دل کی بھی فاتح بن گئی جہاں خلوص سے لبریز رشتوں میں وفا کی سوندھی مٹی شامل ہوجائے وہاں بس محبت اگتی ہے۔ پارس کی ناک اور لونگ دونوں نے لطف در لطف قاری کو کشیدہ جان کیا اتنی پیاری تحریر...... آفرین! ''عید ہوگئی زندگی'' عزت نفس کے عمدہ سبق سے لبریز بھی۔ بری عادتی ہو یا نظروں کا بہت کچھ برا یکھنا دونوں ہی انسان کو کہیں کا نہیں رہنے دیتے پھر ضمیر کی دہلیز پر صدا دو تکیں جاری رہتی

ہیں بالکل ایسا ہی فریحہ کے ساتھ ہوا شکر کہ حنان نے بھائی کا اعتبار کیا کہ جب اعتبار کی بھیلیاں بکھر جائیں اور بکھیرنے بھی جان سے عزیز ترین ہستی تو شدید درد لاحق ہوتا ہے بہر کیف توبہ کا در کھولا اور فریحہ کو حسن نیت کی توفیق ہوئی سو باقی سب کے رویوں میں بھی بعد معافی تلافی لچک آ گئی "صرف پاک باز عورت پر تہمت لگانا ہی گناہ نہیں ہے بلکہ پاک باز مرد پر تہمت لگانا بھی اتنا ہی بڑا گناہ ہے" تحریر کے کوزے میں یہ خوب پیغام تھا عجلت اکثر ہی مروا تی ہے۔ آہا! جی آیاں نوں سیاں جی میٹھی عید اور نمکین سویوں سا "چاند چندا اور چاندنی" آپ لے کر آئیں بہاروں نے پھول برسائے اور خوشی کے گیت گائے بے جوڑ تعلق بے جوڑ خوشیاں بے جوڑ خواب عنایت کرتے ہیں۔ چندا کے لیے خدا بخش کا جوڑ ایسا ہی تھا پھر اگر روپیہ پیسہ ہی سکون و اطمینان کا باعث ہوتا تو غربا کی جھونپڑیوں سے کبھی بچوں کے قہقہوں کی آوازیں نہ آتیں۔ "دل بدل دے" عروسہ عالم کی تحریر ان تمام لوگوں کے لیے معاون ہوئی جو کامیابی کے اور نماز و دیگر عبادات سے غفلت برتتے ہوئے ہیں۔ دولت کے زعم میں انہیں عیش و نشاط سے بھرپور لذتیں تو یاد ہیں مگر وہ دینی احکامات کو یکسر بھولا چکے ہیں۔ چاندنی کی آمد ہر ایک کے لیے ہدایت کا روزن ثابت ہوئی ویل ورک ڈیئر عروسہ جی! راشدہ رفعت کی تعریفیں کب سے سنتے آ رہے ہیں۔ "نہلے پہ دہلا" کو پڑھا تو فی الفور ستائش کے بلند و طاق پر رکھ دیا ساسوماں کی طنزیہ نقاط سے بھری گفتگو ہما کے لیے جلتی پر تیل کا کام کرتیں بالخصوص اس وقت جب اپنے رو برو ہوتے۔ وہ تو شاز مین کی تشریف آوری نے انہیں دن میں تارے دکھائے اور نہلے پہ دہلا والا کام ہو گیا خوب تر! راشدہ جی۔ "چاندرات" طلعت نظامی کی تحریر بھی عمدہ سبق کا پیش خیمہ تھی اس تحریر کی ورق گردانی کرتے پنجابی زمیندار کی کہانی یاد آ گئی جو دنیا دکھاوے کی مد قرض کے وبال میں جکڑا جاتا ہے۔ زہرہ بیگم کے ڈیڑھ لاکھ روپے نے تو کرشمہ ہی کر دیا واللہ بیگم ہو تو ایسی! گڈ جاب۔ رضوانہ جی کی تحریر نام "خیانت" کے اندر گہرا اسرار لیے ہوئے بھی پھر قابل ذکر کیونکر نہ ہوتی بھلا! یہ مدعا آج پہلی دفعہ سمجھ آیا کہ اپنی ایک عدد خوب صورت تعلیم یافتہ بیوی کے ہوتے ہوئے بھی حضرت مرد دوسری خواتین کو یک ٹک کیوں تاکتے رہتے ہیں۔ خوب پلاٹ خوب کہانی اور خوب قلم کار! نزہت آپی کی خوبیوں کے تو آہستہ آہستہ قائل ہوتے جا رہے ہیں۔ "تیرے سوا نہیں دیکھا" تفکر کا پہلو لیے احسن تحریر تھی۔ اگر کسی لڑکی کو طلاق ہو جائے عین شادی پر کوئی مر جائے تو جانے کیوں اسے منحوس اور نحوستی جیسے القابات سے نواز دیا جاتا ہے ایسی تحریریں سوچ کا دائرہ صحیح سمت موڑ سکتی ہیں۔ بریو لو! "ورا مسکرا میرے گمشدہ" پہلی قسط ہی خوب تھی مزید ہم منتظر فردا اناڑی پیا کے سنگ رس ملائی کی ترکیب اور نادانی بہت محظوظ ہوئی۔ عید سروے پڑھتے ہمیشہ ہی مزا آتا ہے۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" اور "چراغ خانہ" بہترین انداز میں چل رہی ہیں۔ رب سوہنا قلم کا روپ اور نکھارے آمین۔ "ہمارا آنچل" میں آنچل لہراتی ماہ جبینوں سے ملے اچھا لگا۔ "دانش کدہ" کسی بھی طرح اپنی اہمیت کم ہونے نہیں دیتا۔ "در جواب آں" میں مہناز تحریم رابعہ افتخار اور حرا قریشی کا نام دیکھ کر خوشی ہوئی۔ شمائل کے جواب "ہم سے پوچھیے" کی بدولت خوب دل بہلاتے رہے۔ ہم بھی پڑھ کر مسکراتے رہے آئینہ میں رانی مہناز کنول شمع فرحت اور کوثر ناز نے بزم کا رنگ جلترنگ بنا دیا۔ یادگار لمحوں سے موتی اکٹھے کیے اور دوست کا پیغام کے بحر میں اپنے نام کے سیپ کی جستجو کی۔ تحریم نے یاد رکھا اس محبت کے لیے شکریہ۔ نیرنگ خیال عید کے رنگوں سے مزین تھا اور ڈش مقابلوں کی تو بات ہی کیا ہے سدا شاد آباد رہیں آمین۔

شبنم...... گوجر خان، ای میل۔ السلام علیکم! اس دفعہ کا آنچل کا ٹائٹل بہت پسند آیا۔ سب سے پہلے نازیہ کنول کے ناول کی طرف آئی اور یہ قسط بھی پچھلی قسط کی طرح بہترین تھی مجھے لگتا ہے سدید زندہ ہوگا دیکھتے ہیں کیا بنتا ہے۔ بہرحال نازیہ بہت اچھا آگے بڑھا رہی ہیں۔ پھر رفعت سراج کا ناول پڑھا اس دفعہ کی اسٹوری بہت دلچسپ تھی اور عائشہ نور جب آئیں چھا گئیں ناول زبردست تھا پھر جب اناڑی پیا کا نیا سلسلہ دیکھا پڑھ کے بہت لطف آیا! اسپیشلی ہیرو کا اینڈ پر مہندی لگانا صائمہ جی یہ تو بڑا یونیک کام کروا لیا۔ فاخرہ گل نئے ناول کے ساتھ انٹری بڑی خوشگوار لگی اور پہلی قسط نے دل کو جکڑ لیا اور افسانے بھی اچھے تھے اسپیشلی "چاندرات" طلعت نظامی کی حقیقت پسندی بہت اچھی لگ رہی تھی باقی سب سلسلے اچھے تھے۔ پہلے اپنی سسٹر زوجیہہ ارشاد کے ساتھ تبصرہ کرتی تھی اس دفعہ سوچا کیوں نہ آنچل میں تبصرہ بھیجوں اور زوجیہہ کو حیران کر دوں ان شاء اللہ اب حاضر ہوتی رہوں گی اللہ حافظ۔

☆ اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے وطن سے محبت کرنے والا بنا دے اور پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلامی ریاست بنائے آمین۔

aayna@aanchal.com.pk

ہم سے پوچھیے

شمائلہ کاشف

آصفہ قیصرانی......شادن لنڈ

س: آپی کیا آئنسٹائن اور ویلنٹائن ڈے بھائی بھائی تھے؟

ج: نہیں دونوں میں بہنوئی اور سالے کا رشتہ تھا۔

س: لگی مرغی پہلے پیدا ہوئی تھی یا انڈا؟

ج: تمہیں اس سے کیا، پہلے مرغی کھالو پھر انڈا فرائی کر کے وہ بھی کھالو پیٹو۔

س: آپ ہر وقت ”زعفران کا کھیت“ کیوں بنی رہتی ہیں؟

ج: تم جو کریلے کے کھیت سے کریلے چرا چرا کر کھاتی رہتی ہو کڑوی کریلی۔

بختاور افتخار......عارف والا

س: آپی کنجوس خوش آمدید تو کہہ دو؟

ج: کوئی زور زبردستی ہے کیا، نہیں کہتے کرلو جو کرنا ہے ہنہہ۔

س: آپی کہا جاتا ہے کہ عقل بڑی کے بھینس، مجھے تو بھینس ہی بڑی لگتی ہے کیا خیال ہے؟

ج: تم جیسی عقل کی اندھی کو بھینس ہی بڑی لگے گی اب اس کی قربانی مت کر دینا۔

س: بھینس بھاں بھاں کیوں کرتی ہے؟ انسانوں سے انسان کی زبان میں بات کیوں نہیں کرتیں؟

ج: ویسے جو بات تم کر رہی ہو مجھے تو وہ بھی انسانوں والی نہیں لگ رہی بھاں بھاں ہی..........

س: اچھی سی دعا دیں، خصوصاً رزلٹ کے بارے میں کہ اچھے نمبر آئیں اللہ حافظ۔

ج: اللہ کرے اس مرتبہ تم اگلی کلاس میں دھکے سے پہنچ ہی جاؤ ورنہ......اللہ کامیاب کرے آمین۔

ارم کمال......فیصل آباد

س: اکثر جو ہم سوچتے ہیں وہ ہوتا کیوں نہیں اور جو نہیں سوچتے وہ ہو جاتا ہے کیا وجہ ہے؟

ج: تم اپنے دماغ پر اتنا زیادہ زور مت ڈالو یہ سوچ سوچ کر کہیں وہ اس عمر میں تمہارا ساتھ چھوڑ نہ دے تو کیا جاؤ گی۔

س: یہ شوہر حضرات کو دوسروں کی بیوی ایشوریہ اور اپنی بیوی ماسی کیوں لگتی ہے؟

ج: تم ماسی والے حلیے میں رہو گی تو تمہیں سب ماسی ہی سمجھیں گے ناں پھر کب آ رہی ہو یہاں کام کرنے۔

س: چاند تاروں سے بھی حسین، پھولوں سے زیادہ معطر بھلا کون، جلدی سے بتایئے؟

ج: میں اور کون بس اب برے برے منہ مت بناؤ۔

س: شمائلہ جی اردو میں بتایئے یہ عشق کا وائرس حملہ کرے تو دفاع میں کیا کرنا چاہیے؟

ج: اسی لیے کہتے ہیں صفائی کا خیال رکھا کرو اب لگ گئے ناں اس بیماری کے وائرس۔

س: پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑاہی میں کب ہوتا ہے؟

ج: جب میاں جی کی ساری تنخواہ مٹھی میں آ جائے۔

طیبہ نذیر......شادیوال گجرات

س: آپی آپ نے مجھے مبارک باد نہیں دی بھلا کس چیز کی اگر پتا ہے تو بتا دیں اگر آپ مجھے جانتی ہیں تو؟

ج: مبارک باد دے دی تو پھر سب مٹھائی کے ساتھ دعوت بھی مانگیں گے اور تم ٹھہری سدا کی کنجوس۔

س: زندگی آسان کب لگتی ہے؟

ج: جب میاں آفس سے تھکا ہارا آئے اور دن بھر کے جمع شدہ برتن دھوئے تب۔

جی کنول خان......موسیٰ خیل

س: آداب شمائلہ آپی! پرستان کی شہزادی آپ کی محفل میں تشریف لائی ہے کیا لگا آپ کو؟

ج: ہمیں تو چڑیل لگی جھوٹ کی عادت نہیں مجھے۔

س: آپی جی جھوٹ کے پاؤں کیوں نہیں ہوتے؟

ج: مگر تمہارے تو ہیں ہاتھ بھی پاؤں بھی۔

نورین انجم اعوان......کراچی

س: پھول کھلے نہ کھلے بہار تو ہے
تم آؤ نہ آؤ انتظار تو ہے

ج: کس کا انتظار ہے ابھی تو اپنے رزلٹ کا انتظار کرو باقی سب چھوڑو۔

س: مخلص کون ہوتا ہے اپنے یا پرائے؟

ج: [illegible]

س: میرا دل کرتا ہے کہ آپ کی کرسی غائب کردوں پھر آپ بیٹھیں گی کہاں ہی ہی ہی۔

ج: آپ کی امی کے سر پر ہی ہی۔

شائستہ جٹ...... چیچہ وطنی

س: شمائلہ جی! کیسے مزاج ہیں؟ عید کیسی گزری؟

ج: نہیں بتاؤں گی ورنہ تم میری عیدی میں سے ادھار مانگو گی۔

س: سنا ہے کہ اکیسویں برس میں ہم آنٹی ہوگئے تو پھر آپ جناب کا تو اللہ حافظ......؟

ج: دو سے پہلے آپ ایک عدد کھا گئیں، بیچ میرا اللہ حافظ۔

س: یہ مانو بھی نہ ہر وقت میٹھی ٹافیاں کیوں پسند کرتی ہے؟

ج: تم جیسی بندریا کو دے کر اپنی جان بخشی کروا سکے۔

س: مانو آج کل میرے خلاف ہو رہی ہے بتاؤ کیا کروں؟

ج: تم اس کے خلاف ہو جاؤ اور پھر ایک جنگ شروع کرو جیت کی خبر ہمیں ضرور دینا۔

مہناز یوسف...... اورنگی ٹاؤن، کراچی

س: شمائلہ سب میرے حسن سے جلتے ہیں کیوں؟

ج: اس سال کا سب سے بڑا جھوٹ۔

س: دل دیتا ہے دہائی...... بتاؤ کیا؟

ج: کسی سے تم پیار نہ کرو۔

س: اللہ شمائلہ میرے سر میں دو سفید بال، ہائے اللہ ابھی میری عمر ہی کیا ہے؟

ج: تم نے تو بتائی نہیں سفید بالوں نے ظاہر کردی۔

س: انہیں بھوک بہت لگتی ہے، میں پکا پکا کر تھک جاتی ہوں...... کھانے...... آپ کیا سمجھیں؟

ج: کیا کیا پکا کر ان کا دماغ...... جو بچ ہے وہ ہی کھچی۔

وثیقہ زہرہ...... سمندری

س: آپی میری شادی کیا ہوئی آپ نے پوچھنا ہی چھوڑ دیا ہے؟

ج: پوچھا تھا تمہارے ان سے...... کہنے لگے اللہ بچائے اس چڑیل سے۔

س: میری آمد آپ کو کیسی لگی سچی بتاؤ؟

ج: سچ کہوں گی تو تمہارے سسرال والے میرے حامی ہوجائیں گے اس لیے رہنے دو۔

ج: اللہ تمہیں ساس کو خوش رکھنے کے گر سکھائے آمین۔

شبنم کنول...... پاپا نگری

س: مجھے کچھ نہیں سننا آپ نے کہا تھا کہ اگلی عید پر عیدی دوں گی لیکن اس بار......

ج: چنا چاٹ پر ٹرخا دیا اب منہ بناؤ ہم ایسے ہی ہیں۔

س: آپی بقر عید پر بکرے کی قربانی ہوتی ہے اور چھوٹی عید کس چیز کی قربانی کرتی ہیں۔

ج: عیدی کی قربانی...... بے وقوف۔

س: کبھی کبھی میں سوچتی ہوں آپ کتنی خوب صورت ہوں گی؟

ج: بے انتہا اور اس میں سوچنے والی کوئی بات نہیں۔

س: آپی آپ نے یہ بتایا نہیں کہ آپ کی شادی ہوئی ہے یا نہیں لیکن جیجا جی کا نام ہی بتادیں؟

ج: کیوں تم نے ان سے ٹیوشن پڑھنی ہے کیا۔

س: جا رہی ہوں عید پر بھی کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی ہیں اجازت دیں؟

ج: تم جو یہ مسٹری جیسا میک اپ کرکے آئی ہو میں کیا سب ہی کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔

ام معاویہ...... خوشاب

س: آپی سڑک پر عیدی آپ ہی اکٹھی کر رہی تھی ناں؟ کتنی بنی کہاں خرچ کی؟

ج: لو جی میرا ہاتھ پکڑ کر صدا لگاتی ہوئی تم چل رہی تھیں یہ تو تم بتاؤ۔

عائشہ اے بی...... جھڈو

س: مجھے سرالی ناموں سے تنگ مت کرنا کیونکہ میں سنگل ہوں؟

ج: صحت سے تو ڈبل روٹی لگتی ہو۔

س: کیا مجھ سے دوستی کریں گی؟

ج: تحفے کی شرط پر۔

س: چلتی ہوں آئی تو آپ جانے نہیں دینا چاہتیں مگر دوسروں کا بھی تو نمبر آئے گا نا؟

ج: چلتی ہو تو چلتی جاؤ مگر میرا پرس تو چھوڑ کر جاؤ۔

نجم انجم اعوان...... کراچی

س: شمو رانی یہ ارم کمال صاحبہ کے لفظ "وہ" کا مطلب

آسان لفظوں [illegible] پلیز

ج: جو حور کے ساتھ ہوتا ہے لنگور...... اب اس سے زیادہ آسان الفاظ نہیں اب میرے پاس۔

س: دھم...... دھڑام...... ہائے مرگئی' شمورانی یہ ٹوٹی ہوئی کرسی کیا میرے لیے ہی خاص کر رکھی تھی۔ اب باہر نکالو گی یا یونہی پھنسی رہوں گی' پلیز...... ہائے......؟

ج: یہ آپ کے "وہ" نے بھیجی تھی اور کہا تھا جب میری "وہ" آئے تو اسے اسی پر بٹھائیے گا۔

ریما نور رضوان...... کراچی

س: شمائلہ آپی...... کیسی ہیں؟

ج: بہت ہی حسین وخوب صورت' ویسے آپی کہہ کر عمر چھپا رہی ہو تم چالاکو خانم۔

س: ہمارے سوالات سے کبھی کوفت یا الجھن ہوئی؟

ج: اُف...... پوچھا بھی تو صرف سوالات۔

س: آپی کبھی دل چاہا کہ اب جواب نہیں دینا؟

ج: ایمان سے تمہارے لیے دل چاہا لیکن تم شکایت کر دیتی ہو اس ڈر سے دے رہی ہوں۔

س: آپی سب سے زیادہ کس طرح کے سوالات سے لطف اندوز ہوتی ہیں؟

ج: ڈھنگ کے سوالوں سے۔

ایم فاطمہ سیال...... محمود پور

س: آپی جان کیسی ہیں آپ؟

ج: اب بار بار اپنے منہ سے تعریف کرتی کیا اچھی لگوں گی۔

س: غم دل کو ان آنکھوں سے......؟

ج: چھلک جانا بھی آتا ہے' ہم اب ڈھیٹ ہوگئے ہیں لٹک جانا بھی آتا ہے۔

س: یہ آپ ہمارے سوالوں کے جواب میں ہمیں ساس' نند اور ہونے والے کا حوالہ دے کر چڑانا چاہتی ہیں؟

ج: ایمان سے نہیں بلکہ لوگوں سے اجتماعی دعا کروانا چاہتی ہوں تاکہ تم بے چاری کی بھی کسی بے چارے سے دھوم دھام سے شادی ہوجائے۔

س: آپی! یہ شب غم' تنہائی اور مچھروں کی لڑائی' آخر کیا کریں؟

ج: کھٹملوں سے بھی دوستی کرلو پھر تم سب مل کر آپس میں خوب باتیں کرنا تو تنہائی غم تنہائی سر پر پیر رکھ کر بھاگ جائے گی۔

س: آپی آپ کی ساس بتا رہی تھیں کہ آپ ان کی بڑی حکم عدولی کرتی ہیں؟

ج: جب ہی تو تمہیں بہو بنانے کا سوچتی ہیں۔

انیلہ طالب...... گوجرانوالہ

س: السلام علیکم سویٹ اینڈ کیوٹ سی اپیا جانی پہلی بار آپ کی بزم میں شامل ہوئی ہوں' جلدی سے آٹو گراف دے دیں؟

ج: آٹو تمہارے لیے باہر منتظر کھڑا ہے' لیکن اس میں پوری نہیں آؤ گی تم۔

س: اچھا یہ بتائیں آپ کو کبھی جب ناکامی ملتی تھی تو کیسے ڈپریشن سے باہر نکلتی تھیں؟

ج: کیوں تم امتحان میں فیل ہوئی ہو گی ہو کیا؟

س: مجھے آپ سے ملنے کا بہت شوق ہے' کیسے ملوں؟

ج: خواب خرگوش کے مزے اٹھاؤ۔

س: آخری اور بہت اہم سوال' اپیا کامیاب زندگی کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

ج: کامیاب مرد سے شادی۔

عائشہ رحمٰن ہنی...... ریالی' مری

س: مابدولت شہزادی جہان تشریف لا رہی ہیں' ویلکم کیجیے؟

ج: شہزادی صاحبہ گدھے کی سواری' بہت خوب لگ رہی ہے آپ پر۔

س: ارے ہماری خوب صورتی دیکھ کر حیران رہ گئی نا؟

ج: خوب صورتی نہیں اسے خوف صورتی کہتے ہیں جسے دیکھ کر سب خوف زدہ ہوجائیں۔

س: اُف اتنا کھرا جواب...... کہیں میں نے آپ سے ادھار تو نہیں مانگ لیا آپی؟

ج: تم مانگ بھی نہیں سکتیں کیونکہ پہلے ہی بہت مقروض ہو ہماری۔

نعمان اکرم ملتان سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترم آپ اپنے ذہن کو صحیح رخ پر لگائیں یہ آپ کا ذہنی معاملہ ہے یہ دوا کے بغیر آپ کی اپنی کوشش سے ہی صحیح ہوگا۔

عروسہ باقر ڈیرہ غازی خان سے لکھتی ہیں کہ میں بڑی امید کے ساتھ آپ کو خط لکھ رہی ہوں میں نے مختلف ڈاکٹروں سے کافی علاج کرایا مگر افاقہ نہ ہوا میں امید کرتی ہوں کہ آپ کے علاج سے مجھے اس مرض سے چھٹکارا مل جائے گا۔ مجھے ہلکا بخار رہتا ہے کھانا ہضم نہیں ہوتا، معدے پر جلن رہتی ہے دن بہ دن کمزور ہوتی جارہی ہوں پیٹ میں کیڑوں کی دوائی ڈاکٹر نے دی تھی ایک ہفتے آرام آیا پھر وہی حال معدے کی خرابی کی وجہ سے منہ پر دانے نکلتے ہیں پلیز اس کا علاج بتادیں دوسرا مسئلہ میری امی کا ہے انہیں ہر وقت نزلہ زکام رہتا ہے۔

محترمہ آپ NATRUM PHOS 6X کی چار چار گولی تینوں وقت کھانے سے پہلے کھالیا کریں اور اپنی والدہ کو TEUCRIUM-3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے والدہ کو دیا کریں۔

سکینہ جمیل قریشی بہاولپور سے لکھتی ہیں کہ مجھے بہت سی بیماریاں ہیں مکمل کیفیت لکھ رہی ہوں کوئی علاج بتائیں۔

محترمہ آپ SEPIA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں ان شاء اللہ آپ کی تمام تکالیف دور ہوجائیں گی۔

عائشہ کراچی سے لکھتی ہیں کہ میرا قد پانچ فٹ ہے قد بڑھانے کی دوا تجویز کردیں اور میرے ہاتھ پیر بہت پتلے ہیں اس کا علاج بتادیں۔

محترمہ آپ ALFALFA-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔

محمد نیاز فوجی مانسہرہ سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر بال ہیں اور چہرے پر دانے اور کیل مہاسے بھی ہیں کمر میں بھی اکثر درد رہتا ہے کوئی دوا تجویز کریں۔

محترمہ آپ GRAPHITES-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں مبلغ 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں۔ APHRODITE کی ایک بوتل آپ کے گھر پہنچ جائے گی دو تین بوتل کے استعمال سے چہرے کے فالتو بال ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائیں گے۔

فرحت اقبال ٹانک سٹی سے لکھتی ہیں کہ میرے جسم پر بال بہت زیادہ ہیں خاص کر ٹانگوں پر ہیں۔ آپ پلیز مہربانی فرماکر مجھے کوئی ایسی دوا بتائیں جس سے جسم کے تمام بال ختم ہوجائیں۔

محترمہ آپ OLIUM JAC-3X کی ایک ایک گولی تینوں وقت کھانے سے پہلے کھایا کریں اور 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں ایفروڈائٹ کی ایک بوتل آپ کے گھر پہنچ جائے گی تین چار بوتل کے استعمال سے آپ کے بال ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائیں گے اکثر لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ ایفروڈائٹ کی کیا گارنٹی ہے۔

عبدالرحمان صادق آباد سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں اور دوسرا مسئلہ میری چھوٹی

کزن کا ہے اس کی عمر 14 سال ہے اس کے منہ اور گردن پر بال آرہے ہیں جو کالے ہوتے جارہے ہیں اس کا علاج بتادیں۔

محترم آپ STAPHISGARIA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔ مبلغ 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں ایفرڈائٹ کی ایک بوتل آپ کے گھر پہنچ جائے گی تین چار بوتل کے استعمال سے فالتو بال ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائیں گے۔

اعجاز فاروقی فیصل آباد سے لکھتے ہیں کہ میں اپنے ہاتھوں صحت برباد کرچکا ہوں جس کی وجہ سے بہت سے مسائل پیدا ہوگئے ہیں مکمل کیفیت لکھ رہا ہوں کوئی دوا تجویز فرمائیں۔

محترمہ آپ STAPHISGARIA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔

فرح ناز سرگودھا سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترمہ آپ SABAL SERULATTA (Q) کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں اور مبلغ 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں منی آرڈر فارم کے آخری کوپن پر اپنا مکمل پتا اور مطلوبہ دوا کا نام بی بیوٹی ضرور لکھ دیں یہ آپ کے گھر پہنچ جائے گی اس کا روزانہ مساج کریں۔

افشاں یاسر گوندل اتاوہ سے لکھتی ہیں میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترمہ آپ CALC CARB-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں یہ جو آپ بہت سی دوائیاں لے رہی ہیں ان کا استعمال بند کریں اور مبلغ 700 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں ہیئر گروور آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔ تین چار بوتل کے استعمال سے بال لمبے گھنے اور خوب صورت ہوجائیں گے۔

عمیرہ افتخار احمد منڈی بہاؤالدین سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں اور دوسرا مسئلہ میری بہن کا ہے اس کے مسوڑھے خراب ہیں جب بھی برش کرتی ہے تو مسوڑھوں سے خون آتا ہے مسوڑھے پھول گئے ہیں اور منہ سے بدبو بھی آتی ہے اس کے لیے کوئی اچھی سی دوا تجویز فرمائیے وہ بہت پریشان ہیں۔

محترمہ آپ SABAL SERULATA-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔ اس کے علاوہ 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں مساج کی BREAST BEAUTY آپ کے گھر پہنچ جائے گی دونوں چیزوں کے استعمال سے آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا اور بہن کو MERCSOL-6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پلائیں۔

حافظ منیب الرحمان چکوال سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں۔

محترم آپ CENERARIA EYE ڈراپس استعمال کریں ان شاءاللہ نظر میں بہتری آئے گی بیس سال کی عمر کے بعد قد بڑھنے کا کوئی امکان نہیں ہوتا اپنا تیسرا مسئلہ کسی مقامی ڈاکٹر کو دکھائیں۔

ح ع ڈونگہ بونگہ سے لکھتی ہیں کہ بڑی آس سے آپ کو خط لکھ رہی ہوں میرا خط شائع ضرور کرنا میرا پہلا مسئلہ ماہانہ نظام کا ہے جو دو، تین ماہ بعد آتے ہیں میرا دوسرا مسئلہ موٹاپے کا ہے میرا سینہ بھی بھاری ہوتا جارہا ہے جبکہ میری عمر ابھی بیس سال ہے پہلے میں

بہت کمزوری پر اب موٹی ہوتی جارہی ہوں مجھے اس کا
علاج بتادیں اللہ آپ کو اس کا اجر دے گا۔

محترمہ آپ SENECIO-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں ان شاء اللہ مسئلہ حل ہوجائے گا۔

نازیہ شاہین چشتیہ سے لکھتی ہیں کہ ڈاکٹر صاحب مجھے شدید قبض رہتا ہے کئی سال سے میں اس مرض میں مبتلا ہوں برائے مہربانی کوئی دوا تجویز کردیں میری عمر 60 سال ہے۔

محترمہ آپ HYDISASTIS-3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں ان شاء اللہ مسئلہ حل ہوجائے گا۔

محمد حنیف فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میری عمر اٹھائیس سال ہے میرے چہرے پر مردوں کی طرح داڑھی جیسے بال ہیں میرا ماہانہ نظام خراب ہے کبھی یہ نظام خود بخود ٹھیک ہوجاتا ہے اور کبھی خراب ان بالوں کے مسئلے کی وجہ سے میں بہت پریشان ہوں میں ان بالوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنا چاہتی ہوں۔ دوسرا مسئلہ میری بہن کا ہے اس کی عمر چودہ سال ہے اس کا مسئلہ شائع کیے بغیر دوا بتائیں۔ محترم میری دوسری بہن کا رنگ سانولا ہے اور چہرے پر دانے نکلتے ہیں جو کہ نشان چھوڑ جاتے ہیں اس کی اسکن بہت روکھی ہے کوئی بھی کریم اس کی اسکن پر اثر نہیں کرتی محترم ڈاکٹر صاحب میں نے آپ کی بڑی تعریف سنی ہے اور بڑی امید کے ساتھ آپ کو خط لکھ رہی ہوں پلیز میرا اور میری بہنوں کا مسئلہ حل کردیں آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔

محترمہ آپ PULSATILLA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں تین ماہ کا کورس مکمل کریں ان شاء اللہ ماہانہ نظام ٹھیک ہوجائے گا اور فالتو بالوں کے لیے OLIUM JAC-3X کی ایک گولی تینوں وقت کھانے سے پہلے لیا کریں اس کے علاوہ مبلغ 1500 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں الیفروڈائٹ بال ختم کرنے کے لیے اور بریسٹ بیوٹی بریسٹ کی خرابیوں دونوں دوائیں آپ کے گھر پہنچ جائیں گی اور بہن کی بریسٹ کے مسئلے کے لیے CHIMA PHILLA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پلائیں اور دوسری بہن کو GRAPHITES-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پلائیں ان شاء اللہ مسئلہ حل ہوجائے گا۔

ن ک، ڈی جی خان میری عمر بیس سال ہے میرا مسئلہ یہ ہے کہ مجھے اکثر کھانسی زکام رہتا ہے کوئی ٹھنڈی گرم چیز بھی برداشت نہیں کرسکتی دو سال پہلے میں ایک اسکول میں جاب کرتی تھی تب مجھے یہ بیماری لگی تھی سردیوں میں زکام کا مسئلہ ہوا تھا پہلے خشک ہوتی ہے جب میڈیسن استعمال کرتی ہوں تو یہ بلغم میں تبدیل ہوجاتی ہے سردیاں شروع ہوتے ہی سینہ جکڑ جاتا ہے سانس لینے میں دشواری ہوتی ہے گرمیوں میں بھی یہی مسئلہ رہتا ہے کھانسی زکام اٹھتے ہی چھینکیں آنا شروع ہوجاتی ہے ناک سے پانی بہتا رہتا ہے علاج کروں تو ہفتہ دو ہفتہ آرام آجاتا ہے پھر وہی حالت ہوجاتی ہے بلغم حلق میں گرتا رہتا ہے سر بھاری رہتا ہے زکام کی وجہ سے بہت پریشان ہوں اور میرے خاندان یعنی فیملی میں کسی کے ساتھ بھی یہ مسئلہ نہیں ہے پلیز میرا خط ضرور شائع کریں اور کوئی مناسب علاج بتادیں اس کے علاوہ دوسرا مسئلہ میری دوست کا ہے اس کے سر میں بہت درد رہتا ہے وہ بھی صرف کھوپڑی میں ہوتا ہے اور شدید قسم کا درد ہوتا ہے کبھی کبھی تو چوبیس گھنٹے رہتا ہے دوا کھانے سے وقتی آرام آتا ہے پھر وہی حال برائے مہربانی کوئی حل بتادیں جس سے

مسئلہ حل ہو جائے۔

محترمہ آپ CALC CARB-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں اور اپنی دوست کو USENEABARB-3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے دیا کریں۔

فرحت نوشہرہ سے لکھتی ہیں کہ میرے ہاتھ پیروں پر سوجن آجاتی ہے جس پر انگلی کے دبانے پر گڑھا پڑ جاتا ہے پیشاب رک کر جلن کے ساتھ آتا ہے میں اپنی اس بیماری سے بہت پریشان ہوں۔

محترمہ آپ APIS MELL-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔

ڈاکٹر شمسہ کنول جہلم سے لکھتی ہیں کہ میری والدہ ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں اور میں خود ڈی ایچ ایم ایس ڈاکٹر ہوں میری والدہ نے زیادتی کے ایک کیس میں آپ سے مشورہ طلب کیا تھا آپ کی دی ہوئی دوا انتہائی کامیاب رہی کسی کو کوئی شک تک نہ ہوا میں اپنی ایک مریضہ کی مکمل کیفیت لکھ رہی ہوں مسئلہ شائع کیے بغیر حل بتائیں۔

محترمہ آپ SEPIA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے مریضہ کو پلائیں ان شاء اللہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

خورشید احمد سیالکوٹ سے لکھتے ہیں کہ میری کمر میں شدید درد رہتا ہے ڈاکٹر مہروں کی خرابی بتاتے ہیں۔

محترم آپ THRIDION-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔

کنیز فاطمہ ملتان سے لکھتی ہیں کہ میرے جسم میں درد رہتا ہے صبح اٹھا نہیں جاتا بڑی مشکل سے حرکت کرتی ہوں پھر درد میں کچھ کمی واقع ہوتی ہے اس کے بعد چلنے پھرنے کے قابل ہوتی ہوں۔

محترمہ آپ RHUS TOX-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔

رخسانہ کراچی سے لکھتی ہیں کہ مجھے یوٹرس میں رسولی ہے کیا ہومیو پیتھک میں اس کا کوئی علاج ہے۔

محترمہ آپ تمام میڈیکل رپورٹس لے کر کلینک پر تشریف لائیں ان شاء اللہ آپ کا علاج ہو جائے گا۔

فیاض بیگ فیصل آباد سے لکھتے ہیں کہ مجھے پیشاب میں تکلیف ہے پیشاب کرنے کے باوجود بیٹھے رہنا پڑتا ہے ڈاکٹر لوگ پروسٹیڈ کے آپریشن کرانے کا مشورہ دیتے ہیں۔ میں آپریشن سے بہت ڈرتا ہوں آپریشن نہیں کرانا چاہتا۔

محترم آپ CONIUM-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں پھر بھی اگر تکلیف نہ جائے تو آپریشن ضروری ہے۔

ملاقات اور منی آرڈر کرنے کا پتا۔

صبح 10 تا 1 بجے شام 6 تا 9 بجے فون نمبر 021-36997059 ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک دکان نمبر C-5 کے ڈی اے فلیٹس فیز 4 شادمان ٹاؤن نمبر 2، سیکٹر B-14 نارتھ کراچی 75850

خط لکھنے کا پتا

آپ کی صحت ماہنامہ آنچل کراچی پوسٹ بکس 75 کراچی۔

مچھلی' زیتون کا تیل اور دھی جلد کے لیے انتہائی مفید

ایک حالیہ تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ مچھلی' زیتون کے تیل اور دہی کا استعمال جلد کے کینسر سے بچانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ جرمن یونیورسٹی میں کی جانے والی ایک تحقیق کے مطابق ان غذاؤں میں موجود اجزا جلد کو سورج کی شعاعوں سے خطرناک اثرات سے محفوظ رکھتے ہیں۔ تحقیق کے مطابق سرخ اور گہرے رنگوں کی سبزیاں اور پھل جیسے ٹماٹر' تربوز' کینوں اور گاجر بھی جلد کے کینسر سے بچاؤ میں معاون ثابت ہوسکتے ہیں۔

ہارمونز کی تبدیلی سے چھاتی کے سرطان سے بچاؤ ممکن

ماہرین طب کی ایک نئی تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ خواتین میں چھاتی کے سرطان سے بچاؤ کے لیے ہارمونز کی تبدیلی مفت ثابت ہوتی ہے۔ ایسٹروجن ہارمونز خواتین میں چھاتی کے سرطان کے خطرے کو کم کرنے میں بھرپور مدد فراہم کرتا ہے۔ یہ تحقیق معروف ماہر سرطان نے مکمل کی ہے انہوں نے نباتاتی تحقیق میں کہا کہ ہارمونز کی تبدیلی کا عمل گو کہ تمام مریض خواتین کو فائدہ نہیں دیتا مگر اس سے کسی حد تک ان خواتین کو مرض کی شدت بڑھنے کے عمل سے چھٹکارا مل جاتا ہے۔ اس تبدیلی کے عمل کو ایچ آر ٹی کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ماہرین طب نے کہا ہے کہ جن خواتین کے خاندان میں چھاتی کے سرطان کی ہسٹری موجود ہوتی ہے ان کو قبل از وقت مدد دی جاسکتی ہے۔ ماہرین نے مزید کہا کہ ابھی یہ عمل ابتدائی مراحل میں ہے اس میں مزید بہتری لاکر چھاتی کے سرطان کے خاتمے کے لیے راہ کو ہموار کیا جاسکتا ہے۔

جسم کے مدافعتی نظام سے کینسر پر کنٹرول

برطانیہ کی کیمبرج یونیورسٹی کے طبی ماہرین نے وہ نظام تلاش کرلیا ہے جس کے تحت کینسر کی رسولیاں خود کو جسم کے قدرتی دماغی نظام سے محفوظ رکھتی ہیں۔ سائنسی وطبی محققین اب ایک ایسی ویکسین تیار کرنے کے قریب پہنچ چکے ہیں جس کے تحت جسم کے مدافعتی نظام کو کنٹرول کرتے ہوئے انہیں سرطان کی رسولیوں پر حملہ کرکے انہیں تباہ کرنے کی صلاحیت کا حامل بنایا جائے گا۔ ماہرین کے مطابق اس نئی ویکسین کے ذریعے رسولیوں کے اس نظام کو نشانہ بنایا جائے گا جو انہیں جسم کے قدرتی دفاعی نظام سے محفوظ رکھتا ہے اور اس نظام کو ختم کرکے کینسر کے خلیوں کو غیر محفوظ کردیا جائے گا جو بعد ازاں جسم کے مدافعتی نظام کے حملے سے مکمل ختم ہوسکے گا۔

ثابت اناج امراض قلب و ذیابیطس سے حافظت کا ضامن

امریکی محققین نے ایک حالیہ تحقیق میں تجویز پیش کی ہے کہ روزانہ غذا میں ثابت اناج شامل کرنے سے نہ صرف دل کے امراض بلکہ ذیابیطس کے خدشات میں بھی کمی کی جاسکتی ہے۔ ماہرین کے مطابق پسے ہوئے اناج کی بہ نسبت ثابت اناج ایسے چربی کے پٹھوں کی تشکیل میں کمی کرتا ہے جو بعد ازاں دل کے امراض اور دوسرے درجے کے ذیابیطس کو بڑھانے میں ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ جو افراد زیادہ تر ثابت اناج کھانے کو ترجیح دیتے ہیں ان میں Viscerat Adipose Tissue (VAT) نامی چربی کے پٹھے تشکیل کی سطح کم ہوتی ہے۔ کئی افراد پر کی گئی اس تحقیق کے تحت یہ نتائج سامنے آئے ہیں جو افراد پسے ہوئے اناج کی نسبت دن میں تین مرتبہ ثابت اناج کو اپنی غذا کا حصہ بناتے ہیں ان میں VAT نامی پٹھوں کی تشکیل دس فیصد کم ہوتی ہے۔

روزانہ دو گلاس اورنج جوس پینے والی خواتین میں گٹھیا کا خدشہ

امریکا کی ایک حالیہ رپورٹ میں انکشاف کیا ہے کہ روزانہ دو گلاس اورنج جوس پینے والی خواتین میں گٹھیا کے مرض کے خدشات دوگناہ ہوجاتے ہیں۔ ماہرین کے مطابق اورنج جوس کے روزانہ دو گلاس پینے والی خواتین میں اس تکلیف دہ مرض کا شکار ہونے کے خدشات عام میٹھے مشروبات پینے والی

خواتین کی [illegible] زیادہ ہوتا ہے [illegible] روزانہ کا صرف ایک گلاس بھی یہ خدشات 40 فیصد تک پہنچا دیتا ہے۔
ماہرین کے مطابق زیادہ میٹھے اور Fructrose والے جوسز خون میں Aciduric نامی مادہ پیدا کرتے ہیں جو انسانی جوڑوں میں داخل ہو کر نا صرف انہیں کمزور کرتا ہے بلکہ سوجن پیدا کر کے شدید تکلیف کا باعث بھی بنتا ہے۔

ناروا رویے جلدی انفیکشن اور سوزش کا باعث بنتے ہیں

ماہرین طب نے کہا ہے کہ بدتمیزی، تکبر اور گالی گلوچ پر مبنی رویے نا صرف دوسروں کو ذہنی کوفت میں مبتلا کر دیتے ہیں بلکہ یہ رویے لوگوں کی جلد میں انفیکشن کا بھی باعث بنتے ہیں۔ اس ضمن میں امریکی ماہرین نے ۱۲۴ افراد پر تجربات کیے اور سماجی دباؤ اور جلد کی سوزش کے درمیان تعلق کو دیکھا۔ اس تحقیق میں شامل لوگوں کو شدید سطح پر سماجی ناروا رویوں کا سامنا کرنا پڑا تھا' ان لوگوں کا ناروا رویوں سے پہلے اور بعد میں تھوک کا نمونہ چیک کیا گیا جس میں واضح سطح پر کیمیکل تبدیلی تھی۔ دوسرے مرحلے میں ناروا رویوں کے بعد ۳۱ رضا کاروں کو کمپیوٹر گیمز کھیلنے کے لیے کہا گیا اور ان کی ذہنی حالت کو ایم آر آئی ٹیسٹ کے ذریعے چیک کیا گیا۔ ماہرین نے اس کے علاوہ بھی تجربات کیے اور یہ دیکھا کہ ناروا رویے دوسرے لوگوں میں جلدی انفیکشن اور سوزش کا باعث بنتے ہیں کیونکہ ان رویوں سے انسانی قوت مدافعت پر شدید دباؤ ہوتا ہے جس کے ردعمل میں سوزش کا عمل سامنے آتا ہے۔

ہرا دھنیا ہائی بلڈ پریشر و دیگر امراض میں مفید

عام طور پر کھانوں میں ہرا دھنیا صرف سجاوٹ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے لیکن ہرا دھنیا حیرت انگیز طبی فوائد کا حامل ہے۔ طبی و غذائی ماہرین کے مطابق ہرے دھنیے کا استعمال نظام انہضام' بلند فشار خون اور ہڈیوں کے امراض میں مبتلا مریضوں کے لیے بہت فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے۔ دھنیے کے بیج پانی میں ابال کر پینے سے آرتھرائٹس کے مرض میں افاقہ ہونے کے علاوہ غذا میں دھنیے کا استعمال خون میں چکنائی کی سطح کو کم کر کے دل کے امراض سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔ صرف یہی نہیں چہرے کے داغ دھبوں اور کیل مہاسوں سے بھی نجات حاصل کیا جا سکتا ہے۔

دل کے مریضوں کے لیے

بچھو کا ڈنگ زندگی کی علامت

دل کے مریضوں کے لیے بچھو کا ڈنگ زندگی کی علامت ہے۔ بچھو کا زہر دل کے بائی پاس کی ناکامی کی روک تھام میں مدد دیتا ہے۔ ایک برطانوی اخبار نے برٹش سائنس دانوں کی تحقیق کے حوالہ سے بتایا کہ بچھو کے ایک ڈنک کے زہر میں ایسا تریاق ہے جو بائی پاس کے مریضوں کے لیے فائدہ مند ہے۔ دل کے دورے سے بچنے کے لیے بائی پاس کیا جاتا ہے۔ شریانوں میں خون کے بہاؤ میں کسی بھی قسم کی رکاوٹ کو ختم کرنے کے لیے یہ عمل سر انجام دیا جاتا ہے۔ سائنس دانوں کے نزدیک بچھو کی چھال نقصان دہ نہیں ہے بلکہ اس کے ڈنک میں زہر ہلاکت خیز ہے۔ یونیورسٹی آف لیڈز کے سائنس دانوں نے اس پر تحقیق کی۔

ایشیائی ممالک ذیابیطس کی لپیٹ میں

ذیابیطس ایک ایسا مرض ہے جو دل کے مرض کی بنیادی وجہ سمجھا جاتا ہے۔ حالیہ تحقیق میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ ایشیائی ملکوں میں دنیا کے دیگر ممالک کے مقابلہ میں ذیابیطس کا مرض بڑھتا جا رہا ہے۔ ایشیائی ممالک میں جنیاتی وجوہات کی بنا پر ٹین ایجرز اور (کم عمر) نوجوانوں میں ذیابیطس کا مرض بڑھتا جا رہا ہے جس پر قابو پانے کے لیے معمولات زندگی میں تھوڑی سی تبدیلی اور خوراک کے استعمال میں احتیاط بے حد اہم ہے۔ اس سلسلے میں ماہرین کا کہنا ہے کہ ذیابیطس کے کنٹرول کا سب سے بہترین طریقہ پابندی کے ساتھ دوا کا استعمال' ایکسرسائز اور چہل قدمی کرنا ہے۔ اس کے علاوہ مناسب خوراک جو کہ چکنائی اور دیگر نقصان دہ اجزا سے پاک ہو' کا استعمال کرنے سے ذیابیطس کو نا صرف کم کیا جا سکتا ہے بلکہ جنیاتی طور پر اس مرض کی منتقلی کو بھی کم کیا جا سکتا ہے۔

❁